
پل صراط
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
قیصرہ حیات
WWW.PAKSOCIETY.COM

پُل صراط

قیصرہ حیات

انتساب!

بہت محبت کے ساتھ

پُرخلوص دوست 'عمیرہ احمد' کی

'انسان دوستی' کے نام!

"دیباچہ"

زندگی سوال ہے یا معمہ..... جہد مسلسل کا نام ہے یا جبر مسلسل کا یا کرب والم کی داستاں۔ خوشبو اور خوشیوں کا سفر ہے یا خوبصورت رنگ برنگی الجھے ریشمی دھاگوں کا جال..... شطرنج کی بساط ہے یا کھیل کا میدان.....؟

یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ جو اس کو سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے وہ اس کا جواب نہیں دے پاتا جو جواب دینے کی کوشش کرتا ہے وہ اسے حقیقت میں کچھ نہیں پاتا کیونکہ ہر ایک کا زندگی کے بارے میں مختلف تجربہ ہوتا ہے زندگی کسی سے ایک جیسا سلوک نہیں کرتی۔ یہ کسی کو عطا کرتی ہے تو کسی سے سب کچھ چھین لیتی ہے۔

یہ شطرنج کی ایسی بساط ہے جس کا مہرہ انسان ہے جو بری طرح پٹتا ہے اور ہر بار پٹنے کے بعد پھر ہمت کر کے مقابلے کے لیے تیار کھڑا ہوتا ہے۔ زندگی پھر اسے پچھاڑتی ہے، اور موت تک یہ چو مکھی کھیل جاری رہتا ہے۔ انسان ہار جاتا ہے مگر زندگی کبھی ہارتی نہیں زندگی ایسا وسیع میدان ہے جس میں بہت ہی بلند و بالا چوٹیاں سر اٹھائے کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ خواہشات، آرزوؤں، تمناؤں، خوشیوں، کامیابیوں، عزت، شہرت، دولت اور جاہ کی چوٹیاں ہوتی ہیں جو انسان کو سر کرنی ہوتی ہیں اور زندگی کا ہر پل، ہر لمحہ انسان کو مضطرب رکھتا ہے۔ جدوجہد کے لیے ابھارتا ہے کہ وہ ان چوٹیوں کو کسی نہ کسی طرح سر کرے۔ ایک کو فتح کرتا ہے تو دوسری کو سر کرنے کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے۔ حاصل اور لا حاصل کا یہ سفر اسے زندگی کی آخری سانسوں تک بے چین رکھتا ہے۔

زندگی کا سفر ہر زندہ انسان کو طے کرنا ہے۔ چاہے وہ سفر قلیل ہو یا طویل..... ہموار ہو یا نشیب و فراز سے پُر۔ ہر انسان کی زندگی میں آزمائشیں ضرور آتی ہیں۔ یہ آزمائشیں کسی بھی نوعیت کی ہوں ان کا مقصد انسان کے اندر کی ایمانی قوت، سرشت کے خاصے اور تمام جذبوں کی طاقت کو جانچنا ہوتا ہے۔ ہر آزمائش انسان کو اپنے آپ سے روشناس کراتی ہے۔ اسے رفتہ رفتہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ اس کے اندر کیا کچھ ہے وہ ایک ہی واقعے اور ایک جیسی آزمائشوں میں مختلف قسم کا ردعمل ظاہر کرتا ہے اور ہر بار خود ہی حیران ہوتا ہے۔

زندگی اور موت کے درمیان دو راستے ہیں۔ ایک خوبصورت سرسبز و شاداب، خوشیوں، لذتوں اور آسائشوں سے مزین، دوسرا کنکروں، پتھروں، رکاوٹوں، آزمائشوں اور مشکلات سے پُر..... پہلا راستہ وہ منتخب کرتے ہیں جن کے لیے دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے اور دنیا کی زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے وہ ناجائز اور حرام ذرائع استعمال کرتے ہیں اور جس کی منزل اسفل السافلین کی گھاٹیاں ہیں۔

دوسرا راستہ صراط مستقیم پر چلنے والے لوگوں کا انتخاب ہے۔ جن کے دلوں کو قدرت ایمان کے نور، روح کی سچائی اور پُر خلوص جذبوں سے سرشار کرتی ہے۔ زندگی انھیں ہر لحظہ، ہر پل آزماتی ہے۔ کیونکہ ان کی منزل "روح کی بقا اور حیات جاودانی" ہوتی ہے۔ اس منزل کو پانے کے لیے انھیں اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنا ہوتا ہے..... اور سب سے مشکل مرحلہ تب آتا ہے جب زندگی انھیں پل صراط جیسے مقام پر لا کھڑا کرتی ہے۔ جو انجانی کٹھن صبر آزما اور مشکلات سے پُر سفر ہے۔ جو انھیں خالصتاً اپنے ایمان اور اپنے اندر کی تمام مثبت قوتوں کے سہارے طے کرنا ہوتا ہے ایک قدم کی لغزش۔ ایک لمحے کی بھول اور ایک ساعت کی غفلت انھیں گہری کھائیوں میں دھکیل سکتی ہے۔ اور جو لوگ اس کٹھن مرحلے کو کامیابی سے سر کر

لیتے ہیں۔قدرت ان کو دنیا و آخرت میں اپنے لطف و کرم سے نوازتی ہے۔

میرا یہ ناول 'پل صراط' ایسے ہی کرداروں کی کہانی ہے جو 'صراط مستقیم' پر چلنے کا عہد کرتے ہیں۔ وہ اللہ پر ایمان اور اس کے احکامات کو محبت، دولت اور آسائشوں پر ترجیح دیتے ہیں۔قدرت ان کے ایمان اور سچے جذبوں کی آزمائش کرنے کے لیے انہیں پل صراط جیسے مشکل راستے پر ڈالتی ہے۔ وہ گھبرا جاتے ہیں۔ بوکھلا جاتے ہیں۔ ہر طرف تاریکی نظر آتی ہے۔ وہ صرف اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے، اس سے مدد مانگتے ہوئے اس 'پل صراط' پر قدم رکھتے ہیں۔قدرت اپنے کرم سے ان کے ایمان سے اس راستے کی ساری تاریکیاں اور رکاوٹیں دور کرتی ہے اور بالآخر وہ اس مشکل مرحلے کو کامیابی سے سر کر لیتے ہیں۔

یہ ناول ایک مشن سمجھ کر لکھا گیا ہے اور اس مشن کا کریڈٹ میری بہت عزیز دوست 'عمیرہ احمد' کو جاتا ہے جو خود بھی بہت اچھی اور مقبول مصنفہ ہیں۔ وہ جتنی اچھی مصنفہ ہیں اس سے کئی گنا اچھی انسان ہیں کیونکہ ان کے دل میں ہر انسان کے لیے اتھاہ خلوص، پیار اور ہمدردی ہے جتنی اپنے قریبی لوگوں کے لیے ہے اور قدرت اس وصف سے اپنے مخصوص اور منتخب لوگوں کو نوازتی ہے۔

ایک بار اس ناول کی کہانی زیر بحث آئی تو انہوں نے کہا کہ اس کہانی کے ذریعے شراب نوشی کے بہت اہم مسئلے کو بہت اچھے طریقے سے اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ 'جماع الخبائث' (برائیوں کی جڑ ہے) بھی ہے اور حرام بھی۔مگر اکثریت اس کو حرام نہیں سمجھتی اور کثرت سے اس کا استعمال ہو رہا ہے اور اس کی وجہ سے معاشرے میں بہت برائیاں پھیل رہی ہیں۔ یہ اخلاقیات کو بُری طرح تباہ کر رہی ہے۔اگر اس ناول کے ذریعے عام لوگوں کو کچھ معلومات بہم پہنچائی جائیں تو یہ ایک مشن ہوگا اور اس کے ذریعے چند لوگ بھی اپنی اصلاح کر لیتے ہیں تو یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ چنانچہ قرآن و حدیث اور کتب سے متعلق مواد اکٹھا کیا گیا اور میں نے اپنی جانب سے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ شراب نوشی سے انسان کی اخلاقی، جسمانی، روحانی اور معاشرتی زندگی پر جو مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں انہیں قارئین تک پہنچانے کی کوشش کروں۔

اس ضمن میں سب سے پہلے 'عمیرہ احمد' کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے 'شراب نوشی' کے مسئلے پر بہت غور و خوض کیا اور ہم دونوں نے اس پر کافی ڈسکشن بھی کی...... اور بالآخر یہ کام بخوبی سر انجام پایا۔

اس کے بعد میں محترم اکرم مرزا صاحب (فیملی فرینڈ۔لاہور) کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے مجھے اس ناول سے متعلق بہت اچھا علمی و تحقیقی مواد بہم پہنچایا اس کارِ خیر میں بھرپور تعاون کرنے پر اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے (آمین)

میں گلفراز صاحب (پبلشر علم و عرفان) کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اس موضوع سے متعلقہ کتب مجھے ارسال کیں۔نیز ان تمام احباب کے علاوہ اپنی بھانجی ن شمروز، اعجاز اور ماہم اعجاز کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے کسی نہ کسی طریقے سے اس ناول میں میری مدد کی۔ قارئین اپنی آرا اس ای میل کے ذریعے مجھ تک پہنچا سکتے ہیں qousrahayat@yahoo.com

شکریہ

طالب دعا

قیصرہ حیات

15 جون 2009ء

گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر دراز قامت، صحت مند باوردی چوکیدار نے گیٹ کھولا گاڑی تیزی سے پورچ میں داخل ہوئی۔

اسد نے گاڑی میں سے اتر کر جلدی سے دوسری جانب کا دروازہ کھولا "ویلکم ٹو یور نیو ہوم۔۔۔ مائی ڈیئر دادو" اسد نے مسکراتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں قدرے ادھیڑ عمر دراز قد خوبصورت، باوقار اور انتہائی مہذب وپرکشش عورت سے کہا جو اپنی ساڑھی کے پلو کو بڑے اسٹائل سے اپنے گرد لپیٹتے ہوئے باہر نکلیں۔ دادو کے چہرے پر انتہائی حیرت اور تجسس کے تاثرات نمایاں تھے۔

"اسد۔۔۔ بیٹا یہ سب کیا ہے؟" دادو نے تین کنال پر محیط، انتہائی شاندار محل نما گھر پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا جو قدیم وجدید طرزِ تعمیر کا حسین امتزاج لگ رہا تھا۔ سرخ اینٹوں سے بنے اس گھر میں ہر جانب بالکونیاں اور جھروکے نظر آ رہے تھے اور قدیم طرز کے ان جھروکوں کو جدید فیشن کے مطابق تعمیر کیا گیا تھا۔ بالکونیوں کے گرد لپٹی بیلیں اور ان میں سے رنگ برنگی جھانکتے ہوئے پھول انتہائی خوبصورت لگ رہے تھے۔

"دادو یہ آپ کا اور میرا اپنا گھر ہے" اسد نے مسکرا کر بتایا "مگر یہ۔۔۔ کب۔۔۔۔ اور کیسے؟ آپ نے تو مجھے کچھ بتایا ہی نہیں" دادو نے انتہائی شستہ لہجے میں پوچھا دادو اس قدر حیران ہو رہی تھیں کہ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"میں آپ کو بتا کر نہیں دکھا کر سرپرائز دینا چاہتا تھا" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو دادو بھی مسکرا کر اردگرد دیکھنے لگیں "اب اندر چلیے۔۔۔ میں آپ کو آپ کا گھر دکھاتا ہوں" اسد نے پرجوش انداز میں مسکراتے ہوئے دادو کا ہاتھ محبت سے پکڑا اور تین چار آف وہائٹ ٹائلوں سے بنی سیڑھیاں چڑھ کر ایک انتہائی خوبصورت لکڑی کے بہت بڑے دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جس پر انتہائی خوبصورت کھدائی کا کام ہوا تھا اور دروازے کے اردگرد سبز بیلیں لٹک رہی تھیں۔ وہ ایک برآمدے میں داخل ہوئے جس کا فرش خوبصورت کارپٹ ڈیزائن کی ٹائلوں سے مزین تھا اور دیواروں پر خوبصورت قدیم حویلیوں کی دیواروں کی مانند پچی کاری ہوئی تھی۔ لمبے برآمدے کے اختتام پر شیشے کی سلائیڈز والا بہت بڑا دروازہ تھا جس پر خوبصورت گلاس پینٹنگ سے پھول اور پتے بنائے گئے تھے جو دیکھنے میں استقدر دیدہ زیب اور فریش دکھائی دے رہے تھے کہ انہیں دیکھتے ہی تھکاوٹ کا احساس ختم ہو جاتا اور تازگی و سرشاری کا احساس معطر کرنے لگتا۔ دروازہ ایک بہت بڑے گول شکل کے لاؤنج میں کھلتا تھا جس کی چھت بہت اونچی تھی اور چھت بھی قدیم طرز کی نقش ونگار والی چھتوں کی مانند تھی اور اس کے عین وسط میں انتہائی قیمتی ونفیس کرسٹل کا شینڈ یلیر لٹک رہا تھا وہ جب روشن ہوتا تو اس کے چھوٹے چھوٹے برقی قمقموں سے سفید طلوتی شعاعیں پورے لاؤنج کو بھرپور انداز میں روشن کرتیں لاؤنج کی دیواریں قیمتی اور خوبصورت قدیم وجدید اسلامی خطاطی کی پینٹنگز سے مزین تھیں۔ لاؤنج کی ایک پوری دیوار فرش سے لے کر چھت تک شیشے سے بنی تھی اور اس پر بلیو سلک کا چنٹ نما پردہ بہت منفرد انداز میں لٹک رہا تھا۔ اسد نے آگے بڑھ کر ایک بٹن دبایا اور سارا پردہ اوپر کو اٹھتا گیا۔ لاؤنج سورج کی روشن کرنوں سے منور ہو گیا۔ لاؤنج میں رکھا قدیم وجدید طرز کا انتہائی قیمتی فرنیچر، ڈیکوریشن پیسز، مصنوعی پھولوں کی بیلیں اور فانوس گلاس کے پیسس خوبصورت وال ہینگنگز۔۔۔۔۔ سب کچھ استقدر منفرد اور خوبصورت تھا کہ دادو کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"دادو۔۔۔۔ آئیے۔۔۔۔ سب سے پہلے میں آپ کو۔۔۔۔ آپ کا کمرہ دکھاتا ہوں" اسد نے مسکراتے ہوئے کہا اور دادو کو دائیں جانب ایک

بہت بڑے بیڈروم میں لے گیا۔ کمرے میں قدیم سٹائل کا بیڈ تھا، اور اس پر حیدرآبادی سٹائل کی بیڈ شیٹ بچھی تھی۔ چنیوٹی کھدائی والا بہت بڑا ڈریسنگ ٹیبل۔ ایک جانب ٹو سیٹر، ٹی وی، بیڈ روم ریفریجریٹر، نفیس چائنیز پھولوں کے گلدستے اور دیوار پر مرحوم دادا جان فرید الدین کا بہت بڑا پورٹریٹ...... دادو نے مسکرا کر تصویر کی جانب دیکھا اور پھر ایک دم سنجیدہ ہو گئیں۔ کمرہ بہت منفرد انداز میں ہلکے رنگوں کے حسین امتزاج سے سجا تھا کمرے کے فرنیچر، پردوں اور کارپٹ کے کلر کو کنٹراسٹ میں دیکھ کر منہ سے بے ساختہ تعریفی کلمات ادا ہوئے تھے۔ دادو آپ کو اپنا کمرہ کیسا لگا...... سچ بتایئے گا؟" اسد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ بہت خوبصورت۔ کیا آپ نے خود ڈیکوریٹ کیا ہے۔ کیونکہ اس کمرے کی ہر چیز میں ہمارے ٹیسٹ کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ پردوں اور کارپٹ کی کلر اسکیم بھی ہماری فیورٹ ہے دادو نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"دادو جان...... آج کل یہ کام انٹیریئرز خود ہی کر لیتے ہیں...... بس ان کو اپنی چوائس اور Taste بتا دیتے ہیں...... سب کچھ تیار ملتا ہے...... آیئے اب میں آپ کو اپنا کمرہ دکھاتا ہوں اور وہ لاؤنج کی ایک جانب سے بلند ہوتی چند سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر گیا اور انہیں اپنا کمرہ دکھانے لگا۔ اس کا کمرہ بھی اس کی پسند کے مطابق انتہائی خوبصورت اور پرکشش انداز میں سجایا گیا تھا۔ دیواروں پر چائنیز پینٹنگز، ایرانی کارپٹ، کرسٹل کے ڈیکوریشن پیس، میرون کلر کے خوبصورت پردے، جن پر اسی کلر کے ستارے ہوا کے ہلکے سے جھونکوں سے ہی حرکت میں آ کر جھلملانے لگتے ہر شے میں مکمل ہم آہنگی اور خوبصورتی تھی۔ وہ دادو کو پورا گھر دکھاتا رہا۔ ڈرائنگ روم، ڈائننگ روم، گیسٹ روم، کچن، واش روم...... گھر کا ہر ہر کونہ انتہائی قرینے اور شائستگی سے سجایا گیا تھا۔ اس گھر کو دیکھ کر ایک دم پرانی محل نما حویلیوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ اس کی ڈیکوریشن میں بھی انفرادیت تھی کہ اس کی جدیدیت کو قدیم روایتی انداز میں سمویا گیا تھا۔ اس گھر کو دیکھ کر دادو کہیں کھو سی گئیں انہیں بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔

"دادو...... اب بتایئے...... کیا آپ کو اپنا گھر پسند آیا؟" وہ دادو کے قریب لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ماشاءاللہ بہت خوبصورت ہے...... خدا نظر بد سے بچائے" دادو نے محبت سے اسد کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

کسے...... ؟ مجھے یا اس گھر کو؟ اسد نے ہنستے ہوئے پوچھا دونوں کو...... آپ کو بھی...... اور...... آپ کے اس گھر کو بھی" دادو نے محبت سے کہا۔

"اوں...... ہوں...... دادو...... ہم تینوں کو...... آپ کو...... مجھے اور اس گھر کو...... یہ گھر مجھے آپ کی دعاؤں کی بدولت ملا ہے۔" اسد نے مسکرا کر دادو کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے کہا۔

"جیتے رہو...... خدا...... آپ کو اور بہت سی خوشیوں سے بھی نوازے مگر بیٹا...... ہمیں ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی...... کہ آپ کو اس نئے گھر کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ ہم پہلے جس گھر میں رہ رہے ہیں وہ بھی بہت اچھا ہے" دادو نے حیرت سے پوچھا۔

"دادو...... اس سے پہلے آپ جن گھروں میں رہ چکی ہیں۔ وہ ان دونوں سے اچھے تھے۔ بڑی بڑی حویلیوں اور محل جیسے گھروں میں آپ رہتی تھیں۔ بس میں نے سوچ رکھا تھا کہ میں ویسا تو نہیں...... مگر ان جیسا ہی ایک گھر بنواؤں گا...... جہاں ہم دونوں رہیں گے" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں...... ؟ آپ نے ایسا کیوں سوچا تھا؟ دادو نے حیرت سے پوچھا اس لئے کہ آپ جب بھی اپنے پرانے گھروں کو یاد کرتی تھیں......

افسردہ ہو جاتی تھیں اور میں نے تب ہی یہ پکا ارادہ کر لیا تھا کہ جیسے ہی میرا بزنس ترقی کرے گا میں آپ کے لئے ویسا ہی گھر بنواؤں گا...... اور آج میں بہت خوش ہوں کہ جو خواب میں نے دیکھا تھا وہ پورا ہو گیا ہے" اسد محبت بھرے لہجے میں بولا۔

"بزنس کے بعد یہ پہلی کامیابی بہت مبارک ہو" دادو نے محبت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو...... دادو...... آپ کی دعائیں میرے لئے انرجی ٹیبلٹس ہیں۔ مجھے جو انسپائریشن آپ سے ملتی ہے۔ کسی اور سے نہیں ملتی۔ اس نے دادو کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے محبت سے کہا۔

"جیتے رہو...... اللہ تعالیٰ آپ کو بہت خوشیاں اور کامیابیاں دے۔ بیٹا...... آپ کو جب بھی کوئی کامیابی ملتی ہے تو مجھے آپ کے ماں باپ بہت یاد آتے ہیں...... وہ زندہ ہوتے تو کس قدر خوش ہوتے" دادو کی آنکھیں ایکدم نم ہونے لگیں۔

"ہاں...... میں بھی انہیں بہت مس کرتا ہوں۔ مگر آپ کو اپنے پاس پا کر مطمئن ہو جاتا ہوں کہ آپ تو میرے پاس ہیں نا...... مجھے دعائیں دینے کے لئے...... مجھ سے محبت بھری باتیں کرنے کے لئے...... اور مجھ سے ہر بات شیئر کرنے کے لئے......" اس نے محبت بھرے انداز میں کہا تو دادو مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں۔

اور ہم بھی اکثر سوچتے ہیں کہ ظہیر الدین اور قرۃ العین کی وفات کے بعد اگر آپ ہمارے پاس نہ ہوتے تو ہم کیا کرتے" دادو نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"اللہ کو معلوم تھا کہ دادو اور اسد ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے اس لئے دونوں کو ایک دوسرے کا پارٹنر بنا دیا" اسد نے محبت سے کہا اور اب اسد کو ایک اور نئے پارٹنر کی ضرورت ہے...... اس لئے اللہ نے اسد کو نیا گھر دیا ہے" دادو نے محبت سے جواب دیا۔

"کیا مطلب......؟ اسد نے چونک کر پوچھا۔"

"بیٹا...... یہ گھر بہت خوبصورت ہے مگر نامکمل اور ادھورا ہے...... گھر تب مکمل ہوتا ہے جب اس میں خوش باش، ہنستا بستا خاندان رہتا ہے...... سب مل کر گھر کو جنت بناتے ہیں...... اس لئے اب آپ کی شادی بہت ضروری ہے" دادو نے پیار سے کہا۔

"کم آن دادو...... میرا موڈ مت خراب کریں۔ ابھی میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔ ابھی مجھے صرف اور صرف اپنا بزنس دیکھنا ہے۔ وقت ملا تو شادی کا بھی سوچ لوں گا" اسد نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ ہر کام وقت پر ہی اچھا لگتا ہے...... اور شادی بھی مناسب وقت پر ہی ٹھیک رہتی ہے" دادو نے کہا۔

"سوری دادو...... میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔ شادی تو کسی بھی وقت کی جا سکتی ہے۔ اٹس ناٹ بگ پرابلم۔ البتہ کامیابی Success کا ایک مخصوص وقت ہوتا ہے۔ یہ وقت گزر جائے تو پھر بہت زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے...... انسان کے پاس Success کا مارجن اور آپشنز بہت کم ہوتی ہیں۔ اس لئے پہلے میں اپنے بزنس کو بہت پھیلانا چاہتا ہوں۔ باقی باتیں بعد میں سوچوں گا" اسد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آپ اپنی منطق اپنے پاس رکھیے۔ ہم وہی کریں گے جو ہم نے سوچ رکھا ہے۔" دادو نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"مگر..... پلیز..... فی الحال نہیں" اسد نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"فی الحال تو ممکن بھی نہیں۔ کیونکہ ہمیں جس طرح کی لڑکی کی تلاش ہے۔ وہ ابھی تک ہمیں ملی بھی نہیں۔" دادو نے سوچتے ہوئے قدرے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اور..... ملے گی بھی نہیں" اسد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیوں.....؟" دادو نے حیرت سے پوچھا۔

"دادو آپ جیسی گریس فل۔ ویل مینرڈ اور چارمنگ لیڈی کی چوائس بھی تو آپ کی طرح ہی یونیک ہوگی نا۔ اور "یونیک" لوگ آسانی سے نہیں ملتے" اسد نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"آسانی سے تو نہیں..... مگر..... مل ضرور جاتے ہیں۔ اور ہمیں پکا یقین ہے..... ہمیں ضرور ایسی لڑکی مل جائے گی۔" دادو نے مسکرا کر کہا

"گڈ لک ٹو یو..... لیکن فی الحال گھر کی سیلیبریشن کے بارے میں سوچیئے..... کیوں نا فیملی فرینڈز کی ایک گیٹ ٹو گیدر کر لیں..... کچھ ہلا گلا ہو جائے....." اسد نے مسکراتے ہوئے رائے دی۔

"بیٹا..... نعمتیں پروردگار کا انعام اور اس کا کرم ہوتی ہیں..... اس لئے نعمتیں ملنے پر اسکا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور ہماری خاندانی روایات یہی رہی ہیں کہ ایسی خوشی کے موقع پر پروردگار کے ذکر کی محفل منعقد کر کے اس کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔ مگر اس کی بہت بڑی عطا اور نعمت ہے اس لئے اس میں سب سے پہلے محفل میلاد ہونی چاہیے۔

آپ کے دادا مرحوم اور ہماری ساس تو ہر اچھی خبر کے فوراً بعد ہی صدقات، خیرات اور اللہ کے ذکر کی محفلیں منعقد کراتے تھے۔ اور سچ پوچھئے تو گھر میں ہر وقت خوشیاں، رحمتیں اور برکتیں رہتی تھیں..... دولت اور اناج کی فراوانی رہتی تھی..... مگر جب وہ دونوں اس دنیا سے چلے گئے اور ہم اکیلے رہ گئے۔ آپ کے والد نے آرمی جوائن کر لی اور ہم ظہیر الدین اور بہو بیگم کے ساتھ رہنے لگے تو پھر وہ سب کچھ نہ کر سکے۔ جو کچھ کرنے کے عادی تھے۔ پھر ظہیر الدین اور بہو بیگم کی موت کے بعد تو بس دل ہی ہر شے سے بے زار ہو گیا۔ مگر اب خدا کا شکر ہے آپ کو خوش دیکھ کر ہم پھر سے زندہ ہو گئے ہیں....." دادو نے نم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دادو..... آپ جو چاہتی ہیں..... کیجئے..... یہ آپ کا گھر ہے..... بس آپ مجھے حکم کر دیجئے..... جو چاہیے ہوگا..... وہ حاضر ہو جائے گا" اسد نے سعادتمندی سے جواب دیا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ میلاد کی ویسی ہی زبردست قسم کی محفل کرائیں جو کبھی پرانی حویلی میں آپ کے دادا جان کی زندگی میں کرواتے تھے۔ حویلی کے در و دیوار سے کئی کئی روز تک گلاب اور عطر کی خوشبوئیں نہیں جاتی تھیں۔ اور محفل کی برکت سے ہر طرف خوشی کا سا سماں رہتا تھا۔

دادو نے ماضی کے دھندلکوں میں کھوئے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کو جو نعت خوان خواتین پسند ہوں۔ ان کے نام لکھ دیجئے گا..... میں ان کو انوائیٹ کر لوں گا" اسد نے کہا آپ کے دادا

مرحوم کے ایک دوست تھے مولوی اکبر علی...... ان کی دو صاحبزادیاں۔ ذکیہ اور رقیہ ہمارے ہاں اکثر میلاد کی محفلیں پڑھنے آتی تھیں...... ایسا خوبصورت تلفظ اور آواز میں ترنم تھا کہ آج تک سننے میں نہیں آیا...... مولوی صاحب نے خود ان کو قرأت اور نعتیں پڑھنا سکھائیں تھیں...... ان کو سن کر ایسا وجد طاری ہو جاتا تھا کہ بتا نہیں سکتے۔ اگر کسی طرح ذکیہ یا رقیہ سے رابطہ ہو جائے تو......" دادو جملہ ادھورا چھوڑ کر گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

آپ مجھے ان کا ایڈریس دے دیجئے گا میں ڈرائیور کو بھیج کر ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا" اسد نے جواب دیا۔

"وہ ہمارے پرانے محلے میں رہتی تھیں...... معلوم نہیں اب کہاں ہوں...... ہم خود ڈرائیور کے ساتھ جا کر ان کے بارے میں معلوم کریں گے" دادو نے سنجیدگی سے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے...... جب آپ نے جانا ہو گا۔ مجھے بتا دیجئے گا...... میں ڈرائیور کو بھیج دوں گا" اسد نے کہا۔

اسد کا موبائل بجنے لگا اور وہ باتیں کرتا ہوا لاؤنج سے باہر چلا گیا۔ دادو گہری سوچ میں گم تھیں۔ جب وہ واپس آیا۔

"دادو...... میں ایک اہم بزنس میٹنگ میں جا رہا ہوں۔ دعا کیجئے۔ ڈیلیگیشن کے ساتھ یہ بزنس ڈیل ہو جائے...... کروڑوں کا فائدہ ہو گا" اسد نے موبائل اپنے کوٹ کی پاکٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"بیٹا...... ہماری ساری دعائیں آپ کے لیے ہی تو ہیں۔

خدا آپ کو زندگی کے ہر قدم پر کامیابیاں اور خوشیاں دے"

دادو نے دعا دیتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو...... سویٹ دادو...... گھر کے پیچھے ایک پورشن خیرن بوا اور ان کی فیملی کے لئے بھی ہے بوا اور دوسرے ملازمین بھی اسی میں رہیں گے...... آپ ان سب کو بھی بلوا لیجئے......" اسد نے جلدی جلدی کہا اور اس کا موبائل پھر بجنے لگا۔ اس نے نمبر دیکھ کر کال رجیکٹ کر دی۔ اب میں جا رہا ہوں...... اپنا خیال رکھئے گا۔ اسد کہہ کر جلدی سے باہر چلا گیا اور دادو اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

☆

مریم بی۔ ایس سی کے ایگزامز کی تیاری میں مصروف تھی۔ وہ چھوٹے سے صحن کے ساتھ ملحقہ برآمدے میں بچھے بوسیدہ سے تخت پوش پر کتابیں اور نوٹس پھیلائے بیٹھی پڑھ رہی تھی اور اس کی ماں ذکیہ چھوٹے سے باورچی خانے میں دوپہر کا کھانا بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ مریم اپنے دوپٹے کو قرینے سے سر پر پھیلاتی ہوئی دروازے کی طرف گئی اور سر باہر نکال کر جھانکا۔

ایک ادھیڑ عمر، خوبصورت جاذب نظر عورت سادگی کے پلو سے سر ڈھانپے اور کندھوں پر شال لئے کھڑی تھی۔ اس کے ہمراہ ایک باوردی ڈرائیور قدرے مؤدب انداز میں کھڑا تھا۔

"السلام علیکم...... بیٹا...... کیا یہ مولوی اکبر صاحب کی صاحبزادی ذکیہ بیگم کا گھر ہے" عورت نے انتہائی شستہ لہجے میں پوچھا۔

"جی...... جی...... ہاں......" مریم نے قدرے حیرانگی سے بوکھلا کر جواب دیا۔ کیا ہم اندر آ سکتے ہیں......؟" عورت نے اجازت طلب

کی۔ اس سے قبل کہ مریم کچھ کہتی۔ اچانک زکیہ نے مریم کے پیچھے سے جھانکا ارے..... سطوت آپا..... آپ؟ زکیہ قدرے حیرانگی سے اور انتہائی خوشی کے ملے جلے جذبات سے بولی۔ مریم فوراً پیچھے ہٹ گئی۔

"آپا..... اندر تشریف لائیے نا..... آپ باہر کیوں کھڑی ہیں؟ زکیہ کی آواز میں بے انتہا خوشی تھی۔

"آپ گاڑی میں ہمارا انتظار کیجئے۔ ہم تھوڑی دیر بعد آتے ہیں۔"

سطوت آپا نے ڈرائیور سے کہا اور گھر کے اندر داخل ہو گئیں۔

زکیہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے دو کمروں اور چھوٹے سے صحن اور برآمدے پر محیط گھر میں سطوت آپا کو کہاں بٹھائے اسے تو اپنا پورا گھر سطوت آپا کے شایانِ شان نظر نہیں آ رہا تھا آپا..... اندر تشریف لے آئیے" زکیہ نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ جس میں چند کرسیاں اور ایک پرانا پلنگ بچھا تھا۔ کمرے کے درمیان ایک چھوٹا سا میز تھا۔ کرسیوں اور میز پر سفید کڑھائی والے کور تھے۔ کڑھائی کے پرانے ڈیزائن سے معلوم ہو رہا تھا کہ بہت پرانے تھے۔

"ارے زکیہ..... ہم ادھر ہی بیٹھ جاتے ہیں..... ہمارا اپنا گھر ہے..... تکلف کی کوئی بات نہیں" سطوت آپا نے تخت پوش پر بیٹھتے ہوئے کہا اور مریم نے جلدی سے اپنی کتابیں وہاں سے سمیٹیں اور ان کو دوسرے کمرے میں رکھنے چلی گئی۔

"سطوت آپا..... مجھے تو بالکل بھی یقین نہیں آ رہا کہ آپ میرے گھر تشریف لائی ہیں اور وہ بھی اتنے سالوں کے بعد..... آج اچانک" زکیہ نے فرطِ جذبات سے لبریز آواز کے ساتھ کہا۔

آپ تو جانتی ہیں کہ ہمارے شوہر کی وفات پھر بیٹے اور بہو کی حادثے میں موت کے بعد زندگی نے ایسا رخ بدلا کہ ہمیں اپنی ہوش نہ رہی..... اللہ کا شکر ہے۔ وہ تلخ وقت خیریت سے گزر گیا..... ابھی کچھ آسودگی اور فرصت میسر آئی ہے تو آپ کی بھی یاد آ گئی سطوت آپا نے قدرے تاسف سے اور پھر مسکراتے ہوئے بتایا۔

ہاں..... انسان کو کیا پتا ہوتا ہے کہ قدرت نے اس کے لیے کیا کیا آزمائشیں رکھی ہوئی ہیں..... پھر انسان کے پاس صبر کے علاوہ کوئی اور راہ نہیں رہتی۔" زکیہ نے بھی افسردگی سے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں صبر اور شکر کے علاوہ انسان اور کیا کر سکتا ہے..... ہمیں آج آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے" سطوت آپا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے..... میں باتوں میں بھول ہی گئی۔ مریم بیٹا..... جلدی سے چائے لے کر آؤ..... سموسے کباب اور بسکٹ بھی لے کر آنا" زکیہ نے مریم سے کہا۔

"زکیہ بیگم..... کوئی تکلف نہ کیجئے..... ہم ابھی چائے پی کر آئے ہیں..... بس آپ ہمارے پاس بیٹھیے" سطوت آپا نے محبت سے کہا۔

"ارے آپا..... یہ کیسے ممکن ہے کہ میں آپ کو چائے کے بغیر جانے دوں..... میں آپ کی خدمت کے قابل کہاں..... تھوڑی سی خاطر

تواضع کر لینے دیجئے" زکیہ آپا نے محبت سے کہا۔

"نہیں.....نہیں.....زکیہ ایسی کوئی بات نہیں.....آپ اصرار کر رہی ہیں تو صرف چائے کا ایک کپ....." سلوت آپا نے مسکرا کر جواب دیا۔

"سلوت آپا.....آپ کو اپنے سامنے دیکھ کر مجھے اسقدر خوشی ہو رہی ہے کہ بیان سے باہر ہے" زکیہ نے خوش ہو کر کہا۔

"ہمیں اندازہ ہو رہا ہے۔دلوں میں محبت موجود ہو تو فاصلے کبھی انسانوں کو ایک دوسرے سے دور نہیں کر سکتے۔"

"سلوت آپا نے محبت سے زکیہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"آپا.....اور سنائیے اب زندگی کیسی گزر رہی ہے؟ زکیہ نے پوچھا بس کیا بتائیں.....بہو اور بیٹے کی وفات کے بعد ان کا بیٹا اسد دس سال کا تھا۔اس کی پرورش اور تعلیم وتربیت میں ہم اسقدر مصروف رہے کہ وقت ہی نہیں ملا۔اب ماشاءاللہ اسد جوان ہو چکا ہے۔انہوں نے ڈیفنس میں بہت بڑا اور خوبصورت گھر بنوایا ہے اور اب ہم اس گھر میں ویسی ہی میلاد کی محفل منعقد کرانا چاہتے ہیں.....جس طرح کی ہماری حویلی میں ہوتی تھیں آپ اور رقیہ بیگم ہمیں سب سے پہلے یاد آئیں۔آپ دونوں بہنوں کی طرح میلاد کی محفل کوئی اور نہیں پڑھ سکتا....." سلوت آپا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے آپا.....بہت مبارک ہو.....مگر رقیہ تو شادی کے بعد بہاولپور رہتی ہے اور مجھے سانس کا مسئلہ ہے۔اب کہاں قرأت اور نعتیں پڑھ سکتی ہوں.....سانس اکھڑ جاتی ہے" زکیہ نے افسردگی سے کہا۔

اوہ.....یہ تو آپ نے مایوسی کی خبر سنائی' سلوت آپا نے افسردگی سے کہا مریم چائے کی ٹرے لے آئی اور چائے بنا کر کپ سلوت آپا کو پکڑایا۔شکریہ.....بیٹے.....آپ کونسی کلاس میں پڑھ رہی ہیں۔سلوت آپ نے قدرے ملائمت اور محبت سے پوچھا۔

بی ایس سی کے ایگزامز کی تیاری کر رہی ہوں" مریم نے جواب دیا۔

"ماشاءاللہ.....جیتی رہیے.....زکیہ.....کیا آپ کی ایک ہی بیٹی ہے؟ سلوت آپا نے پوچھا۔

"اس سے بڑی مومنہ ہے.....وہ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے.....ابھی یونیورسٹی سے واپس نہیں آئی....." زکیہ نے جواب دیا۔

"اور.....ان کے والد.....؟ سلوت آپا نے پوچھا۔

"مریم دو سال کی اور مومنہ چار برس کی تھی جب ان کے ابا کا انتقال ہو گیا.....آپا کیا بتاؤں۔زندگی کیسے گزری۔ اللہ کے سوا کوئی آسرا نہیں تھا۔شکر ہے مولا کا۔جس نے ہمت ٹوٹنے نہیں دی۔اور زندگی کا سفر جیسے تیسے کٹ گیا۔زکیہ نے قدرے افسردگی سے جواب دیا۔

آزمائشیں انسان کے لئے ہی تو بنی ہیں.....ہم تو بہت پُر امید ہو کر آئے تھے اور بہت تلاش کے بعد آپ کا گھر ملا ہے مگر یہ افسوس ہو رہا ہے کہ آپ میلاد نہیں پڑھ سکتیں سلوت آپا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آپا.....آپ فکر کیوں کر رہی ہیں.....میں نے اپنی دونوں بچیوں کو ویسی ہی قرأت اور نعتیں پڑھنا سکھائی ہیں.....جس طرح ہمارے ابا

مرحوم نے مجھے اور رقیہ کو سکھائیں تھیں اور مومنہ نے تو ماشاءاللہ سکول اور کالج میں نعت اور قرأت کے مقابلے جیتے ہیں۔اس کو تو بہت سے انعامات اور ٹرافیاں ملی ہیں" زکیہ نے خوش ہو کر بتایا۔

"ماشاءاللہ......ماشاءاللہ...... یہ پروردگار کا اپنے خاص بندوں پر خاص کرم ہوتا ہے جنہیں وہ اپنی حمد وثناء اور اپنے محبوب کی نعتیں پڑھنے کے لئے منتخب کرتا ہے۔مولوی صاحب کے گھرانے پر اللہ پاک کا بڑا فضل رہا ہے......" سلوت آپا نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"مریم کے تو امتحان ہونے والے ہیں لیکن میں مومنہ کو بھیج دوں گی" زکیہ نے کہا۔

"ہمیں خوشی ہوگی اگر آپ خود بھی مومنہ بیٹی کے ساتھ تشریف لائیں۔ہم آپ کو لینے کے لئے اپنا ڈرائیور بھیج دیں گے۔"سلوت آپا نے کہا۔

"ٹھیک ہے......میں پوری کوشش کروں گی" زکیہ نے جواب دیا۔

"اب ہم چلتے ہیں......" سلوت آپا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دروازہ کھلا اور ایک دراز قد نقاب پوش لڑکی گھر میں داخل ہوئی۔

"مومنہ آگئی ہے" زکیہ نے خوش ہو کر بتایا۔

السلام علیکم......مومنہ نے نقاب سرکا کر سلام کی۔

"وعلیکم السلام......جیتی رہو۔ابھی ہم آپ کا ہی ذکر کر رہے تھے" سلوت آپا نے محبت سے کہا تو جواباً مومنہ مسکرا دی۔

"خدا حافظ" سلوت آپا نے زکیہ کے گلے ملتے ہوئے کہا اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

زکیہ مریم اور مومنہ انہیں دروازے تک رخصت کرنے آئیں۔سلوت آپا اپنی ساڑھی کو تھوڑا سا زمین سے اٹھا کر قدرے شاہانہ انداز میں گلی میں سے گزر رہی تھیں۔

"واہ......کیا گریس فل پرسنالٹی ہیں......امی یہ کون ہیں؟ مریم نے دروازہ بند کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"یہ میرے والد کے بہت قریبی دوست فرید الدین کی بیگم صاحبہ ہیں۔یہ لوگ انڈیا کے شہر حیدرآباد سے ہجرت کر کے آئے تھے اور ہمارے محلے سے باہر ایک بڑی حویلی ان کو الاٹ ہوئی تھی۔یہ بڑے خاندانی اور رکھ رکھاؤ والے لوگ تھے۔بڑے مذہبی پرہیزگار اور امیر کبیر لوگ ان کے گھرانے کی پورے علاقے میں بہت عزت تھی۔سلوت آپا کی ساس نواب بیگم ان کی دو نندیں مہر النساء اور زیب النساء سب بڑی باکمال عورتیں تھیں۔ان کے لباس، ادب و آداب، رہن سہن سب اسقدر شاہانہ تھے کہ ہم لوگ جب بھی ان کی حویلی جاتے تو حیرت سے انہیں دیکھتے رہ جاتے یوں لگتا جیسے ہم مغلیہ دور کے کسی شاہی محل میں چلے گئے ہوں ان کی حویلی میں لمبے لمبے ستونوں والے محرابی برآمدے چاندنیاں اور ان کے ساتھ بالکونیاں، جھروکے کھڑکیوں اور محرابوں پر لٹکتے سنگ اور نفیس جالی کے پردے......مسندیں اور ان پر مخمل کے خوبصورت کشن اور گاؤ تکیے۔نفیس چاندی کے کھدائی والے برتن......حیدرآبادی کڑھائی کی چادریں......سب کچھ اسقدر منفرد روایتی اور خوبصورت لگتا کہ ہم لوگ تو بس دیکھتے رہ جاتے......

ذکیہ نے ماضی کے دھندلکوں میں کھو کر بتایا۔

''اور امی...... کیا ان کی عورتیں گھر میں اسی طرح ساڑھیاں پہنتی تھیں؟ مریم نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔تب تو سطوت آپا اور ان کی نندیں سلک اور ساٹن کے غراروں کے ساتھ ٹشو اور جالی کے بڑے بڑے دوپٹے لیتی تھیں۔ بہت نفیس کندن اور چاندی کے زیورات، مدراس اور حیدر آبادی ستائل کے کنگن اور چوڑیاں پہنتیں کیا سج دھج اور آن بان ہوتی تھی۔ سطوت آپا تب درمیانی عمر میں تھیں اور ہم لوگ جوان لڑکیاں۔ لیکن سطوت آپا ہم سے زیادہ جوان اور خوبصورت دکھائی دیتی تھیں۔ ان کا انداز گفتگو اور ادب و آداب بہت نرالا تھا۔ سنا تھا کہ سطوت آپا لکھنو کے کسی نواب کی بیٹی تھیں اور سسرال بھی اچھا خاندان تھا۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ جو بیوی کے ساتھ حادثے میں جاں بحق ہو گیا۔ زیب النساء بیاہ کر انڈیا واپس چلی گئی اور مہر النساء کی بہاولپور کے کسی نواب خاندان میں شادی ہوئی۔ ساس اور سسر کے مرنے کے بعد پھر یہ خاندان بکھر گیا۔ پھر کچھ مالی حالات بھی برے ہو گئے مگر حالات چاہتے بھی بدل جائیں۔ خاندانی وقار اور شان و شوکت تو خون میں سے نہیں جاتی نا۔ گو کہ آج اور کل کی سطوت آپا میں بہت فرق آ گیا ہے لیکن ابھی بھی ان کو دیکھ کر فوراً ہی ان کے خاندانی وقار اور شان و شوکت کا اندازہ ہو جاتا ہے ذکیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''امی۔۔۔ آپ کی ان سے کیسے ملاقات ہوئی؟'' مومنہ نے مجبل سے برتن اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''میرے ابا ان کی حویلی میں مہر النساء اور زیب النساء کو قرآن پاک کی قرأت، ترجمہ و تفسیر پڑھانے جاتے تھے۔ اور ان کا گھرانہ بے حد مذہبی تھا۔ آئے روز میلاد اور قرآن خوانی کے سلسلے میں رقیہ اور میں ان کے ہاں جاتے تھے۔ ہم سے یہ لوگ بہت محبت اور عزت سے پیش آتے۔ یہ ایسا با اخلاق خاندان تھا کہ امیر و غریب کا فرق کیے بغیر ہر ایک کی خوشی و غمی میں سطوت آپا اور ان کی ساس شریک ہوتیں صدقے و خیرات اور نیاز دینے میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ جونہی فصل حویلی میں آتی تو سب سے پہلے محلے کے غریب غرباء کا حصہ نکالا جاتا پھر بقیہ حویلی کے گوداموں میں محفوظ کی جاتی۔ میلاد کی شیرینی کی نیاز اس قدر کثرت سے بانٹی جاتی کہ اس روز پورے محلے میں کسی کے گھر کھانا نہ پکتا۔ سب کو حویلی سے ہی کھانا آ جاتا۔ غریبوں کی بہت مدد کرتے۔ ہمسایوں کا بہت خیال رکھتے اور مہمانوں کی بہت خاطر و تواضع کرتے...... بس کیا بتاؤں...... یہ کیسے اچھے لوگ ہیں...... اب ایسے لوگ کہاں؟ ذکیہ نے قدرے تاسف سے کہا۔

''امی...... اس لئے آپ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی ہیں؟ مریم نے تجسس سے پوچھا۔

بیٹا...... سطوت آپا کا میرے ہاں آنا...... میرے لیے تو بہت اعزاز کی بات ہے۔ کہاں سطوت آپا اور کہاں میں......؟

ذکیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

امی...... ہیں تو انسان ہی نا...... آپ اپنے آپ کو اتنا کمتر کیوں خیال کر رہی ہیں؟ مومنہ نے کہا۔

بیٹا...... یہی تو ان لوگوں کی اچھی بات ہے کہ انہوں نے ہمیشہ دوسروں کو بھی انسان سمجھا ہے اور اپنے آپ کو بھی...... بات احساس کمتری کی نہیں...... ان کی عظمت کی ہے...... سب انسان ایک جیسے تو نہیں ہوتے نا...... کچھ کو اللہ تعالیٰ بہت عزت اور شان و شوکت سے نوازتا ہے کہ

دوسرے ان کو دیکھ کر حسد کرنے لگتے ہیں یا رشک یا پھر مرعوب ہو جاتے ہیں۔ میں تو ہمیشہ ان کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھ کر مرعوب ہوتی ہوں۔ زکیہ نے جواب دیا۔

"واقعی......امی ٹھیک کہہ رہی ہیں...... میں خود ان سے مل کر بہت متاثر ہوئی ہوں۔ یہ دوسروں کی عزت اور قدر کرنے والی لگی ہیں" مریم نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

بیٹا......صرف عزت نہیں بلکہ بہت عزت کرنے والی ہیں"

زکیہ کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح سلوت آپا کی تعریف کرے۔

"امی کو آج میں نے بہت عرصے بعد اتنا خوش دیکھا ہے۔" مریم نے مسکراتے ہوئے مومنہ کو بتایا۔

"ہاں......واقعی میں آج بہت خوش ہوں...... سلوت آپا نے آ کر پرانے خوبصورت دن یاد کرا دیے ہیں...... مومنہ بیٹے ان کے ہاں میلاد شریف کی محفل میں جانا ہے اور تم اچھی سی نعتیں تیار کر لینا اور میرے صندوق میں سے کوئی دو نئے سوٹ نکالنا...... میں اپنے اور تمہارے لئے نئے سوٹ بناؤں گی...... ہم میلاد کی محفلوں میں اکثر نئے سوٹ سی کر دوپٹوں کو گوٹا کناری اور ابرک لگا کر بڑی سج دھج سے جاتی تھیں۔ سچ بہت لطف آتا تھا۔" زکیہ نے خوش ہو کر بتایا۔

"آپ دونوں نئے سوٹ پہنیں گی اور...... میں؟" مریم نے منہ بنا کر پوچھا۔

"ارے بھئی...... تمہیں بھی سی دوں گی...... مگر ابھی صرف میں اور مومنہ نئے سوٹ پہنیں گی" زکیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"امی آپ نے تو کبھی ایسی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ میں ابھی سوٹ نکالتی ہوں۔" مومنہ نے خوش ہو کر کہا۔

"شام کو نکالنا۔ ابھی بچے قرآن پاک اور ٹیوشن پڑھنے آ جائیں گے۔ ان کی توجہ پڑھائی سے ہٹ جائے گی" زکیہ نے کہا اور کچن میں آ کر کھانا بنانے لگی۔

☆

راشد گھر آیا تو اس کی پینٹ اور شرٹ کی جیبیں کھانے پینے کی چیزوں سے بھری ہوئی تھیں...... اس کے دونوں ہاتھوں میں ہاف رول پیک بسکٹ تھے اور وہ بڑے مزے سے انہیں کھا رہا تھا۔

"اے منی......بسکٹ کھائے گی" راشد نے اپنے سے چھوٹی چودہ سالہ بہن کو کہا جو اپنے خستہ حال گھر کے کچے صحن میں جھاڑو لگا رہی تھی۔

"ہاں......دے دے......" منی نے منہ میں پانی بھر کر جواب دیا۔ راشد نے اسے دو بسکٹ دیئے۔ وہ بھی مزے سے کھانے لگی۔

راشد......تم نے پیسے کہاں سے لیے ہیں...... اور تیری جیبیں بھی چیزوں سے بھری ہیں" ان کی بڑی بہن سدرہ نے کمرے سے آ کر پوچھا۔ بسکٹ کھاؤ گی راشد نے ہنستے ہوئے پوچھا...... مجھے یہ بتا کہ تمہارے پاس پیسے کہاں سے آئے ہیں؟ سدرہ نے خفگی سے ڈانٹتے ہوئے پوچھا۔

"جہاں سے بھی آئے ہوں۔ تو بسکٹ کھائے گی یا نہیں" راشد نے قدرے رعب سے پوچھا۔

''راشد...... صاف صاف بتا...... ورنہ میں تجھے بہت پیٹوں گی''

سدرہ نے غصے سے اپنا ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور رشیدہ گھر میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں مختلف لفافے تھے جن میں اکثر وہ لوگوں کے گھروں میں کام کاج کے بعد بچا کھچا کھانا لاتی تھی اور اس کے بچے شدت سے ان کھانوں کا انتظار کرتے تھے جیسے ہی وہ کھانے لاتی وہ ان پر جھپٹ پڑتے سدرہ اور راشد کو جھگڑتے دیکھ کر اس نے منہ بنایا۔

''ایک تو تم دونوں کا جھگڑا ختم نہیں ہوتا۔ گھر میں قدم رکھتے ہی تم دونوں کی تکرار سننے کو ملتی ہے''اب کیا تکلیف ہوئی ہے'' رشیدہ نے غصے سے سدرہ اور راشد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اماں...... یہ دیکھ اس کی جیبیں ٹافیوں، چاکلیٹ سونف سپاریوں اور چیونگم سے بھری ہیں۔ ہاتھ میں یہ بسکٹ بھی ہیں پوچھ رہی ہوں کہ پیسے کہاں سے لیے۔ مگر بتا ہی نہیں...... تو ہی اس سے پوچھ سدرہ نے غصے سے کہا۔

''ادھر...... آ میرا بیٹا...... بتا کہاں سے پیسے لیے؟'' رشیدہ نے راشد کو اپنے پاس چارپائی پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''اماں...... وہ ہماری چھت پر لوہے کے پرانے پائپ تھے نا وہ میں نے بیچے ہیں۔'' راشد نے آہستہ سے بتایا۔

''آ...... ہائے...... وہ تو ساتھ والے ہمسایوں نے ہماری چھت پر امانت کے طور پر رکھے تھے...... اماں...... یہ دیکھ اس نے کیا کیا ہے......؟ اس نے امانت میں خیانت کی ہے'' سدرہ غصے سے اسے ڈانٹتے ہوئے بولی۔

میں نے کوئی امانت میں خیانت نہیں کی۔ اتنے قیمتی تھے تو انہوں نے ہماری چھت پر رکھے ہی کیوں؟ مجھے فضول کچرا لگے تو میں نے بیچ دیئے۔ راشد ہٹ دھرمی سے بولا۔

''انہوں نے ہم پر اعتبار کیا...... انہیں کیا معلوم کہ ہمارے گھر میں ایسا چور بھی ہے...... جو ان کی اجازت کے بغیر ان کی چیزیں اٹھا کر بیچ دے گا۔'' سدرہ نے غصے سے کہا۔

''آپا...... زیادہ بکواس نہ کر...... ورنہ تیرا لحاظ نہیں کروں گا راشد سدرہ کو گھورتے ہوئے بولا۔

''اے سدرہ۔ چل اپنی بک بک بند کر...... ادھر آ میرا بیٹا...... مجھے بتا کتنے روپوں میں پائپ بیچے ہیں؟ رشیدہ نے للچائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''دو سو روپے کے بیچے ہیں......'' راشد منہ بنا کر بولا۔

''اور تو نے دو سو ہی خرچ کر دیے۔ رشیدہ نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں...... سو روپے بچ گئے ہیں'' راشد نے جیب میں سے سو روپے نکال کر ماں کو دکھائے۔

''چل یہ مجھے دے دے......'' رشیدہ نے خوشامدی لہجے میں کہا یہ لے...... اور اب تو خود ہی ساتھ والوں کو سنبھال لینا''۔ راشد نے ہاتھ

کے اشارے سے ساتھ والے ہمسایوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تو فکر نہ کر...... میں سنبھال لوں گی" رشیدہ نے مسکراتے ہوئے سو روپیہ دوپٹے کے پلو سے باندھا۔

راشد مطمئن اور خوش سیٹی بجاتا۔ سدرہ کی طرف فاتحانہ انداز میں دیکھتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔

"اماں...... یہ تو نے کیا کیا......؟ اسے سمجھانے اور ڈانٹنے کی بجائے خود اس کا ساتھ دینے لگی......" سدرہ نے غصے سے کہا۔

"اے...... ہائے...... کونسی قیامت آ گئی ہے...... جو تو اتنا بڑھ چڑھ کر بول رہی ہے۔ کب سے پائپ پڑے تھے۔ زنگ لگے ہوئے۔ فضول میں ہماری چھت پر اتنا بوجھ رکھا تھا۔ اچھا کیا اس نے بیچ دیئے۔ بیچ کر پیسے تو مل گئے نا۔ پڑے پڑے کیا دے رہے تھے؟ رشیدہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اماں...... کسی کی امانت میں خیانت کرنا کتنا بڑا گناہ ہے اور تو راشد کو خود خراب کر رہی ہے۔ آج وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو اٹھانے میں عیب نہیں سمجھ رہا کل کو بڑی چوریاں اور ڈکیتیاں کرے گا۔" سدرہ نے غصے سے بولتے ہوئے کہا۔

"چل...... چل...... زیادہ باتیں نہ کر۔ مجھے تجھ سے زیادہ پتا ہے کیا گناہ ہے اور کیا نہیں...... یہ گناہ و ثواب تو اپنے پاس رکھ...... یہ جب سے تو زکیہ کے پاس جانا شروع ہوئی ہے نا تیرا دماغ خراب ہونے لگا ہے۔ کل ہی تیرا وہاں جانا بند کرتی ہوں" رشیدہ بڑبڑانے لگی۔

"اماں...... یہیں جو باتیں تجھے سکھانی چاہئیں تھیں وہ زکیہ آپا سکھا رہی ہے۔" سدرہ نے نم آنکھوں سے جواب دیا۔

"چل۔ اب مجھے مولوی کا وعظ سنانے نہ بیٹھ جانا۔ میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ اچھا اب جا تی ہوں۔ یہ لے پکڑ لفافے اور کھانا گرم کر۔ سارا دن لوگوں کے گھروں میں کام کر کے آؤں اور آتے ہی تیری بک بک بھی سنوں...... تو نے دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے" رشیدہ نے غصے سے سدرہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے لفافے اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔ اس کا خون غصے سے کھول رہا تھا۔

اسے راشد پر سخت غصہ آ رہا تھا اور اس سے بھی زیادہ اماں پر...... جو اس کو ہر بری بات میں شہہ دیتی تھی۔ کبھی اس کو کسی بری بات اور حرکت پر نہیں ڈانٹا تھا۔ ڈانٹنے کا کام ہر بار سدرہ ہی کرتی اور ہر بار دونوں ماں بیٹے مل کر اسے ذلیل کرتے۔

راشد کی عمر سولہ سال تھی اور میٹرک میں دو بار فیل ہو چکا تھا۔ وہ تو کئی بار پڑھائی چھوڑنے کا اعلان کرتا مگر ہر بار سدرہ اسے ڈانٹتی۔ صرف پڑھائی کے معاملے میں رشیدہ سدرہ کا ساتھ دیتی ورنہ ہر بات میں وہ راشد کو بے قصور ٹھہراتی۔ راشد سارا دن اپنی چھت اور اس سے ملحقہ لوگوں کی چھتوں پر پتنگ بازی کرتا رہتا۔ محلے کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ گھومتا پھرتا رہتا اور رات کو گھر آتا تو سدرہ کے ڈانٹنے پر جیسے ہی کتاب کھول کر اپنے سامنے رکھتا تو اسے فوراً ہی نیند آ جاتی۔ اتنی جمائیاں لیتا کہ رشیدہ خود اس کی کتاب بند کر کے اسے سونے کے لئے کہتی۔ اس کا سارا دن مستیوں میں گزرتا۔ اسے چٹ پٹی چیزیں کھانے کا اتنا شوق تھا کہ جہاں سے چیز ملتی اٹھا کر کھا لیتا۔ کبھی محلے کے دکانداروں سے مانگتا کبھی سر راہ ریڑھیوں سے اٹھا کر منہ میں ڈال لیتا اور ریڑھیوں والے اسے گالیاں دیتے رہتے اور وہ ان کی گالیوں کے جواب میں مسکرا دیتا۔

سدرہ کھانا گرم کر کے لائی اور اس نے ماں کے پاس چارپائی پر ہی رکھ دیا۔ منی بھی ہاتھ دھو کر اس کے ساتھ کھانے کو بیٹھ گئی سدرہ کا موڈ

سخت خراب تھا اور اس نے احتجاجاً کھانا نہ کھایا مگر رشیدہ نے بھی اسے نہ بلایا۔

"اماں...... ایک تو تو ہر روز دال اٹھالاتی ہے؟" منی نے منہ بسورتے ہوئے شکایت کی۔

"اری کو ٹھیوں والے گوشت اور مرغے ہمارے لیے نہیں پکاتے ہمارے نصیب میں تو یہ بچی کچی دالیں اور سبزیاں ہی ہیں۔

چپ کر کے کھا...... بڑی آئی باتیں بنانے والی...... بڑی کو دیکھ کر تیرا بھی دماغ خراب ہو رہا ہے۔ اس کے تو سارے نخرے نکل جائیں گے نا۔ جا لے ذرا گلے گھر۔ زاہدہ نے دو دن میں اس کے کس بل نہ نکال دیے۔ تب کہنا رشیدہ نے بہانے سے زہر اگلا۔

سدرہ اندر بیٹھی ماں کی باتیں سن کر ابال کھا رہی تھی مگر خاموش رہی۔ وہ رشیدہ سے ایک بات کر کے دس سننا نہیں چاہتی تھی...... رشیدہ جب آپے سے باہر ہوتی تو وہ بالکل ہی بھول جاتی کہ وہ اپنی بیٹی سے طعنہ زنی کر رہی ہے۔

سدرہ کی عمر اٹھارہ برس تھی اور وہ ایف اے کی طالبہ تھی۔ وہ سلائی کڑھائی کر کے اپنی تعلیم کا خرچہ پورا کرتی تھی۔ اس کی مومنہ اور مریم سے بہت دوستی تھی۔ زکیہ آپا سے وہ قرآن پاک پڑھنے جاتی تھی اور زکیہ آپا کو اپنا آئیڈیل سمجھتی تھی۔ زکیہ آپا نے انتہائی غربت میں بھی جس طرح اپنی بیٹیوں کو پڑھا رہی تھی اور ان کی جتنی اچھی تربیت کی تھی۔ سارے محلے میں وہ اپنی مثال آپ تھی۔

سدرہ کو اپنی ماں کی باتیں اور حرکتیں دیکھ کر بہت افسوس ہوتا تھا۔ رشیدہ اکثر لوگوں کے گھروں سے چیزیں اٹھا کر لے آتی تھی اور اس کو کوئی عیب بھی نہیں سمجھتی تھی۔ کبھی کسی کے گھر سے پیاز اٹھالاتی...... کبھی لہسن...... کبھی آلو۔

ان کے کچن میں اتنے پیاز پڑے تھے کہ زمین پر گر رہے تھے۔ میں دو چار لے آئی ہوں تو ان کو کیا فرق پڑ گیا۔

رشیدہ ناک چڑھا کر کہتی۔

"اماں...... چیز اٹھانے میں اور مانگنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ تو ان سے مانگ لیا کر" سدرہ کہتی۔

"تیرا کیا خیال ہے...... مانگنے پر وہ مجھے دے دیتے۔ اری یہ امیر لوگ ایک ایک آنے پر مرتے ہیں...... مجھے پیاز دے دیتے...... باؤلی نہ ہو تو...... مجھے سمجھا رہی ہے...... میں ان لوگوں کو جانتی ہوں تو نہیں" رشیدہ منہ بنا کر خفگی سے کہتی۔

"اماں...... یہ تو گناہ ہے...... اور تو ہمیں حرام کھلاتی ہے" سدرہ غصے سے کہتی۔

"کیوں میں تمہیں مردار کھلاتی ہوں۔ یا سؤر کا گوشت کھلاتی ہوں جو حرام ہو گیا" رشیدہ غصے سے کہتی۔

"حرام صرف یہی چیزیں تو نہیں...... حرام" سدرہ منہ کھولتی تو جھٹ رشیدہ اس کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ جاتی۔

"اپنی نصیحتیں اپنے پاس رکھ...... مجھے بھی سب پتا ہے۔ گھر کا خرچ کس کس طرح چلاتی ہوں یہ میرا رب جانتا ہے۔ باپ تو تمہارا مر گیا...... اور...... میرے لیے اس نے کوئی جائیدادیں نہیں چھوڑیں کہ ان کی کمائی تجھے کھلاؤں...... شکر نہیں کرتی کہ ماں بڑھاپے میں اپنی ہڈیاں جلا کر تم لوگوں کو کھلا رہی ہے...... مگر تم لوگوں کو کیا فکر...... آرام سے کھانے کو جو مل جاتا ہے۔ خود کچھ کرنا پڑے نا۔ تو لگ پتا جائے۔ باتیں بنانا بہت آسان ہوتا ہے خود کمانے جاؤ...... تو پھر پتا چلتا ہے۔" رشیدہ ڈانٹ کر کہتی تو وہ خاموش ہو جاتی۔

دروازے پر دستک ہوئی تو منی نے جا کر دروازہ کھولا ساتھ والی ہمسائی زبیدہ غصے میں بھری اندر آئی..... سدرہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔

"رشیدہ مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے بیٹے نے ہمارے لوہے کے پائپ بیچ دیئے ہیں..... ارے ہم نے تو تم لوگوں کی چھت پر امانت کے طور پر رکھے تھے۔ ایک دو دن میں ہم ان کی فٹنگ کرانے والے تھے۔ اتنے مہنگے پائپ تھے۔ ہمیں ہمارے پائپ واپس کرو" زبیدہ نے غصے سے کہا۔

"اری آپا..... بات تو سنو کاہے کو غصہ کر رہی ہو۔ نجانے کس کمبخت نے تجھے جھوٹ موٹ سنا دیا ہے۔ میری بھی تو بات سنو..... میرے گھر کے حالات تو تم دیکھ رہی ہو۔ یہ دیکھو لوگوں کے گھروں سے بچا کھچا کھانا لا کر تو ہم کھاتے ہیں....." رشیدہ نے ایکدم روہانسی آواز نکال کر دال کی پلیٹ اور سوکھی روٹیوں کی جانب اشارہ کیا۔ زبیدہ نے ایک نظر دیکھا تو اس کا دل پسیج گیا۔

"ایسی ضرورت آن پڑی کہ کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ راشد کی فیس بھرنی تھی۔ اس لیے میں نے ہی اسے کہا کہ بیچ دو..... دو سو روپے میں بکے ہیں۔ یہ لو آپا ایک سو روپیہ..... دوسرا اسکول میں کوٹھی والوں سے لے کر تمہیں لوٹا دوں گی" رشیدہ نے جلدی سے دوپٹے کے پلو سے سو روپے نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا اور اپنی نم آنکھوں کو رگڑنے لگی۔

"اگر تمہیں ضرورت تھی تو مجھے بتاتی۔ آخر ہمسائے کب ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ کوئی بات نہیں اگر راشد نے بیچ دیئے۔ وہ بھی میرے بچوں کی طرح ہے۔ تم یہ سو روپیہ اپنے پاس رکھو....."

زبیدہ نے ایکدم ہمدردی بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"خدا تم لوگوں کا بھلا کرے۔ سچ کہتے ہیں..... ہمسائے ماں جائے ہوتے ہیں..... اور تمہاری میں کیا تعریف کروں..... میرے ہر مشکل وقت میں تم ہی تو میرے کام آتی ہو۔ ایسی مدد کرتی ہو کہ دوسروں کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ تم تو جنت کما رہی ہو۔ مجھ بیوہ اور میرے یتیم بچوں پر جس طرح تم ترس کھاتی ہو کوئی اور نہیں کھاتا..... اللہ تمہارا بھلا کرے۔ تجھے خوش رکھے اور تیرے گھر کسی بھی شے کی کوئی کمی نہ ہو" رشیدہ نے ایک ہی سانس میں اسے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں اور زبیدہ ان دعاؤں کو سن کر مسرور ہونے لگی۔ اس کا دل خوشی سے سرشار ہونے لگا۔

"اب میں چلتی ہوں..... اور شام کو کھانا بھی بھجواؤں گی" زبیدہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"خدا تمہیں بہت اجر دے گا..... جو..... تم ہم غریبوں کا خیال رکھتی ہے۔" رشیدہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا تو زبیدہ مسکراتی ہوئی دروازے سے باہر چلی گئی۔

"بڑی آئی تھی..... مجھ سے لڑنے" رشیدہ نے مسکرا کر سو روپیہ پھر دوپٹے کے پلو میں باندھا۔

"اماں..... راشد نے کب فیس دینی تھی؟" منی نے حیرت سے پوچھا۔

"اری چپ کر..... زبیدہ سن لے گی۔ اب میں اسے کیا کہتی کہ میرے چٹورے بیٹے نے تیرے پائپ بیچ کر عیاشی کر لی ہے۔ اری سمجھا کر۔ ایسی مصیبت کو ٹالنے کے لئے ایسی کہانیاں بنانی پڑتی ہیں" رشیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا مگر منی کا معصوم ذہن الجھ کر رہ گیا اور سدرہ کو ماں کی

حرکت پر شدید غصہ آنے لگا مگر وہ سوائے کڑھنے کے کچھ نہ کر سکی اور قرآن پڑھنے چلی گئی۔

"آپاجی حلال حرام کیا ہوتا ہے؟" سدرہ نے زکیہ آپا سے اچانک سوال کیا۔ اس کے اندر مسلسل کشمکش جاری تھی اس لیے اس نے آتے ہی سوال کیا۔ "ہر پاک شے حلال ہے اور ہر ناپاک حرام ہے" زکیہ آپا نے جواب دیا۔

اگر حلال اور کھانے پینے کی پاک شے چرا کر کھائی جائے تو کیا وہ حرام ہو جاتی ہے؟ سدرہ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

ہاں...... ہر چرایا ہوا مال اور ہر ایسی چیز ناجائز اور حرام ہو جاتی ہے۔ زکیہ آپا نے جواب دیا۔

"آپاجی...... حرام اور کیا ہوتا ہے؟ سدرہ نے پھر پوچھا۔

"کسی کا حق چھین کر۔ کسی کے حق پر ناحق قبضہ کر کے اور ایسی کمائی جس میں اپنی محنت شامل نہ ہو...... وہ حرام ہے اور اس کے علاوہ وہ سب چیزیں حرام ہیں جنہیں اللہ نے قرآن پاک میں واضح طور پر حرام ٹھہرایا ہے یعنی مردار، خون، سور کا گوشت، شراب، جوا، بتوں کے چڑھاوے اور قسمت کا حال معلوم کرنے والے پانسے" زکیہ آپا نے جواب دیا۔

"اس کے علاوہ......؟ سدرہ نے پھر پوچھا۔

"کچھ حرمتیں رشتوں میں بھی ہیں...... ان کا بھی ذکر قرآن پاک میں ہے" زکیہ آپا نے جواب دیا۔

مومنہ پاس بیٹھی دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

سدرہ...... آج تم حلال و حرام کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہو؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"مومنہ باجی میں بہت پریشان ہوں۔ جب لوگ جانتے بوجھتے ہوئے حرام کھاتے ہیں اور اس کو اپنا جائز حق سمجھتے ہیں...... وہ اللہ کی حدوں کو جان بوجھ کر توڑتے ہیں اور انہیں احساس بھی نہیں ہوتا...... آپاجی کیا ان کو اللہ معاف کر دے گا؟ سدرہ نے حیرت سے کھوئے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے...... جانتی ہو بنی اسرائیل پر سبت یعنی ہفتے کے روز کا مچھلیوں کا شکار حرام کیا گیا تھا۔

اب مچھلیاں اللہ پاک کا پیدا کردہ حلال گوشت ہیں اور قرآن پاک میں اسے لحماً طریاً یعنی تیرتا ہوا گوشت کہا گیا ہے...... بہت پاک گوشت ہے مگر بنی اسرائیل والوں نے چالاکی کی اور جمعے کی رات کو جال ڈال دیتے ہفتے کو شکار نہ کرتے اور اتوار کی صبح کو جال نکالتے تو جال مچھلیوں سے بھرے ہوتے...... وہ اپنا مقصد بھی پورا کر لیتے اور اللہ کا حکم بھی ظاہراً مان لیتے...... مگر خدا ان چالاکیوں کو جانتا ہے...... اس نے ان پر ایسا غضب نازل کیا کہ ذلیل و خوار بندر بن گئے۔ خدا سب جانتا ہے انسان کے دلوں میں چھپے مکر و فریب کو بھی اور پاک نیتوں کو بھی...... آجکل لوگ حرام چیزوں کو اپنے فائدے کے لیے مختلف نام دے کر انہیں جائز اور حلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں...... مگر حقیقت میں وہ اللہ کو دھوکے دے رہے ہوتے ہیں" زکیہ آپا نے تفصیلاً سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔

"آپاجی...... اگر ماں باپ حرام کمائی کھاتے ہوں...... اور...... اولاد نہ چاہے تو وہ کیا کرے......؟ سدرہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"بیٹا...... آجکل تو ہر طرف یہی عالم ہے...... ماں باپ...... اولاد کو کیا سمجھائیں گے...... وہ خود یہ سب کچھ کرتے ہیں...... یہی ہے کہ

ان کو سمجھایا جائے......اور اگر نہ باز آئیں تو ان سے علیحدگی اختیار کر لی جائے زکیہ آپا نے جواب دیا۔

"اور آپا جی......اگر علیحدگی ناممکن ہو تو......اولاد کیا کرے......میرا مطلب ہے اولاد اس قابل نہ ہو کہ خود کچھ کما سکے......اور وہ......ان کا کمایا ہوا حرام کھانے پر مجبور ہو......تو......پھر؟

سدرہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"اولاد کی کفالت ماں باپ کی ذمہ داری اور فرض ہے اگر وہ اولاد کو حرام کھلاتے ہیں تو اللہ کے ہاں جوابدہ ہوں گے مگر اولاد کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ خود مختار ہو کر حلال کھائے......باقی سب باتیں نیت کی ہیں۔

انسان جب اچھا سوچتا ہے تو اللہ خود ہی راستے بنا دیتا ہے اور مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں" زکیہ آپا نے کہا تو سدرہ خاموش ہو گئی اور مومنہ کی طرف دیکھنے لگی جو مشین پر نیا سوٹ سی رہی تھی۔

"مومنہ باجی یہ کس کا سوٹ سی رہی ہیں؟" سدرہ نے پوچھا۔

"امی کا......میں اور امی مجھے کو میلاد شریف کی محفل میں جا رہے ہیں......امی کی ایک پرانی دوست کے ہاں......مومنہ نے جواب دیا۔

"کیا آپ کا سوٹ سل گیا ہے......؟ سدرہ نے پوچھا۔

ہاں......تمہیں ابھی دکھاتی ہوں" اور مومنہ نے اسے آف وہائٹ net کی شرٹ اور دوپٹہ دکھایا جس پر آف وہائٹ موتیوں کا کام تھا اور آف وہائٹ سلک کی شلوار تھی کتنا نفیس سوٹ ہے......؟ سدرہ نے تعریف کی۔

"ہاں......امی نے بہت سنبھال کر رکھا تھا......مگر مجھے خود ہی نکال کر دے دیا" مومنہ نے ماں کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"باجی آپ نے net کے فل بازوؤں کے نیچے بھی کپڑا لگا دیا net والے بازو زیادہ اچھے لگتے ہیں" سدرہ نے قمیض کے بازوؤں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹا......یہ جائز نہیں......عورت کا ذرا سا بھی جسم ننگا نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو لباس کی صورت میں خوبصورت تحفہ دیا ہے۔ اچھا اور باپردہ لباس عورت کی زیب و زینت اور شخصیت میں نکھار پیدا کرتا ہے اور فحش لباس معاشرے میں بے حیائی پھیلاتا ہے" زکیہ آپا نے نرمی سے اسے سمجھایا تو وہ خاموش ہو گئی۔

"میں نے ویسے بھی کبھی ہاف سلیوز نہیں پہنیں۔ مجھے وہ پسند ہی نہیں" مومنہ نے جواب دیا اور سوٹ ہینگر میں لٹکا کر الماری میں رکھ دیا۔

سدرہ نے قرأت مکمل کی۔ زکیہ آپا کو قرآن پاک سنایا اور مغرب سے پہلے گھر لوٹ آئی۔ اس کا ذہن بہت زیادہ الجھ چکا تھا اپنی رشیدہ کی باتیں اور زکیہ آپا کی باتیں......دنیا کے قاعدے کی باتیں اور اللہ کی باتیں......حلال و حرام اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی باتیں......اس کا ذہن پریشان اور دل مضطرب ہونے لگا۔

☆

علینہ اپنی دوست نگین کے ہاں پارٹی پر جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس نے پنک سلیولیس شرٹ کے ساتھ بلیو کلر کی ٹائٹ جینز پہنی تھی۔ شرٹ کا گلا آگے اور پیچھے سے انتہائی ڈیپ تھا شرٹ اتنی چھوٹی تھی کہ اس کے پیٹ کا حصہ بار بار نمایاں ہو رہا تھا۔ اس نے فل میک اپ کے ساتھ بہت نفیس جیولری پہن رکھی تھی۔ اسٹیپس میں کٹے چھوٹے چھوٹے بالوں کو ایش کلر کی اسٹریکنگ سے ماڈرن ٹچ دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس نے اپنے ویل فرنشڈ بیڈروم کے خوبصورت ڈریسنگ ٹیبل پر قطار میں رکھی قیمتی اور امپورٹڈ پرفیومز میں سے ایک اٹھا کر اپنے اوپر اسپرے کیا۔

اس کے بیڈروم کا دروازہ کھلا اور اس کی ماں ندرت بیگم کمرے میں داخل ہوئی اور اس کی طرف خشمگیں نگاہوں سے دیکھنے لگی جب نے تمہیں یہ بیہودہ لباس پہننے سے منع کیا تھا...... تم سمجھتی کیوں نہیں...... لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ ندرت بیگم نے غصے سے کہا۔

"مما...... آپ کو اعتراض کس بات پر ہے...... میرے ماڈرن ڈریس پہننے پر یا پھر لوگوں کی باتوں پر...... علینہ نے تنک کر جواب دیا۔ کبھی خود سنا کرو...... لوگ کیا کیا باتیں بناتے ہیں؟" ندرت بیگم نے کہا" اُفوہ...... کیسی باتیں بناتے ہیں؟علینہ نے جھنجھلا کر پوچھا۔" کیا تم نے پرسوں مسز ستار کی باتیں نہیں سنی تھیں...... جو وہ مجھے اور تمہیں سنا کر گئیں تھیں کہ آج کل مائیں خود تو بڑی نمازی اور پردہ دار بنی پھرتی ہیں اور بیٹیاں اس طرح کے ننگے اور بیہودہ لباس پہنتی ہیں کہ دیکھ کر شرم آتی ہے"۔ ندرت بیگم نے منہ بنا کر کہا۔

انہوں نے یہ باتیں مجھے اور آپ کو تو نہیں کہیں۔ وہ تو ایک جنرل سی بات کر رہی تھیں۔ علینہ نے لپ اسٹک کو برش کے ساتھ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

علینہ...... تم سمجھتی کیوں نہیں ہو...... یا پھر جان بوجھ کر سمجھنا ہی نہیں چاہتی۔ ندرت بیگم نے خفگی سے کہا۔

"مما...... آپ کی دوسری بات زیادہ ٹھیک ہے...... اس لئے کہ یہ میری زندگی ہے...... اچھی یا بری...... اسے میں نے ہی گزارنی ہے۔ مجھے لوگوں کی پسند اور ناپسندگی کی کوئی پرواہ نہیں...... میں وہی ڈریس پہنوں گی۔ جن کا فیشن ہے اور جو مجھے پسند ہیں"۔ اس نے قدرے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"اسے تم لباس کہتی ہو...... جو تمہارے جسم کا ایک حصہ بھی ڈھنگ سے نہیں ڈھانپ رہا...... تم تو میری بے عزتی کروانے پر تلی ہو...... ہم سوسائٹی میں رہتے ہیں تو لوگوں کی پرواہ کرنی پڑتی ہے۔" ندرت بیگم نے غصے سے اس کی شرٹ کو کندھے سے کھینچ کر قدرے توہین آمیز لہجے میں کہا۔ علینہ کو ماں کی حرکت پر سخت غصہ آیا وہ کندھا جھٹک کر پیچھے ہٹی۔

"آپ کریں لوگوں کی...... اور...... ان کی باتوں کی پرواہ...... میرے پاس نہ آپکی اور نہ لوگوں کی فضول باتیں سننے کا وقت ہے" وہ غصے سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ ندرت بیگم غصے اور بے بسی سے اس کی جانب دیکھتی رہ گئی اور بڑبڑانے لگی۔

"یہ لڑکی ذلیل کرا کے رہے گی...... ہر بات میں اپنی من مانیاں کرتی ہے۔ ندرت بیگم غصے سے پیچ و تاب کھاتی رہیں اور وہ اپنی ہنڈا سوک ڈرائیو کرتی ہوئی انتہائی تیزی سے کوٹھی کے گیٹ سے باہر نکلی۔

"میری زندگی تو اس نے عذاب میں ڈال رکھی ہے...... باپ اور بھائی خود امریکہ جا کر بیٹھے ہیں اور اس کو میرے سر پر مسلط کر دیا

ہے..... بعد میں ہر بات کی ذمہ دار میں ہوں گی..... "ندرت بیگم غصے سے بڑبڑاتی رہیں۔

"عذرا..... مجھے پانی کا گلاس دو..... میرا بی پی ہائی ہو رہا ہے۔" ندرت بیگم نے ملازمہ کو آواز دی اور اپنی انگلیوں کی پوروں سے اپنی کنپٹیوں کو دبانے لگی۔

رات گہری ہو رہی تھی۔ ڈیفنس میں واقع انتہائی جدید اور وسیع اور عظیم الشان گھر میں پارٹی منعقد ہو رہی تھی۔ نگین کے والد سول سرونٹ تھے اور اپنی پروموشن کے سلسلے میں وہ پارٹی دے رہے تھے۔ پارٹی میں غیر ملکی مہمانوں کے علاوہ انتہائی ماڈرن اور فیشن ایبل مرد و خواتین جمع تھے۔ سب کا تعلق سوسائٹی کی اپر کلاس سے تھا۔ سول سیکریٹریٹ کے ملازمین ان کی بیویاں، آرمی آفیسرز، این جی اوورکرز بزنس کلاس کے علاوہ سیاسی شخصیات بھی مدعو تھیں۔ علینہ اپنی زندگی میں پہلی بار ایسی پارٹی اٹینڈ کر رہی تھی اور اس کلاس کے نارمز (Norms) اور مینرز دیکھ کر انتہائی متاثر بھی ہو رہی تھی اور چونک بھی رہی تھی۔ اس کی جب سے نگین سے دوستی ہوئی تھی۔ وہ بہت زیادہ کونشس ہو گئی تھی۔ نگین کی باتوں، اٹھنے بیٹھنے، ڈریس پہننے اور سوسائٹی میں موو کرنے..... ہر ایک بات میں اپنا مخصوص اسٹائل تھا۔ جو اسے دوسرے اسٹوڈنٹس سے منفرد کرتا تھا اور علینہ اس سے متاثر ہو کر لاشعوری طور پر وہی کچھ کرنا چاہتی تھی۔ وہ نگین کی فرینکنس اور اعتماد سے بہت متاثر تھی..... اس کے والدین اپر مڈل کلاس سے ترقی کر کے امیر طبقے میں شامل تو ضرور ہو گئے تھے مگر ان میں اور ایلیٹ کلاس کے مینرز میں بہت فرق تھا۔ اس کی ماں کی سوچ ابھی بھی دقیانوسی اور روایتی تھی۔ جیسے وہ مذہبی کہتی تھیں وہ ہر کام میں دوسروں کی باتوں..... دوسروں کے طعنوں کا خیال رکھتی مگر نگین کی کلاس میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔

ہر ایک کو لبرٹی تھی۔ جو جس طرح چاہے موو کرے۔ پارٹی میں بہت سی لڑکیوں نے استقدر بیہودہ اور آؤٹ ڈریس پہن رکھے تھے کہ ان کو دیکھ کر شرمندگی بھی ہوتی تھی اور حیرت بھی..... مگر اس نے آبزرو کیا کہ کوئی بھی مرد اور عورت ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دے رہا تھا۔

علینہ کے لئے یہ باتیں بہت عجیب تھیں۔ نگین نے خود وائٹ اور بلیک ٹاپ کے ساتھ انتہائی عجیب سا بلیک ٹراوزر پہن رکھا تھا۔ جنگل کی ہیوی جیولری کے ساتھ وہ سب میں منفرد بھی لگ رہی تھی اور عجیب بھی..... مگر وہ بہت پر اعتماد تھی۔

"آؤ..... میں تمہیں مہمانوں سے انٹروڈیوس کراتی ہوں۔" نگین نے علینہ کو کہا اور اپنے ساتھ لے گئی۔ اس نے سب سے پہلے اپنی ممی اور ڈیڈی سے متعارف کرایا وہ بالکل بھی نگین کے والدین معلوم نہیں ہو رہے تھے۔

انتہائی ینگ، سمارٹ ویل ڈریسڈ اور ویل گرومڈ..... ممی اور ڈیڈی دونوں کے ہاتھوں میں جوس کے گلاس تھے اور وہ مزے سے آہستہ آہستہ سپ لیتے ہوئے مہمانوں سے باتیں کر رہے تھے۔ اس کی ممی ایک این جی او چلاتی تھیں ان کا اپنا وسیع حلقہ تھا۔ علینہ کو انہوں نے سر سے لے کر پاؤں تک بغور دیکھا اور پھر مسکرانے لگیں۔

"نگین..... یور فرینڈ از ویری کیوٹ" نگین کی ممی مسز جواد نے مسکرا کر کہا تو دونوں مسکرا دیں۔

اسی لمحے اسد مسٹر اینڈ مسز جواد کے پاس آیا۔

ہیلو..... آئی ایم سوری..... آئی ایم وری لیٹ" اسد نے جواد احمد سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"ہیلو..... آئی..... لو..... یو آر..... بزی بزنس مین" جواد احمد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہائے تمکین..... ہاؤ آر یو" اسد نے مسکرا کر تمکین سے کہا۔

"فائن..." تمکین نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اسد نے چونک کر علینہ کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں گہرا استفہام تھا۔

"شی از مائی فرینڈ علینہ..... اینڈ..... علینہ دس از مسٹر اسد ظہیر الدین ڈیڈز فرینڈ" تمکین نے اس کا تعارف کرایا" ینگ فرینڈ ناٹ اولڈ" اسد نے جلدی سے کہا تو سب نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

"ہائے..." علینہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

"ہائے ہاؤ آر یو؟" اسد نے اسقدر بے تکلفانہ انداز میں کہا جیسے وہ اسے پہلے سے جانتا ہو۔ علینہ اس کے انداز پر بہت حیران ہوئی۔

"فائن....." علینہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ویٹر ایک ٹرے میں بیئر اور وہسکی کے گلاس لے آیا۔ اسد اور تمکین نے بلا جھجک بیئر کے گلاس اٹھا لیے اور علینہ نے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر ایکدم کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ پیچھے کر لیا..... نجانے کہاں سے مما کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے گھوم گیا اور اس نے گہری سانس لی۔ اسد اور تمکین مزے سے بیئر پی رہے تھے اور علینہ حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی اس نے الکوحل کے بارے میں جو کچھ سنا تھا ایسا تو کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ نہ اسد مدہوش ہو رہا تھا نہ تمکین نہ ہی اس کے ڈیڈی اور نہ ہی دوسرے مہمان..... تقریباً سب لوگ ہی پی رہے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں وہسکی تھی۔ کسی کے وائٹ وائن اور کسی کے بیئر..... علینہ کا حلق خشک ہونے لگا اور اس نے پیپسی کا گلاس ایک ویٹر سے لیا۔

"اسد تمکین سے اس کی اسٹڈیز کے بارے میں پوچھ رہا تھا اور وہ اسے آہستہ آہستہ بتا رہی تھی۔ اسد نے علینہ کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

از شی یور یونیورسٹی فرینڈ؟ اسد نے مسکرا کر پوچھا۔

اوہ..... یس..... ہم دونوں ایم بی اے کر رہے ہیں" تمکین نے بتایا۔

"آج سے پہلے ان کو یہاں نہیں دیکھا" اسد نے پوچھا۔

"یس..... اٹ از ہر فرسٹ پارٹی ہئیر" تمکین نے بتایا۔

"آر..... یو..... انجوائنگ؟ اسد نے علینہ سے پوچھا۔

"یس..... یس....." علینہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

مسٹر اینڈ مسز جواد مہمانوں کو ریسیو کرنے میں مصروف تھے۔ تمکین اسد اور علینہ کے ساتھ باتوں میں..... ایکسکیوز می..... آئی ایم جسٹ کمنگ" تمکین دونوں کو چھوڑ کر ایک ینگ ہینڈسم لڑکے کی جانب چلی گئی جو سگار کے گہرے کش لگا رہا تھا۔

"ہائے..... وقاص..... وئیر یو ور.....؟ (تم کہاں تھے؟) تمکین نے والہانہ انداز سے اس لڑکے سے پوچھا۔

"آئی نو...... یو...... ویٹنگ فار می...... سوری...... ہنی...... آئی واز بزی" وقاص نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"یو...... ور...... بزی ود یور فرینڈز ایز یوژول" نگین نے جلدی سے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے منہ بنا کر کہا۔

"سویٹی...... آئی ایم سوری" اور وقاص نے اپنا بازو اس کے کندھے پر پھیلاتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ مسکرانے لگی۔ علینہ دونوں کی طرف پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ نگین کے والدین چند فاصلے پر کھڑے سارے دیکھ رہے تھے اور کسی نے بھی برا نہیں منایا تھا۔

"یہ نگین کا ficnee ہے۔" اسد نے علینہ کو بتایا جس نے شاید علینہ کے چہرے پر انتہائی حیرانگی کے تاثرات دیکھ لیے تھے۔

"آئی...... سی......" علینہ نے جواب دیا۔

اسد علینہ سے باتیں کرنے لگا تھوڑی دیر بعد نگین اور وقاص ان کی جانب آ گئے...... اسد ان کو دیکھ کر وہاں سے چلا گیا۔

"علینہ...... دس از وقاص...... مائی فیانسی" نگین نے مسکرا کر وقاص کا تعارف کرایا۔

"ہائے......" وقاص نے علینہ کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھا "اوہ از مائی فرینڈ...... علینہ" نگین نے علینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ویری کیوٹ...... اینڈ" وقاص نے مسکرا کر علینہ کی جانب دیکھا۔

علینہ اس کے دیکھنے کے انداز سے قدرے گھبرا گئی۔ اس کی نظروں میں نجانے کیا تھا۔ وہ گھبرا گئی۔ نگین...... پلیز لسن" اس کے ڈیڈی نے اچانک اسے پیچھے سے آواز دی۔

"ایکسکیوز می......" نگین ایکسکیوز کرتی ہوئی ڈیڈی کی جانب چلی گئی علینہ کو وقاص کے ساتھ کھڑے ہونے میں قدرے گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ وقاص کو بھی اس کی گھبراہٹ کا اندازہ ہونے لگا اور وہ اس کو یوں نروس دیکھ کر مسکرانے لگا جیسے صورت حال سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ نگین کی فرینڈ اس قدر پریٹی اور چارمنگ بھی ہو سکتی ہے...... یو...... آر...... ویری ڈفرنٹ فرام نگین......" وقاص نے مسکراتے ہوئے ویٹر سے وہسکی کا گلاس لیا۔

"ول یو...... ٹیسٹ اٹ"...... وقاص نے وہسکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"نو...... تھینکس"...... جسٹ فیل فری......" وقاص نے مسکراتے ہوئے اپنا بازو اس کے کندھے پر پھیلایا اور اسے اپنے ساتھ لگایا۔ اس کے کلون، سگار اور وہسکی کی Smell سے اس کو چکر سا آنے لگا۔

"ایکسکیوز می......" علینہ نے اس کا منہ توڑ کرتے ہوئے اس کے بازو کو پیچھے ہٹایا اور وہاں سے چلتی ہوئی ایک جانب چل دی۔

وسیع و عریض لان برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ ایک جانب باربی کیو کا انتظام تھا۔ دوسری جانب چائنیز ڈشز اور ہلکی دھنوں سے مسرور کن رومانوی ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ ہر کوئی کھانے پینے باتیں کرنے اور جشن منانے میں مصروف تھا۔ علینہ اپنے آپ کو قدرے تنہا محسوس کر رہی تھی...... ایک کلاس سے دوسری کلاس کی جانب جانا اور اس میں ضم ہونا اسے قدرے مشکل لگنے لگا۔ نگین زیادہ خوبصورت نہیں تھی...... سانولی رنگت گھنگھریالے بال موٹے ہونٹ، چپٹا لمبا چہرہ بڑی آنکھیں۔ کچھ بھی پرکشش نہیں تھا مگر اس کے اسٹائل...... اور اس کی کلاس کے مغرور سے ساری

یونیورسٹی میں ایک ایسی انفرادیت بخشتے تھے۔ جو علیمہ میں مفقود تھی۔ علیمہ دراز قد، خوبصورت، سمارٹ اور بہت پُرکشش تھی۔ مگر اندر ہی اندر وہ تحسین سے کومپلکس محسوس کرتی تھی۔ اس میں نہ تو اپنے والدین اور فیملی کی ویلیوز اسٹرونگ تھیں اور نہ ہی کوئی اس کی اپنی اخلاقی قدریں تھیں۔ وہ تحسین کی جن باتوں کو پہلے ناپسند کرتی۔ بعد میں خود ہی ان کو Follow کرتی۔ وہ اپنی کلاس میں مس فٹ تھی کیونکہ اپنی کلاس کی منافقت اسے پسند نہیں تھی۔۔۔ تحسین کی کلاس کی لبرل سوچ اور لائف اسٹائل اسے بہت پسند تھا۔ کوئی کسی کی زندگی میں دخل اندازی نہیں کرتا۔ لیکن یہاں آ کر اور خصوصی طور پر وقاص سے مل کر اسے عجیب سا احساس ہونے لگا تھا۔ اس کے اندر ایک اضطراری کیفیت پیدا ہونے لگی۔

اسد اسے تنہا دیکھ کر اس کی جانب آ گیا۔

''آر یو آل رائٹ......؟'' اسد نے قدرے نرمی سے پوچھا۔

''یس......آئی ایم فائن'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں اور تحسین کہاں ہے؟'' اسد نے پوچھا۔

''شی از بزی'' علیمہ نے مختصراً جواب دیا۔

''مے۔۔۔آئی۔۔۔ہیلپ یو۔۔۔اف یو وانٹ؟'' اسد نے اس کے چہرے پر گھبراہٹ دیکھ کر شستہ لہجے میں پوچھا۔

''نو۔۔۔تھینکس'' علیمہ نے زبردستی مسکرا کر جواب دیا۔

''او کے......انجوائے یور سیلف'' اسد نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

علیمہ اسے دیکھ کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ وہ پوری گیدرنگ میں سب سے منفرد لگ رہا تھا۔ خوبصورت، سمارٹ، ویل گرومڈ اس میں وقاص جیسی نہ تو کوئی چھچھوری بات تھی اور نہ ہی اس کی آنکھوں سے ظاہر ہوتی بیہودگی و ہوس...... وہ اس سے قدرے متاثر ہونے لگی۔ اس کی باتوں میں اور اس کی چال میں ایک عجیب سا شاہانہ انداز تھا...... اس کے دل و دماغ میں وسعت تھی...... اس نے اس کے ننگے بازوؤں کو ایک بار بھی گھور کر نہیں دیکھا تھا جس طرح وقاص نے انہیں بیہودہ انداز میں چھونے کی کوشش کی تھی...... اسد کچھ لوگوں کے ساتھ کھڑا گفتگو کر رہا تھا اور علیمہ کی نظریں مسلسل اس پر ہی تھیں۔ وہ کچھ بھی کھا پی نہیں رہی تھی۔ ایک ویٹر اس کے پاس سے گزرا اس کی ٹرے میں بیئر کے گلاس تھے۔ ویٹر نے اسے خالی ہاتھ دیکھ کر ٹرے اس کی جانب بڑھائی...... وہ پہلے ہچکچائی اور پھر ایک گلاس پکڑ لیا۔ ویٹر وہاں سے چلا گیا...... وہ کچھ لمحے سوچتی رہی اور ارد گرد کے سب لوگوں کی جانب نظر دوڑائی سب کے ہاتھوں میں بیئر گلاس تھے اور سب نارمل انداز میں کھڑے تھے۔ کیا اس سے واقعی کچھ نہیں ہوتا......؟

کیا اس کو پی کر کوئی بھی مدہوش نہیں ہوتا......؟

اس کے ذہن میں اک کشمکش سی جاری ہو گئی اور مختلف سوالات ابھرنے لگے۔

''اسے Taste تو کرنا چاہیے......'' اس نے دل میں سوچا اور جلدی سے ایک سپ لیا...... اسے عجیب سا Taste محسوس ہوا۔ گلے میں تھوڑی سی کڑواہٹ...... پھر اس نے دو تین سپ اور لیے اور پھر تھوڑی سی اور پی کر باقی گلاس واپس ویٹر کی ٹرے میں رکھ دیا۔ اسے اپنے اندر عجیب سی

سرشاری محسوس ہونے لگی۔ وقاص کے بارے میں سوچ سوچ کر جو گھٹن اور اضطراب اس کے اندر پیدا ہوا تھا وہ یکدم غائب ہو گیا۔ اسے اپنا ذہن ہلکا پھلکا اور ریلیکس محسوس ہونے لگا۔ اس کا غصہ اور اضطراب ختم ہو گیا...... وہ سب کی جانب مسکرا کر دیکھنے لگی۔

"ہائے...... ہنی...... یو آر رہبر" وقاص اچانک گزرتا ہوا اس کی جانب آیا تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔ وقاص کو اس کی مسکراہٹ دیکھ کر حیرت ہوئی کیونکہ کچھ دیر پہلے وہ قدرے خفگی میں اسے دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

"یو...... لو...... یو...... آر...... سو...... پریٹی" وقاص نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا تو وہ مسکرا کر قہقہہ لگانے لگی اور اس کے ساتھ لگ گئی۔ وقاص اس کے خوبصورت سفید مرمریں، بازوؤں پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگا اور وہ مسکراتی رہی۔

"وقاص...... یو آر رہبر......" نگین نے اچانک پیچھے سے آ کر کہا تو وہ جلدی سے علیحدہ ہو گیا۔

"یور فرینڈ......" وقاص نے کچھ کہنا چاہا۔

"علینہ آر یو او کے؟" نگین نے حیرت سے پوچھا۔

"آئی تھنک شی از ناٹ" وقاص نے جواب دیا اور وہاں سے چلا گیا۔

نگین کو محسوس ہونے لگا کہ وہ کچھ نارمل نہیں تھی۔

"علینہ...... ٹائم بہت ہو رہا ہے...... میرا خیال ہے...... تمہیں اب گھر جانا چاہیے" نگین نے اس کی نیم مدہوشی حالت دیکھتے ہوئے کہا۔

"یس...... آئی...... تھنک" علینہ نے کہا اور نگین اسے اس کی گاڑی تک چھوڑنے آئی۔

"آر یو او کے......؟" نگین نے پھر اس سے پوچھا۔

"یس آئی ایم فائن" اور اس کو ہاتھ ہلاتی ہوئی گاڑی ڈرائیو کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

رات کا ایک بج رہا تھا جب علینہ گھر پہنچی۔ ندرت بیگم اس کی گاڑی کی آواز سن کر اپنے بیڈ روم سے انتہائی غصے میں لاؤنج میں آئی۔

"یہ وقت ہے گھر آنے کا...... شریف لوگوں کی بیٹیوں کے یہ طور طریقے نہیں ہوتے...... جو تمہارے ہیں" ندرت بیگم نے اسے غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔

علینہ نے مسکرا کر ماں کی جانب دیکھا اور اپنے بیڈ روم میں داخل ہو گئی۔ ندرت بیگم غصے سے پیچ و تاب کھاتی رہیں اور بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ علینہ روم لاک کر کے بیڈ پر لیٹ گئی۔ اسد اس کے حواسوں پر چھایا تھا اور اسے ہر جانب وہی دکھائی دے رہا تھا اور وہ اس کی خیالی شکل کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کا جسم قدرے سست ہو گیا تھا اور اس پر غنودگی سی چھانے لگی وہ اسد کو تصور میں لیے سو گئی۔

ندرت بیگم عذرا کو دوپہر کا کھانا تیار کرنے کو کہہ رہی تھیں جب مسز ستار مسکراتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ درمیانی عمر کی دراز قد، قدرے فیشن ایبل مگر دوپٹے کو سر پر لیے وہ تھوڑی سی مذہبی نظر آ رہی تھیں۔

"آیئے مسز ستار......؟" ندرت بیگم نے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

"عذرا..... تم کھانا بنالو..... اور ہاں مسز ستار کے لیے چائے بھی لے آؤ" ندرت بیگم نے کہا۔

"ارے..... رہنے دیجئے..... تکلف کی کیا ضرورت ہے.....؟ میں کوئی دور سے تو نہیں آئی..... "مسز ستار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ آیئے تشریف رکھیے" ندرت بیگم نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"علینہ کہاں ہے.....؟ مسز ستار نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا وہ..... سو رہی ہے" ندرت بیگم نے قدرے شرمندگی سے جواب دیا۔ اس وقت..... دوپہر کا ایک بج رہا ہے" مسز ستار نے حیرت سے کہا۔

"ہاں..... وہ..... رات کو پارٹی پر گئی تھی" ندرت بیگم نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔۔۔ رات کا ایک بج رہا تھا جب میں نے اس کی گاڑی کے ہارن کی آواز سنی..... میرا تو دل ہی گھبرا گیا فوراً آپ کی طرف دھیان گیا..... خدا خیر کرے..... اکثر رات کو آپ کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے نا لیکن میں نے اپنے ٹیرس سے دیکھا..... وہ تو علینہ تھی..... شاید اکیلی ہی گئی تھی۔ مسز ستار نے معنی خیز انداز میں جملے کے آخری حصے پر زور دیتے ہوئے کہا تو ندرت بیگم بوکھلا گئی۔

ہاں۔۔۔ وہ مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہہ رہی تھی۔ مگر میرا بی پی بہت ہائی ہوا تھا۔ اس لئے وہ اکیلی ہی چلی گئی" ندرت بیگم نے جلدی سے بہانہ گھڑا۔

"چھوٹے بھائی کو ساتھ لے جاتی۔۔۔ مسز ندرت زمانہ بہت خراب ہے۔ اکیلی جوان لڑکیوں کا یوں رات گئے پارٹیز سے لیٹ آنا بڑی خطرے کی بات ہے۔ خدا سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے..... شہر کے حالات بھی کچھ اچھے نہیں" مسز ستار نے ظاہر ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں" ندرت بیگم نے جواب دیا۔

اچانک علینہ کے بیڈروم کا دروازہ کھلا اور وہ رات والے ڈریس میں نیم مدہوشی کے عالم میں چلتی ہوئی باہر آئی اور عذرا کو آوازیں دینے لگی۔

"عذرا..... مجھے چائے..... میرے کمرے میں دے جاؤ" علینہ نے بمشکل آنکھیں کھولتے ہوئے عذرا سے کہا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور شدید نیند کی وجہ سے کھل نہیں رہی تھیں۔ اس نے مسز ستار کو دیکھ کر منہ دوسری جانب پھیر لیا اور عذرا کو کہہ کر واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ندرت بیگم..... مسز ستار کے سامنے انتہائی شرمندہ ہو رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر پسینہ آ گیا۔

"مسز ندرت..... علینہ نے بڑا زبردست ڈریس پہن رکھا ہے..... کیا وہ اسی ڈریس میں پارٹی پر گئی تھی؟ مسز ستار نے قدرے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"ہاں..... نہیں..... دراصل آجکل یہی فیشن ہے..... سب لڑکیاں ایسے ہی لباس پہنتی ہیں"..... مسز ندرت نے اپنی خفت چھپاتے ہوئے کہا۔

"خیر..... سب تو نہیں پہنتیں..... کچھ زیادہ ہی ماڈرن لڑکیاں ایسے لباس پہنتی ہیں..... مسز ندرت..... ماؤں پر بڑی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ان کی بچیاں کیا پہنتی اور جاتی ہیں اور کہاں گھومتی پھرتی ہیں..... آپ خود ماشاءاللہ باپردہ اور نمازی عورت ہیں..... علینہ کو منع کریں..... سچ بتاؤں

کالونی کی عورتیں بہت باتیں کرتی ہیں" مسز ستار نے قدرے ہمدردانہ لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"کیسی باتیں......؟" ندرت بیگم نے چونک کر پوچھا۔

"اب آپ کو کیا کیا سناؤں......آپ کو بی پی ہائی ہو جائے گا......علینہ کو آپ خود سمجھائیں......ورنہ جوان بچیوں کی بدنامی ان کے مستقبل کو تاریک کر دیتی ہے"

مسز ستار نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا تو ندرت بیگم نے بے بسی سے ان کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئیں۔

"اب میں چلتی ہوں......" مسز ستار اٹھتے ہوئے بولیں۔

"بیٹھیے......چائے پی کر جائیے گا" ندرت بیگم نے بے دلی سے کہا۔

"ابھی نہیں......پھر کبھی سہی" مسز ستار خدا حافظ کہہ کر باہر چلی گئی۔

ندرت بیگم کا پارہ ایک دم ہائی ہو گیا۔ مسز ستار کی باتیں سن کر ان کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔ وہ غصے میں اٹھ کر علینہ کے کمرے میں گئیں۔ وہ آنکھیں بند کیے بیڈ پر لیٹی تھی۔ "یہ......یہ تم نے کیا تماشا لگا رکھا ہے......تمہیں میری عزت کی کچھ پرواہ ہے بھی یا نہیں" مسز ندرت نے غصے سے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"جی......آپ کو کیا پرابلم ہے......؟" وہ غصے سے بولی۔

"یہ تمہارے منہ سے کیسی بدبو آ رہی ہے؟" ندرت بیگم نے خفگی سے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"میرا گلا خراب ہے اور میں نے اسپرے کیا ہے" اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز سے Inhaler نکال کر انہیں دکھایا تو وہ خاموش ہو گئیں۔

"علینہ......میں تمہیں صاف بتا رہی ہوں کہ آئندہ نہ تو تم پارٹیز میں جاؤ گی اور نہ ہی ایسے لباس پہنو گی؟ ندرت بیگم نے غصے سے کہا۔

"کیا......مسز ستار نے پھر آپ کو باتیں کی ہیں؟ اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"صرف مسز ستار ہی نہیں......بلکہ کالونی کے سب لوگ باتیں کر رہے ہیں......اور سب ٹھیک ہی کہتے ہیں......کسی کی بھی بیٹیاں یوں رات کو اکیلی نہیں جاتیں......ندرت بیگم نے کہا۔

"اچھا......تو......مسز ستار یہ کہنے آئی تھیں......یہ ہے ان لوگوں کا اپنا کیریکٹر......ویسے تو بہت مذہبی بنتی ہیں اور دوسروں پر طنز اور تنقید کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ آئی ہیٹ مسز ستار اینڈ آل" وہ غصے سے الفاظ چبا کر بولتی ہوئی واش روم میں چلی گئی اور ندرت بیگم غصے سے تلملاتی رہ گئیں۔

عذرا ٹرے میں چائے لیکر آئی تھی مسز ندرت نے وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور غصے سے واش روم کی جانب دیکھتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

☆

یونیورسٹی کے لیکچر ہال میں طلباء وطالبات کی کثیر تعداد موجود تھی ڈاکٹر ثقلین کو خصوصی طور پر بطور سائیکاٹرسٹ انوائیٹ کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر ثقلین ایک مشہور ماہر نفسیات تھے اس کے علاوہ وہ انسداد منشیات کا ایک بہت بڑا ادارہ چلا رہے تھے۔ نیز نوجوان طلباء وطالبات کو بیرون واندرون ملک اسلامی وقرآنی تعلیمات کے مطابق نفسیاتی موضوعات اور مسائل پر خصوصی لیکچر دیتے تھے۔ میگزینز اور اخبارات میں اکثر ان کے آرٹیکلز شائع ہوتے تھے۔ جنہیں لوگ بہت دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ کیونکہ وہ جدید ریسرچ اور منطقی بنیادوں پر لکھے ہوتے تھے۔

اسٹوڈنٹس پر اشتیاق انداز میں ڈاکٹر ثقلین کو دیکھنے اور سننے کے منتظر تھے......اور جب وہ اسٹیج پر آئے تو اسٹوڈنٹس انہیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ بتیس تینتیس سالہ انتہائی خوبصورت، دراز قد، سمارٹ نوجوان تھے۔ سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ کے ڈین نے ان کا تعارف کرایا بیرون ملک سے بھی اعلیٰ تعلیمی ڈگریوں کے علاوہ ان کا زبردست حوالہ ان کا مشن نوجوانوں کی گائیڈنس اور ان کا اضطراب دور کرنا تھا۔

ڈاکٹر ثقلین کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے لیکچر کا آغاز کریں۔ میں آج آپ کو لیکچر نہیں بلکہ آپ سے آپ کی پرابلم شیئر کروں گا......آپ سوالات کیجئے......میں جواب دوں گا۔

ڈاکٹر ثقلین نے انتہائی شستہ لہجے میں اسٹوڈنٹس کو ڈسکشن کی دعوت دی۔

"سر......آجکل نفسیاتی مسائل اتنے زیادہ کیوں بڑھ رہے ہیں جبکہ ماضی کے انسان کے پاس نہ تو وسائل تھے اور نہ ہی سہولتیں......مگر ان کے نفسیاتی مسائل بہت کم تھے۔ اس کی وجہ......؟ ایک اسٹوڈنٹ نے پوچھا۔

"اضطراب" ڈاکٹر ثقلین نے مختصر اجواب دیا۔

"کیسا اضطراب......؟ ایک لڑکی نے کھڑے ہو کر پوچھا۔

1۔ زندگی میں کچھ پانے کا اضطراب......

2۔ کچھ کر کے نہ پانے کا اضطراب......اور

3۔ کسی غلطی گناہ یا guilt سے پیدا ہونے والا اضطراب......اور تیسرے نمبر والا اضطراب سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ جو انسان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتا ہے......اور یہ اضطراب بہت سی نفسیاتی بیماریوں کی وجہ بنتا ہے۔ ڈاکٹر ثقلین نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"کیا انسان صرف ان تینوں وجوہات کی وجہ سے مضطرب ہوتا ہے؟ ایک لڑکے نے سوال کیا۔

"بہت حد تک......" ڈاکٹر ثقلین نے جواب دیا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان مضطرب نہ ہو؟

ایک لڑکی نے پوچھا۔

"ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی......چلیے یہ سوال میں آپ سے پوچھتا ہوں......آپ میں سے کتنے اسٹوڈنٹ ایسے ہیں جن کے اندر کسی نہ کسی قسم کا اضطراب موجود ہے......اور کتنے ایسے ہیں جن کے اندر کسی بھی طرح کا اضطراب نہیں......" اچھی طرح سوچیے اور پھر مجھے جواب دیجئے"۔

ڈاکٹر ثقلین نے اسٹوڈنٹس پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ سب اپنے آپ کا Self analysis کرنے لگے۔ ڈاکٹر ثقلین کی بتائی ہوئی تینوں وجوہات کے پیمانے میں اپنے آپ کا تجزیہ کرنے لگے۔

دس پندرہ منٹ گزر گئے..... مگر ہر طرف گہری خاموشی تھی ہاتھ اٹھا کر بتائیے..... جن کے اندر کسی بھی قسم کا کوئی اضطراب نہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے مائیک میں کہا۔

ہر طرف خاموشی تھی آخری نشستوں میں بیٹھے ایک دبلے پتلے نوجوان لڑکے نے پر اعتماد انداز میں ہاتھ کھڑا کیا۔

"ویری گڈ....." ڈاکٹر ثقلین نے پر ستائش انداز میں تالی بجائی۔

"کیا آپ اسٹیج پر آسکتے ہیں؟" ڈاکٹر ثقلین نے کہا تو وہ دبلا پتلا لڑکا قدرے تیز تیز چلتے ہوئے اسٹیج کی جانب گیا اور ڈاکٹر ثقلین کے پاس جاکر کھڑا ہو گیا۔ ہال میں بیٹھے سارے اسٹوڈنٹس انتہائی حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔

"آپ کا نام.....؟" ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"علی عباس" لڑکے نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"آپ میں سے ابھی کسی نے سوال کیا تھا کہ" کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان مضطرب نہ ہو اور میں نے اس کا جواب دیا تھا۔ ممکن ہے اور نہیں بھی..... اگر یہ نوجوان ہاتھ کھڑا نہ کرتا تو میرا کہا جواب ناممکن غلط ثابت ہوتا۔

علی عباس کا اسٹیج پر آنا ممکن کو سچ ثابت کر رہا ہے۔

علی عباس آپ کے سامنے ہے اور آپ اس سے اس کے مضطرب نہ ہونے کے بارے میں جو پوچھنا چاہتے ہیں..... پوچھیے"

ڈاکٹر ثقلین نے اسٹوڈنٹس کو دعوت دی کہ وہ علی عباس سے سوالات کریں۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کے اندر کسی بھی قسم کا اضطراب نہیں ہے..... میرے خیال میں دنیا کے ہر انسان کے اندر کوئی نہ کوئی اضطراب موجود ہوتا ہے؟ اسٹیج کے قریب پہلی رو میں بیٹھی ایک ماڈرن لڑکی نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔

"اس کا مختصر جواب میرے اندر Contentment (قناعت) ہے۔ علی عباس نے جواب دیا۔

کیسی Contentment.....؟ کیا آپ زندگی میں کچھ پانا نہیں چاہتے؟ اور کیا آپ کو زندگی میں کبھی کوئی ناکامی نہیں ہوئی؟ اور کیا آپ سے کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی..... کوئی گناہ..... کوئی guilt آپ کے اندر نہیں.....؟ اگر واقعی ہی ایسا ہے تو پھر آپ نارمل انسان نہیں؟ اسی لڑکی نے کھڑے ہو کے سوال کیا۔

آپ نے ایک ساتھ ہی بہت سے سوالات کر دیئے ہیں۔ لیکن میں آپ کو یہی کہوں گا کہ میں ان تمام Phases سے گزر چکا ہوں..... اور اب میں مضطرب نہیں ہوں..... اور آپ کے سامنے ایک نارمل انسان کی حیثیت سے کھڑا ہوں" علی عباس نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"ہر انسان میں تھوڑی بہت Contentment ہے..... اور اسی طرح کم یا زیادہ وہ مضطرب بھی ضرور ہوتا ہے..... آپ کے اندر کیسی

Contentment ہے جو آپ کو مضطرب نہیں ہونے دیتی" ایک لڑکے نے قدرے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"ہر انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی آئیڈیل ہوتا ہے...... ایسا رول ماڈل جس سے اسے inspiration ملتی ہے..... جب وہ مضطرب ہوتا ہے تو اسے دیکھ کر اسے سکون ملتا ہے۔۔۔ اور اس کے اندر Contentment پیدا ہوتی ہے۔۔۔ میرا رول ماڈل اور میرا آئیڈیل میرے والد ہیں ...... میں ایک مٹی اور اینٹیں اٹھانے والے مزدور کا بیٹا ہوں۔ دس برس کی عمر میں میری ماں کینسر کا علاج نہ ہونے کی وجہ سے مرگئی۔ ہمارا گھر صرف ایک کمرے باتھ روم اور کچن پر مشتمل ہے۔ دوسروں کے گھر بنانے والے کا اپنا گھر اینٹوں سے بنا ہے اور جس پر ابھی تک سیمنٹ نہیں ہوا۔ میری ماں کے مرنے کے بعد میرے باپ نے جس طرح مجھے پالا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ وہ صبح اٹھ کر نماز پڑھنے کے بعد میرے لیے دو سوکھی روٹیاں پکاتے اور دو اپنے لیے...... ایک وہ اس وقت ناشتے میں کھاتے اور ایک دوپہر کے کھانے کے طور پر اچار یا کسی سالن کے ساتھ کام پر لے جاتے...... ایک میں سکول سے واپسی پر کھالیتا شام کو مزدوری سے واپس آکر وہ پھر میرے لیے اور اپنے لیے کھانا بناتے...... میں فرسٹ ایئر میں تھا جب ابا پانچویں منزل پر اینٹیں لے کر جاتے ہوئے سیڑھی سے گر گئے۔ ان کو شدید چوٹیں آئیں اور ایک ٹانگ کی ہڈی جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی۔ بہت مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک ہی ذریعۂ آمدن تھا اب وہ بھی ناممکن تھا۔ میں نے کچھ ٹیوشنز پڑھانی شروع کر دیں اور ابا نے ایک درزی دوست کی مدد سے بیٹھ کر سلائی مشین پر کپڑوں کی سلائی سیکھنا شروع کی۔ بعد میں ٹانگ کے زخم بہت خراب ہو گئے اور ڈاکٹروں نے ٹانگ کاٹ دی ۔۔۔ ایسے حالات دیکھ کر میں گھبرا جاتا مگر ابا کے چہرے پر نہ کبھی دکھ کے آثار نمایاں ہوتے نہ کبھی زبان سے کوئی شکایت۔ میں جب کبھی ابا کے سامنے روتا...... یا خدا سے شکوہ کرتا تو وہ مجھ سے ناراض ہوتے...... رفتہ رفتہ ابا سلائی میں ماہر ہو گئے۔ گھر بیٹھ کر کافی کام کرنے لگے ابا بیساکھیوں کے سہارے چلنے پھرنے لگے اور میں بھی پارٹ ٹائم کمپیوٹر جاب بھی کرنے لگا۔ اللہ کا شکر ہے اب ہمارے حالات بہت بہتر ہیں...... لیکن میرے ابا نے مجھے تین باتوں پر عمل کر کے دکھایا۔

I۔ میرے اور اپنے جسم میں حرام کا ایک لقمہ بھی داخل نہیں ہونے دیا۔ میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے جسم کی پرورش میرے باپ کی محنت اور خون پسینے کی کمائی سے ہوئی ہے...... وہ ہمیشہ مجھے کہتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو جسم دیا ہے اب انسان پر فرض ہے کہ وہ اس کے اندر حرام داخل نہ ہونے دے کیونکہ جب حرام جسم میں جاتا ہے تو انسان کی نیت خیالات اور اعمال برے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

دوسری بات ابا نے مجھے یہ بتائی ہے کہ جب انسان خدا پر ایمان لاتا ہے اور تقدیر کو اٹل حقیقت مانتا ہے تو پھر خدا سے شکوے کیسے اسکو آزمائشوں سے گھبرا کر خدا سے شکوے نہیں کرنے چاہئیں صبر اور شکر کرنا چاہیے۔

تیسری بات اللہ کی بنائی ہوئی حدود کو توڑنا نہیں چاہیے۔ انسان خود بخود اور گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

چھوٹی موٹی غلطیاں۔ اور کبھی کبھی گناہ بھی نادانستہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں مگر جب نیت اللہ کی حدود نہ توڑنے کی ہوتی ہے تو وہ غلطی یا گناہ اس کے اندر guilt نہیں بنتا۔

یہ میری زندگی کی کہانی ہے...... کبھی کبھی میں غربت سے بہت اپ سیٹ ہو جاتا تھا...... اور اتنی پریشانیوں دیکھ کر Panic بھی...... لیکن ابا

کا حوصلہ، ہمت ،صبر اور شکر دیکھ کر میں حیران ہوتا تھا اور اب وقت گزرنے کے ساتھ جیسے جیسے میں میچور ہو رہا ہوں۔ مجھے لگتا ہے میرا رول ماڈل کوئی عام انسان نہیں ہے۔۔۔۔۔ وہ ظاہری طور پر معذور اور عام ضرور ہیں مگر ان کے اندر ایمان، صبر اور استقلال ہے۔۔۔۔۔ انہوں نے مصیبتوں اور آزمائشوں کو زندگی کا ایک اہم جز سمجھ کر قبول کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ والدین اپنی اولاد کے لئے رول ماڈل ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ اپنی ایک ایک بات۔۔۔۔۔ ایک ایک حرکت اور ایک ایک عمل سے اولاد کی اندرونی طور پر تربیت کر رہے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت انسان اس لئے سمجھتا ہوں کہ خدا نے مجھے بہترین رول ماڈل دیا اور یقیناً میرے والد کی تربیت ان کے والد نے کی ہوگی۔۔۔۔۔ اور میں بھی اپنی اولاد کی تربیت ویسی ہی کرنا چاہوں گا جیسی میرے والد نے میری کی ہے۔

اس لئے میں آج سر عام واضح طور پر کہہ سکتا ہوں کہ میرے اندر کوئی اضطراب نہیں۔۔۔۔۔ میں زندگی میں کچھ پانے کے لئے جدوجہد ضرور کر رہا ہوں مگر میں اس کے لئے مضطرب نہیں ہوں۔ اگر کوئی چیز مجھ سے چھنتی ہے تو وہ میری تقدیر ہوگی اور میں اللہ کی حدود کی پاسداری کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہوں۔ اس کی بتائی ہوئی حرمتوں کا خیال رکھتا ہوں اس لئے میرے اندر کوئی guilt نہیں۔ علی عباس پر مطمئن انداز میں بتا کر خاموش ہو گیا۔ پورا ہال انتہائی انہماک سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ ڈاکٹر ثقلین بھی بہت محو ہو کر سن رہے تھے وہ خاموش ہوا تو سب ان کی باتوں میں کھوئے رہے اچانک ہال میں کسی نے تالی بجائی۔۔۔۔۔ اور اس کی تالی کی آواز سن کر سب تالیاں بجانے لگے۔ ڈاکٹر ثقلین نے بھی تالیاں بجائیں اور علی عباس کو بہت محبت سے اپنے ساتھ لگایا۔ ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ ایکسیلنٹ۔۔۔۔۔ ہم سب آپ کے والد کی عظمت کو سلام کرتے ہیں۔۔۔۔۔ والدین کے اخلاقیات اور ویلیوز میں کمی کہیں نہ کہیں اولاد کے اندر بہت بڑا flow بن کر سامنے آتی ہے اور ان کی خوبیاں ان کی اپنی اولاد کے لئے آئیڈیل بن جاتی ہیں۔ ان کی تربیت کا بدلہ اللہ تعالیٰ آپ جیسی باشعور اولاد کی صورت میں لوٹا دیتا ہے ڈاکٹر ثقلین نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔

''سر میں۔۔۔۔۔ علی عباس صاحب سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں۔۔۔۔۔ کیا ان کے اندر وقتی اضطراب بھی کبھی پیدا نہیں ہوا؟ ایک لڑکی نے پوچھا

''ضرور پیدا ہوتا ہے مگر اس کا دورانیہ بہت کم ہوتا ہے۔ انسان کے اندر جب اخلاقی جذبے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں تو وہ ان لمحاتی جذبوں کو فوراً اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔۔۔۔۔'' علی عباس نے جواب دیا۔

''جذبوں میں جنگ دراصل دل اور روح کی جنگ ہوتی ہے۔ روح طاقتور ہو۔۔۔۔۔ تو منفی جذبے ماند پڑ جاتے ہیں۔۔۔۔۔ اس لئے جس شخص کے اندر اخلاقی قدریں مضبوط ہوں گی اتنے نفسیاتی مسائل اور بیماریاں بھی کم ہوں گی۔ نفسیاتی مسائل جنم ہی تب لیتے ہیں جب انسان اپنے آپ کو خود مطمئن نہیں کر پاتا۔ اسے ہر مسئلہ بہت بڑا نظر آتا ہے اور اپنا آپ بہت کمزور۔۔۔۔۔ انسان جب اپنے آپ سے ہارتا ہے تب نفسیاتی بیماریاں اسے گھیر لیتی ہیں''

ڈاکٹر ثقلین نے وضاحت کی اور علی عباس کو محبت کے ساتھ اسٹیج سے رخصت کیا۔ وہ تالیوں کی گونج میں نیچے اترا آیا۔

آپ لوگوں کے ذہن میں جو سوالات ہیں وہ آپ پوچھ سکتے ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے اسٹوڈنٹس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سر۔۔۔۔۔ حلال و حرام کس طرح انسان کی نفسیات پر اثر انداز ہوتا ہے کیونکہ مسٹر علی عباس نے بھی اپنے سکون کی ایک بڑی وجہ اپنے والد صاحب کی حلال کی کمائی بتائی

ہے؟ تیسری رو میں بیٹھی مومنہ نے پوچھا۔ جس نے نقاب پہن رکھا تھا اور صرف اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

"میں جوابات کے لیے سب سے پہلے اسٹوڈنٹس کو دعوت دیتا ہوں کیونکہ نوجوان ذہن زیادہ متحرک ہوتے ہیں۔ کیا آپ میں سے کوئی اس سوال کا جواب دینا چاہیے گا؟" ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

ایک لڑکی نے ہاتھ کھڑا کیا...... اور اسٹیج کے قریب آ کر مائیک پکڑا "حلال اللہ کی بتائی ہوئی پاک چیزیں ہیں اور حرام ناپاک......" لڑکی نے جواب دیا۔

"لیکن سر...... سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حلال اور حرام دونوں اللہ کی پیدا کردہ چیزیں ہیں...... تو پھر حلال کو پاک اور جائز اور حرام کو ناجائز کیوں کہا گیا ہے؟ ایک داڑھی والے لڑکے نے سوال کیا۔

"حلال اور حرام کا فلسفہ بہت پیچیدہ بھی ہے اور بہت واضح بھی۔ ہر وہ شے جو بیج سے غذا اور غذا سے جزو بدن بننے تک بے ضرر ہے وہ حلال ہے...... اور جس میں کہیں بھی کراہت اور نقصان کا اندیشہ بھی ہے وہ حرام ہے۔ اللہ رب العزت بہت علیم و خبیر اور باریک بین ہے۔ انسان کا جسمانی نظام بھی انتہائی پیچیدہ اور دقیق ہے۔ اس کو سمجھنا انسان کے لئے بہت مشکل ہے...... اور...... روح کا معاملہ اس سے بھی پیچیدہ ہے مگر جیسے جسم کے سارے نظام ایک دوسرے سے بہت مربوط ہیں اسی طرح روح اور جسم کا تعلق بھی بہت مضبوط ہے...... انسان جو کچھ کھاتا اور پیتا ہے اس کے اثرات اس کی روح میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لطیف نقطے کو امام ابن قیم جوزیؒ یوں واضح کیا ہے کہ انسان جو خوراک کھاتا ہے وہ جسم کو طاقت دیتی ہے اور وہ طاقت روح کو تقویت دیتی ہے۔ اگر انسان حلال چیز کھاتا ہے تو روح پر اس کا اثر اچھا ہوگا اور اگر حرام و خبیث چیزیں کھائے گا تو اس کی خباثت روح میں ظاہر ہوگی اور انسان سے بُرے اعمال سرزد ہوں گے۔

اب اسی بات کو سائنسی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔

انسان جو غذا استعمال کرتا ہے۔ وہ رگوں میں سفید یا سرخ ذرات بن کر دوڑتی ہے تو پھر اسے جسم یا تو تصرف کے ذریعے (Catabolism) کے ذریعے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ چنانچہ وہ طاقت کی صورت میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کے ذریعے ہم زندہ رہتے ہیں اور حرکت کرتے ہیں یا تعمیر کی صورت (Anabolism) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا وہ اس صورت میں خلیات اور جسم میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس طرح جسم کو حرکت دینے والے عضلات، پٹھوں و قلب کے عضلات کو حرکت دینے یا انسان کی سوچ کو بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جب خبیث یا حرام شے انسان کے پیٹ میں جاتی ہے تو وہ اس کی رگوں میں دوران خون کے ساتھ گشت کرتی ہے تو پھر وہ خبیث شے اس کے قلب (دل) اس کی زبان اور اس کی سوچ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح حرام شے کا اثر انسان کی روح اور اس کے عمل کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔ ہر حرام شے میں کہیں نہ کہیں قباحت اور برائی ہے جیسے مردار کا گوشت ایک صحتمند انسان کے جسم میں متعدد بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔ کیونکہ خون اس کے جسم سے خارج نہیں ہوتا اور خون میں بہت سے جراثیم اور بیکٹیریا ہوتے ہیں جو بیماریاں ہے۔ سور کے گوشت میں بھی بیماری ہے اور اس سے۔

انسان میں شہوت (Sex) کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور شراب کو اُم الخبائث یعنی برائیوں کی جڑ کہا گیا ہے کیونکہ یہ بہت سی اخلاقی و

جسمانی برائیوں کا دروازہ کھولتی ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے قدرے وضاحت سے بتایا۔

سب اسٹوڈنٹس بہت انہماک سے سن رہے تھے۔

"سر..... سود کھانا..... رشوت لینا..... اور کسی کا حق مارنا..... یہ بھی ناجائز اور حرام ہیں..... لیکن جب اس کمائی سے حلال چیزیں کھائی جاتی ہیں تو پھر ان کا اثر روح پر کس طرح ہوگا جبکہ خوراک تو حلال اور جائز چیزوں پر مشتمل ہوگی؟" ایک لڑکے نے سوال کیا۔

"ہر شے کا ظاہر اور باطن ہوتا ہے۔ جیسے انسان کا جسم اس کا ظاہر اور باطن اس کی روح ہے۔ حلال و حرام..... ایک تو وہ اشیاء ہیں جو جائز اور ناجائز ہیں..... دوسری ان کی باطنی خصوصیات کہ وہ کن ذرائع سے حاصل کی گئی ہیں۔ سود کھانا..... رشوت اور دوسروں کا حق مار کر اس سے جب اپنا اور اپنے اہل و عیال کے پیٹ بھرے جاتے ہیں تو اس کمائی سے برکت اور خدا کی رحمت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ دوسروں کی مجبوریوں اور بے بسی سے اکٹھی کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ بہت سے لوگوں کی بددعائیں اور آہیں شامل ہوتی ہیں۔ اس کمائی سے وہ تاثیر ختم ہو جاتی ہے جو حلال کی کمائی میں ہوتی ہے۔ یہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے حرام کمائی سے آپ حلال چیزیں کھائیں یا پھر حلال کی کمائی سے آپ شراب اور سور کا گوشت کھائیں..... بات تو ایک ہی ہوگی..... دونوں میں خباثت اور کراہت کا عنصر شامل ہوگا جو روح پر اثر کرے گا۔" ڈاکٹر ثقلین نے تفصیلاً بتایا۔

ڈاکٹر صاحب..... حضرت آدم و حوا کے قصے میں ہم پڑھتے ہیں کہ انہوں نے شجر ممنوعہ کا پھل کھایا۔ اسلامی کتب میں ہے کہ انہوں نے گندم کا دانہ کھایا جبکہ بائبل میں ہے کہ انہوں نے سیب کھایا دونوں صورتوں میں پھل ایک حلال شے تھی اور وہ بھی حرام نہیں تھا..... پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ان کے لئے ناجائز کیوں قرار دیا انہیں اس کے کھانے سے منع کیوں کیا؟ اور ان کے کیا اثرات تھے ایک لمبے بالوں والے لڑکے نے سوال کیا۔

سب اس لڑکے کا سوال سن کر چونک گئے۔ کسی کو بھی توقع نہیں تھی کہ ایسا سوال بھی کیا جا سکتا ہے۔

حلال پھل کو اللہ نے ممنوع قرار کیوں دیا۔ اس کیوں کا جواب تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔ لیکن اس سارے قصے سے دو اہم باتیں واضح کرتی تھیں۔ ایک انسان کی سرشت..... انسانی فطرت کا ممنوعہ چیزوں کی طرف مائل ہونا..... وہ ضرور ان چیزوں کی جستجو کرے گا جن سے منع کیا گیا ہے..... اور پھر ممنوعہ چیزوں کے استعمال کے بعد ان کے اثرات سننے میں آیا ہے کہ شجر ممنوعہ کا پھل کھانے سے پہلے وہ اپنے جنسی اعضاء سے ناواقف تھے۔ سارے جسم پر ناخنوں جیسا لباس تھا۔ وہ ایک دوسرے کے جسموں سے بے خبر تھے۔ جیسے ہی انہوں نے پھل کھایا ان کے ستر کھل گئے اور ان کے جنسی اعضاء واضح ہو گئے انہیں ایک دوسرے سے شرم محسوس ہونے لگی اور قرآن پاک میں ہے کہ انہوں نے درختوں کے پتے اپنے اوپر چپکانے شروع کر دیئے اور انہیں اللہ سے بھی شرم محسوس ہونے لگی۔ اور وہ اللہ سے توبہ و استغفار کرنے لگے۔

شجر ممنوعہ کے کھانے اور جنسی اعضاء کے واضح ہونے میں ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے کہ انسان جو کچھ کھائے گا اس کا اس کے جسم اور روح پر گہرا اثر ہوگا۔ انہوں نے پھل کھایا اور ان کے جسم عیاں ہو گئے اور روحانی طور پر وہ ندامت محسوس کرنے لگے ان کی روحوں پر دکھ، افسردگی اور غم طاری ہو گیا اور وہ پچھتانے لگے۔ رونے لگے۔ آپ دیکھیے انسان دنیا میں تین اہم امور سر انجام دیتا ہے۔ زندہ رہنے کے لئے رزق کماتا ہے اور ساری زندگی یہ کام سر انجام دیتا ہے..... دوسرا کام جو دوسرے تنگ کرتا ہے..... وہ کھانے پینے میں مصروف رہتا ہے۔

تیسرا کام...... زندگی کی آخری سانسوں تک...... وہ کمائی کے علاوہ اور بہت سے کام بھی کرتا ہے...... اچھے یا برے اعمال...... اس کی سوچ اور فکر کے نتیجے میں سرزد ہوتے ہیں اور اس کی سوچ و فکر اس کے اندر کی عکاسی ہوتی ہے۔

ہر ممنوعہ اور حرام شے کا انسان کے جسم، روح اور پھر اس کے اردگرد کے لوگوں پر گہرا اثر ہوتا ہے...... چنانچہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی آغاز سے ہی منع کرتا ہے جو فرد اور معاشرے کے لئے نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر ثقلین نے تفصیلاً بتایا۔

''کوئی اور سوال......؟'' ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔ لیکن سب اسٹوڈنٹس خاموش تھے۔ ایک نے تالی بجائی اور پھر سب نے تالیاں بجا کر ان کا شکریہ ادا کیا۔

تھینک یو ویری مچ...... ڈاکٹر صاحب...... آپ نے اپنا قیمتی وقت ہمارے طلباء و طالبات کو دیا...... ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں'' ڈین نے اسٹوڈنٹس کی جانب سے شکریہ ادا کیا۔

''میرا مشن اپنی نوجوان نسل کی رہنمائی کرنا ہے...... ہماری یوتھ جینئس بھی ہے اور بہت مضطرب بھی...... ان کے اندر بہت زیادہ اضطراب ہے جو اکثر ذہنی و جسمانی انتشار کی صورت میں سامنے آتا ہے...... میں اپنے طلباء و طالبات کی بھرپور رہنمائی کے لئے حاضر ہوں۔ آپ میں سے جن اسٹوڈنٹس کو مجھ سے گائیڈنس لینے کی ضرورت محسوس ہو۔ میں حاضر ہوں۔

ڈاکٹر ثقلین نے اپنے کونٹیکٹ نمبرز لکھوائے اور اسٹیج سے اتر آئے۔ اسٹوڈنٹس نے انہیں گھیر لیا اور ان سے مختلف موضوعات پر انفارمیشن لینے لگے۔

صبح نو بجے سے شروع ہونے والا سیشن سہ پہر تین بجے ختم ہوا مگر کسی کو بھی بوریت اور تھکاوٹ کا احساس نہ ہوا۔ اسٹوڈنٹس بہت مطمئن تھے اور ڈاکٹر ثقلین کی زبردست تعریف کر رہے تھے۔ ان سے تعریفی کلمات سن کر ڈاکٹر ثقلین خوش ہو رہے تھے۔

☆

سلوت آپا نے جمعے کے روز صبح دس بجے ہی اپنے ڈرائیور کو زکیہ آپا کے گھر انہیں اور مومنہ کو لانے کے لئے بھیجا...... دونوں صبح نو بجے سے ہی تیار ہو کر بیٹھی انتظار کر رہی تھیں۔ زکیہ آپا نے سفید رنگ کا کڑھائی والا نیا سوٹ پہنا تھا۔ سفید دوپٹے پر بھی بہت نفیس کڑھائی اور شیشوں کا کام تھا۔ زکیہ آپا آج بہت نکھری نکھری لگ رہی تھیں۔ انہوں نے موتیے کے عطر کا خصوصی طور پر اپنے اوپر چھڑکاؤ کیا تھا۔ موتیے کی کلیاں کانوں کے سوراخوں میں سونے کی بالیوں کے ساتھ پہنی تھیں۔

مومنہ نے آف وائٹ نیٹ کی شرٹ کے ساتھ کاٹن کا دوپٹہ خصوصی طور پر میلاد کے لئے بنایا تھا اس نے سوٹ کے ساتھ موتیوں کی میچنگ جیولری اور چوڑیاں پہن رکھی تھیں۔ اور ہلکا ہلکا میک اپ بھی کر رکھا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو مسکرا دی۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی موٹی سیاہ جھیل سی گہری آنکھیں کاجل اور آئی لائنر لگانے سے وہ قدرے نمایاں ہو رہی تھیں۔

ڈرائیور نے دستک دی تو دونوں نے برقعے لیے اور اس کے ہمراہ چلی گئیں۔

گاڑی محل نما گھر میں داخل ہوئی تو ڈرائیور نے جلدی سے باہر نکل کر دونوں کے لئے گاڑی کے دروازے کھولے۔ سلوت آپا گاڑی کی آواز سن کر باہر آ گئیں۔ انہوں نے سفید سلک کی بہت نفیس ساڑھی پہن رکھی تھی اور سونے کے بھاری کنگن اور ٹاپس پہن رکھے تھے جن میں اصلی سچے موتیوں سے جڑاؤ ہوا تھا۔ گلے میں موتیوں کی نفیس مالا پہن رکھی تھی۔ وہ اسقدر گریس فل اور زبردست لگ رہیں تھیں کہ مومنہ حیرت سے ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

اسلام علیکم..... خوش آمدید..... بہت شکریہ آپ لوگوں کے آنے کا..... ہم تو صبح سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں..... تشریف لایئے“ سلوت آپا نے دونوں کو گلے ملتے ہوئے کہا۔ مومنہ اور زکیہ ان کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئیں ڈرائنگ روم انتہائی وسیع و عریض۔ ویل فرنشڈ کمرہ تھا۔ کمرے کا فرنیچر، قالین، پردے کرسٹل کے ڈیکوریشن پیس سب کچھ انتہائی قیمتی اور نفیس لگ رہا تھا مومنہ نے برقع اتار کر دوپٹہ قرینے سے سر پر اوڑھا تو سلوت آپا انتہائی محبت اور پرشوق نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

زکیہ..... آپ کی بیٹی تو..... ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہے..... اس روز تو میں نے برقعے میں ہی دیکھی تھی..... ماشاء اللہ خدا نظر بد سے بچائے۔“ سلوت آپا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے انتہائی محبت سے مومنہ کو اپنے ساتھ لگایا تو وہ سر جھکا کر مسکرانے لگی۔

جبران ہوا ٹرے میں کولڈ ڈرنکس کے تین گلاس لائیں اور تینوں کے آگے کر دیئے۔

”محفل شروع ہونے میں کتنا ٹائم ہے؟“ مومنہ نے پوچھا۔

”بیٹا..... بس آپ لوگوں کا ہی انتظار تھا..... سب خواتین ہال میں بیٹھی ہیں۔“ سلوت آپا نے کہا۔

”میرا خیال ہے ادھر چلنا چاہیے۔“ زکیہ آپا نے کہا اور تینوں ہال کی طرف چل دیں۔ پورا گھر گلاب کے پھولوں اور موتیے کی کلیوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ برآمدے اور لاؤنج کی دیواروں کو تازہ گلاب کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔

اسد نے خاص طور پر کیٹرنگ سروس والوں سے انتہائی زبردست قسم کی ڈیکوریشن کرائی تھی۔ پورا گھر ایک مخصوص روحانی فضا سے مہک رہا تھا۔ اگربتیوں اور موتیے و گلاب کے عطر کی ملی جلی خوشبوؤں نے سارے ماحول کو معطر کر رکھا تھا کئی اور نعت خوان خواتین بھی وہاں بیٹھی تھیں۔ زیادہ تر خواتین کا تعلق امیر گھرانوں سے لگ رہا تھا۔ ان کی سج دھج، لباس اور زیورات سے بخوبی ان کی کلاس کا اندازہ ہو رہا تھا کہ سلوت آپا نے بہت محبت بھرے لہجے اور شائستہ انداز میں دونوں کا تعارف کرایا انہوں نے سب کو گلاب کے پھولوں کے ہار پہنائے محفل شروع ہوئی۔ تو انہوں نے سب پر عطر چھڑکا مومنہ نے قرأت سے آغاز کیا اور اس کے بعد دو نعتیں پڑھیں۔ سلوت آپا تو اس کی آواز سن کر اس پر فدا ہو گئیں۔ اچانک اسد کسی کام کے سلسلے میں ڈرائنگ روم میں گیا..... وہ بھی مومنہ کی آواز سن کر چونک گیا اور اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کے قدم کسی نے جکڑ لیے ہوں۔ اس نے جلدی سے باہر نکل کر لاؤنج کی طرف دیکھا مگر مومنہ کا چہرہ اسے سائیڈ سے نظر آیا۔ آف وہائٹ دوپٹے میں لپٹا سرخ و سفید چہرہ ایک سائیڈ سے ہی اتنا پرکشش لگ رہا تھا کہ وہ پرشوق اور متجسس انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ اچانک اس کا موبائل بجنے لگا اور وہ جلدی سے وہاں سے چلا گیا۔

میلاد کی محفل ختم ہونے کے بعد سب خواتین نے مومنہ کو بہت پیار کیا۔ سلوت آپا بار بار محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر رہی تھیں

اور اپنے پرس سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر اسپر وارے اور پاس کھڑی بوا کو پکڑا دیے۔

"اللہ پاک، بچی کو نظر بد سے بچائے...... ماشاء اللہ ایسی خوبصورت نعتیں پڑھی ہیں کہ روح سرشار ہو گئی ہے...... سچ...... بتاؤں ...... ذکیہ...... مومنہ بیٹی نے تو پرانے دنوں کی یاد تازہ کر دی ہے جب آپ اور رقیہ بیگم ہماری حویلی میں میلاد کی محفلیں پڑھا کرتی تھیں...... ہو بہو آپ جیسی آواز ہے...... کہیں بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ آپ نہیں پڑھ رہیں...... ماشاء اللہ آپ نے بہت اچھی تربیت کی ہے......" سطوت آپا نے ذکیہ اور مومنہ کی تعریفیں کرتے ہوئے کہا۔

"سطوت آپا...... اب ہمیں اجازت دیجیے...... مریم گھر پر اکیلی ہے اور امتحانات کی تیاری میں بھی مصروف ہے...... ہمارا گھر پہنچنا ضروری ہے" ذکیہ نے سطوت آپا سے کہا۔

"بہت شکریہ...... میں ابھی ڈرائیور کو کہتی ہوں...... وہ آپ کو چھوڑ کر آتا ہے...... بوا...... ڈرائیور کو باہر دیکھیے مہمانوں کو چھوڑنے جانا ہے۔ سطوت آپا نے بوا سے کہا کہ وہ غلام دین ڈرائیور کو بلا لائے بوا باہر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اندر آئی۔

"بیگم صاحبہ...... ڈرائیور کو اسد صاحب نے کسی کام سے باہر بھیجا ہے...... اسد صاحب موجود ہیں...... وہ فرما رہے ہیں کہ وہ مہمانوں کو گھر چھوڑ دیتے ہیں" بوا نے بتایا۔

"آئیے ذکیہ بیگم......" سطوت آپا نے کہا اور دونوں ماں بیٹی برقع پہن کر ان کے ساتھ چل پڑیں۔ اسد گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔ سطوت آپا نے دونوں کا اس سے تعارف کرایا۔

"اسد بیٹا...... یہ ذکیہ بیگم ہیں اور یہ ان کی صاحبزادی...... جن کا ذکر میں نے آپ سے کیا تھا" سطوت آپا نے کہا۔

"السلام علیکم......" اسد نے دونوں کی جانب دیکھ کر کہا۔

"وعلیکم السلام" ذکیہ نے محبت سے اس کے کندھے پر پیار سے تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

اسد نے گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور دونوں پیچھے بیٹھ گئیں۔ سطوت آپا نے بہت شکریہ اور محبت کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔

اسد نے بلیک کلر کی پینٹ کے ساتھ وائٹ اور بلیک لائننگ میں شرٹ پہن رکھی تھی۔ خوبصورت پرکشش چہرہ، نکھری نکھری رنگت اور گھنی مونچھیں۔ وہ پہلی نظر میں ہی بہت جاذب نظر لگتا۔ مومنہ اور ذکیہ دونوں خاموش بیٹھی تھیں۔ مومنہ کی نظریں نیچی تھیں اور نقاب سے سارا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ اسد نے ایک دو بار گاڑی کے شیشے میں اسکو دیکھنا چاہا مگر اس کی جھکی آنکھوں کو دیکھ کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"آنٹی پلیز...... مجھے راستہ بتا دیجیے" اسد نے سکوت توڑا اور جلدی سے شیشے میں دیکھا۔ مومنہ نے جھکی آنکھیں ایک دم نادانستہ اٹھائیں اور اسد کی جانب دیکھا۔ اسد نے اس کی خوبصورت آنکھوں کی طرف محبت بھرے انداز میں دیکھا۔ مومنہ کی نظریں اس سے ٹکرائیں اور اس نے پھر آنکھیں جھکا لیں۔ اس کا چہرہ شرم سے سرخ پڑ گیا مگر نقاب کی وجہ سے اس کی کیفیت ظاہر نہ ہونے پائی۔ اس کے ہاتھوں میں پسینہ آ گیا اور اس نے ہاتھ میں پکڑے ٹشو پیپر کو بری طرح مسلا اور پہلو بدل کر بیٹھ گئی۔ اسد کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمایاں ہوئی اور وہ ونڈو سے باہر دیکھنے لگا۔

"بیٹا..... یہیں روک دو..... گلی میں گاڑی نہیں جائے گی"

زکیہ نے ایک محلے کی تنگ سی سڑک پہ اسے گاڑی کھڑی کرنے کو کہا۔ اسد نے گاڑی روک دی اور دونوں گاڑی سے باہر نکلیں۔

"شکریہ..... بیٹا..... جیتے رہو" زکیہ نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ کوئی بات نہیں..... کیا میں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں؟"

اسد نے پوچھا اور ایک نظر مومنہ کی جانب دیکھا۔

"ارے نہیں..... نہیں..... ہم چلی جائیں گی۔ یہ گلی میں تیسرا گھر ہمارا ہے کوئی دور نہیں خدا حافظ" ۔ زکیہ نے اسد سے کہا تو اس نے بھی جواب میں خدا حافظ کہا اور مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"کیسی محفل تھی.....؟" مریم نے ان کے گھر میں داخل ہوتے ہی پہلا سوال کیا۔

"ارے دم تو لینے دو....." زکیہ نے برقعہ اتارتے ہوئے کہا اور برآمدے میں بچھے تخت پوش پر بیٹھ گئی۔ مومنہ نے بھی برقعہ اتار کر دوپٹہ اوڑھا۔

"ان کا گھر کیسا تھا؟" مریم نے جلدی سے دوسرا سوال کیا۔

"لگتا ہے تم نے تو ہمارے لیے پورا سوالنامہ تیار کر رکھا ہے۔ ایک دفعہ ہی سارے سوالات پوچھ لو" مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سچ..... میں تو یہی سوچ سوچ کر تھک گئی ہوں کہ اتنی گریس فل لیڈی کا گھر کیسا ہو گا امی نے جب سے ان کی حویلی اور ان کی باتیں بتائی ہیں..... مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے وہ پرانی فلم مغل اعظم کا کوئی کردار ہوں۔ اور ان کا گھر بھی شاہی محل جیسا ہو گا۔ اور وہاں چلنے پھرنے والے لوگ شاہی ملبوسات میں ہوں گے۔" مریم نے مسکرا کر تجسس انداز میں کہا۔

"جناب..... وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ البتہ ان کا گھر بہت بڑا..... بہت خوبصورت اور ویل فرنشڈ ہے..... ماما عظمت جیسی ایک پرانی بوا ضرور نظر آئیں..... باقی سب کچھ نارمل تھا۔" مومنہ نے مسکرا کر بتایا۔

"سلطنت آپا نے کیا پہن رکھا تھا؟ مریم نے پھر تجسس ہو کر پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"سفید ساڑھی اور گولڈ میں پرل اور روبی کے جڑاؤ والے زیورات" مومنہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہوں گی" مریم نے پھر پوچھا۔

"ہاں....." مومنہ نے جواب دیا۔

"اس دن جب ہمارے گھر آئیں تھیں..... تب زیادہ اچھی لگ رہیں تھیں یا آج.....؟ مریم نے پھر سوال کیا۔

"مریم..... یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیسے سوالات پوچھ رہی ہو۔ لگتا ہے تمہارے دماغ پر انہوں نے قبضہ کر لیا ہے" مومنہ نے قدرے حیرت سے کہا تو مریم ایک دم خاموش ہو گئی اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

مومنہ کا اپنا دل کہیں الجھ گیا تھا۔ زکیہ آپا کپڑے تبدیل کر کے لیٹ گئیں تھیں اور مومنہ کپڑے تبدیل کرنے سے پہلے نادانستہ آئینے کے

سامنے جا کر کھڑی ہو گئی اور اپنے آپ کو بغور دیکھنے لگی۔ اسے اسد کا گاڑی کے شیشے میں سے اسے دیکھنا بار بار یاد آ رہا تھا۔ وہ زیر لب مسکرانے لگی۔ آئینے کے سامنے کھڑی وہ اپنے زیورات اتار رہی تھی مگر اس کی آنکھیں کسی اور منظر کو بار بار دیکھ رہی تھیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ اس کی آنکھوں سے اس کی آنکھوں کو جو پیغام ملا تھا وہ پیغام بہت دلنشین اور معنی خیز تھا۔ ظاہراً کچھ بھی نہ تھا مگر حقیقت میں بہت کچھ بھی تھا۔ آج سے قبل کسی نے اسے ایسی نظروں سے نہیں دیکھا تھا وہ یونیورسٹی میں لڑکوں کے ساتھ پڑھتی تھی...... مگر شاید اس کے نقاب کو دیکھ کر ہی کلاس فیلوز احتراماً آنکھیں پھیر لیتے تھے یا کوئی اور وجہ تھی مگر اسد کی نظروں کا مفہوم کچھ اور تھا مجھے لگتا ہے...... وہ جان بوجھ کر ہمیں چھوڑنے آیا ہے" مومنہ نے چوڑیاں اتارتے ہوئے سوچا۔

"ضروری تو نہیں...... جو میں سوچ رہی ہوں...... ویسا ہی ہو...... ڈرائیور اچانک کسی کام سے بھی تو باہر جا سکتا ہے۔ دل نے فوراً اس کی سوچ کی تردید کی۔

"اگر وہ مجھے ایسی نظروں سے نہ دیکھتا...... تو میں اس بات کو مان لیتی...... مگر...... وہ......" مومنہ سوچوں میں گم ہو گئی۔ مومنہ...... بیٹا...... باہر جا کر دروازہ کھولو...... کوئی دستک دے رہا ہے۔" زکیہ آپا نے تخت پوش پر لیٹے ہوئے باہر سے آواز دی...... اور مومنہ کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ وہ سر پر دوپٹے کو پھیلا کر لیتے ہوئے دروازے کی جانب گئی اور چہرے کو دوپٹے سے آدھا ڈھانپ کر دروازے سے باہر جھانکا...... اس کے ہاتھ پاؤں ایک دم سن ہو گئے...... سامنے اسد کھڑا تھا۔ اور وہ پرشوق نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ مومنہ کے چہرے پر پسینہ آنے لگا اور رنگ ایکدم سرخ ہونے لگا۔ اس کی چمکتی آنکھیں روشن پیشانی اور تمتماتے رخسار جو آدھے دوپٹے میں چھپے تھے اور آدھے باہر تھے۔ اس کی گھبراہٹ کو ظاہر کر رہے تھے۔

"وہ دراصل آپ کو مٹھائی دینا بھول گئیں تھیں...... یہ مٹھائی دینے آیا ہوں۔" اسد نے مٹھائی کا بڑا سا ڈبہ بہت خوبصورت پیکنگ میں اس کی جانب بڑھایا۔

"اس...... اس کی کیا ضرورت تھی؟" مومنہ بمشکل بولی اور ڈبہ پکڑتے ہوئے دوپٹہ چہرے سے سرک کر نیچے آ گیا۔ اسد اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"اس کی بہت ضرورت تھی" وہ مسکرا کر بولا۔

"جی......" مومنہ نے جلدی سے ڈبہ پکڑ کر چہرہ چھپانا چاہا۔

"اب میں چلتا ہوں...... آنٹی کو سلام کہیے گا" اسد نے مسکراتے ہوئے اسے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

"مومنہ...... دروازے پر کون ہے؟" زکیہ آپا نے آواز دے کر پوچھا۔

مومنہ مٹھائی کا ڈبہ لے کر ان کی جانب آئی تو زکیہ آپا حیرت سے اسے دیکھتی ہوئی تخت پوش پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"امی...... سلوت آپا نے مٹھائی بھیجی ہے...... انہیں اس وقت مٹھائی دینا یاد نہیں رہی تھی" مومنہ نے جلدی سے بتایا لو...... بھلا...... اس کی

کیا ضرورت تھی؟ ہیں نا...... خاندانی لوگ...... اپنی روایات کو کیسے بھول سکتے ہیں...... مٹھائی دینے کون آیا تھا؟ ڈرائیور کو بھیجا ہوگا۔" زکیہ آپا نے مٹھائی کا ڈبہ کھولتے ہوئے پوچھا۔

"اسد......" مومنہ نے بمشکل شرما کر کہا اسی لمحے مریم کمرے سے باہر نکلی اور مومنہ کو سرخ چہرے اور قدرے گھبراہٹ سے اسد کہتے سن کر وہ چونکی اور معنی خیز انداز میں مومنہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ اسد کون ہے؟" مریم نے جان بوجھ کر پوچھا۔

"سلوت آپا کا پوتا...... ماشاءاللہ بڑا اچھا اور نیک بچہ ہے...... ہمیں وہی تو چھوڑنے آیا تھا" زکیہ آپا نے مٹھائی کھاتے ہوئے کہا۔

"اور...... پھر مٹھائی دینے بھی وہ نیک اور اچھا بچہ خود ہی آ گیا" مریم نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو مومنہ جلدی سے وہاں سے اٹھ کر اندر چلی گئی جیسے اس کی چوری پکڑی جانے والی ہو۔

"مریم یہ ڈبہ کچن میں رکھوا دو ابھی بچے پڑھنے آئیں گے تو سب میں بانٹ دینا...... میلاد شریف کا تبرک ہے"۔

زکیہ آپا نے کہا تو مریم مسکراتے ہوئے ڈبہ کچن میں رکھنے چلی گئی...... مومنہ کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"پتا نہیں...... میلاد شریف کا تبرک ہے بھی یا نہیں......" مریم نے چھیڑنے کے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب......؟" مومنہ نے ایکدم چونک کر پوچھا۔

"مجھے تو یہ مٹھائی کچھ کالی کالی لگ رہی ہے...... اس کی اتنی زبردست پیکنگ تو کچھ اور ہی کہانی سنا رہی ہے۔"

"مریم نے آنکھیں گھماتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا کیا فضول باتیں کر رہی ہو؟ مومنہ نے خفگی سے کہا۔

"ان فضول باتوں کو آپ اصل میں بہت انجوائے کر رہی ہیں...... سائیکالوجی آپ پڑھتی ہیں مگر اس کی ڈاکٹر میں ہوں...... آپی...... یہ دوبارہ چکر لگانا...... خود مٹھائی دینے آنا...... آپ کا بلش ہونا...... بات ہے کچھ...... آپ مانیں یا نہ مانیں۔" مریم نے ہنستے ہوئے کہا تو مومنہ ایکدم بوکھلا گئی۔

"پلیز...... مریم...... تم کیسی باتیں کر رہی ہو...... آج تمہیں کیا ہو گیا ہے...... پہلے سلوت آپا تمہارے دماغ میں سمائی تھیں اور اب اسد" اسد کہتے ہوئے اس کی آواز قدرے نرم پڑ گئی۔

"ہاں...... واقعی مجھے کچھ ہو گیا ہے...... یقیناً میں ان سے متاثر ہو گئی ہوں...... آپی جب کوئی کسی سے متاثر ہوتا ہے۔ تو کیا کرتا ہے؟" مریم نے شرارتی لہجے میں پوچھا۔

"تمہارا سر......؟ مومنہ غصے سے گھورتی ہوئی باہر نکل گئی۔"

"نہیں...... وہ مٹھائی کا ڈبہ دے کر جاتا ہے" مریم نے قہقہہ لگا کر کہا اور ہنستی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

☆

"اسد بیٹا..... کیا آپ نے زکیہ کے گھر مٹھائی پہنچادی تھی؟" سلوت آپا نے رات کو سارے کاموں سے فارغ ہو کر اسد سے پوچھا۔

"جی...... دادو...... میں خود دے کر آیا تھا۔" اسد نے بتایا کیا آپ خود گئے تھے؟" دادو نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

ہاں غلام دین کو لیٹ آنا تھا۔ بلکہ ابھی تک نہیں آیا..... تو میں نے سوچا میں خود دے آتا ہوں۔" اسد نے بتایا یہ تو آپ نے اچھا کیا......

بچے مانو...... ان کے جانے کے بعد ہمیں اس قدر ملال رہا کہ انکل مٹھائی کیوں نہیں دی...... نجانے ہماری یادداشت کو کیا ہوتا جارہا ہے۔ اس قدر ضروری کام ذہن سے نکل گیا...... بھلا میلاد کی محفل شیرینی بانٹے بغیر مکمل ہوتی ہے۔ سب کے لئے مٹھائیوں کے ڈبے رکھے تھے...... اور ہم ان کو دینا بھول گئے......" دادو نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں...... کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے...... میں آپ کو بادام لا کر دوں گا...... آپ کی یادداشت بہتر ہو جائے گی"۔

اسد نے ہنستے ہوئے ٹیبل پر رکھی مٹھائی میں سے گلاب جامن منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"اب اس عمر میں ہماری یادداشت کیا بہتر ہوگی؟ دادو نے تاسف سے کہا۔

"دادو...... میں یادداشت بہتر بنانے کی ٹیبلٹس لا کر دوں گا۔" اسد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چلو...... ہٹو...... کیوں بناتے ہو؟ دادو نے کہا۔

"خیرن بوا...... اسد بیٹے کے لئے ہم نے دم کیا پانی رکھا ہے وہ لا کر انہیں پلا دیں۔ دادو نے قدرے اونچی آواز سے کہا تو خیرن بوا جلدی سے ٹرے میں ایک گلاس رکھ کر لے آئی۔

"بیٹا...... اسے پی لیں...... اللہ پاک کی کلام پڑھی گئی ہے اور کلام پاک میں بہت شفا ہوتی ہے۔" دادو نے محبت سے گلاس پکڑا کر اسے دیا اور اس نے خاموشی سے پی لیا۔

"دادو...... آج محفل کیسی رہی؟" اسد نے جان بوجھ کر پوچھا۔

"ماشاءاللہ...... بہت اچھی...... بہت بابرکت...... زکیہ کی بیٹی مومنہ نے ایسی خوبصورت قرأت اور نعتیں پڑھیں کہ بس کیا بتاؤں...... ہم تو اس لڑکی کی آواز...... اور ترنم سن کر حیران رہ گئے...... پروردگار کا اس پر بڑا ہی کرم ہے...... کہ مولا نے اسے اس بابرکت کام کے لئے منتخب کیا ہے...... نعتیں پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہو رہا تھا...... جیسے اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔" دادو قدرے محبت سے بولیں۔

"تو آپ مجھے بلا لیتی...... سارے پھول سمیٹ لیتا۔" اسد نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہٹو...... زیادہ مذاق نہ کیا کرو...... ہم تو اس لڑکی پر فدا ہی ہو گئے......" دادو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خدا...... خیر کرے۔" اسد نے مسکرا کر کہا۔

"اتنی سعادت مند...... باپردہ...... نیک...... دیندار...... کم گو...... لڑکی...... ہم نے کہیں نہیں دیکھی......" (اسد نے منہ بنا کر کہا) دادو نے حیرت سے کہا دادو گھریلو لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔

"بیٹا...... وہ یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے...... ایم ایس سی کر رہی ہے...... کس میں......؟ ہاں...... یاد آیا...... نفسیات میں زکیہ نے یہی بتایا تھا۔

"امیزنگ" اسد نے بھی قدرے متاثر ہو کر کہا۔

"ہمارا بھی اچھے اور اعلیٰ خاندانوں میں آنا جانا ہے مگر ہر جگہ ہمیں تو لڑکیاں شوپیس ہی نظر آئی ہیں...... کرسٹل کے خوبصورت شوپیس کی طرح خوبصورت دلکش پُرکشش...... مگر مذہب اور روایات میں بہت کمزور...... اتنی کھوکھلی اور نازک کہ ایک ٹھوکر سے ہی ٹوٹ جائیں۔" دادو نے سنجیدگی سے کہا۔

"دادو...... آجکل ایسی ہی لڑکیوں کا فیشن ہے...... لڑکے انہیں ہی پسند کرتے ہیں۔ جو ماڈرن اور فیشن ایبل ہوں...... پھر لڑکیاں بیچاری کیا کریں...... انہیں بھی تو امیر لڑکوں سے شادیاں کرنی ہوتی ہیں...... وہ ایسا ہی بننے کی کوشش کرتی ہیں جیسا کہ لڑکے چاہتے ہیں۔" اسد نے لڑکیوں کی فیور میں بولتے ہوئے کہا۔

"بیٹا...... یہیں تو غلطی ہوتی ہے...... ہمارے زمانے میں لڑکے لڑکی کو کم اور خاندانی روایات...... رکھ رکھاؤ اور مذہبی رجحان کو دیکھا جاتا تھا...... اب ہم لکھنؤ کے نواب کی بیٹی...... اور آپ کے دادا جان حیدرآباد کے رہنے والے...... نہ کوئی رشتہ داری...... نہ کوئی قرابت داری...... ہماری ساس، ہماری دادای کی پرانی سہیلی تھیں۔ دادی جان کی وفات کا سن کر وہ ہمارے ہاں تشریف لائیں تو ہمارے گھر کے ادب آداب اور ہماری والدہ کی دینداری سے بہت متاثر ہوئیں...... ہم چار بہنیں تھیں اور ہماری والدہ مرحومہ بہت نیک، مذہبی اور قرآن پاک کی حافظہ تھیں۔ انہوں نے ہماری تربیت میں مذہبی تعلیمات کو ہمیشہ اولین حیثیت دی۔ ہماری ساس ایسا ماحول دیکھ کر بہت متاثر ہوئیں اور رخصت ہونے سے پہلے ہمارے ساس اور سسر نے ہمارے والدین سے رشتہ کی بات کی...... آپ کے دادا علی گڑھ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے۔ اس کے علاوہ خاندانی نواب تھے...... ہمارے والدین کو یہ رشتہ بہت مناسب لگا...... یوں ہماری شادی ہو گئی......" دادو نے کھوئے ہوئے لہجے میں ماضی کو یاد کرتے ہوئے کہا ان کے چہرے پر مسکراہٹ سی پھیلی تھی۔

"دادو...... پھر آپ نے دادا مرحوم کو کیسا پایا؟" اسد نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"بہت اچھے، نیک اور شفیق انسان...... ان میں بھی خاندانی رکھ رکھاؤ بہت زیادہ تھا۔ بڑوں کی عزت، چھوٹوں سے محبت اور غریب و غرباء کا بہت خیال رکھتے تھے...... ہماری بھی بہت عزت کرتے تھے ہمارے ساس، سسر اور نندوں نے بھی ہمیں بہت عزت دی...... اللہ کا شکر ہے...... پروردگار نے ہمیں کسی شے کی کمی نہیں ہونے دی خاندانی وقار، دولت، عزت، احترام" دادو نے محبت سے کہا۔

"دادو آپ خاندانی وقار کو اتنی زیادہ اہمیت کیوں دیتی ہیں؟" اسد نے مسکرا کر پوچھا۔

"بیٹا...... یہ چیز بہت نایاب ہوتی ہے...... ہم خاندانی وقار سے صرف اعلیٰ حسب نسب مراد نہیں لیتے بلکہ وہ جس میں ادب و آداب رکھ رکھاؤ اور انسانیت کا دکھ درد اور دوسروں کے لئے احترام شامل ہے...... آج کل تو قدریں ہی بدل گئی ہیں...... لوگ اس کو خاندانی کہتے ہیں جن کے

پاس دولت زیادہ ہوتی ہے اور جس کے پاس بڑا گھر اور سہولتیں ہوں۔ جبکہ ہم تو خاندانی اسے ہی سمجھتے ہیں جس میں اخلاقی قدروں، روایات کی پاسداری، اللہ رسولؐ سے محبت..... اور انسانوں سے پیار۔ چاہے وہ کتنا غریب ہی کیوں نا ہو..... بیٹا اعلیٰ ظرفی بہت بڑی صفت ہے اور جو اعلیٰ ظرف..... اور وسیع القلب ہوگا..... اس کے خون میں ایسی کشش ہوگی جو دوسروں کو ضرور اپنی طرف متوجہ کرتی ہے" داود نے محبت سے کہا۔

"کیا آپ کے خیال میں ذکیہ آنٹی کا گھرانہ بھی خاندانی ہے؟" اسد نے جان بوجھ کر پوچھا۔

"ہاں..... کیوں نہیں..... مولوی اکبر علی صاحب کی پورے محلے میں بہت عزت تھی۔ بہت شریف النفس اور حلیم انسان تھے۔ قرآن و سنت پر عمل کرنے والے اور شریعت کے پابند تھے۔ ان کی بچیاں ذکیہ اور رقیہ بھی بہت دیندار تھیں۔ مولوی صاحب نے بہت اچھے انداز میں ان کی تربیت کی تھی۔ ہمارے ہاں ان کے گھرانے کو بہت قدر و منزلت سے دیکھا جاتا تھا" داود نے مسکرا کر جواب دیا۔

"داود..... آپ کا خاندانی فلسفہ بہت پیچیدہ ہے..... آج کل کون ان چکروں میں پڑتا ہے۔ لڑکا لڑکی کو پسند کرتا ہے۔ شادیاں ہو جاتی ہیں اتنا وقت ہے، کہ خاندانی روایات کا خیال رکھیں..... اور ویسے بھی لائف اتنی Uncertain ہے۔ لمحوں میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے..... کون ان جھمیلوں میں پڑے" اسد نے قدرے بیزاری سے کہا۔

"بیٹا خاندانوں میں اسی لیے تو پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ خاندان ٹوٹ رہے ہیں..... طلاقیں زیادہ ہو رہی ہیں..... لڑکے لڑکیاں صرف اپنی اپنی زندگیوں کو دیکھتے ہیں..... انہیں صرف اپنی خوشیوں کی پرواہ ہے..... اس لئے وہ دوسروں سے کٹ رہے ہیں..... اسی لئے لوگ ذہنی طور پر پریشان ہیں۔ اللہ نے خاندان اور قبیلے اسی لئے بنائے ہیں کہ لوگ جڑ کر رہیں۔ ایک دوسرے کا احساس، عزت اور پرواہ کریں۔ جن خاندانوں میں روایات ختم ہو جاتی ہیں وہ بالکل بکھر جاتے ہیں..... اور ایک خاندان کی روایات کو چلانے والی 'عورت' ہوتی ہے..... یعنی گھر کی بہو..... بہو پڑھی لکھی..... دیندار، مذہبی شعور رکھنے والی ہوگی تو وہ اچھی نسل پیدا کرے گی..... اپنی اولاد کو اچھی اخلاقیات دے گی..... آج کل کی لڑکیاں پڑھی لکھی اور فیشن ایبل تو ضرور ہیں مگر نہ ان میں مذہبی شعور ہے نہ اخلاقی قدروں اور اللہ کی حدود کی پاسداری..... اس لئے ان کے اندر برداشت اور دوسروں کی غلطیاں معاف کرنے کا ظرف کم ہوتا ہے۔ لمحوں میں فیصلے کرتی ہیں..... طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ گھر ٹوٹ جاتے ہیں اور بچے ذہنی طور پر پریشان۔ ایسی لڑکیاں باوفا نہیں ہوتیں۔ اب آپ ہی بتاؤ عورت اور مرد کے جذباتی فیصلوں سے اولاد ذہنی طور پر پریشان ہو جاتی ہے..... ایسی منتشر ذہن اولادیں کیا خاندانی روایات چلائیں گی..... اس لئے ہمیں بھی آپ کے لئے ایسی ہی لڑکی کی تلاش ہے..... جو تعلیم یافتہ اور مذہبی پرہیزگار ہو..... جو اللہ اور بندوں کے حقوق جاننے والی ہو..... جو صبر کرنے اور برداشت کرنے والی ہو..... بھڑکتے شعلے کی طرح جذباتی نہ ہو۔ اس میں تحمل اور سمجھداری ہو۔ جو ہماری خاندانی روایات ہماری آنے والی نسلوں میں منتقل کر سکے..... اور بیٹا آپ بھی یاد رکھیے..... جب تک خاندانوں میں بہوؤں کا انتخاب مذہبی اخلاقی قدروں پر ہوگا..... خاندان کبھی منتشر نہیں ہوں گے۔" داود نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "داود چاہے وہ کتنی بدصورت کیوں نہ ہو؟" اسد نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"بیٹا..... یہی تو بات ہے..... آج کل معاشرہ منافقت کی ڈگر پر چل رہا ہے..... یا تو آپ حسن و خوبصورتی کو پیمانہ بنائیں یا پھر اخلاقی

قدروں کو..... اور ویسے بھی شکل وصورت اللہ پاک کی بنائی ہوتی ہیں..... عورت گھر میں خوش اور پرسکون ہوگی۔ اس کی سیرت اور اخلاق اچھا ہوگا تو قدرتی طور پر اس میں کشش پیدا ہوگی..... ہماری نند زیب النساء کا رشتہ لڑکے لڑکی کو دیکھے بغیر دونوں خاندانوں میں طے ہوا تھا اور ماشاءاللہ دونوں نے بہت خوش زندگی گزاری ہے۔ اس لئے ہم ان باتوں کو نہیں مانتے" دادو نے مسکرا کر جواب دیا۔

"دادو..... اس کا مطلب ہے آپ کو برقع والی لڑکی چاہیے"۔

اسد جان بوجھ کر گھما پھرا کر مومنہ کی طرف لانا چاہ رہا تھا۔

"ارے بیٹا..... ہم فیشن کے خلاف نہیں..... ہماری ساس مرحومہ تو اللہ جنت الفردوس میں جگہ دے..... ہمارے لیے پورے انڈیا سے قیمتی ملبوسات اور زیورات منگواتی تھیں..... "کمخواب، مخمل، ذری، اطلس، حریر، ریشم، دیبا دو گھوڑا بوسکی، سلک، مقیش نجانے کیا کیا کپڑے منگوا کر ہمیں دیتی تھیں۔ حیدر آبادی زیورات..... مدراسی کنگن، بندے، جھمکے بلکہ پورے انڈیا سے پہننے اور اوڑھنے کی خاص چیزیں منگوا کر ہمیں پہناتی تھیں اور ہمیں پہنے دیکھ کر خوش ہوتی تھیں..... ہم خوبصورت دیدہ زیب اور قیمتی لباس کے خلاف نہیں مگر بیٹا لباس کو لباس نظر آنا چاہیے۔ اللہ پاک نے اس کو جس مقصد کے لئے نازل کیا ہے اس سے وہ مقصد تو پورا ہونا چاہیے..... یہ نہ ہو کہ عورت لباس پہن کر بھی بے لباس نظر آئے..... ایسے لباس معاشرے میں بے حیائی پھیلاتے ہیں اور اللہ کو بے حیائی سخت ناپسند ہے..... ایسے لباس پہننے والیوں سے مرد جی تو بہلاتے ہیں مگر دل سے ان کی عزت نہیں کرتے" دادو نے سنجیدگی سے جواب دیا تو اسد کی نظروں کے سامنے علینہ گھوم گئی اور وہ بھی اس کی اس کے ساتھ بیہودہ حرکتیں کرنا۔ اسے دادو کی باتوں میں وزن محسوس ہونے لگا۔

وہ گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

اچھا..... بیٹا..... آج ہم نے بہت باتیں کی ہیں..... آپ جب بھی آتے ہیں..... ماضی یاد دلاتے ہیں..... نجانے کہاں کہاں سے باتیں ذہن میں آتی جاتی ہیں..... اب عشاء کی نماز کا وقت ہو رہا ہے..... ہم نماز ادا کرنے جا رہے ہیں..... اور پھر اپنے کمرے میں ہی سو جائیں گے..... شب بخیر اور فی امان اللہ"۔ دادو نے اس کا ماتھا محبت سے چومتے ہوئے کہا اور اٹھ کر چلی گئیں۔ اسد صوفے کی پشت کے ساتھ سر ٹکا کر سوچنے لگا۔ اس کی نظروں کے سامنے بار بار مومنہ کا چہرہ آتا۔ جب پہلی بار اس نے اس کا چہرہ سائیڈ سے دیکھا تھا۔ پھر گاڑی کے شیشے میں نقاب پوش چہرہ اور کاجل سے مزین خوبصورت بڑی بڑی حیادار آنکھیں اور پھر مٹھائی کا ڈبہ پکڑاتے ہوئے۔ تمتماتے رخساروں کے ساتھ آدھا کھلا چہرہ..... اس جیسا حسن..... اور شرم وحیا اس سے قبل اس نے کسی لڑکی میں نہیں دیکھی تھی۔ اس کا سماجی حلقہ بہت وسیع تھا۔ آئے دن پارٹیاں ہوتیں۔ لڑکیاں سرعام لڑکوں کی بانہوں میں بانہیں ڈالے..... انتہائی مختصر لباس پہنے..... اور ڈرنک کرتی ہوئیں ذرا بھی نہ جھجکتی تھیں۔

"ایسی لڑکیاں باوفا نہیں ہوتیں....." دادو کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔

"واقعی..... ہر بار..... ہر پارٹی میں زیادہ تر لڑکیوں کے بجائے فرینڈز بدلے ہوتے ہیں..... نہ لڑکے لڑکیوں کے ساتھ مخلص ہیں اور نہ ہی لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ..... دادو کی باتیں ٹھیک ہیں۔ ان کا انتخاب اس کے لئے یقیناً بہترین ہوگا..... کیا دادو کو مومنہ اپنے انتخاب پر پورا اترتی

نظر نہیں آئی......؟

واوو نے ایک بار بھی اس کی جانب اشارہ نہیں کیا...... ویسے تو وہ اس کی بہت تعریفیں کر رہی تھیں...... میں...... جو...... ابھی شادی کا سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مومنہ کو دیکھ کر نجانے کیوں میرے دل نے اتنی کشش محسوس کی ہے کہ میں واقعی اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مگر واوو اب ایسا کیوں نہیں سوچ رہیں...... وہ مضطرب ہو کر سوچنے لگا...... اور آنکھیں بند کر لیں...... مومنہ کا چہرہ اور اس کی آنکھیں پھر اس کو ستانے لگیں۔ وہ جھنجھلا کر اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆

علینہ بہت مضطرب تھی نجانے کیوں اسے اسد سے بہت Infatuation محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ جب سے نگین کے گھر سے آئی تھی۔ اسد اس کے حواسوں پر چھایا ہوا تھا۔ کئی روز ہونے کو آ رہے تھے اور وہ ابھی تک اس کے ذہن سے محو نہیں ہو رہا تھا۔ یونیورسٹی بھی آف تھی۔ اس لئے وہ نگین سے کھل کر بات نہ کر سکی۔ مما کے ساتھ ویسے اس کی ٹینشن چل رہی تھی۔ مما اب اس کی ہر بات ہر حرکت پر تنقید کرتیں۔ اس کو اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے...... فون پر کسی سے بات کرنے پر اعتراض کرتی۔ گھر میں وہ...... مما اور چھوٹے بھائی ظفر کے علاوہ دو ملازم اور ایک چوکیدار تھا...... مگر...... مما کسی کی بھی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر اس کی بے عزتی کر دیتیں اور وہ غصے میں آ کر سارا وقت کمرے میں بند رہتی۔

علینہ بار بار نگین کو فون کر رہی تھی۔ مگر اس کا موبائل مسلسل انگیج جا رہا تھا۔ وہ بار بار ٹرائی کرتی رہی اور بالآخر اس کا نمبر مل ہی گیا۔

"نگینہ...... میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔" علینہ نے اداس لہجے میں کہا۔

آر...... یو...... اوکے؟" نگین نے حیرت سے پوچھا۔

"نو...... آئی ایم ناٹ......" علینہ نے مختصراً جواب دیا۔

"وٹ ہیپنڈ...... (کیا ہوا)؟" نگین نے حیرت سے پوچھا۔

"میں تم سے ملنا چاہتی ہوں......" علینہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

"اوکے...... کم ٹو می...... آئی ایم ایٹ ہوم" نگین نے جواب دیا۔

"آئی ایم کمنگ......" علینہ نے فون رکھ دیا۔

اور جلدی سے ٹراؤزر کے ساتھ چھوٹا سا کرتا پہنا اور بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر نکلی۔

"تم...... کہاں جا رہی ہو؟" ندرت بیگم نے اسے کچن کی کھڑکی میں سے دیکھ کر پوچھا۔

"ایک ضروری کام ہے" وہ جلدی سے بولی۔

"سر پر دوپٹہ تو لو......" ندرت بیگم وہیں سے چلائیں مگر وہ سنی ان سنی کرتی ہوئی باہر چلی گئی اور گاڑی لے کر تیزی سے گیٹ سے باہر نکل گئی۔ ندرت بیگم غصے سے دانت کچکچانے لگی...... پھر بڑبڑانے لگیں۔

تمکین گھر پر اکیلی تھی......سوائے ملازمین اور چوکیدار کے گھر پر کوئی اور فرد موجود نہ تھا۔ تمکین کی آنکھیں قدرے سوجی ہوئیں اور سرخ تک رہیں تھیں۔ جیسے بے خوابی اور تھکاوٹ سے چور ہوں۔ اس نے اسٹرائپس والی شرٹ کے ساتھ ٹائٹ سی پینٹ پہن رکھی تھی۔

وہ اسے انتہائی خوبصورت، وسیع اور ویل فرنشڈ ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

کیا ہوا "علیزہ......وہاٹ ہیپنڈ؟" تمکین نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے سوکھے ہاتھوں میں لے کر پوچھا۔

"آئی ایم ویری مچ اپ سیٹ......" علیزہ نے نم آنکھوں سے کہا کیا گھر پر کوئی پرابلم ہے......؟ تمکین نے پوچھا۔

"نہیں......" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"پھر......؟" تمکین نے حیرت سے سوال کیا۔

"علیزہ خاموش ہوگئی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے بتائے......وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"کیا تمہارا اپنے بوائے فرینڈ سے جھگڑا ہوگیا ہے؟" تمکین نے اس کے حالیہ بوائے فرینڈ اویس کے بارے میں پوچھا۔

"آئی ہیٹ ہم......میں نے اسے چھوڑ دیا ہے" علیزہ نے غصے سے جواب دیا۔

"کب......؟" تمکین نے حیرت سے پوچھا۔

"لاسٹ ویک......"

"کیوں......؟"

"وہ مجھ سے فلرٹ کر رہا تھا......محبت نہیں......" علیزہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"تمہیں کس نے بتایا......؟" تمکین نے حیرت سے پوچھا۔

"اس نے خود......" علیزہ نے نم آنکھوں سے جواب دیا۔

"ہی از......سو......بولڈ......بٹ اٹ از امیزنگ......" تمکین نے شستہ لہجے میں کہا۔

"میرے ساتھ ہر بار ایسا ہی کیوں ہوتا ہے......پہلے جمی اور سلمان نے ایسے کیا اور اب اویس نے......تمکین آئی ڈونٹ نو......میرے ساتھ یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں......میری فیلنگز کو ہرٹ کرتے ہیں......میں تو ان کے ساتھ Sincere رہتی ہوں......پھر یہ لوگ......آئی ڈونٹ نو......ہر بار ایسا کیوں ہوتا ہے" علیزہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ٹیک اٹ ایزی......مائی ڈیئر......دس از لائف......اور لائف میں ایسا ہوتا ہے تم بھی ہر بوائے فرینڈ کو انجوائے کیا کرو......ان کے بارے میں سیریس مت ہوا کرو......جب تم انہیں لفٹ نہیں کراؤ گی......خود تمہارے پیچھے آئیں گے۔" تمکین نے مسکرا کر بتایا۔

"تمکین......مجھے بوائے فرینڈز چینج کرنا پسند نہیں......لیکن وہ مجھے چھوڑ کر نئی گرل فرینڈز بنا لیتے ہیں" علیزہ نے روتے ہوئے کہا۔ دس از وہاٹ......آئی ایم ٹیلنگ یو......ٹو ہیل وِد دیم۔" تمکین نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا تم وقاص کے بارے میں پوزیسو نہیں ہو؟" علیزہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں نے اس کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے" تمکین نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"کیوں......؟" علیزہ کو ایکدم جھٹکا لگا۔

"بی از ناٹ فیئر مین...... جب مجھے اس سے اچھا پارٹنر مل رہا ہے تو میں کیوں اس کے ساتھ شادی کروں" تمکین نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"کون......؟" علیزہ نے حیرت سے پوچھا۔

"فاخر...... ڈیڈی کے بزنس پارٹنر کا بیٹا ہے...... امریکہ سے آیا ہے...... پرسوں وہ لوگ ہمارے گھر آئے تھے۔ ویری نائس جینٹلمین...... ڈیڈی کو بھی وقاص پر بہت غصہ ہے...... نہ بزنس میں سیریس ہے اور نہ لائف میں......" تمکین نے قدرے خفگی سے کہا تو علیزہ حیران رہ گئی...... ایک ماہ پہلے دونوں کی باقاعدہ منگنی ہوئی تھی۔ وقاص اس کا کزن تھا اور دونوں ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے تھے اور اب اچانک وہ وقاص سے متنفر ہو گئی تھی۔

"مائی ڈیئر...... زندگی بہت قیمتی ہے اور اسے نہ تو صرف ایک شخص کے لیے گزارنی چاہیے اور نہ ہی اس شخص کو زندگی میں آخری سمجھنا چاہیے...... زندگی میں ایسے چانسز ملتے رہتے ہیں۔ پہلے بھی سلمان اور پھر ادریس...... اب یقیناً کوئی اور بھی آئے گا...... بی ہوپ فل" تمکین نے پرامید لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو علیزہ ہلکے سے مسکرا دی۔ "تمکین...... آئی ایم ناٹ ہوپ فل اینڈ کونفیڈنٹ لائک یو" علیزہ نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"یو حد بی...... مائی ڈیئر" تمکین نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا "کم آن۔ ڈیئر۔ ڈونٹ بی سو چی" تمکین نے پھر کہا "تم اس وقت بہت ہرٹ ہو۔ جسٹ اے منٹ۔" اور تمکین نے ڈرائنگ روم کے ساتھ ملحقہ ڈائننگ روم کی ایک کینٹ سے وسکی نکالی اور اس کے دو پیگ بنا کر لے آئی "یہ لو تمہیں اس کی ضرورت ہے۔" گلاس پکڑاتے ہوئے کہا۔

علیزہ نے اس کی جانب دیکھا اور پھر گلاس پکڑ لیا۔ دونوں آہستہ آہستہ پینے لگیں...... اور ایک دوسرے کی جانب مسکرا کر دیکھنے لگیں۔ علیزہ جو چند لمحے پہلے بہت ہرٹ تھی اور بہت رو رہی تھی ایکدم ریلیکسڈ ہو گئی اس نے اپنے آپ کو ہواؤں میں اڑتے ہوئے محسوس کیا۔ ساری ٹینشن اور سارا ڈپریشن ختم ہو گیا تھا۔ اس کی آواز قدرے بھاری ہونا شروع ہو گئی۔ اس نے صوفے کی پشت کے ساتھ سر ٹکا لیا۔

"تمکین...... آئی ایم ان لو وِد اسد" علیزہ نے مسکراتے ہوئے کہا...... وہ گھر سے جو سوچ کر آئی تھی اور نارمل حالت میں اس سے اپنے دل کی بات کہتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ نشے کی حالت میں اس نے صاف صاف کہہ دیا۔

"رئیلی......" تمکین نے بھی مدہوش لہجے میں کہا۔

"بس...... ہی از امیزنگ مین...... ویری چارمنگ...... ویری سویٹ...... اس روز پارٹی میں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ آئی ڈونٹ نو...... کہ مجھے کیا ہو گیا ہے...... مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے...... پلیز کونگریچولیٹ می...... اور اسے بتاؤ کہ علیزہ اس سے محبت کرتی ہے" علیزہ نے بہت پرجوش

انداز میں کہا تگین مسکرانے لگی اور اپنے موبائل سے اس کا نمبر ملانے لگی اور سپیکر آن کیا۔"ہیلو......اسد......یس آئی ایم تگین......ہاؤ آر یو......؟"
تگین نے اپنے لب و لہجے پر قابو پاتے ہوئے کہا مگر اس کی آواز کہیں کہیں لڑکھڑا رہی تھی۔

"اسد...ڈو یو ریممبر علینہ..." تگین نے پوچھا۔

"یس......یور فرینڈ؟" اسد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"او ویس آف کورس......شی از امپریسڈ بائے یو......" تگین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شی از نائس ٹو..." اسد نے بھی تعریف کی۔

علینہ اپنی تعریف سنکر مسکرانے لگی۔

"شی از ودمی......آپ سے بات کرنا چاہتی ہے" تگین نے کہا۔

"سوری......تگین......آئی ایم بزی ناؤ......پھر بات کروں گا۔" اسد نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

علینہ کے چہرے پر افسردگی چھا گئی۔

تم نے دیکھا......اسد نے بھی مجھ سے بات نہیں کی" اور وہ اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔تگین حیرت سے اسے دیکھتی رہی اور پھر وہ بھی اس کی طرح رونے لگی...دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر کافی دیر روتی رہیں اور انہیں اس بات کا خود بھی احساس نہیں تھا کہ وہ کیوں رو رہی تھیں۔

"جسٹ اے......منٹ......آئی وانٹ سمتھنگ مور" اور تگین اٹھ کر چلی گئی جا کر سگریٹ کیس اٹھا لائی اور ایک سگریٹ سلگا کر علینہ کو دیا اور ایک خود پینے لگی۔ڈرائنگ روم میں ہر طرف دھواں پھیلا تھا اور وہ دونوں صوفے پر ادھر ادھر گری تھیں۔

رات گہری ہونے لگی تھی۔ہر طرف گہرا اندھیرا چھا گیا تھا۔تگین نے اٹھ کر لائٹس آن کیں۔اس نے کلاک کی طرف دیکھا۔رات کے دس بج رہے تھے علینہ تین بجے ان کے گھر آئی تھی۔اب نشہ کچھ کم ہو رہا تھا اور وہ ہوش میں آ رہی تھیں۔تگین نے کلاک دیکھا۔دس بج رہے تھے۔

"او مائی گاڈ......اتنا ٹائم گزر چکا ہے۔" تگین نے علینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔علینہ کا موبائل اس کے بیگ میں مسلسل بج رہا تھا اور علینہ کو اس کی کوئی ہوش نہ تھی۔تگین نے اس کا بیگ کھول کر موبائل دیکھا۔

"علینہ......یور مما از کالنگ۔" تگین نے موبائل دیکھتے ہوئے کہا۔

"شی از ناٹ مائی مما......آئی ہیٹ ہر۔" وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

"علینہ......بات کرو......وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔" تگین نے کہا۔

"آئی ڈونٹ وانٹ......" اس نے ہاتھ کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔تگین نے تنگ آ کر موبائل کان سے لگایا۔

"یس......تگین ہیئر سپیکنگ......ہاں علینہ ادھر ہی ہے......وہ ابھی آ رہی ہے۔" تگین نے کہہ کر موبائل آف کر دیا۔

علینہ...... وہ بہت پریشان ہیں...... یوسٹ گو ہوم...... کیا تم ڈرائیونگ کرلو گی...... یا میں ڈرائیور کو بھیجوں۔ ''تمکین نے پوچھا آئی ایم آل رائٹ......'' اور وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھی اور تمکین اسے گاڑی تک چھوڑنے آئی۔ علینہ بہت تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتی ہوئی جارہی تھی۔ راستے میں اس نے کتنے ٹریفک سگنلز توڑے، سارجنٹ وسل کرتے رہ گئے مگر وہ تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتی ہوئی گھر پہنچی۔

''کہاں تھیں تم...... یہ وقت ہے گھر آنے کا؟'' ندرت بیگم نے اسے گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر غصے سے ڈانٹا۔ اس نے ان کی بات سنی ان سنی کی اور اپنے بیڈروم کی طرف جانے لگی ندرت بیگم نے اس کی نیم مدہوشی اور لڑکھڑاتی چال کو بغور دیکھا۔ ''علینہ...... ادھر آؤ'' ندرت بیگم غصے سے چلاتے ہوئے بولیں مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ندرت بیگم خود غصے سے آگے بڑھیں اور اس کے چہرے کے قریب اپنی ناک کرکے کچھ سمیل کیا۔

''کیا تم نے شراب پی ہے؟'' ندرت بیگم انتہائی غصے میں چلاتے ہوئے بولیں۔

''ہاں......'' اس نے پرمطمئن لہجے میں جواب دیا۔

''بدتمیز...... اب تم نے یہ حرکتیں بھی شروع کردی ہیں۔'' ندرت بیگم نے تڑاخ سے دو تین تھپڑ اس کے چہرے پر لگائے۔ علینہ کو قطعی امید نہ تھی کہ مما اس حد تک بھی جاسکتی تھیں۔ علینہ اونچی آواز میں چلانے لگی۔

''آپ نے مجھے مارا...... میں ابھی پاپا کو کال کرتی ہوں۔'' علینہ نے غصے سے کہا اور اپنے موبائل پر پاپا کا نمبر ملانے لگی۔ وہ زاروقطار رو رہی تھی اور اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔

''ہیلو...... پاپا...... مما نے مجھے مارا ہے۔ آئی ایم ہیٹنگ یو...... میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔'' وہ چلاتے ہوئے بولی۔

ندرت بیگم نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر بات کی میں بتاتی ہوں...... یہ کیا کچھ کرتی ہے...... شاکر اس نے اس وقت شراب پی رکھی ہے...... میں...... اس لڑکی کو نہیں سنبھال سکتی آپ خود آکر سنبھالیں'' ندرت بیگم بھی غصے سے چلاتے ہوئے بولیں۔

''ندرت...... علینہ کو فون دو۔'' شاکر علی نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں ندرت سے کہا اور علینہ کو فون پکڑایا۔

''علینہ...... بیٹے...... میں بہت جلد آرہا ہوں۔ میرے آنے تک مما سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا...... میں خود آکر اس سے بات کروں گا...... پلیز بیٹا...... پاپا کی بات مانو گی نا''۔ شاکر علی نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ اونچی آواز میں روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

لاؤنج میں رکھا ٹیلی فون بجنے لگا۔ ندرت بیگم نے فون اٹھایا۔

''ندرت...... پلیز...... علینہ کا خیال رکھنا...... اور اس بات کی خبر کسی کو نہیں ہونی چاہیے...... ورنہ بہت شرمندگی ہوگی...... میں جلدی آنے کی کوشش کرتا ہوں...... اور پلیز اس سے آجکل مت الجھنا...... کہیں وہ ہائپر ہوکر کوئی ارجنٹل اسٹیپ نہ اٹھالے۔ میں بہت پریشان ہوگیا ہوں......'' شاکر علی نے بہت رنجیدہ لہجے میں کہا تو ندرت نے سرد آہ بھری۔

''ٹھیک ہے......'' وہ آہستہ آواز میں بولی اور فون بند ہوگیا۔

☆

شام ہو رہی تھی اور رشیدہ ابھی تک گھر نہیں لوٹی تھی۔ منی اور راشد کو بہت بھوک لگ رہی تھی۔ راشد بار بار کچن میں جاتا۔ خالی برتن دیکھ کر زور زور سے انہیں زمین پر مارتے ہوئے بڑبڑاتا۔

''اماں ابھی تک نہیں آئی..... بھوک سے جان نکل رہی ہے..... ایک تو اس گھر میں کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا.....'' راشد نے اسٹین لیس سٹیل کی پلیٹ زور سے زمین پر ماری سدرہ کمرے میں سے دوڑتی ہوئی کچن میں آئی۔

''کیا تکلیف ہے تجھے.....؟ سدرہ نے غصے سے اسے ڈانٹا۔

''آپا..... میرے منہ مت لگو..... اسوقت میرا دماغ گھوم رہا ہے۔ بھوک سے مجھے چکر آ رہے ہیں..... اب تو مجھ سے منہ ماری مت کرنا۔'' راشد نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

''بھوک سب کو لگی ہے..... میں اور منی بھی صبح سے بھوکے ہیں..... مگر تیری طرح چلا تو نہیں رہے..... اماں آنے والی ہے تجھ سے تھوڑی دیر بھوک برداشت نہیں ہو سکتی۔'' سدرہ نے غصے سے کہا۔

''نہیں ہو سکتی.....'' وہ بھی غصے سے چلایا۔

''دروازہ کھلا اور رشیدہ تھکی ہاری گھر میں داخل ہوئی۔ منی بھوک سے بے قرار ہو رہی تھی اور خاموشی سے صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھی تھی۔ رشیدہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ایکدم خوشی کے تاثرات نمایاں ہو گئے۔ جب اس نے رشیدہ کے ہاتھ میں بڑا سا شاپر دیکھا۔

''اماں..... تو نے اتنی دیر کیوں لگا دی..... بھوک سے میری جان نکل رہی ہے۔'' راشد کچن سے باہر نکل کر ماں کو قدرے ڈانٹتے ہوئے بولا۔

''بیٹا..... لال کوٹھی والوں کے گھر آج دعوت تھی..... کھانے کے سارے برتن دھو کر آ رہی ہوں۔ فارغ ہوتی تو آتی نا..... اور بیگم صاحبہ تو کام پہ کام نکال رہی تھی..... کمبخت مارے برتن ختم ہونے کو ہی نہیں آ رہے تھے..... چل ادھر آ کھا لے۔'' رشیدہ نے راشد کو پیار سے اپنے پاس بلاتے ہوئے کہا اور انہوں نے چارپائی پر بیٹھے بیٹھے ہی لفافہ پھاڑ کر کھانے کی چیزیں نکالیں۔ سدرہ کچن میں سے برتن لے آئی۔ مٹروں والے چاول اور تھوڑا سا سالن تھا۔

''اماں..... دعوت کے بعد انہوں نے تجھے صرف یہ کھانا دیا ہے.....؟ راشد نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں..... سارے گوشت کے سالن اور چکن روسٹ بیگم صاحبہ نے سنبھال کر فریج میں رکھ دیے..... مگر میں نے بھی دو تین بوٹیاں تیرے لیے چھپا کر نکال لیں.....'' اور رشیدہ نے ایک چھوٹے سے شاپر میں سے چکن روسٹ کی دو تین بوٹیاں نکال کر راشد کو دیں۔ سدرہ کو ماں کی اس حرکت پر غصہ آنے لگا۔ راشد دو منٹوں میں ان بوٹیوں کو چبا کر کھا گیا اور کھانا کھا کر گھر سے باہر نکل گیا۔ سدرہ کا دل بہت برا ہو گیا تھا۔ اسے رشیدہ پر غصہ آنے لگا تھا مگر وہ خاموش رہی اور کمرے میں جا کر اپنی کتاب کھول کر پڑھنے لگی۔

''اے سدرہ..... آ..... تو بھی کچھ کھا لے..... کیا تجھے بھوک نہیں لگی؟ رشیدہ نے اسے آواز دی۔

''مجھے بھوک نہیں۔'' اس نے اندر سے ہی جواب دیا۔

"لے تجھے کیوں بھوک نہیں لگی؟ باقی سب تو بھوک سے مر رہے تھے۔ ضرور تیرے دماغ میں پھر کوئی فتور آ گیا ہوگا" رشیدہ اسے کوسنے لگی مگر وہ خاموش بیٹھی رہی۔

"اے منی...... جا...... اسے جا کر کہہ...... کہ باہر آئے اور کچھ کھا مرے۔" رشیدہ نے خفگی سے کہا۔

منی اندر گئی......اور سدرہ کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"آپا...... اماں...... بلا رہی ہے...... آ کر کھانا کھا لے......" منی نے کہا۔

"میں نے کہا ہے...... نا...... مجھے بھوک نہیں......" سدرہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آپا...... تو نے کیا کھایا ہے کہ تجھے بھوک نہیں" منی نے قدرے معصومیت و حیرت سے پوچھا۔

"میرا پیٹ خراب ہے......" سدرہ نے اسے ٹالنا چاہا۔

منی نے خاموشی سے اس کی جانب دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

"اماں...... آپا کا پیٹ خراب ہے" منی نے رشیدہ سے کہا۔

"ہاں...... اس کے پیٹ میں تو ویسے ہی مروڑ اٹھتے رہتے ہیں چار جماعتیں کیا پڑھ رہی ہے۔ اس کا دماغ خراب ہوتا جا رہا ہے...... چل اٹھا...... یہ برتن...... اور کچن میں رکھ دے۔" رشیدہ نے منی سے کہا تو وہ برتن اٹھا کر کچن میں لے گئی۔

"یا اللہ میاں! میں اماں کی چرائی ہوئی چیزیں نہیں کھا سکتی۔ میں کیا کروں...... میرا ذہن بہت پریشان ہو رہا ہے۔"

سدرہ نے بہت بے بسی سے سوچا۔ اسے بھوک بھی بہت تنگ رہی تھی مگر وہ اس کھانے کو نہیں کھانا چاہتی تھی۔ جو رشیدہ لائی تھی کیونکہ اسے شک تھا کہ رشیدہ وہ چاول بھی چرا کر ساتھ لائی ہو...... رشیدہ ہر روز تو کوئی نہ کوئی چیز چرا کر لاتی تھی۔ کبھی پھل...... اور کبھی گوشت کبھی جوس کے ڈبے...... وہ خاص طور پر راشد کے لئے چرا کر لاتی تھی اور بڑی محبت سے اسے پاس بٹھا کر کھلاتی تھی۔ سدرہ کو رشیدہ سے ان باتوں کی وجہ سے نفرت ہوتی جا رہی تھی مگر وہ خاموش رہتی تھی۔ رشیدہ اور اس میں کشیدگی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ منی نے دروازہ کھولا تو ایک لڑکی پلیٹ میں مٹھائی اور چاول لیے کھڑی تھی۔

"سدرہ باجی کہاں ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"وہ اندر ہے...... تم کون ہو؟" منی نے پوچھا۔

ساتھ والی گلی سے آئی ہوں۔ مومنہ باجی نے یہ مٹھائی اور چاول سدرہ باجی کو بھیجے ہیں۔" لڑکی بتا رہی تھی کہ سدرہ اسکی آواز سن کر باہر آ گئی اور پلیٹیں پکڑ کر کچن میں چلی گئی۔ اپنی پلیٹوں میں چاول اور مٹھائی ڈال کر وہ ان کی پلیٹیں دھو کر واپس کرنے آ گئی۔

"مومنہ باجی کو شکریہ بولنا...... اور کہنا میں کل آؤں گی" سدرہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور دروازہ بند کر کے کچن میں چلی گئی۔ ایک پلیٹ میں قیمہ تھا اور دوسری میں رس گلے گلاب جامن اور برفی...... وہ دیکھ کر مسکرانے لگی اور تشکر کے مارے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اسے یوں

محسوس ہونے لگا جیسے اللہ نے چند لمحے پہلے مانگی ہوئی دعا سن لی ہو......اور اسے اپنے پاس سے پاکیزہ اور حلال رزق بھیجا ہو......وہ اندر بیٹھ کر چاول کھانے لگی اور ایک پلیٹ میں منی کو بھی ڈال کر دیئے۔

''آپا.....تیرا پیٹ تو خراب تھا۔'' منی نے حیرت سے پوچھا۔

''اب ٹھیک ہے......'' اس نے مسکرا کر جواب دیا اور منی حیرت سے اسے دیکھتی ہوئی پلیٹ اٹھا کر باہر لے آئی۔

''یہ چاول کھاتے ہوئے تو اس کا پیٹ خراب نہیں ہوگا۔'' رشیدہ نے غصے سے کہا۔

''نہیں.....اماں.....اب آپا کا پیٹ ٹھیک ہے۔'' منی نے جواب دیا۔

''میں سب جانتی ہوں.....کتنے دن میرے لائی ہوئی چیزیں نہیں کھائے گی.....حرام خور کو میری اٹھائی ہوئی چیزیں یاد رہتی ہیں۔ یہ نظر نہیں آتا کہ صبح سے شام تک کس طرح کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی ہوں۔ جسم کا ایک ایک جوڑ دکھتا ہے۔ ہڈیوں میں درد رہتا ہے۔ اس کی اسے کوئی پرواہ نہیں یہ سب کچھ اسے نظر نہیں آتا۔ رشیدہ باہر چارپائی پر لیٹی اونچی آواز میں بڑبڑاتی رہی۔ مگر سدرہ خاموشی سے چاول کھاتی رہی۔ اس کے اندر رفتہ رفتہ یہ ایمان پختہ ہو رہا تھا کہ انسان جب کسی بری شے سے بچنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اللہ بھی اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔.....اور وہ سوچنے میں مصروف تھی کہ کس طرح وہ اپنا کھانا پینا اماں سے علیحدہ کر سکتی ہے۔ یہ بہت ناممکن نظر آ رہا تھا۔ اس کو کڑھائی سے جتنے پیسے ملتے تھے ان سے بمشکل اس کی کالج کی فیس اور خرچہ چلتا تھا۔

وہ کمرے سے باہر نکلی تو رشیدہ نے نہایت غصے سے اس کی جانب دیکھا تو نے جو حرکتیں شروع کی ہیں نا.....وہ ٹھیک نہیں.....تو تو میرے دوسرے بچوں کو بھی خراب کر رہی ہے۔ میں کل ہی زاہدہ کو بلاتی ہوں اور ان کو ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں کہ اس بلا کو میرے گھر سے لے جائیں......اور پھر دیکھتی ہوں۔ وہاں جا کر......زاہدہ کے سامنے تو کیسے پر مارتی ہے۔

''رشیدہ نے غصے سے کہا تو وہ خاموشی سے سنتی رہی اور پھر کمرے میں چلی گئی۔ دو سال پہلے اس کی ماموں کے گھر منگنی ہوگئی تھی۔ زاہدہ اس کی ممانی تھی جو انتہائی لڑاکا اور تیز طرار قسم کی عورت تھی۔ کاشف واپڈا میں ملازم تھا۔ ماموں کی وفات کے بعد محکمے والوں نے کاشف کو نوکری دی تھی۔ اس وقت اس نے دسویں جماعت کا امتحان دیا تھا۔

وہ بطور لائن مین بھرتی ہوگیا۔ کاشف اور سدرہ بچپن سے اکٹھے کھیلتے آئے تھے اور دونوں میں بہت دوستی تھی۔ رشیدہ کے شوہر کی جب وفات ہوئی تو سدرہ چھ سال کی۔ راشد تین برس کا اور منی ایک سال کی تھی۔ رشیدہ کو بھائی اپنے گھر لے آیا۔ وہ کچھ عرصہ بھائی کے گھر رہی مگر آئے روز زاہدہ اور رشیدہ کے بچوں میں لڑائیاں ہوتیں اور ان لڑائیوں کو بہانہ بنا کر زاہدہ، رشیدہ سے لڑتی رہتی۔ بھائی نے روز روز کی چخ چخ سے تنگ آ کر رشیدہ کو ایک کمرے کا گھر کرائے پر لے دیا اور خود اس کا کرایہ دینے لگا۔ رشیدہ نے لوگوں کے گھروں میں کام کرنا شروع کر دیا اور گزر بسر ہونے لگی۔ کاشف باپ کی وفات کے بعد بہت کمائی کرنے لگا تھا۔ دو بہنوں کی بھی شادی ہوگئی تھی۔ اب کاشف کی باری تھی۔ زاہدہ کھاتے پیتے گھرانے میں اس کی شادی کرنا چاہتی تھی مگر کاشف کی ضد کے آگے ہار مان گئی اور بہت بے دلی سے سدرہ کے ساتھ اس کا رشتہ پکا کر دیا مگر جب بھی آتی سدرہ کے

ساتھ طریقے سے گفتگو کرتی اور اس کے جانے کے بعد سدرہ جلتی کڑھتی رہتی۔ کاشف ہر دوسرے تیسرے روز ان کے ہاں آتا تو سدرہ بھی کھل اٹھتی۔ اور اسے وجہ معلوم ہو جاتی...... وہ زاہدہ کے رویے کی معافی مانگتا اور ہمیشہ اسے یقین دلاتا کہ شادی کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گی مگر سدرہ ہمیشہ زاہدہ کی جانب سے خوفزدہ رہتی۔ رشیدہ جب بھی اس سے جھگڑتی تو یہی دھمکی دیتی کہ وہ اس کی جلد از جلد شادی کر دے گی۔ سدرہ ہر بار ماں کی بات سن کر خاموش ہو جاتی کیونکہ وہ مطمئن تھی کہ جب تک اس کے ایف اے کے امتحانات نہیں ہو جاتے وہ شادی نہیں کرے گی اور یہ بات اس نے کاشف کو صاف صاف بتا دی تھی اور وہ بھی مان گیا تھا۔ اسے یہ سکون تھا کہ کاشف اس سے اور وہ کاشف سے محبت کرتی تھی۔ کاشف اس کی بات سنتا تھا مگر کرتا وہی تھا جو زاہدہ کہتی تھی اور سدرہ اس بات کو زیادہ طول نہیں دیتی تھی کیونکہ وہ زاہدہ کی فطرت کو اچھی طرح جانتی تھی وہ ایسا بات کا جھگڑا بنا کر لڑائی شروع کرتی کہ وہ لڑائی ختم ہونے کو نہ آتی۔ اس لئے سدرہ زیادہ تر خاموش ہی رہتی۔ وہ پڑھی لکھی اور سمجھدار تھی۔ مذہبی سمجھ بوجھ بھی رکھتی تھی اور اپنی ذمہ داریوں کا بھی اسے بہت احساس تھا۔ اسی لئے مومنہ اور مریم سے اس کی بہت دوستی تھی زکیہ آپا اسے اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتی تھیں۔ وہ کالج سے آنے کے بعد چار بجے ان کے پاس قرآن پاک ترجمہ و تفسیر سے پڑھنے جاتی تھی۔ ایک گھنٹہ وہاں پڑھ کر آتی اور واپس آ کر اپنی پڑھائی، گھر کے کام اور رات گئے تک لوگوں کی قمیضوں اور دوپٹوں پر کڑھائی کرتی۔

وہ قرآن پاک پڑھنے گئی تو مومنہ شدت سے اس کی منتظر تھی۔ ”کیا بات ہے سدرہ...... تم دو دنوں سے آئی نہیں...... تمہاری طبیعت تو ٹھیک تھی۔“ مومنہ نے محبت سے پوچھا۔

”ہاں...... بس یونہی......“ وہ آہستہ آواز میں بولی۔

”مجھے محسوس ہو رہا ہے...... جیسے تم کسی الجھن کا شکار ہو۔“ مومنہ اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”باجی کیا مجھے کچھ ٹیوشنز مل سکتی ہیں...... گھر کے حالات کچھ تنگ ہو رہے ہیں۔“ سدرہ کھل کر اسے اندر کی بات نہیں بتانا چاہ رہی تھی۔

”اگر تمہیں زیادہ ضرورت ہے تو میں تمہیں دو تین ٹیوشنز بھیج دوں گی مریم کے امتحان ہونے والے ہیں۔ بلکہ یوں کیا کرو تم ادھر ہی انہیں پڑھا لیا کرو...... اور میں تمہیں ان کی ٹیوشن کے پیسے دے دوں گی اور تمہاری مدد بھی پڑھانے میں کر دوں گی۔“ مومنہ نے کہا۔

”شکریہ باجی...... آپ نے میری مشکل آسان کر دی۔“ سدرہ نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن سدرہ...... تمہیں چار کی بجائے تین بجے آنا پڑے گا؟“ مومنہ نے کہا۔ ”باجی کالج سے گھر پہنچتے ہوئے مجھے تین بج جاتے ہیں“ سدرہ نے جواب دیا۔ ”تو...... تم کالج سے سیدھی ادھر ہی آ جایا کرو...... کیا گھر میں تم نے کھانا بنانا ہوتا ہے؟“ مومنہ نے پوچھا۔

”نہیں...... وہ تو اماں آ کر بناتی ہے۔“ اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

”تو...... بس ٹھیک ہے...... تم کالج سے سیدھی ادھر ہی آ جایا کرنا“ مومنہ نے کہا تو وہ مان گئی۔

اس نے گھر جا کر رشیدہ کو بتا دیا کہ کل سے وہ کالج سے ہی مومنہ کے گھر جائے گی تو وہ ایک دم بپھر گئی۔

”کیوں...... گھر میں تیرا دل نہیں لگتا۔“ رشیدہ نے غصے سے کہا۔

"اماں...... وہاں مجھے دو تین بچوں کی ٹیوشن مل رہی ہیں۔" اس نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"اور وہ بچے یہاں نہیں آسکتے...... یا پھر تو نے گھر سے دور رہنے کا بہانہ ڈھونڈ لیا ہے۔ اپنے بہن بھائیوں کی تجھے فکر نہیں...... اتنا نہیں کرتی کہ راشد اور منی کو ہی پڑھا دے۔" رشیدہ نے غصے سے کہا۔ "اماں...... تو...... تو خود اس کی گواہ ہے۔ جب بھی راشد کو پڑھنے کے لئے کہتی ہوں وہ لڑنے بیٹھ جاتا ہے اور رات کو کتاب کھولتا ہے تو اسے نیند آجاتی ہے اور منی رات کو مجھ سے پڑھ کر سوتی ہے اور ویسے بھی کالج سے گھر آ کر میں فارغ ہی ہوتی ہوں۔ اس لئے میں نے ٹیوشن پڑھانے کا ارادہ کر لیا ہے۔" سدرہ نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"جب تو نے فیصلہ کر لیا ہے تو پھر مجھ سے کیا پوچھتی ہے۔ ہر بات میں تو اپنی مرضی کرنے کی عادی ہے۔ مجھے تو بس تو اوپر اوپر سے بتاتی ہے...... جا جو مرضی کرو۔" رشیدہ نے غصے سے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔ رشیدہ کی فطرت ہی ایسی تھی۔ اس سے سیدھی بات کرتی تو وہ الٹ پڑ جاتی اور جب اس سے کوئی بات نہ کرتی تو اس پر بھی خفا ہو جاتی۔ دونوں میں ہر وقت یوں کھٹ پٹ ہوتی رہتی جیسے ساس بہو میں نوک جھونک چلتی ہے۔ دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ رشیدہ کو سب سے زیادہ محبت راشد سے تھی۔ راشد جو بھی الٹا کام کرتا وہ اس کا دفاع کرتی۔ ہر بات میں اس کا ساتھ دیتی اپنے کھانے کا حصہ بچا کر اس کے لئے رکھتی۔ اس نے کوٹھیوں سے زیادہ کھانے کی چیزیں راشد کے لئے چرائی تھیں۔ اس کا دل دکھتا تھا جب امیروں کے بچے نت نئے کھانے کھاتے۔ آدھا کھاتے اور زیادہ چھوڑتے...... اور وہ چھوڑا ہوا کھانا کچرے میں ڈالا جاتا۔ اکثر چھوٹے گوشت کی بھنی ہوئی بوٹیاں، کباب اور چکن روسٹ...... تو اس کا دل بری طرح دکھی ہوتا کہ اس کا ایک ہی بیٹا ہے اور وہ کس طرح کھانے کو ترستا رہتا ہے اور یہ لوگ بھر بھر پلیٹیں کچرے میں ڈال دیتے ہیں تو اس کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ ان کے کھانوں سے اپنے بچے کے لئے بھی نکال کر لے آئے...... ویسے بھی تو انہوں نے کچرے میں ہی پھینکنا ہوتا ہے اور وہ اپنی اس سوچ کو ٹھیک سمجھتی تھی اور اس کو کسی بھی صورت میں تبدیل نہیں کرنا چاہتی تھی اور سدرہ ہمیشہ ماں سے جھگڑتی تھی کہ وہ راشد کو ضرورت سے زیادہ پیار کرتی ہے اور ہر جائز و ناجائز بات میں اس کا ساتھ دیتی ہے اور...... اسی وجہ سے وہ بگڑتا جا رہا ہے اور رشیدہ...... راشد کے بارے میں تو ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھی۔ اس کو تو ساری دنیا میں راشد سے بڑھ کر کوئی بھی عزیز نہ تھا۔ وہ اگر جیتی تھی تو راشد کے لیے اور اس کی سوچ یہی تھی کہ بڑھاپے میں راشد نے اس کا سہارا بننا ہے۔ سدرہ اور منی نے نہیں...... اس لئے وہ لڑکیوں کو زیادہ اہمیت نہ دیتی۔ راشد جس چیز کی خواہش کرتا، چاہے وہ کوٹھی والوں سے مانگ کر لاتی یا چرا کر لاتی وہ اس کی فرمائش ضرور ہی پوری کرتی...... سدرہ اور منی کی ضرورتوں کو وہ کوئی اہمیت نہ دیتی اور سدرہ کو اپنی اور منی کی ضرورت خود پوری کرنی پڑتی۔ رشیدہ کا رویہ بھی اس سے زیادہ تر تلخ رہتا اور اس تلخی کی وجہ بھی راشد تھا۔ سدرہ راشد کو اس کی حرکتوں...... اس کے گھومنے پھرنے سے ڈانٹتی اور رشیدہ کو غصہ آتا کہ کیوں ہر وقت بھائی کے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ وہ نہ سکول جاتا تھا ہر وقت یا تو چھتوں پر پتنگیں اڑاتا نظر آتا۔ کبھی سائیکل پر لڑکوں کو بٹھا کر گھومنے نکلا ہوتا۔ ایک چکر گھر میں لگا جاتا...... پھر دو تین گھنٹے غائب رہتا، جب بھوک لگتی گھر آ کر شور مچاتا۔ برتن توڑتا، گالیاں بکتا، بہنوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتا۔ جو چیز ملتی کھا پی کر چلا جاتا اور پھر رات گئے گھر واپس آتا۔ سارے دن کا تھکا ہارا کھانا کھاتا۔ کتاب کھولتا اور سو جاتا...... اور سدرہ کو اس کی ان باتوں پر غصہ آتا تھا مگر رشیدہ کی وجہ سے اس نے اسے کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

اگلے روز وہ کالج سے سیدھی زکیہ آپا کے گھر چلی گئی۔ مومنہ بھی ابھی یونیورسٹی سے آئی تھی اور زکیہ آپا اس کے لئے تازہ روٹی بنا رہیں تھیں۔

"سدرہ بیٹے ...... چادر اتارو ...... اور منہ ہاتھ دھولو ...... میں تمہارے لیے بھی روٹی لاتی ہوں" زکیہ آپا نے محبت سے کہا۔

"نہیں آپا جی ...... مجھے بھوک نہیں ...... میں کالج سے کھا کر آئی ہوں"۔ سدرہ نے بہانہ بنانا چاہا جبکہ اس کے خشک، سوکھے ہونٹ اس کی بھوک اور پیاس کی انتہائی حالت کا اظہار کر رہے تھے۔

"کالج سے ضرور کچھ کھایا ہوگا لیکن دوپہر کا کھانا تو نہیں کھایا نا۔ اور سنو اب ہر روز تم دوپہر کا کھانا یہاں کھایا کرو گی۔ میرے لئے جیسی مومنہ اور مریم ...... ویسی تم ...... یہ بھی تمہاری ماں کا گھر ہے ...... اٹھو شاباش"۔

زکیہ آپا نے انتہائی شفقت اور محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اس کی اپنی ماں میں ایسی محبت اور شفقت کی کتنی کمی تھی ...... وہ جلدی سے اٹھ کر واش روم میں چلی گئی اور صابن سے منہ ہاتھ دھوتے ہوئے اس کے کتنے آنسو بہہ نکلے جنہیں اس نے پانی سے دھو ڈالا۔

وہ بچپن سے زکیہ آپا کے ہاں آ رہی تھی اور وہ شروع سے ہی اس سے بڑی محبت سے پیش آتیں تھیں۔ رشیدہ جتنا زکیہ آپا کو ناپسند کرتی تھی۔ سدرہ اتنا ہی انہیں پسند کرتی تھی۔ زکیہ آپا کو وہ مریم اور مومنہ کی طرح ہی لگتی تھی کیونکہ وہ بھی ان کی طرح بچپن میں ہی یتیم ہو گئی تھی اور زکیہ آپا کی طرح رشیدہ بھی بڑی مشکل اور محنت سے ان کی پرورش کر رہی تھی۔ وہ اکثر مومنہ اور مریم کے ساتھ سدرہ کے کپڑے بھی سی دیتیں۔ مومنہ کو جو سوٹ چھوٹا ہو جاتا وہ ٹھیک کر کے سدرہ کو دے دیتیں۔ سدرہ کے لئے ان کی محبت اور الفت انجانی نہ تھی۔ سدرہ نے کھانا کھایا تو بچے آ گئے۔ مومنہ اور سدرہ انہیں پڑھانے میں مصروف ہو گئیں۔ مغرب کی اذان کا وقت ہو رہا تھا جب سدرہ گھر گئی۔ رشیدہ گھر آ چکی تھی۔ اسے دیکھ کر غصے سے مشتعل ہو گئی۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ سدرہ کو اس کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے تھے مگر وہ خاموش رہی۔ نماز پڑھ کر وہ کچن میں گئی۔ آج رشیدہ چکن پلاؤ اور زردہ لائی تھی۔ وہ لال کوٹھی میں کام کرتی تھی، بہت بڑی کوٹھی میں ایک بہت بڑا کنبہ رہتا تھا۔ وہ دن بھر وہاں کام کرتی اور شام کو وہ اسے کھانا دے کر بھیجتے۔ یہ انہوں نے اس کی تنخواہ کے ساتھ ہی طے کر لیا تھا۔ اسی لیے وہ دوپہر کو گھر میں کچھ نہ پکاتی ...... شام کو ہی کھانا لے کر آتی اور اسی وقت بچے کھا لیتے ...... جو تھوڑا بہت بچ جاتا وہ رات کو کھا لیتے۔

"آپا ...... تیرے لیے پلیٹ میں چاول رکھے ہیں۔" منی نے پیچھے سے کچن میں آ کر کہا۔

"وہ تم کھا لینا ...... میں نے مومنہ باجی کے گھر سے کھا لیا ہے۔" سدرہ نے جواب دیا۔

"وہاں سے فقیروں کی طرح کھاتے ہوئے تجھے تکلیف نہیں ہوتی۔" رشیدہ نے سن کر باہر سے غصے بھری آواز میں کہا۔ سدرہ خاموش رہی اور جا کر کمرے میں چارپائی پر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔ اس کا دل بری طرح مضطرب ہونے لگا۔ اماں جان بوجھ کر ایسی باتیں کہتی تھی جن سے اس کا دل دکھتا تھا۔ اماں کی باتوں میں ہر وقت طنز چھپا تھا اور ایسی طنزیہ باتیں سن کر اس کے اندر کڑواہٹ آتی جا رہی تھی

جس کا اظہار وہ راشد اور منی سے جھگڑا کر کے کرتی تھی۔ گویا کہ بعد میں وہ اپنے رویے پر نادم بھی ہوتی۔

زکیہ آپا کے گھر سے کھانا اسے اپنے گھر کے کھانے سے بہتر محسوس ہوتا اپنے گھر میں جب بھی وہ کھانا کھاتی۔ تو وہ مضطرب ہو جاتی اس کے اندر شکوک و شبہات پیدا ہونے لگتے اور کراہت کا شدید احساس اس کے اندر جنم لینے لگتا مگر زکیہ آپا کے گھر سے کھا کر اسے محبت اور اپنائیت کا احساس ہوا تھا۔ ان کے رزق حلال میں سکون تھا اور اپنے گھر کے رزق میں بے سکونی تھی...... گویا کہ زکیہ آپا کے گھر سے کھانا کھاتے ہوئے اسے شرمندگی بھی محسوس ہوئی تھی مگر اس شرمندگی میں کوئی کراہت اور بے سکونی نہیں تھی۔

اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے قدرت نے اس کے لیے رزق حلال کا کوئی انتظام کیا ہو...... اور اس کا ایمان اس سوچ پر مزید پختہ ہونے لگا کہ انسان جب کسی برائی سے بچنے کا ارادہ کرتا ہے تو خدا اس کے لئے راستے آسان کر دیتا ہے۔"

وہ ہر روز زکیہ آپا کے گھر سے کچھ نہ کچھ کھا لیتی اور اس نے اپنے گھر سے کھانا کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ صرف صبح ناشتہ کرتی اور وہ بھی اماں خود خرید کر لاتی تھی ان پیسوں میں سے جو اس کو مہینے بھر کی محنت کے بعد تنخواہ کی صورت میں ملتے تھے اور اسے ماں کی کمائی میں شک نہ تھا۔ وہ دن بھر محنت کر کے کما کر لاتی اور اس نے کبھی کسی کا ایک روپیہ بھی نہیں چرایا تھا اور نہ ہی قیمتی چیزیں مگر وہ کھانے پینے کی چیزیں اپنا حق سمجھ کر چراتی تھی......

اور اسے اس کی سوچ سے کوئی بھی باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ سدرہ بھی اسے قائل نہ کر سکی تھی اور راشد کو تو ان باتوں کا شعور ہی نہ تھا۔ سدرہ کو ٹیوشن پڑھاتے ہوئے مہینہ گزر چکا تھا۔ مومنہ نے اسے تین بچوں کی ٹیوشن کے دو ہزار روپے پکڑائے تو وہ چونک گئی...... اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اتنی کڑھائی کر کے بھی اسے کبھی اتنے پیسے نہیں ملے تھے۔ "مومنہ باجی...... ان میں سے آدھے آپ رکھ لیں۔" سدرہ نے خوشی سے کہا۔

"نو...... بھلا...... میں کیوں رکھوں...... تمہاری محنت کے پیسے ہیں" مومنہ نے کہا۔

"آپ نے بھی بچوں کو میرے ساتھ ٹیوشن پڑھائی ہے نا" سدرہ نے جواب دیا۔

"ایسی فضول باتیں مت کرو......" مومنہ نے اسے ڈانٹا اور محبت سے اسے سمجھانے لگی تو وہ خاموش ہو گئی۔

اگلے روز وہ کالج سے واپسی پر قدرے لیٹ ہو گئی...... زکیہ آپا اس کے لیے بہت فکرمند ہونے لگیں۔ وہ تھوڑی دیر بعد آ گئی تو بہت خوش تھی۔ اس نے ایک لفافہ زکیہ آپا کی طرف بڑھایا۔

"آپا جی...... میں بازار چلی گئی تھی۔ اس میں آپ کے لیے چادر ہے۔" سدرہ نے محبت سے کہا۔

"بری بات...... بچی...... اتنی محنت کی کمائی کو یوں ضائع مت کرو۔" زکیہ آپا نے نرمی سے سمجھایا۔

"آپا جی...... آپ مجھ سے اتنی محبت کرتی ہیں...... میرا بھی دل چاہتا ہے اس محبت کا کسی طرح اظہار کروں۔" اس نے بھی محبت سے جواب دیا۔

"جیتی رہو...... بس دعا کر دیا کرو...... تمہاری یہ محبت ہی کافی ہے۔" زکیہ آپا نے محبت سے کہا۔

"وہ تو میں ہر نماز میں آپ کے لیے دعا کرتی ہوں۔" سدرہ نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ بیٹا...... اسی لیے ماں باپ کے لئے نیک اولاد اور استاد کے لیے اچھے شاگرد صدقہ جاریہ ہوتے ہیں۔ دونوں ان کے لیے سچے دل سے دعائیں کرتے ہیں...... اور سنو...... اپنی اماں کے لیے یہ چادر لے جاؤ" زکیہ آپا نے لفافہ واپس کرتے ہوئے کہا۔

"آپا جی...... ایک چادر میں ان کے لیے بھی لائی ہوں" سدرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بہت اچھا کیا...... اللہ پاک نے تمہیں بہت سمجھداری دی ہے اور سمجھداری اسی سے ظاہر ہوتی ہے جب انسان اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق کا خیال کرتا ہے۔" زکیہ آپا نے محبت سے سدرہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی گھر جا کر اس نے چادر ماں کو دی...... وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی کتنے میں خریدی ہے؟ رشیدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"چار سو روپے میں۔" سدرہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"ہیں...... چا...... ر...... سو...... روپے...... اتنی مہنگی خریدنے کی کیا ضرورت تھی۔ لگتا ہے تیرے پاس کچھ زیادہ ہی پیسے آ گئے ہیں...... باتیں تو بہت کرتی ہے...... گھر کا راشن ہی ڈال لیتی...... بجلی کا بل آیا تھا...... وہی دے لیتی...... ہزار خرچے ہیں...... پر تجھے کیا پرواہ...... ہر جگہ...... اس ہی مرے...... اور پھر ماں کو کیڑے سے ڈالتی ہے...... تن پر کپڑے ڈھنگ کے نہ ہوں اور سر پر چار سو روپے کی چادر لے کر پھرتی اچھی لگوں گی...... سنبھال کر رکھ...... اپنے لیے...... یا زاہدہ کے لیے...... مجھے نہیں چاہیے...... اتنی مہنگی...... میں تو لوگوں کی اترن پہننے کی عادی ہوں۔" رشیدہ مسلسل بولتی گئی اور ماں کے ایک ایک لفظ کے بدلے اس کا دل زخمی ہوتا گیا وہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی اور جا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"جا...... منی...... یہ چادر اس کو پکڑا کر آ...... اپنے جہیز کے صندوق میں سنبھال کر رکھ لے۔" "اس کے خون پسینے کی کمائی کی ہے۔" رشیدہ نے طنزیہ لہجے میں کہا تو منی چادر اٹھا کر اندر چلی گئی۔ سدرہ کو روتے دیکھ کر الٹے قدموں پر واپس آ گئی۔ اماں...... آپا رو رہی ہے۔" منی نے کہا

"ایک تو اس کو...... کوئی بات کرو...... ذرا برداشت نہیں ہوتی۔ آنسو بہانا شروع کر دیتی ہے۔ لا...... ادھر پکڑا...... چادر...... میں رکھ لیتی ہوں۔" رشیدہ نے منہ بنا کر چادر والا لفافہ منی کے ہاتھ سے چھین کر چارپائی پر اپنے سرہانے رکھا اور کروٹ بدل کر سو گئی۔

☆

ڈاکٹر ثقلین نے شراب نوشی پر ایک مفصل مضمون لکھا تھا۔ جس میں اس کے استعمال اعداد و شمار۔ اس کے طبی و اخلاقی نقصانات کے بارے میں تفصیلاً لکھا تھا اور جو مختلف اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ لوگ اس مضمون کو پڑھ کر چونک گئے تھے اور سنجیدہ مزاج والدین میں ایک اضطرابی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ بے حد فکر مند ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر ثقلین نے تمام مغربی ممالک میں شراب نوشی کرنے والوں کے اعداد و شمار لکھنے کے بعد لکھا تھا کہ یہ ایک ایسی لعنت ہے جس سے مغربی ممالک بھی چھٹکارا پانا چاہتے ہیں مگر انتہائی کوشش کے باوجود بھی وہ اس میں بری طرح ناکام رہے۔ مثلاً امریکہ نے شراب نوشی کی ممانعت کے سلسلے میں 1919ء میں قانون صادر کیا جس کو کانگریس نے بھی اتفاق رائے سے منظور کیا۔ اس قانون کے مطابق ہر وہ شخص قابل سزا قرار پایا جو شراب کو چھپ کر یا اعلانیہ بنائے۔ اس کو فروخت کرے۔ یا اس کی نشر و اشاعت کرے۔ اس کو امپورٹ یا ایکسپورٹ کرے یا اس کو منتقل کرے یا اس کو اپنی نگرانی میں رکھے پھر عوام کو حفظانِ صحت، معاشرہ اور اخلاقی نقطۂ نگاہ سے شراب کے خطرات سے آگاہ کرنے کے لئے

زبردست جدوجہد کی گئی اور 1933 ء تک نافذ رہا اور اس دوران حکومت نے ایک ملین سے زائد اشخاص کو سزائیں دیں اور اکثریت کو جیلوں میں بند کیا گیا لیکن اس دوران شراب کی مختلف قسمیں پوشیدہ طور پر پھیل گئیں اور مجرموں کی پارٹیاں وجود میں آگئیں اور یہ معاملہ اس حد تک بڑھ گیا کہ کانگریس نے مجبور ہو کر بیئر اور سیدر (cilay) کو جائز قرار دیا اور دسمبر 1933 ء میں قطعی طور پر پابندی اٹھالی۔ اس طرح امریکہ شراب پر پابندی لگانے میں ناکام ہو گیا۔ انہوں نے لکھا کہ تمیں ملکوں بشمول امریکہ اور برطانیہ میں جیل کے 86% جرائم Rape کے 50% جرائم شراب نوشی کی وجہ سے عمل میں آتے ہیں۔ اس طرح مختلف ممالک کا تجزیہ کرنے کے بعد مورخ ٹوائن بی کی شہادت کے بارے میں لکھا جس نے کہا کہ صرف اسلامی روح اس بات کی استطاعت رکھتی ہے کہ وہ انسان کو شراب کے بدمعن سے مضبوط دینی اعتقاد کے ذریعے آزاد کرا دے کیونکہ اس نے وہ چیز ثابت کر کے دکھا دی جو انسانیت کے لئے اپنی طویل تاریخ میں کرنا ہرگز ممکن نہ ہوا۔"

ڈاکٹر ثقلین نے آجکل کے معاشرے میں شراب کے بڑھتے ہوئے استعمال کی وجہ والدین کی عدم توجہی۔ پیسے کی بہتات اور والدین کو عیش پرستی کی عادتوں میں ملوث کرنا۔ ان کی نگرانی نہ کرنا۔ نوجوانوں کے اندر مذہبی و اخلاقی ذمہ داریوں کو نہ سمجھنا اور حلال و حرام کے احکامات سے سرتابی کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی پاسداری نہ کرنا بتایا گیا۔

اس مضمون نے پورے ملک میں تہلکہ مچا دیا تھا اور عوام کو شعور دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ اس حرام مشروب کا معاشرے میں عام ہونا بہت خطرناک ہے اور اس لعنت کا شکار انسان کس کس طرح ذہنی، جسمانی و جنسی طور پر مفلوج ہوتا جاتا ہے۔ وہ خاندانوں اور معاشرے کے لیے بہت خطرناک ہے۔ اس لئے شراب اور شراب نوشی پر پابندی لگانے پر زور دیا گیا تھا۔ اس مضمون نے عام لوگوں کو فکر مند اور شراب پینے، پلانے اور بیچنے والوں کو ڈاکٹر ثقلین کے خلاف کر دیا تھا۔ اس مضمون کے بعد انہیں کئی دھمکی آمیز ای۔ میلز اور فون کالز موصول ہو رہی تھیں۔ کالجز اور یونیورسٹی کے طلباء و طالبات بھی اس مضمون کو پڑھ کر بہت باخبر ہو گئے تھے۔ یونیورسٹی میں ہر جانب اس مضمون کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ کینٹین ٹیریاء لان، کلاس روم ہر ہر جگہ اسی مضمون پر ڈسکشن ہو رہی تھی اور خاص طور پر سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ کے تمام طلباء و طالبات اس پر بحث کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے اور کینٹین ٹیریا میں بھی مختلف ڈیپارٹمنٹس کے اسٹوڈنٹس کے درمیان اس مضمون کے بارے میں ڈسکشن ہو رہی تھی۔ لڑکوں کے دو تین گروپ کینٹین ٹیریا میں چائے پینے کے دوران اس پر ڈسکشن کر رہے تھے اور ان کے درمیان دو تین طلباء ایسے بھی تھے جو ہاسٹل میں رہتے تھے اور جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اکثر موقعوں پر شراب نوشی کرنے کے عادی تھے اور اکثر شراب نوشی کر کے غل غپاڑہ کرنے پر انتظامیہ کی جانب سے انہیں وارننگ دی جاتی تھی مگر وہ زیادہ تر سیاسی اثر و رسوخ رکھنے والے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے انہیں کسی بھی بات کا نہ کوئی فکر ہوتا نہ کوئی خطرہ اور انہیں نہ ہی کوئی شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔ وہ بہت دھڑلے سے پیتے تھے اور سرِعام اس کا ذکر بھی کرتے تھے اور ان کی دیدہ دلیری دیکھ کر اکثر عام اسٹوڈنٹس ان سے متاثر ہو کر کبھی کبھار ان کی محفلوں میں شرکت کرتے تھے۔ ان کو جان بوجھ کر تنگ کرنے کے لئے کچھ طلباء نے اس مضمون پر بحث کرنا شروع کر دی تھی

"ضیا...... کیا تم نے ڈاکٹر ثقلین کا آرٹیکل پڑھا ہے؟ جواد نے ضیاء سے پوچھا جسے شراب پینے، پلانے والوں کا سرغنہ سمجھا جاتا تھا۔

''نہیں...... کیوں...... اس میں کیا خاص بات ہے؟ ضیاء نے منہ بنا کر پوچھا۔

''شراب نوشی کے نقصانات کے بارے میں بڑا زبردست آرٹیکل شائع ہوا ہے''۔ جواد نے جواب دیا۔

''کوئی بکواس ہی لکھی ہوگی۔۔۔ یہ لکھا ہوگا کہ اس کے پینے سے بہت نقصان ہوتے ہیں۔ بھلا اس کے لکھنے سے لوگ پینے سے باز آجائیں گے۔ ایسے ہی ان لوگوں کو پاپولر ہونے کا خبط ہوتا ہے اور جان بوجھ کر ایسے موضوعات کو چھیڑتے ہیں۔ جن کا کوئی فائدہ نہیں۔'' ضیاء نے اپنے دوساتھیوں نبیل اور آصف کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگا کر کہا۔

''خیر۔۔۔ ڈسکشن تو انہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اللہ نے شراب کو حرام کیوں قرار دیا ہے۔۔۔ اور اللہ کے رسولؐ نے شرابیوں کی کتنے سخت الفاظ میں مذمت فرمائی ہے...... لوگ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی نہ مانیں تو وہ علیحدہ بات ہے جواد کے دوست شکیل نے قدرے جذباتی لہجے میں کہا۔

''اگر ڈاکٹر ثقلین میں اتنا دم ہے تو لوگوں کو روک لے۔۔۔ آجکل کہاں شراب نہیں پی جاتی ہے یہ تو سوشل ڈرنک ہے شادیوں، پارٹیوں، فائیو سٹار ہوٹلوں۔ امیر لوگوں کے گھروں میں پی جاتی ہے۔ کیا وہ لوگ اس مضمون کو پڑھ کر باز آجائیں گے۔ اول تو وہ اس مضمون کو پڑھیں گے ہی نہیں اور دوسرے جن لوگوں کو خوش فہمی ہے کہ ڈاکٹر ثقلین بڑے ہیرو ہیں۔۔۔ انہیں بھی بہت جلد ۔۔۔ بہت کچھ معلوم ہو جائے گا'' نبیل نے مسکرا کر جواب دیا۔

''یار...... ہم کوئی ڈاکٹر ثقلین کی فیور نہیں کر رہے...... ہم تو اس alarming situation کو ڈسکس کر رہے ہیں۔ جن کے بارے میں انہوں نے Facts & Figuares لکھے ہیں''۔ جواد نے قدرے نرم لہجے میں ڈسکشن کو نارمل بناتے ہوئے کہا۔

''یار ہم بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ ایسی Awarenes فضول ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔۔۔ ڈاکٹر خواہ مخواہ ہیرو بننے کی کوشش کر رہا ہے''۔ ضیاء نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

''ہر چیز کے بارے میں Awareness اچھی بات ہے'' جواد نے جواب دیا۔

''تو...... ہم سے Awareness لے لو...... ہم سے زیادہ انفارمیشن تمہیں کون دے گا'' نبیل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''یار...... اس کے پینے میں آخر چارم کیا ہے؟ جواد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''آ...... ہا...... تمہیں کیا بتائیں...... یہ تو شغل، موج مستی اور انجوائے منٹ ڈرنک ہے۔ یار دوست جب اکٹھے ہو کر پیتے ہیں کیا لطف آتا ہے...... خاص طور پر جب سب مل کر شکار کھیلتے ہیں اور بھنے ہوئے ہرن اور بکرے ہضم کرنے میں جو کام یہ کرتی ہے کوئی اور شے نہیں کرتی...... اور پھر پی کر جو مستی، بے خودی، سرشاری اور سرور چھاتا ہے...... اس کا کیا بتائیں...... یوں لگتا ہے ہواؤں میں اڑ رہے ہوں اور اس وقت آسمان پر اڑنے والی چڑیاں بھی پریاں لگتی ہیں۔'' نبیل نے بے ہنگم قہقہہ لگایا۔

''اس کو پی کر ایسا کونفیڈنس آتا ہے کہ نہ پوچھو مت۔ یوں لگتا ہے...... اپنے آپ سے بڑھ کر رستم پہلوان کوئی ہے ہی نہیں۔'' آصف نے

بھی قہقہہ لگا کر نبیل اور ضیاء کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

"اس کو پی کر تو ہر قسم کی بھوک بیدار ہو جاتی ہے۔" ضیاء نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں...... ڈاکٹر صاحب نے بھی تو یہی لکھا ہے کہ شروع میں تو یہ بھوک کو کھولتی ہے۔ معدے میں ہائیڈروکلورک ایسڈ کے اخراج کا اضافہ کرتی ہے۔ یونانیوں، رومیوں اور عربوں نے بھی اس کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا ہے اور آج کل فرانسیسی اس کو Apetizer یعنی بھوک کھولنے والی کہتے ہیں اور وہ تو کھانوں کے ساتھ سوائے شراب کے کوئی اور مشروب استعمال نہیں کرتے مگر عرصہ بعد معدے میں بھوک کی کمی ہو جاتی ہے اور بار بار تے آنے لگتی ہے اور کھانا پہنچانے والی خوراک کی نالی میں کینسر پیدا ہو جاتا ہے۔" شکیل نے مضمون میں سے پڑھ کر سنایا۔

"یار...... تم ہماری باتوں پر یقین کرو...... ڈاکٹر تو خوامخواہ ڈرا رہا ہے۔" نبیل نے بے زاری سے کہا۔

"اس کو پی کر کیا سرور ملتا ہے...... کیا بتاؤں...... دماغ ایسا پرسکون ہو جاتا ہے کہ ساری بے چینیاں اور اضطراب دور ہو جاتا ہے؟" ضیاء انہیں ورغلانے کے انداز میں تعریفیں کرنے لگا۔

"اچھا...... وہ...... کیسے؟" شکیل نے جان بوجھ کر پوچھا۔

"یار...... اس میں یہی تو مزا ہے...... انسان سارے غم، فکر بھول جاتا ہے...... دنیا کیا کر رہی ہے اسے کوئی پرواہ نہیں رہتی۔ بندہ ایک دنیا میں پہنچ جاتا ہے جہاں خوشیاں ہی خوشیاں ہوتی ہیں...... سکون ہی سکون" ضیاء نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دماغ کے ان اعلیٰ حصوں پر چھا جاتی ہے جو دماغ کے خاص اوپری سطح cerebral cortex میں ہوتے ہیں اور cortex کے خلیات انسان کی قوت ارادی اور غور و فکر کو کنٹرول کرتے ہیں۔ شراب کی وجہ سے مجروح ہو جاتے ہیں۔ شراب سے خون میں چپچپاہٹ آ جاتی ہے جس سے دماغ کی باریک نسیں کیپلریز بند ہو جاتی ہیں دماغ کے خلیے مر جاتے ہیں۔ اور دماغ مفلوج ہونے لگتا ہے۔" شکیل نے پھر اخبار میں سے مضمون پڑھ کر سنایا۔

"یار...... تم خوامخواہ بحث میں پڑے ہو...... صرف دو گھونٹ پی کر خود دیکھو...... ایسا نشہ چھائے گا...... سب کچھ بھول جاؤ گے......" ضیاء نے اسے سرعام پیشکش کی۔

"نہ بھئی...... اللہ بچائے...... اس حرام شے سے...... ہمارے لیے تو ہمارے رسول کا فرمان کافی ہے۔

"کہ ہر نشہ آور شے خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔"

ہم کیسے مسلمان ہیں جو ان کی حرام بتائی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھ کر ان سے پرہیز نہ کریں جواد نے معنی خیز انداز میں کہا تو ضیاء آصف اور نبیل خاموش ہو کر ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔

"تم لوگوں نے ایک خبر سنی ہے......" جواد کا ایک دوست فیصل بھاگتا ہوا کیفے ٹیریا میں آیا۔

"کیا ہوا......؟" سب لڑکوں نے حیرت سے پوچھا۔

"ڈاکٹر ثقلین پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔" فیصل نے پریشانی سے بتایا۔

"او ...... نو......" جواد اور شکیل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ضیاء، نجیب اور آصف کے چہروں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

کافی اسٹوڈنٹس یونیورسٹی گراؤنڈ میں جمع تھے اور سب کے چہروں پر بہت پریشانی اور دکھ کے تاثرات نمایاں تھے۔ اکثریت ڈاکٹر ثقلین کے لیے پریشان ہو کر ان کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔ اسٹوڈنٹس کی گاڑیاں اس ہسپتال کی طرف جا رہی تھیں جہاں ڈاکٹر ثقلین ایڈمٹ تھے ہر طرف یہ خبر گھوم رہی تھی کہ ڈرگ مافیا نے اور شراب کی تجارت کرنے والی کمپنیوں کے مالکان نے ڈاکٹر ثقلین پر حملہ کرایا تھا۔ طلباء و طالبات کی کثیر تعداد ہاسپٹل میں جمع تھی۔ وہاں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔۔۔ سب کے ہاتھوں میں پھولوں کے گلدستے اور پھول تھے اور لبوں پر دعائیں تھیں۔

"ڈاکٹر صاحب کیسے ہیں؟ ہر ایک ہی سوال پوچھ رہا تھا۔

"وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ اللہ کا شکر ہے...... وہ بالکل خیریت سے ہیں...... اللہ نے ان کو بالکل محفوظ رکھا ہے۔" ایک ڈاکٹر نے کوریڈور میں سے گزرتے ہوئے بتایا۔

"کیا ہم ڈاکٹر صاحب سے مل سکتے ہیں! اسٹوڈنٹس نے پوچھا۔

"وہ خود آرہے ہیں۔" ڈاکٹر نے بتایا اور سب لوگ ان کی آمد کا شدت سے انتظار کرنے لگے۔ کافی دیر بعد ڈاکٹر ثقلین باہر تشریف لائے۔ ان کا دایاں بازو تھوڑا سا زخمی ہوا تھا...... اور اس کی ڈریسنگ کی گئی تھی۔ ڈاکٹر ثقلین مسکراتے ہوئے ہجوم کی جانب آئے۔

"ڈاکٹر صاحب کیسے ہیں آپ؟ ہر کوئی بے صبری سے پوچھ رہا تھا۔

"تھینک یو ویری مچ...... آئی ایم فائن......" انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ڈاکٹر صاحب کس نے آپ پر حملہ کیا؟" کسی نے پوچھا۔

"زندگی میں ایسا بہت کچھ ہوتا ہے...... میں پریشان نہیں ہوں۔ آئی جسٹ وانٹ ٹو سی یو آل ہیپی۔" ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا تو سب اسٹوڈنٹس نے خوشی سے پرامید لہجے میں ڈاکٹر ثقلین زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔

سطوت آپا لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی نظر کی عینک لگائے شفقون کی آسمانی رنگ کی ساڑھی پہنے ہاتھ میں سیپارہ پکڑ کر اسے پڑھنے میں مصروف تھیں کہ لاؤنج میں فون کی بیل بجنے لگی۔

"خیرن بوا...... خیران بوا...... فون سنیے۔" سطوت آپا نے قدرے اونچی آواز میں کچن کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔

"آئی بیگم صاحبہ......" خیرن بوا نیپکن سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی جلدی جلدی فون کی طرف بڑھی اور ریسیور کان سے لگا کر باتیں کرنے لگی۔

"جی...... بالکل ہیں...... آپ ہولڈ کیجیے......" خیرن بوا نے ریسیور فون اسٹینڈ پر رکھتے ہوئے کہا اور سطوت آپا کی طرف آگئی "بیگم صاحب...... بہاولپور سے فخر بیگم کا فون ہے...... آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں...... فون ہولڈ پڑا ہے۔" خیرن بوا نے سطوت آپا کو کہا اور کچن میں چلی گئی۔ سطوت آپا نے سیپارے کو بند کر کے اسے چوما اور ماتھے سے لگا کر دیوار کے ساتھ لگے ایک اسٹینڈ پر اونچی جگہ پر تعظیماً رکھ دیا اور ریسیور کان

سے لگا کر بات کرنے لگیں۔

"السلام علیکم...... بہو بیگم...... کیسی ہیں آپ؟ سلوت آپا نے بہت محبت بھرے انداز میں کہا۔

"ماشاءاللہ جیتی رہے۔ نعمان میاں کیسے ہیں اور بچے؟ سلوت آپا نے پوچھا اور پھر خاموش ہو کر دوسری جانب سے بات سننے لگیں۔

"اس سے اور اچھی بات کیا ہو سکتی ہے...... ہم اسد میاں سے بات کر کے آپ کو فون کریں گے اور پھر باقی پروگرام بنا لیں گے......"

ٹھیک ہے...... جیتی رہیے...... شکریہ' سلوت آپا نے ریسیور فون پر رکھ دیا اور واپس صوفے پر آ کر بیٹھ گئیں۔

"خیرن بوا...... ایک گلاس پانی پلا دیجیے" سلوت آپا نے کہا تو خیرن بوا بہت سلیقے سے انتہائی خوبصورت شیشے کی ٹرے میں شیشے کا گلاس رکھے اور اسے جالی کے خوبصورت رومال سے کور کیے بڑے مہذب انداز میں سلوت آپا کو پیش کیا۔

"شکریہ......" سلوت آپا نے گلاس پکڑتے ہوئے کہا اور پانی پینے لگیں۔ پانی پی کر گلاس واپس ٹرے میں رکھا...... خیرن بوا قدرے تجسس انداز میں سلوت آپا کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"بیگم صاحبہ...... فخر بیگم نے بہت عرصے کے بعد فون کیا ہے۔" خیرن بوا نے جان بوجھ کر بات چھیڑی۔

"ہاں...... انہوں نے سسرالی رشتہ داروں میں ایک لڑکی دیکھی ہے...... اسد بیٹے کے لیے...... اور ہمیں کہہ رہی ہیں کہ آ کر ان لوگوں سے مل کر بات پکی کر دوں۔" سلوت آپا نے جواب دیا۔

"کیا آپ بہاولپور جا رہی ہیں؟ خیرن بوا نے حیرت سے پوچھا۔

"سوچ رہے ہیں...... فخر بیگم نے سوچ سمجھ کر ہی انتخاب کیا ہوگا...... ایک نظر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے اور پھر اپنے خاندان کی بچی ہوگی تو ہم سے جلدی گھل مل جائے گی۔" سلوت آپا نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے...... مگر بہاولپور بہت دور ہے۔" خیرن بوا نے رائے دی۔

"ارے بوا...... اب کیا فاصلے رہ گئے ہیں...... ہم انڈیا سے پاکستان آ گئے...... اور صبر النساء پاکستان سے انڈیا چلی گئیں اور زیب النساء بہاولپور...... ہمارے زمانے میں سفر کی اتنی سہولتیں بھی میسر نہیں تھیں اور پھر بھی لوگ سفر سے اکتاتے نہیں تھے...... جب مقصد بڑا ہو تو سفر کیا معنی رکھتا ہے اور ہمارے لیے تو اس گھر کی بہو ایک قیمتی نگینہ ہوگی...... اور نگینے یونہی تو ہاتھ نہیں آتے نا۔" سلوت آپا نے مسکراتے ہوئے کہا تو خیرن بوا بھی مسکرا دیں۔

"آپ سچ کہہ رہی ہیں...... بہو سے خاندان کی نسل چلتی ہے اور آج کل کے زمانے میں اچھی بہوئیں کہاں ملتی ہیں؟ خیرن بوا نے قدرے تاسف سے کہا۔

"بوا...... اگر اچھی بہوئیں مشکل سے ملتی ہیں تو اچھے خاندان اور اچھی ساسیں بھی تو نہیں بنتیں نا...... ایسا قحط الرجال کا زمانہ آ گیا ہے...... اچھے خاندانی لوگ تو ہیروں کی طرح نایاب ہوتے جا رہے ہیں۔" سلوت آپا نے جواب دیا۔

باہر گاڑی پورچ میں آ کر رکی۔

"ہمارا خیال ہے اسد بیٹا آ گیا ہے..... کھانا تیار ہے نا"۔ سلوت آپا نے پوچھا۔

"ہاں..... بالکل تیار ہے..... بس چپاتیاں بنانے والی ہیں..... ثروت بنا دیتی ہے۔ میں ابھی کھانا ٹیبل پر لگا دیتی ہوں۔" خیرن بوا کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"السلام علیکم..... دادو....." اسد سلوت آپا کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"جیتے رہیے..... آپ ہاتھ منہ دھو لیں..... کھانا تیار ہے۔" سلوت آپا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اسد نے صوفے پر ٹیک لگائے انگڑائی لی اور اٹھ کر واش روم کی طرف چلا گیا۔ واپس آیا تو۔ سلوت آپا ڈائننگ روم میں کرسٹل کی بہت بڑی اور خوبصورت ٹیبل پر کھانا سجائے بیٹھی تھیں۔ خیرن بوا ایک ہاٹ پاٹ میں گرم گرم چپاتیاں لے آئی۔ اسد سلوت آپا کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور کھانا کھانے لگا۔ سلوت آپا بھی کھانا کھانے میں مصروف ہو گئیں۔

"اسد بیٹا..... آج بہاولپور سے فخر بیگم کا فون آیا تھا" سلوت آپا نے بتایا۔

"کون..... فخر بیگم؟ اسد ایک دم چونکتے ہوئے بولا۔

"زیب النساء کی بڑی بہو..... نعمان میاں کی بیگم....." سلوت آپا نے بتایا۔

"اوہ..... آ..... جی" اسد نے آہستہ آواز میں کہا۔

"انہوں نے اپنے سسرال میں آپ کے لئے ایک لڑکی منتخب کی ہے..... ہمیں بلا رہی ہیں کہ ان لوگوں سے مل کر بات پکی کر دوں۔" سلوت آپا نے بتاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا کیوں.....؟ اسد کے منہ سے نادانستہ نکلا۔

"بیٹا..... ہماری زندگی کا کیا بھروسہ.....؟ اور اس دنیا سے جانے سے پہلے ہم آپ کا گھر بسا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں..... آپ کے بچوں کو کھلانا چاہتے ہیں..... آپ اپنے گھر میں اپنی بیوی، بچوں کے ساتھ خوش ہوں گے تو ہم سکون سے مر سکیں گے۔" سلوت آپا نے قدرے جذباتی لہجے میں کہا۔

"دادو..... پلیز..... آپ مجھ سے ایسی باتیں مت کیا کریں..... میں نے اپنے ماں باپ کا نقصان برداشت کر لیا ہے..... مگر آپ کو کھو کر میں..... تو..... دادو..... پلیز ایسی باتیں نہ کیا کریں۔" اسد جذباتی لہجے میں دادو کا ہاتھ پکڑ کر محبت بھرے لہجے میں بولا۔

"بیٹا..... آپ کی محبت اپنی جگہ پر..... مگر حقیقت سے انسان کیسے آنکھیں چرا سکتا ہے..... ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہم اپنے جوان بیٹے اور بہو کے بغیر کبھی زندہ بھی رہ پائیں گے....." مگر..... قدرت کے فیصلوں کو قبول کرنا پڑتا ہے..... انسان کتنے ہی دعوے کیوں نا کرے..... دعوے تو لفظی باتیں ہوتے ہیں..... اصل بات تو قدرت کے فیصلوں کی ہوتی ہے..... جو ہمیشہ اٹل ہوتے ہیں..... آپ لاکھ جذباتی ہوں۔ مگر اب ہم بھی اپنا فیصلہ نہیں بدلیں گے۔ ہمیں آپ کی شادی ہر صورت میں کرنی ہے۔" سلوت آپا نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"دادو..... ٹھیک ہے..... اگر آپ شادی کرنے پر بضد ہیں تو پھر اتنی دور جانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں اس شہر میں بھی بہت اچھی اور

تعلیم یافتہ لڑکیاں مل سکتی ہیں۔" اسد نے ذومعنی انداز میں کہا۔

"ہاں...... ہم نے دو تین اچھے گھرانوں کی لڑکیاں دیکھی ہیں مگر وہ ہمیں ویسی نہیں لگیں...... جیسی ہم چاہتے ہیں۔" دادو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"دادو...... پھر نظر دوڑائیں...... ہوسکتا ہے۔ اب کوئی مل جائے" اسد نے بلاواسطہ انداز میں کہا۔

دادو خاموش ہو کر سوچنے لگیں...... اور اسد مسکرا کر انہیں دیکھنے لگا۔

"ہمیں تو کچھ یاد نہیں آ رہا۔" دادو فکر مندی سے سوچتی ہوئی بولیں۔

"دادو...... اچھی طرح یاد کریں...... ہوسکتا ہے ایک دو دن میں یاد آ جائے" اسد پھر مسکرا کر بولا۔

"دادو سوچ سوچ کر الجھنے لگیں۔

"اگر آپ کے ذہن میں کوئی ایسی لڑکی ہے تو آپ ہی بتا دیجئے ہمیں تو یاد نہیں آ رہی۔" دادو بے بسی سے بولیں۔

"دادو...... مجھے...... مومنہ آپکی سوچ کے مطابق لگی ہے۔" اسد نے قدرے شرماتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اوہ...... وہ...... زکیہ کی بیٹی...... ماشاء اللہ...... کیا اچھی لڑکی ہے...... دیکھو...... کیسے ہمارے ذہن سے نکل گئی...... ہمیں تو وہ بہت پسند ہے...... کیا آپ کو بھی پسند ہے؟" دادو نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں...... مجھے اچھی لگی ہے۔" اسد نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے...... ہم زکیہ سے بات کرتے ہیں...... خاندان بھی بہت شریف اور دیکھا بھالا ہے۔ بچی بہت نیک سیرت اور سلجھی ہوئی ہے...... مومنہ جیسی لڑکی...... ہمیں بھلا کہاں سے ملے گی...... لیکن خدا کرے...... زکیہ نے اس کا رشتہ کہیں طے نہ کیا ہو......" سطوت آپا نے کہا تو اسد کا چہرہ ایکدم اتر گیا۔ اس نے جلدی سے پانی کا گلاس پیا اور کھانا وہیں چھوڑ دیا۔

"بیٹا...... کھانا تو مکمل کیجئے" دادو نے اسے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"بس...... مجھے بھوک نہیں۔" اسد آہستہ آواز میں بولا۔

"ہم ایک دو روز میں زکیہ کے ہاں جا کر اس سے بات کرتے ہیں...... دیکھو...... وہ کیا جواب دیتی ہے......" سطوت آپا نے کہا تو اسد خاموش ہو گیا۔

"سطوت آپا بہت خوش تھیں کہ اسد نے مومنہ کا انتخاب کیا تھا اور اسد یہ سن کر پریشان ہو گیا تھا کہ کہیں مومنہ کسی اور سے منسوب نہ ہو......

اسد تو جب سے مومنہ سے ملا تھا اور جب سے اسے دیکھا تھا وہ بری طرح اس کے حواسوں پر چھا گئی تھی۔ رات کو جب بھی سونے کے لیے آنکھیں بند کرتا تو مومنہ کا تمتماتا چہرہ جھکی آنکھیں اور شرمیلی نظریں اسے یاد آتیں کبھی برقعے میں لپٹی اور چادر سے نقاب کیے وہ اس کی نظروں کے سامنے آتی تو وہ بے چین ہو جاتا۔ نہ اس سے کسی طرح رابطہ ممکن تھا اور نہ ہی کوئی بات چیت۔ وہ اس سے دور تھی مگر اس کے دل میں صرف اس نے ہی اپنے

مضبوط قدم جمائے تھے۔اس کے دل میں ہر طرف مومنہ اپنی خوبصورتی، معصومیت اور شرم وحیا لیے سما گئی تھی...... نجانے اس نے کیسا سحر کیا تھا کہ اب اس سے فرار ممکن نہیں تھا۔اس کی زندگی میں بے شمار لڑکیوں سے ملاقات رہی تھی۔ اپر کلاس کی فیشن ایبل، ماڈرن، خوبصورت اور پرکشش لڑکیاں۔ اس سے ایک بار ملتیں تو اس کے سحر میں گرفتار ہو جاتیں۔ کئی خود اس سے اظہار محبت کرتیں...... اس پر فدا ہو جاتیں اور اس سے دوستیاں کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کرتیں مگر اسد کا دل کسی کی جانب بھی ایسا راغب نہ ہوتا۔ جیسا مومنہ کی جانب ہوا تھا...... اور مومنہ نے تو اس کی جانب نہ دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا نہ اس کی طرف محبت پاش نگاہوں سے دیکھا تھا۔ نہ محبت بھرے لہجے میں کوئی باتیں کیں تھیں۔ اس نے تو اس سے کچھ کہا ہی نہیں تھا...... اور پھر بھی وہ اس کے سحر میں آ گیا تھا...... نجانے اس نے خاموش زبان سے اسے کیا کہا تھا کہ وہ اس کے سامنے اپنا دل ہار بیٹھا تھا اور اس نے شادی نہ کرنے کا جو فیصلہ کر رکھا تھا اب خود بخود اس سے شادی کے لیے رضامند ہو گیا تھا۔ شاید یہی محبت ہوتی ہے جو یوں اچانک کسی سے کبھی کبھار کچھ کہے بغیر ہی ہو جاتی ہے...... محبت کیسے اپنی جگہ دلوں میں بنا لیتی ہے کہ پھر اس سے فرار ممکن نہیں ہوتی...... اس کے دل میں پہلی بار محبت کا احساس محسوس ہوا تھا...... محبت سے پیدا ہونے والی بے چینی اور بے قراری نے اسے پہلی بار مضطرب کیا تھا اور اس اضطراب نے اسے ایسی بے کلی اور انتظار کی اذیت سے دوچار کیا تھا کہ وہ اندر ہی اندر بہت پریشان رہنے لگا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ تا تھا کہ وہ کس طرح دادو سے اپنے دل کی بات کہے۔ انہیں کیا بتائے...... اور اب دادو نے خود ہی ذکر چھیڑا تھا تو اس نے اچانک اپنے دل کی بات کہہ دی تھی مگر دادو کے منہ سے ایک انجانی بات سن کر وہ پہلے سے بھی زیادہ مضطرب ہو گیا تھا۔ نجانے کیوں اس کے دل سے دعا نکلنے لگی...... کہ خدا کرے ایسا نہ ہو...... جیسا دادو سوچ رہی ہیں اور خدا کرے ایسا ہو جائے...... جیسا وہ سوچ رہا ہے۔"

یہ کیسی خواہش تھی...... کیسی تمنا تھی...... کیسی آرزو تھی...... جو بالکل اچانک اور انجانے میں اس کے دل میں پیدا ہوئی تھی اور وہ اپنے اس جذبے میں کس قدر جذباتی اور پوزیسو ہونے لگا تھا...... وہ کنفیوژ رہنے لگا تھا...... بہت الجھا الجھا...... بہت منتشر اور پراگندہ...... اسے یکسوئی نصیب نہیں ہو رہی تھی۔ سکون نہیں مل رہا تھا اور اپنا یہ پریشان دور کرنے کے لئے وہ وسکی کا سہارا لیتا اور وسکی کا تھوڑا سا جام اسے مومنہ کے بہت قریب لے آتا...... وہ آہستہ آواز میں اسے آوازیں دینے لگتا...... اور کوئی بھی جواب نہ پا کر جھنجھلانے لگتا...... وہ اسے بہت جلد پانا چاہتا تھا...... اس کے بغیر زندگی ناممکن لگنے لگی تھی...... یہ مومنہ تھی یا اس کی محبت...... جس نے اس کو اپنے آپ سے بھی بیگانہ کر دیا تھا اور وسکی سے پیدا ہونے والی بے خودی اور سرشاری میں محبت کی سرشاری اور اضطراب نے اس کے اندر ہیجانی کیفیت پیدا کر دی تھی اور وہ اپنے جذبوں سے شکست کھا رہا تھا۔

مومنہ بھی اس روز سے بہت مضطرب تھی۔ جس روز سے اسے ملی تھی۔ نجانے اس کی آنکھوں سے اس کے دل کو کیا پیغام ملا تھا کہ دل بہت مضطرب رہنے لگا تھا۔ اس سے قبل تو دل ایسی عجیب سی بے کلی کا شکار نہ تھا۔ وہاں تو ہر جانب اطمینان اور سکون تھا اور اب بلاوجہ مضطرب رہنے لگا تھا...... نہ چاہتے ہوئے بھی...... اچانک کام کرتے ہوئے...... کلاس میں لیکچر نوٹ کرتے ہوئے...... یونیورسٹی جاتے ہوئے...... دوستوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے...... اور مریم کی کسی نہ کسی بات پر...... اور سونے سے پہلے...... نجانے کہاں سے آ کر وہ اچانک آنکھوں میں سما جاتا...... اور پھر اس کے خیالوں سے چھٹکارا پانا مشکل ہو جاتا۔ اکثر ساری رات بے خوابی میں کروٹیں بدلتے گزر جاتی...... یہ اسے کیا ہونے لگا تھا...... اس کا دل کیسی

نادانی کر رہا تھا...... چاند کی تمنا کر رہا تھا...... وہ خاک...... ذرہ خاک نشین...... چاند کے وجود میں جذب ہونے کی تمنا کر رہا تھا۔ اپنی حیثیت اور اوقات بھول رہا تھا...... کتنا فرق اور فاصلہ تھا دونوں میں...... وہ تو ہر پل...... ہر لمحہ...... ہر وقت یہی سوچتی رہتی کہ اس کی سوچ بہت احمقانہ ہے...... اس کی آرزو اور اس کی تمنا بہت خام ہے...... مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کبھی نہیں جچتا...... اور وہ خوابوں کے جنگل میں کھو کر اپنا آپ کھو رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو سمجھاتی...... مگر دل تھا کہ اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا...... وہ اپنے آپ سے ہارنے لگی تھی...... اور اس کا دل اس کو یقین دہانی کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ اسے واقعی اسد سے محبت ہو گئی ہے۔''

چھٹی کا دن تھا۔ مریم کے بھی امتحانات ہو چکے تھے اور وہ بھی گھر پر فارغ تھی۔ مومنہ صبح سے کپڑے دھونے میں مصروف تھی اور مریم اس کے ساتھ مل کر کپڑے چھت پر ڈالنے اور گھر کی صفائی کرنے میں مصروف تھی۔ مومنہ کی شلوار کے سارے پائنچے گیلے ہو رہے تھے اور وہ کپڑے چھت پر ڈالنے جا رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ مریم نے دروازہ کھولا تو سطوت آپا کو سامنے دیکھ کر چونک گئے۔ سطوت آپا نے لائٹ براؤن کلر کی پرنٹڈ ساڑھی کے ساتھ شال اوڑھ رکھی تھی۔ وہ مریم کو دیکھ کر مسکرائیں اور مریم انہیں دیکھ کر بہت خوش ہو گئی تھی۔

''السلام علیکم...... آپ...... اندر آ ئیے نا...... باہر کیوں کھڑی ہیں؟'' مریم نے مسکراتے ہوئے کہا تو سطوت آپا نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگایا اور اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے اس کے ساتھ صحن میں آ گئیں۔

''امی...... امی......'' مریم آوازیں دیتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ زکیہ آپا سو رہی تھی۔ مریم کی آواز سن کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہوا......؟'' زکیہ آپا نے چونک کر پوچھا۔

''امی...... وہ سطوت آنٹی آئی ہیں۔'' مریم نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

''سطوت...... آپا......؟'' زکیہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور جلدی سے اپنا حلیہ ٹھیک کرتے ہوئے اور الماری میں سے سدھ وئی دی ہوئی نئی سفید چادر اوڑھ کر باہر گئی۔

''السلام علیکم...... زہے نصیب...... آپ تشریف لائی ہیں۔'' زکیہ آپا نے محبت سے ان سے ملتے ہوئے کہا۔

''ہم معذرت چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو اطلاع دیئے بغیر آ گئے...... دراصل ہمارے پاس آپ کا کوئی فون نمبر نہیں تھا۔'' سطوت آپا نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''ارے آپا...... کیوں شرمندہ کر رہی ہیں...... یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔

صبح آئیں...... شام آئیں...... بھلا بتانے کی کیا ضرورت ہے؟ زکیہ آپا نے قدرے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''مومنہ بیٹی کہاں ہیں......؟ سطوت آپا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آج صبح سے کپڑے دھو رہی ہے...... میرا خیال ہے چھت پر کپڑے ڈالنے گئی ہے۔'' زکیہ آپا نے جواب دیا۔

''مریم بیٹا...... آپا کے لیے چائے لاؤ'' زکیہ نے مریم سے کہا جو پہلے ہی کچن میں مصروف تھی۔

"ارے نہیں...... تکلف کی ضرورت نہیں۔" سلوت آپا نے کہا۔

"آپا...... ہم لوگ آپ کے قابل کہاں ...... کہ آپ کو چائے پانی پوچھ سکیں۔" زکیہ نے قدرے دھیمی آواز میں کہا۔

"ارے زکیہ...... آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔" سلوت آپا نے مسکرا کر کہا۔ مومنہ چادر لپیٹے اور خالی بالٹی ہاتھ میں اٹھائے سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آئی تو سلوت آپا کو دیکھ چونک گئی۔ دھوپ میں کپڑے ڈالنے کی وجہ سے اس کا سفید رنگ، سرخ ہو رہا تھا...... اور سلوت آپا کا یوں اچانک آنا...... اس کو قدرے معنی خیز لگا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔

"السلام علیکم......" سلوت آپا نے اٹھ کر اسے محبت سے گلے لگایا اور اس کی پیشانی چومی اور محبت بھری نظروں سے اسے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھنے لگی۔ مومنہ شرما گئی۔ اس نے گندے کپڑے پہن رکھے تھے اور شلوار کے پائنچے ابھی تک گیلے تھے۔

"کیسی ہیں آپ؟" سلوت آپا نے محبت سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں......" اس نے آہستہ آواز میں کہہ کر سر جھکا لیا۔

سلوت آپا اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگیں...... مومنہ کو محسوس ہونے لگا جیسے وہ آج کسی خاص مقصد کے لیے آئی ہوں۔

"مومنہ بیٹی...... کتنے کپڑے رہ گئے ہیں؟" اب انہیں سمیٹ دو اور مریم کے ساتھ کچن میں جا کر چائے بنالو...... اور پھر کھانا بھی بناؤ...... آج آپا کھانا کھائے بغیر نہیں جائیں گی۔" زکیہ نے محبت سے کہا۔

"ارے نہیں...... زکیہ...... اسد آج گھر پر ہیں اور اگر ہم گھر پر نہ ہوں...... تو وہ ہمارے بغیر کھانا نہیں کھاتے۔" سلوت آپا نے محبت سے اسد کا ذکر کیا تو مومنہ کے چہرے پر سرخی سی دوڑ گئی۔

مومنہ اٹھ کر اندر چلی گئی اور سلوت آپا اس کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔

"ماشاءاللہ۔ زکیہ آپ کی دونوں بچیاں بہت اچھی اور سعادت مند ہیں۔ سلوت آپا نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"بس...... اللہ کا کرم ہے...... سب اسی کی عطا ہے...... میری کیا اوقات ہے؟ زکیہ نے آہ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مومنہ بیٹی کی نسبت کہیں طے کی ہے؟ سلوت آپا نے پوچھا۔

"نہیں...... ابھی تو اس کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی...... ایک دو رشتے آئے تھے مگر مومنہ نے کہہ دیا کہ تعلیم مکمل ہونے کے بعد وہ شادی کے بارے میں سوچے گی۔" زکیہ نے جواب دیا۔

"اور تعلیم کب مکمل ہوگی؟ سلوت آپا نے پوچھا۔

"ایک دو ماہ بعد اس کے فائنل امتحان ہونے والے ہیں...... اس کے بعد جو اللہ کو منظور ہوا...... ہو جائے گا۔" زکیہ آپا نے جواب دیا۔

"زکیہ...... اگر آپ برا نہ مانیں تو ہم ایک بات کہیں۔" سلوت آپا نے قدرے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"سلوت آپا...... آپ کھل کر بات کریں...... آپ کی ہر بات سر آنکھوں پر۔ زکیہ آپا نے محبت سے سلوت آپا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"ہمیں آپ کی بیٹی مومنہ بہت اچھی لگی ہیں...... ماشاءاللہ سمجھی ہوئی، تعلیم یافتہ، مذہبی ذہن والی ہیں...... آج ہم اسد بیٹے کے رشتے کے لیے آپ کے ہاں آئے ہیں...... اگر آپ کو...... کوئی اعتراض نہ ہو تو اسد کو اپنی فرزندی میں قبول کریں۔" سلوت آپا نے قدرے رک رک کر کہا تو زکیہ کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔۔۔ اور حیرت سے اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔۔۔ اسے کچھ میں نہیں آرہا تھا کیا کہے۔

"زکیہ...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں......؟ کہاں آپ؟ اور کہاں ہم......؟ ہماری اتنی اوقات کہاں کہ آپ سے رشتہ داری کریں۔" زکیہ نے حیرت سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"زکیہ۔۔۔ آپ اوقات کی بات مت کریں۔۔۔ پروردگار نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اور اس کے نزدیک آپ۔۔۔ آپ کے والد صاحب اور آپ کا گھرانہ کتنا معتبر ہے...... یہ وہی جانتا ہے۔" سلوت آپا نے محبت سے کہا۔

"مگر...... آپا...... آپ...... پیسے والے لوگ ہیں۔ اور ہم...... زکیہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"پیسہ زندگی کو آسان بناتا ہے مگر اچھے انسان زندگی کو خوبصورت بناتے ہیں۔" سلوت آپا نے محبت سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"آپا...... مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا...... کیا کہوں......؟ ہم لوگ تو کبھی خواب میں بھی آپ سے رشتہ داری کا نہیں سوچ سکتے اور آپ نے حقیقت میں رشتہ مانگ لیا ہے؟" زکیہ نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"زکیہ ہمارے خاندان میں کبھی آپ نے ایسا دیکھا ہے کہ ہم نے کسی بھی انسان کو کمتر سمجھا ہو۔" سلوت آپا نے کہا۔

"نہیں...... اور یہی تو آپ کی بڑائی ہے۔" زکیہ نے جواب دیا۔

"بڑائی صرف اللہ کی ذات کے لیے ہے...... ہم لمحوں میں ٹوٹنے بکھرنے والے انسان کہاں اس قابل...... کہ کوئی بڑائی جتا سکیں...... اگر۔۔۔ آپ کو ان باتوں کے علاوہ کسی اور بات پر اعتراض ہو تو وہ کہیے...... ہم خود ہی آپ سے معذرت کرلیں گے۔" سلوت آپا نے قدرے شائستگی سے کہا۔

"ارے...... نہیں...... نہیں آپا...... آپ جیسے لوگ تو کروڑوں میں ایک دو ہیں...... اعتراض تو مجھے اپنی حیثیت پر ہے...... میں سوچ رہی ہوں کہ جھونپڑی میں پلنے والی میری بیٹی کس طرح آپ کے محل میں سما سکے گی...... آپا...... آپ نے یہ کیسا سوال کردیا ہے؟" زکیہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

مریم چائے کی ٹرے لے کر آئی اور زکیہ کو نم آنکھوں اور سلوت آپا کو خاموش دیکھ کر چونک گئی۔ خاموشی سے چائے کپوں میں ڈال کر زکیہ اور سلوت آپا کے آگے رکھ کر چلی گئی۔

مومنہ بریانی بنانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ مریم واپس آئی تو اس کے چہرے پر حیرانگی اور پریشانی کے تاثرات تھے۔

"کیا ہوا......؟" "تم اپ سیٹ لگ رہی ہو؟ مومنہ نے اس سے پوچھا۔

"آپا...... امی نجانے کس بات پر رو رہی تھیں اور سلوت آنٹی بہت خاموش تھیں۔" مریم نے رنجیدگی سے کہا۔

"ارے..... دونوں ماضی کی باتوں کو یاد کر کے افسردہ ہو رہی ہوں گی۔" مومنہ نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"نہیں..... بات کچھ اور لگ رہی ہے..... ورنہ وہ میرے جانے پر خاموش نہ ہو جاتیں" مریم نے کہا۔

"تم خواہ مخواہ بال کی کھال نہ اتارا کرو..... چلو جلدی سے مجھے چاول چن کر دو۔" مومنہ نے کہا تو مریم چاول لے کر برآمدے میں بیٹھ گئی مگر اس کے کان دونوں کی باتیں سننے میں لگے تھے۔

"زکیہ آپ سوچ کر ہمیں جواب دیں..... آپ بیٹی والی ہیں تحقیقات کرانا آپ کا حق ہے۔" جب مطمئن ہوں تب ہمیں بتا دیجئے گا۔" سطوت آپا نے کہا۔

"آپا..... آپ کے بارے میں کیسی تحقیقات..... آپ کا ماضی تو کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہے۔ آپ کے بارے میں پوچھ کر خود کو شرمندہ کرنے والی بات ہے۔" زکیہ نے کہا۔

"آپ ہمیں اور ہمارے ماضی کو جانتی ہیں..... ہمارا حال..... ہمارا بیٹا اسد ہے..... اس کے بارے میں آپ جو جاننا چاہیں..... جیسی تسلی کرنا چاہیں..... آپ کو حق ہے" سطوت آپا نے کہا۔

"جس اولاد کی تربیت آپ جیسی ماں کریں..... اس پر تو آنکھیں بند کر کے اعتبار کیا جا سکتا ہے..... اعتراض تو ہمیں اپنے آپ پر ہے۔" زکیہ آپا نے افسردگی سے کہا تو سطوت آپا نے محبت سے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

"آپ کی محبت اور ہمیں اتنی عزت دینے کا بہت شکریہ لیکن آپ مومنہ بیٹی سے بھی پوچھ لیں..... بیٹی کی رضامندی کے بغیر تو ہم کچھ سوچ بھی نہیں سکتے..... آپ ان سے اسد بیٹے کے بارے میں پوچھ لیں۔ اگر وہ رضامند ہوں تو پھر ہم بات آگے بڑھائیں گے۔" سطوت آپا نے کہا تو زکیہ نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ مریم ان کی باتیں سن کر بھاگتی ہوئی مومنہ کے پاس گئی۔

"آپا..... باہر تو آپ کے رشتے کی بات ہو رہی ہے۔" مریم نے جلدی سے کہا۔

"کیا.....؟" مومنہ دیگچی میں پیاز براؤن کر کے چکن بھون رہی تھی ایکدم اس کا ہاتھ رک گیا اور اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کہے۔

"آپا..... وہ مٹھائی کا ڈبہ یونہی نہیں آیا تھا۔" مریم نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا تو مومنہ جھینپ گئی۔ اس کا رنگ ایکدم سرخ ہو گیا کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کہہ رہی ہو۔" مومنہ نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"آپا..... سب کچھ سمجھ گئی ہو۔ اب نہ سمجھنے کی ایکٹنگ مت کرو..... اسد بھائی سے آپ کی بات پکی ہونے جا رہی ہے..... اور کچھ جاننا چاہتی ہیں تو کھل کر بیان کروں۔" مریم نے شوخ لہجے میں کہا تو مومنہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"تم تو مجھے را کی ایجنٹ لگ رہی ہو۔" مومنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "نہیں..... آئی ایس آئی..... اس سے زیادہ اسٹرونگ ہے۔" مریم نے خوش ہو کر کہا۔

"آپا..... ویسے آپ نے اسد بھائی پر کیا جادو کیا ہے کہ بیچارے اتنے بے تاب ہو گئے ہیں..... جھٹ رشتہ بھیج دیا۔" مریم نے شرارتی

لہجے میں کہا۔

"بکو...... نہیں...... میری تو ان سے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔" مومنہ نے قدرے معصومیت سے جواب دیا۔

"اللہ...... رے...... ابھی بات نہیں ہوئی تو یہ عالم ہے اور اگر کوئی بات ہو جاتی تو پھر کیا ہوتا...... پھر تو اب تک شادی ہو چکی ہوتی۔" مریم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"جلدی سے چاول بھگو دو...... میں کوئی سویٹ ڈش اور رائتہ وغیرہ بنا لیتی ہوں۔" مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں...... ہاں...... اب تو بہت کچھ بنے گا...... ورنہ ان کے آنے سے پہلے ہمیں چکن پلاؤ پر ٹرخا رہی تھیں...... اسد بھائی آ گئے تو نجانے کیا کیا پکے گا؟ مریم ہنستی ہوئی چاول بھگونے لگی۔

"مریم...... تم آج کچھ زیادہ ہی شوخ ہو رہی ہو۔" مومنہ نے کہا۔

"آپا...... شادی بیاہ کی باتیں سن کر انسان خوش ہی ہوتا ہے...... اور ویسے آپ بھی اندر سے بہت خوش ہیں...... آئینہ دکھاؤں چہرہ کیسے گل گلنار ہو رہا ہے۔" مریم نے چھیڑنے کے انداز میں کہا اور مومنہ اسے گھورتی ہوئی باہر چلی گئی۔

سطوت آپا کے لیے انہوں نے اپنی بساط کے مطابق بہت پر تکلف کھانے کا اہتمام کیا تھا اور کھانا بہت مہذب انداز میں ٹیبل پر چنا گیا تھا۔ سطوت آپا ان کے طور طریقے دیکھ کر متاثر ہو رہی تھیں کہ چھوٹے سے گھر میں رہ کر بھی ان میں بہت سلیقہ اور ادب و آداب تھے۔ وہ مومنہ کے کھانوں کی تعریف کرتی رہیں۔

شام کو وہ ان سے اجازت لے کر چلی گئیں...... ان کے جانے کے بعد زکیہ آپا بہت خاموش تھیں...... مومنہ اور مریم چاہ رہی تھیں کہ ماں ان سے کوئی بات کرے۔ انہیں کچھ بتائے مگر زکیہ بالکل خاموش تھیں۔

سطوت آپا گھر پہنچیں تو اسد ان کی آمد کا شدت سے منتظر تھا۔

"اسد بیٹا...... آپ نے کھانا کھایا کہ نہیں...... ہمیں زکیہ نے زبردستی کھانے کے لیے روک لیا...... مگر ہم آپ کے بارے میں فکر مند رہے کہ نجانے آپ نے بھی کچھ کھایا ہے یا نہیں۔" سطوت آپا نے سب سے پہلے یہی سوال کیا۔

"نہیں...... مجھے بھوک نہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔

"خیرن...... بوا...... ثروت کو بولیں...... جلدی کھانا لگائے...... اسد نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ شام ہو رہی ہے...... بچہ ابھی تک بھوکا ہے۔" سطوت آپا نے فکر مندی سے کہا۔

"افوہ...... دادو...... اب میں بچہ نہیں ہوں کہ آپ کھلائیں گی تو کھاؤں گا...... جب مجھے بھوک لگتی ہے میں کھا لیتا ہوں۔" اسد جھنجلا کر بولا۔

"ہم بہت اچھی طرح آپ کو جانتے ہیں۔" سطوت آپا نے جواب دیا ثروت اور خیرن بوا جلدی سے کھانا ٹیبل پر لگانے لگیں۔

"دادو...... آپ نے بہت دیر لگادی۔" اسد اصل بات جاننے کے لیے بہت بے صبرا ہو رہا تھا۔

"ہاں...... ذکیہ نے بہت اصرار کیا کہ کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دے گی۔ بیچاری بچیوں نے جلدی سے کھانا تیار کیا۔" دادو کہہ کر خاموش ہو گئیں اور اسد ان کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا مگر کچھ بھی پوچھتے ہوئے اسے ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔ بیگم صاحبہ...... کھانا ٹیبل پر لگا دیا ہے......" خیرن بوا نے آ کر اطلاع دی۔

"چلو...... بیٹا...... کھانا کھالو......" وہ اسد کا ہاتھ پکڑ کر بولیں اسد نے بے دلی سے کھانا کھایا اور منتظر رہا کہ دادو اسے کوئی اچھی خبر سنائیں مگر دادو اس کے پاس بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔

"دادو...... کیا آپ نے ذکیہ آنٹی سے بات کی ہے؟" اسد نے کھانا ختم کرتے پوچھا۔

"ہاں...... لیکن وہ مومنہ سے پوچھ کر جواب دیں گی...... دادو نے کہا۔

"تو...... مومنہ سے اسی وقت پوچھ لیتیں۔" اسد کے منہ سے نادانستہ نکلا۔

"اسد...... بیٹا...... شادی بیاہ...... زندگی بھر کا معاملہ ہوتا ہے اور ایسے فیصلے بہت سوچ سمجھ کر کرنے چاہئیں...... ہمارے زمانے میں تو سالوں بات چلتی تھی۔ پھر رک جاتی تھی...... پھر درمیان میں قریبی لوگوں کے ذریعے پیغامات بھجوائے جاتے تھے...... لڑکی والوں کے ہاں جا کر لڑکے والوں کی جوتیوں کے تلوے گھس جاتے تھے۔ پھر "ہاں" ہوتی تھی۔" دادو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"دادو...... آجکل زندگی اسقدر فاسٹ ہے...... نہ تو کسی کے پاس اتنا ٹائم ہے اور نہ ہی فرصت کہ وہ اتنے چکر لگائے اور پھر انتظار کرے...... آجکل تو آج "ہاں" اور کل شادی والی بات ہوتی ہے۔" اسد نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔

"بیٹا...... سوچنا...... سمجھنا اور فیصلہ کرنا لڑکی والوں کا حق بنتا ہے...... اور ہم نے ان سے کہا ہے کہ وہ اپنے اس حق کا بھرپور استعمال کریں......" دادو نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

"اب وہ کب تک جواب دیں گی؟" اسد نے بے صبری سے پوچھا۔

"معلوم نہیں......" دادو نے کہا تو اسد کا چہرہ لٹک گیا۔ اس کا دل بجھ گیا۔ اگر مومنہ اسے کسی وجہ سے ناپسند کر کے انکار کر دیتی ہے۔ تو وہ......؟ اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا...... وہ مومنہ سے انکار کی توقع نہیں کرتا تھا۔ مومنہ کیا جواب دے گی؟ کہیں وہ اسے مسترد ہی نہ کر دے...... کاش اس کا کوئی کونٹیکٹ نمبر اس کے پاس ہوتا تو وہ اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا اسے بتاتا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ کاش اسے اپنے دل کی باتیں بتا سکتا...... تو شاید وہ سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیتی مگر اب تو اس کا اپنا فیصلہ ہوگا اور وہ جو چاہے گی...... اسے فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا...... کاش دادو اس سے کچھ کہہ سکتے۔

"اس کی بےچینیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ نجانے کب تک اسے انتظار کرنا ہوگا؟ اس نے آہ بھر کر سوچا۔

ذکیہ بہت خاموش تھی۔ سلوت آپا کے جانے کے بعد وہ ایسی چپ ہو گئی تھی کہ کسی بھی قسم کی بات نہ کی تھی۔ مریم اور مومنہ حیران تھیں کہ

امی خاموش کیوں ہیں۔ وہ تو توقع کر رہی تھیں کہ وہ بے حد خوش ہوں گی۔ اتنے بڑے اور اعلیٰ خاندان سے رشتہ آنے پر امی کے قدم خوشی سے زمین پر نہیں لگنے چاہئیں تھے مگر وہ نجانے کیوں خاموش تھی اور ماں کی خاموشی سے انہیں الجھن ہو رہی تھی۔

''امی..... آج سطوت آنٹی کیوں آئی تھیں؟ مریم نے رات کو سونے سے پہلے پوچھا۔

ذکیہ نے اس کی بات سن کر اس کی طرف دیکھا اور گہری سانس لی۔

''کوئی ضروری بات کرنے آئی تھیں۔'' ذکیہ نے کہا اور بیڈ پر لیٹ گئی۔ مریم نے مومنہ کی جانب معنی خیز انداز میں دیکھا اور خاموش ہو گئیں۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ان کی ماں آخر پریشان اور خاموش کیوں ہے؟ ذکیہ منہ پھیر کر سو گئی اور مومنہ کے دل میں طرح طرح کے خدشات اور وسوسے پیدا ہونے لگے..... اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ذکیہ اس رشتے سے ناخوش ہو..... مگر..... کیوں.....؟ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''کہیں امی..... انکار ہی نہ کر دیں.....'' یہ سوچ کر اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا اور نجانے کہاں سے آنسو اس کی آنکھوں کے گوشوں کو نم کرنے لگے۔

کاش امی ایسا نہ کریں! اس نے دل ہی دل میں گڑگڑا کر دعا کی اور آنکھیں بند کر کے سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

☆

علیزہ نے جینز کے ساتھ بلیک ٹاپ پہن رکھی تھی اور اپنے شارٹ کٹ بالوں کو بہت اسٹائل سے ان کو سیٹ کر رکھا تھا۔ باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ اپنا بیگ کندھے پر ڈالے اور اسٹائلش گاگلز لگائے وہ باہر نکل گئی۔ ندرت بیگم نے اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا مگر پیچ و تاب کھا کر خاموش رہیں۔ جب سے شاکر علی نے انہیں خاموش رہنے کو کہا تھا۔ وہ اس کے کسی معاملے میں دخل نہیں دے رہی تھیں۔ علیزہ سارا دن اپنے کمرے میں گھسی رہتی۔ دل چاہتا تو یونیورسٹی چلی جاتی ورنہ سارا دن کمرے سے باہر نہ نکلتی۔

تمکین اسے پک کرنے آئی تھی۔ تمکین نے انتہائی آؤٹ ڈریس پہن رکھا تھا پٹیالہ شلوار کے ساتھ انتہائی شارٹ سلیولیس شرٹ بغیر دوپٹے کے پہن رکھی تھی۔ علیزہ مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ تمکین نے گاڑی گیٹ سے باہر نکالی اور اسے ریورس کرتے ہوئے اسے اچانک اس نے بیک ویو مرر میں ایک عورت کو انہیں گھورتے ہوئے دیکھا۔

"ہو از شی؟" تمکین نے حیرت سے پوچھا۔

"مسز ستار...... (ہمسائی) علیزہ نے ناک چڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ سٹیئر (Stare) کیوں کر رہی ہیں؟" تمکین نے حیرت سے پوچھا۔

"اِٹ از ہر ہابی.... "علیزہ بیزاری سے بولی۔

"ہابی......؟" تمکین نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور گاڑی ڈرائیو کرنے لگی۔

"ہاں...... مجھے گھورنا...... مجھ پر تنقید کرنا...... مجھے باتیں کرنا...... اور ان کی باتوں سے مما کا ڈسٹرب ہونا...... سب ان کی ہابی ہے۔" علیزہ نے خفگی سے جواب دیا۔

"اتنا انٹرفیرنس کیوں؟" تمکین کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

"شی از لائک دِس...... لیو ہر" اسے چھوڑو علیزہ نے غصے سے کہا۔

"تم نے اسے فون کیا؟" علیزہ نے بے صبری سے پوچھا۔

"ہاں...... ہی ول بی ویٹنگ فار اَس (وہ ہمارا انتظار کر رہا ہوگا) تمکین نے کہا تو علیزہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہی از ویری ڈفرنٹ مین (وہ بہت مختلف آدمی ہے) علیزہ نے پر امید لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"آل مین آر سیم (سب آدمی ایک جیسے ہوتے ہیں)...... مما کہتی ہیں" تمکین نے جواب دیا۔

"اینڈ یور ایکسپیرنس؟" علیزہ نے پوچھا۔

"آل موسٹ سیم...... اینڈ یورز؟" تمکین نے علیزہ سے پوچھا۔

"اویس...... جمی اینڈ سلمان...... آل باسٹرڈز...... بٹ ہی سیمز ٹو بی ڈفرنٹ (لیکن یہ مختلف لگتا ہے) علیزہ نے کہا۔

"کیوں......؟" تمکین نے بہت تیزی سے موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا ڈونٹ نو...... وہاٹ ڈو یو تھنک؟" علیزہ نے اس سے پوچھا۔

''میں اسے اس اینگل (زاویے) سے نہیں دیکھتی...... جس طرح تم اسے دیکھ رہی ہو۔'' تمکین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کس اینگل سے؟'' علیزہ نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''محبت کی نظر سے......'' تمکین نے مسکرا کر جواب دیا۔

''آئی ایم ویری ان لکی (میں بہت بدقسمت ہوں)۔'' علیزہ نے آہ بھر کر کہا۔

''کیوں......؟'' تمکین نے حیرت سے پوچھا۔

''میری محبت کو نہ کوئی محسوس کرتا ہے اور نہ ہی ویسے ریسپانس کرتا ہے۔ جیسے میں Expect (امید) کرتی ہوں۔'' علیزہ نے نم آنکھوں سے کہا۔

''وائے از اٹ سو (ایسا کیوں ہے)'' تمکین نے پوچھا۔

''شاید...... خدا نہیں چاہتا...... وہ بھی مجھ سے محبت نہیں کرتا۔'' علیزہ نے آہ بھر کر نم آنکھوں سے کہا۔

''تم ایسا کیوں سوچتی ہو......؟'' تمکین نے کہا۔

''وہ مجھ سے چھینے کا عادی ہے...... پہلے مما کو چھینا...... پھر......'' علیزہ سسکیاں بھرنے لگی۔

''تمکین نے سڑک کی ایک جانب گاڑی روکی اور محبت سے اس کا کندھا سہلانے لگی۔

''علیزہ...... پلیز...... بی...... نارمل......'' تمکین نے اپنے سخت، کھردرے ہاتھوں میں اس کے ہاتھ لے کر سہلاتے ہوئے کہا۔

''آئی ایم فائن'' علیزہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے گاگلز لگاتے ہوئے کہا۔

''علیزہ...... کیا یہ تمہاری مما نہیں؟'' تمکین نے دوبارہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں...... میری مما کی ڈیتھ ہو چکی ہے...... جب میں پانچ سال کی تھی۔ پاپا نے میری مما کی چھوٹی بہن سے شادی کر لی...... شادی سے پہلے وہ مجھے اور میرے بھائی علی کو بہت پیار کرتی تھیں...... لیکن پاپا سے شادی کے بعد وہ بہت بدل گئیں...... علی کو تو پاپا اپنے ساتھ امریکہ لے گئے ہیں اور میں...... ان کے پاس ہوں...... آئی ہیٹ ہر (میں اسے نفرت کرتی ہوں)'' علیزہ نے بیزاری سے جواب دیا۔

''آئی ایم سوری۔'' تمکین نے کہا اور خاموش ہو گئی۔

دونوں اسد کے ویل فرنشڈ آفس میں داخل ہوئیں۔ اسد آف وہائٹ پینٹ کوٹ اور چاکلیٹ شرٹ میں بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس کی بڑی بڑی جھیل سی گہری براؤن آنکھیں اور نکھری نکھری رنگت میں وہ پہلے سے بھی زیادہ پرکشش لگ رہا تھا۔

''ہائے...... ویلکم ٹو مائی آفس'' اسد نے مسکراتے ہوئے کھڑے ہو کر دونوں کو ویلکم کہتے ہوئے کہا اور کاؤچ کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''تھینک یو......'' تمکین نے مسکرا کر جواب دیا اور دونوں بلیک اٹالین سٹائل کے کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔

''علیزہ کو آپ کی ٹیکسٹائل مل دیکھنے کا بہت کریز ہو رہا تھا میں نے سوچا...... کیوں نہ آپ کی مل کا وزٹ کیا جائے۔'' تمکین نے بتایا۔

"وائی ناٹ شیور...... یو آر ٹو ویلکم۔" اسد نے مسکراتے ہوئے علینہ کی طرف دیکھ کر کہا اور انٹر کام پر اپنی پی اے کو کولڈ ڈرنکس بھیجنے کو کہا اور پھر دوسرے نمبر پر اپنی ایک اسسٹنٹ منیجر مس فرزین کو بلایا۔

ٹیکسٹائل مل میں انٹرسٹ کی کوئی خاص وجہ...؟ اسد نے علینہ سے قدرے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"مائی فادر از انٹرسٹڈ ان اٹ...... اینڈ...... وشس ٹو اسٹیبلش اے بزنس (میرا باپ اس میں انٹرسٹڈ ہے اور ایک فیکٹری لگانا چاہتے ہیں) علینہ نے بتایا۔

"ویری نائس... اگر وہ اس میں انٹرسٹڈ ہیں تو یہ بہت اچھا بزنس ہے۔" اسد نے جواب دیا۔

وہ اب کہاں ہیں......؟؟ اسد نے پوچھا۔

"امریکہ میں...... اور چند دنوں میں یہاں آنے والے ہیں...... اس لیے میں ریسرچ کر رہی ہوں کہ کونسا بزنس ان کے لیے بہتر ہوگا۔" علینہ نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"ویری نائس......" اسد نے مسکرا کر جواب دیا۔

دروازہ کھلا اور انتہائی خوبصورت ماڈرن لڑکی سلیولیس شرٹ اور ٹراؤزر پہنے اسد کے آفس میں داخل ہوئی۔

"آیئے مس فرزین......" اسد نے مسکرا کر کہا۔

علینہ لڑکی کی طرف بغور دیکھنے لگی...... اور اس کے دل میں شک سا پیدا ہونے لگا۔

"اسد...... کو...... تو خوبصورت لڑکیوں کی بالکل بھی کمی نہیں...... اسی لیے اس کا دل بھرا ہوا ہے...... اسی لیے اسے میری بیوٹی میں کوئی چارم نظر نہیں آتا...... فرزین خوبصورت تو ہے...... مجھ جیسی نہیں......" اس نے دل میں سوچتے ہوئے اپنے آپ کو تسلی دی۔

"مس فرزین...... یہ ہماری اسپیشل گیسٹ (مہمان) ہیں۔ یہ لوگ مل کا وزٹ کرنا چاہتی ہیں۔ پلیز اس کا ارینج کر دیں" اسد نے کہا۔

"سر...... ہمارے ٹیکسٹائل انجینئر مسٹر فواد آج آف ہیں...... میری ٹیکسٹائل انڈسٹری کے ڈیلیگیشن کے ساتھ میٹنگ ہے سر اسد ہم آپ کے ساتھ وزٹ کر لیتی ہیں۔

"تمکین نے جلدی سے مس فرزین کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا تو فرزین سمیت اسد نے انتہائی حیرت سے تمکین کی جانب دیکھا جیسے وہ کسی صدمے میں پڑ گیا ہو۔ تمکین کوئی عام شخصیت کی بیٹی نہیں تھی۔ اس کا باپ اس کے بزنس میں اس کو بہت زیادہ گائیڈ کرتا تھا۔ اور اس کی بیٹی کو وہ خود وزٹ نہیں کرا سکتا۔

"وائے...... ناٹ؟" وہ قدرے توقف کے بعد کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"تھینکس......" تمکین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مس فرزین نے حیرت سے اسد کی جانب اور پھر تمکین اور علینہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ان گنت سوالات نمایاں نظر آتے تھے۔ اسد نے بھی اس بات کو محسوس کیا۔

"اوکے..... مس فرزین..... یو..... کین گو(آپ جا سکتی ہیں)اسد نے کہا تو فرزین حیرت سے سب کو دیکھتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"آئی جسٹ وانٹ فیو منٹس (مجھے صرف چند منٹ چاہئیں)اسد نے کہہ کر ایک دو فائلز کو دیکھنا شروع کیا۔

"کوائٹ ارجنٹ (بہت ضروری ہیں)اسد آہستہ سے بولا۔

دونوں خاموشی سے اسد کی جانب دیکھنے لگیں۔اسد اپنے کام میں بہت زیادہ مصروف تھا۔وہ اپنے سامنے رکھے کمپیوٹر اور فائلز کو ٹیلی کر رہا تھا۔اسے بالکل بھی احساس نہیں ہو رہا تھا کہ دونوں اسے کس قدر مشتاق نظروں سے دیکھ رہی ہیں..... تکین اس کے کام کرنے کی مہارت سے متاثر ہو رہی تھی۔اس کا اسد کو دیکھنے کا زاویہ مختلف تھا۔جبکہ علیزہ اسے اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔وہ اسے کس قدر خوبصورت اور پُرکشش لگ رہا تھا کہ دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ اس کے اندر عجیب و غریب سے احساسات پیدا ہو رہے تھے۔

وہ اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھی۔اس کی موجودگی اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی۔اس کے آفس کی فضا میں بسی اس کے کلون اور پرفیوم کی سوندھی سوندھی خوشبو اس کی روح کو معطر کر رہی تھی۔

"اسد..... کس قدر خوبصورت شخص لگ رہا ہے۔کتنی اٹریکٹو پرسنالٹی..... "علیزہ کا دل مسکرا مسکرا کر اسد کو دیکھ رہا تھا اور اسد اس کے دل کی ہر دھڑکن..... ہر آواز ہر سرگوشی سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھا۔

"پلیز موو(آئیے چلیے)اسد نے اچانک فائلز اور کمپیوٹر آف کرتے ہوئے کہا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

علیزہ اچانک بوکھلا گئی۔جیسے اس کے خیالات کا تسلسل ایکدم ٹوٹ گیا ہو اور اسے اس تسلسل کا ٹوٹنا اچھا نہ لگ رہا ہو..... مگر اس نے خاموشی سے اسد کی طرف دیکھا اور پھر تکین کی جانب۔تکین بھی اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔تینوں آفس سے باہر نکل گئے۔

اسد کی ٹیکسٹائل مل میں کپڑا بنتا تھا۔ٹیکسٹائل مل بہت بڑی تھی۔اس کے بہت سے سیکشنز تھے۔اتنی بڑی مل کا وزٹ کرنے کے لیے بہت وقت درکار تھا۔علیزہ اور تکین، اسد کے ہمراہ مختلف سیکشنز کا وزٹ کرتی رہیں۔اسد ان کو مشینری اور کپڑا بننے تک مختلف مراحل کے بارے میں تھوڑا بہت بتاتا رہا۔تکین تو قدرے شوق سے سنتی رہی مگر علیزہ کو اس میں قطعی دلچسپی نہ تھی۔اس کے لئے تو بس اسد کی کمپنی اہم تھی۔

تین چار گھنٹے مل کے وزٹ میں صرف ہو گئے۔اسد ان کو اپنے آفس میں لے کر آیا تو چائے کے ساتھ کچھ ریفریشمنٹ بھی تھی۔تکین اور علیزہ کے چہروں پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔

"اسد..... آپ اتنی بڑی مل کا کیلے ہی ہینڈل کرتے ہیں.....؟"تکین نے حیرت سے پوچھا۔

"اونر آف مل میں اس کا اونر ہوں لیکن میرے ساتھ میرے اسسٹنٹ ورکرز کی بہت بڑی ٹیم ہے..... ہر ایک کے پاس ایک ایک سیکشن ہے اور وہ اپنے سیکشن کا انچارج ہے اس لیے سارا کام بہت Smoothly چلتا ہے۔"اسد نے چائے پیتے ہوئے بتایا۔

"علیزہ خاموش اپنی سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔مس علیزہ..... کیا یہ انفارمیشن آپ کے لیے کافی ہے؟"اسد نے اچانک پوچھا تو وہ بوکھلا گئی اور چونک کر اسد کی جانب دیکھنے لگی۔

"لیں...... آف کورس...... تھینک یو...... ویری مچ...... میں پاپا کو اس کے بارے میں بتاؤں گی اور اگر وہ انٹرسٹڈ ہوئے تو آپ سے میٹنگ کر لیں گے۔" علیزہ نے جواب دیا۔

"ان فیکٹ...... یہ اپنے اپنے انٹرسٹ کی بات ہے...... میں شروع سے ہی کپڑا بننے کے بارے میں جاننا چاہتا تھا اور ایک بار جب میں ایف ایس سی میں تھا تو کالج نے ایک ٹیکسٹائل مل کا وزٹ ارینج کیا۔ تب مجھے بہت انفارمیشن ملی اور اس کے بعد میں نے ٹیکسٹائل انجینئرنگ کی۔ اس کے بعد انگلینڈ سے ٹیکسٹائل سے ریلیٹڈ مختلف کورسز کیے...... ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں کورسز کیے...... اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی بزنس شروع کرنے سے پہلے اس کی Know how کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہے...... کیونکہ جب تک آپ کو کسی چیز کے بارے میں نالج نہیں ہوتا...... لوگ آپ کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مختلف طریقوں سے ایکسپلائٹ کرنا شروع کر دیتے ہیں...... اور ویسے بھی جو کہتے ہیں نا...... کوئی بات کہنے سے پہلے آپ کو الفاظ کے مفہوم سے آگاہی ہونی چاہیے...... اسی طرح بزنس شروع کرنے سے پہلے اس کے بارے میں علم ضرور ہونا چاہیے۔" اسد نے بہت شستہ انداز میں بات سمجھانے کی کوشش کی۔

"لیں...... یو...... آر...... رائٹ۔" نگین نے کہا۔

علیزہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے...... کیوں علیزہ......؟" نگین نے علیزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں......" علیزہ نے بیگ اپنے کندھے پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"تھینک یو...... ویری مچ...... مسٹر اسد...... ہم نے آپ کا بہت قیمتی ٹائم لیا۔" نگین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اٹس مائی پلیژر...... اینڈ...... یو...... آر آلویز ویلکم" اسد نے مسکراتے ہوئے دونوں کو آفس کے دروازے تک رخصت کیا۔

"تھینک یو......" علیزہ نے آفس سے باہر نکلتے ہوئے اسد کی جانب حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو جواباً اسد مسکرا کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ آفس سے باہر نکل گئیں۔

شام کا ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ نگین اور وہ یونہی ادھر ادھر سڑکوں پر گھومتی رہیں۔

"ہی از اے جینئس......" علیزہ کے منہ سے اچانک نکلا۔

"کون...... اسد......؟" نگین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں......" علیزہ نے جواب دیا۔

"ڈیڈی...... اپنے کچھ دوستوں کا بہت زیادہ Regard کرتے ہیں اور اسد بھی ان میں سے ایک ہیں۔" نگین نے بتایا۔

"کیوں......؟" علیزہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ڈیڈی ایک بار مما کو بتا رہے تھے کہ ان کے سب فرینڈز ان کی پوسٹ سے کسی نہ کسی طرح فیورز لینے کی کوشش کرتے ہیں مگر اسد بہت

سینئر بزنس مین ہیں۔ جونئیر فیورز لیتے ہیں البتہ کوئی پراجیکٹ شروع کرنے سے پہلے گائیڈنس ضرور لیتے ہیں......" تگین نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

تگین......اسد کی تمہارے ڈیڈی سے فرینڈ شپ کیسے ہوئی؟

آئی مین......دونوں میں کافی ایج ڈفرنس ہے۔" علیزہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک بار میں نے بھی ڈیڈی سے یہی بات پوچھی تھی......تو وہ مسکرانے لگے......دونوں کی دوستی پلین (ہوائی جہاز) میں ہوئی تھی۔" تگین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پلین......میں......اٹس امیزنگ" علیزہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں......دونوں انگلینڈ سے واپس آ رہے تھے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اچانک ڈیڈی کو بہت شدید قسم کی Stomochache شروع ہو گئی۔ اسد نے ان کی بہت ہیلپ کی۔ ان کا بہت خیال رکھا......اور یوں دونوں میں بہت دوستی ہو گئی۔ اور جانتی ہو ان کی دوستی کو دس سال گزر گئے ہیں۔ اسد نے بتایا تھا کہ وہ ٹیکسٹائل کورس کے لیے انگلینڈ گئے تھے۔ وہ اسی کورس سے واپس آ رہے تھے۔ یوں ڈیڈی اور ان میں بہت دوستی ہو گئی۔ ہر ویک اینڈ پر اسد ضرور ہمارے گھر آتے۔ تب میں اولیول کی سٹوڈنٹ تھی......وہ مما اور ڈیڈی کے ساتھ اکثر آؤٹنگ پر بھی جاتے......اب وہ ہمارے فیملی فرینڈ ہیں......ہمارے گھر میں کوئی پارٹی، کوئی فنکشن اسد کے بغیر نہیں ہوتا۔" تگین نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"کیا تم کبھی ان کے گھر گئی ہو......؟ ان کے گھر میں کون کون ہے؟" علیزہ نے قدرے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں......اسد نے ایک بار ہمیں عید ڈنر پر انوائیٹ کیا تھا......ملکہ نور جہاں کی جنریشن میں سے ایک عدد دادو ہیں......" تگین نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مطلب......؟" علیزہ نے چونک کر پوچھا۔

"اسد کے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو چکی ہے اور دادو نے ان کی پرورش کی ہے......ان کی دادو بہت گریس فل اور گرومڈ پرسنالٹی ہیں۔ کیا اسٹائلش ساڑھیاں اور جیولری پہنتی ہیں......بات چیت میں بھی رائل اسٹائل (شاہی انداز) ہے......اپنے آپ کو ہم کہہ کر بلاتی ہیں......میں تو سن کر چونک ہی گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ ان کے ساتھ اور کون کون ہے......تب مما نے مجھے بتایا کہ ان کا اسٹائل ہی ایسے ہے۔" تگین نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"ویری انٹرسٹنگ" علیزہ نے مسکرا کر کہا۔

"اسد از ویری گرومڈ مین......" تم نے ان کی بات چیت اور مینرز میں ایک مختلف اسٹائل آبزرو کیا ہوگا......ڈیڈی بتا رہے تھے کہ ان کا فیملی بیک گراؤنڈ بہت زبردست تھا۔ یہ لوگ انڈیا سے Migrate (ہجرت) کر کے آئے تھے اور انڈیا میں ان کے محل اور حویلیاں تھیں......اسد میں بھی ان باتوں (روایات) tradition کا بہت اثر ہے۔" تگین نے بتایا۔

"ہاں......وہ دوسروں سے بہت مختلف ہے۔" علیزہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"تکمین...... اسد...... مجھے میں انٹرسٹڈ نہیں......" علیہ نے آہ بھر کر کہا۔

"تمہیں کیسے محسوس ہوا......؟" تکمین نے حیرت سے پوچھا۔

"نجانے کیوں...... میرے دل کو ایسا محسوس ہوتا ہے۔" علیہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"پھر......؟" تکمین نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

"معلوم نہیں...... ایوری تھنگ از ان سرٹن (ہر چیز غیر یقینی ہے) علیہ نے مایوسی سے جواب دیا۔

"ڈونٹ یو...... وری...... آئی ول کونس ہم (تم فکر نہیں کرو...... میں اسے قائل کر دوں گی) تکمین نے کہا تو علیہ کے اندر امید سی پیدا ہونے لگی۔

ول یو......؟ (کیا تم ایسا کرو گی) علیہ نے بے یقینی سے پوچھا۔ یس...... آف کورس...... مائی ڈیئر۔" تکمین نے مسکرا کر جواب دیا۔

تھینکس...... تھینکس...... آ...... لاٹ (بہت شکریہ) علیہ انتہائی خوشی سے بولی۔

تکمین نے اسے اس کے گھر ڈراپ کیا...... مسز ستار لاؤنج میں ندرت بیگم کے ہمراہ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ علیہ لاؤنج میں داخل ہوئی۔ ایک نظر دونوں کی جانب دیکھا اور سلام کیے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"مسز ندرت...... کیا علیہ یونیورسٹی سے آ رہی ہے؟" مسز ستار نے جان بوجھ کر پوچھا۔

"نہیں...... اپنی...... دوست کے گھر تھی۔" مسز ندرت نظریں چراتے ہوئے بولیں۔

"میرا خیال ہے...... یہ وہی دوست ہے...... جو اکثر اسے پک کرنے آتی ہے...... مجھے تو وہ لڑکی بہت ہی عجیب لگتی ہے...... کیا آپ اس کی فیملی کو جانتی ہیں؟" مسز ستار نے پوچھا۔

"ہاں...... نہیں...... کبھی کبھار...... فون پر بات ہو جاتی ہے۔" مسز ندرت نے گول مول جواب دیا۔

"مسز ندرت...... جوان بچیوں پر بہت کڑی نظر رکھنی چاہیے...... آج کل زمانہ بہت خراب ہے...... مسز ندرت...... کل کو تو سارا الزام آپ پر ہی آئے گا...... بیٹیوں کی بری بات کی ذمہ داری تو ماں پر ڈالی جاتی ہے اور...... علیہ کے والد تو پہلے ہی ملک سے باہر ہیں...... آپ پر تو دوہری ذمہ داری ہے۔" مسز ستار نے قدرے مبالغہ آرائی سے کہا۔

مسز ندرت کے پاس کوئی جواز نہ تھا کہ وہ ان کی بات کی تردید کر سکتیں...... اس لئے خاموشی سے سنتی رہیں۔

مسز ستار...... آپ کی لگائی ہوئی آگ آج کے لیے کافی ہے۔" اچانک علیہ نے لاؤنج میں آ کر کہا جو کچن سے پانی پینے آئی تھی اور ان کی باتیں سن کر لاؤنج میں آ گئی تھی۔ مسز ستار اور ندرت بیگم اس کی بے باکی اور بدتمیزی پر حیران رہ گئیں۔ مسز ستار تو اس قدر بوکھلا گئیں کہ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں اور کیا کہیں......؟ انہوں نے انتہائی شرمندگی سے مسز ندرت کی جانب دیکھا۔ مسز ندرت نے انتہائی غصے سے علیہ کی جانب دیکھا۔

"اندر دفع ہو جاؤ......" مسز ندرت نے غصے سے کہا۔

"جا رہی ہوں...... مجھے بھی آپ لوگوں کی فضول باتیں سننے کا کوئی شوق نہیں۔" علیہ غصے سے پاؤں پٹختی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"سوری..... مسز ستار......" مسز ندرت کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ کر ان سے معذرت کریں۔

"بہت ہی منہ پھٹ اور بد زبان ہو گئی ہے...... مسز ندرت مجھے تو اس بچی کے مستقبل کی فکر ہو رہی ہے۔ ایسی بد زبان اور بدلحاظ لڑکی کو کون اپنے گھر بیاہ کرلے جائے گا۔۔۔ خدا کی پناہ۔۔۔ نہ آپ کا خیال۔۔۔ نہ میری عزت ولحاظ۔۔۔ سچ بولتی ہوں۔۔۔۔ جب چھوٹوں میں بڑوں کا ادب اور لحاظ ختم ہو جاتا ہے...... تو بس بربادی ان کا مقدر ہوتی ہے...... یہ بات آپ لکھ لیں...... اور...... اس کو جلد از جلد گھر سے چلتا کریں۔ آپ کو نہیں معلوم...... لوگ اس کے بارے میں کیا کیا باتیں کرتے ہیں...... اور آپ تو خوامخواہ ہی میں بدنام ہو رہی ہیں...... آج مجھے یقین ہو گیا ہے...... آپ کا کوئی قصور نہیں۔۔۔ اس لڑکی کو اس کی آوارہ دوستیں خراب کر رہی ہیں ورنہ چند سال پہلے یہ لڑکی اسقدر خاموش، کم گو اور اچھی تھی جب بھی میں آتی تھی کسی نہ کسی کام میں مصروف ہوتی تھی اور اظفر کو تو اس نے ہی پالا ہے...... کبھی اس کے لئے فیڈر میں دودھ بنا رہی ہوتی۔ کبھی اس کو نہلا رہی ہوتی۔ نجانے اس کو کیا ہو گیا ہے...... یقین نہیں آتا کہ یہ وہی علینہ ہے...... اللہ معاف کرے۔" مسز ستار نے کہا تو مسز ندرت کا دل بھر آیا۔

"اپنی اولاد ہوتی۔۔۔ تو...... اس کے ہاتھوں آج یوں ذلیل نہ ہو رہی ہوتی۔" مسز ندرت نے سسکتے ہوئے جواب دیا۔ اپنی اولاد ہو تو اس پر ڈانٹ ڈپٹ کا بھی اثر ہوتا ہے۔ مسز ندرت ٹسوے بہانے لگیں

"مسز ندرت۔۔۔ اتنا بڑا راز۔۔۔ اور آج تک آپ نے مجھ سے چھپایا۔" مسز ستار تجسس سے مسز ندرت کے مزید قریب ہو کر بولیں۔

اپنی ہوتی تو اس کے ہاتھوں آج ذلیل نہ ہو رہی ہوتی۔

"میں نے تو...... یہ...... راز اپنے سینے میں ہی چھپائے رکھا...... اس کی حفاظت کرتی رہی۔ یہی سوچتی رہی کہ کسی کو خبر نہ ہو...... میرے اور اس کے رشتے میں کہیں دراڑ پیدا نہ ہو جائے مگر اب وہ دنیا کو خود ہی سب کچھ بتانے پر تلی ہے تو پھر میں کیا چھپاؤں؟ مسز ندرت نے بیچارگی سے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"مسز ندرت...... آپ گھبرائیے نہیں۔۔۔ سچ...... آپ کے آنسو دیکھ کر تو میری آنکھوں میں بھی آنسو آ رہے ہیں۔"

مسز ستار نے جان بوجھ کر روہانسی شکل بنا کر کہا۔

"بس...... یہ تو میں ہی جانتی ہوں کہ میرے اندر کیا کیا غم چھپے ہیں...... اس لڑکی کے ہاتھوں میرا دل چکنا چور ہو رہا ہے...... میں کس کو اپنا دل نکال کر دکھاؤں...... اور...... تو...... اور کچھ کہوں تو فوراً باپ کو امریکہ فون کرتی ہے اور وہ مجھے وہاں سے ذلیل کرتے ہیں۔" مسز ندرت سسکنے لگی اور مسز ستار نے محبت سے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

"بس کریں...... مجھے آپ کے دکھ کا احساس ہو رہا ہے...... آپ اسقدر دکھی بھی ہو سکتی ہیں...... مجھے تو یقین نہیں آ رہا۔" مسز ستار نے آنکھوں کو اپنے دوپٹے سے رگڑتے ہوئے کہا۔

"میں تو پچھتا رہی ہوں...... کہ...... کیوں...... ستار سے شادی کی؟ مسز ندرت نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"مسز ندرت...... یہ تو بتائیے...... کہ یہ علینہ کس کی اولاد ہے؟ مسز ستار نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"مسز ستار کیا بتاؤں......؟ یہ اور علی میری بڑی بہن کے بچے ہیں......نزہت باجی کی زندگی میں ہی میں نے ان کو اس قدر محبت سے پالا کہ کیا بتاؤں...... باجی کی وفات کے بعد بچے میرے پاس ہی رہتے تھے اور بہت زیادہ اٹیچڈ تھے کہ بڑوں نے نزہت باجی کی جگہ میری شادی کر دی۔۔۔اتنی محبت اور پیار سے میں نے ان بچوں کو پالا ہے کہ میں آپ کو کیا بتاؤں۔۔۔اور اب وہی بچے میرے دشمن ہو گئے ہیں۔۔۔میں بھی کس قدر بدنصیب ہوں......کہ محبت کے بدلے میں مجھے نفرت ملی ہے۔" مسز ندرت سسکنے لگی۔

"ہاں...... یہ تو آپ کے ساتھ بہت ہی بُرا ہوا...... سچی بات ہے مجھے تو آپ پر ترس آ رہا ہے...... آپ اس قدر اچھی خاتون ہیں اور آپ کے ساتھ کتنا برا ہو رہا ہے۔۔۔اب وہ کسی غیر کے بھی بچے نہیں۔۔۔آپ کی سگی بہن کی اولاد ہیں انسان کس کو الزام دے۔۔۔یہ تو آپ کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے۔" مسز ستار نے تاسف سے کہا۔

"اپنی اپنی قسمت ہے...... باجی کو سسرال میں بھی بہت عزت ملی......اور مجھے ان بچوں کی وجہ سے سسرال میں بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔۔۔میری نندیں مجھے ہی قصوروار ٹھہراتی ہیں کہ میں علینہ اور علی کے ساتھ ظلم کرتی ہوں۔۔اب آپ ہی بتائیے کبھی میں نے ان سے کوئی زیادتی کی۔۔۔اگر علینہ سے گھر کے کام کاج کروائی تھی تو یہی سوچ کر کے کل کو اس نے سسرال جانا ہے۔ بچیوں کو سب کام آنے چاہئیں......اور میری اس بات کو سب نے بڑھا چڑھا کر مجھے سسرال میں بے عزت کر کے رکھ دیا۔"

مسز ندرت اپنے دل کا بوجھ اتارنے کے موڈ میں تھیں۔

"اسی لیے......آپ کے ہاں کبھی کسی رشتہ دار کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔" مسز ستار نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو کیا کیا بتاؤں......؟ میرا دل دکھوں سے پھٹنے والا ہے۔" مسز ندرت نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا آپ فکر نہیں کریں......اگر کوئی نہیں مانتا تو نہ سہی۔۔۔آپ ماشاءاللہ خوبصورت اور پرآسائش گھر میں ہیں آپ کو کسی قسم کی فکر نہیں کرنی چاہیے......آپ اس کی شادی کر دیں اور پُرسکون اپنے گھر میں رہیں۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ آپ امریکہ چلی جائیں......یہ جانے اور اس کے کام" مسز ستار نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں......اب تو کچھ سوچنا ہی پڑے گا......اب میں اس کا وجود مزید اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتی......اس کو گھر میں چلتے پھرتے دیکھ کر میرا بی پی ہائی ہونے لگتا ہے......زندگی عذاب میں ڈال رکھی ہے......نجانے کن گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔" مسز ندرت نے آہ بھر کر کہا۔

"آپ فکر نہیں کریں......سب ٹھیک ہو جائے گا......اور آپ ذرا اس پر سختی کریں۔کل کو کوئی رشتہ دیکھنے آتا ہے اور علینہ ان کے سامنے یونہی بدزبانی کرتی ہے تو کیا امپریشن پڑے گا۔کم از کم اس کو اپنی زبان تو بند رکھنی چاہیے......" مسز ستار نے معنی خیز انداز میں کہا تو مسز ندرت نے چونک کر ان کی جانب یوں دیکھا جیسے کوئی بات سمجھ میں آ گئی ہو۔

"اب میں چلتی ہوں......آج تو بہت دیر بیٹھی ہوں......بچے انتظار کر رہے ہوں گے۔" مسز ستار نے اٹھتے ہوئے کہا اور مسز ندرت ان کو دروازے تک چھوڑنے گئیں۔

مسز ندرت کو علینہ پر انتہائی غصہ تھا اور وہ غصے میں اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئیں۔ علینہ صوفے پر نیم دراز سگریٹ کے

گہرے کش لینے میں مصروف تھی۔اس کے اردگرد دھواں پھیلا ہوا تھا۔مسز ندرت نے غصے سے ناک سکوڑتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔پہلے جب بھی مسز ندرت کمرے میں آتیں تھیں وہ سگریٹ بجھا دیتی تھی مگر آج وہ ان کو دیکھ کر بدستور سگریٹ پیتی رہی اور انہیں اس کو ڈھٹائی پر طیش آنے لگا۔

''حد ہوتی ہے...... بدتمیزی کی...... کیا ضرورت تھی...... مسز ستار کے ساتھ بدتمیزی کرنے کی......اب وہ پوری کالونی میں گھر گھر جا کر بتائیں گی......اور میری کتنی بے عزتی ہوگی۔''مسز ندرت نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''بس......کچھ......اور......؟اس نے سگریٹ مکمل کر کے اسے ایش ٹرے میں مسلا۔

آخر تم چاہتی کیا ہو......؟مسز ندرت نے غصے سے پوچھا۔

''پوچھنے کا فائدہ......؟

''تو......پھر کب پوچھتی......؟''مسز ندرت نے خفگی سے پوچھا۔

''جب پوچھنے کا وقت تھا......آپ کو اس کا خیال نہیں آیا......اور اب بتانے کا کوئی فائدہ نہیں۔''وہ دوٹوک لہجے میں طنزیہ مسکراہٹ سے بولی۔

''تم......اس گھر کا سکون برباد کر رہی ہو۔''مسز ندرت نے قدرے چلاتے ہوئے کہا۔

''کیا......صرف میں......یا......کوئی اور بھی......؟علیمہ نے معنی خیز انداز میں مسز ندرت کی طرف دیکھ کر کہا۔

''آئندہ تم نے گھر میں آئے کسی مہمان کے ساتھ بدتمیزی کی......تو......پھر مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''مسز ندرت نے گویا دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

''اس کا مجھے پہلے ہی بہت اچھی طرح اندازہ ہے......کوئی نئی دھمکی دیجئے......مما......''اس نے طنزیہ لہجے میں ہنستے ہوئے کہا۔

''اب......تمہارے پاپا کے آنے پر ہی فیصلہ ہوگا......اس گھر میں یا تم رہو گی یا میں......؟مسز ندرت نے غصے سے کہا۔

''یہ ہوئی نا بات......اور اب کی بار بھی آپ ہی جیتیں گی کیونکہ پاپا......آپ کی اس دھمکی کے سامنے اپنا سب کچھ ہار دیتے ہیں......ان کے لیے بیوی، بچے، کیا حیثیت رکھتے ہیں۔''علیمہ نے آدھ بھر کر طنزیہ لہجے میں کہا تو مسز ندرت اس کی بات سن کر تلملاتی ہوئی اس کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔

''بہت بدتمیز......بیہودہ اور بدزبان ہو چکی ہے۔''مسز ندرت کا بی پی شوٹ کرنے لگا اور انہوں نے اپنے کمرے میں جا کر بی پی کم کرنے کی گولیاں کھائیں اور بیڈ پر لیٹ گئیں۔

''علیمہ نے اپنا ایش ٹرے زور سے زمین پر مارا اور دو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔اس کی کرچیاں ٹائلوں کے فرش پر بکھر گئیں۔

''یہ دل نجانے دن میں کتنی بار کرچی کرچی ہوتا ہے مگر اس کا تو شاید کھائی دیتا ہے اور نہ ہی اس کی بکھری کرچیاں......''

''اس نے کرچیوں کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا۔

''علیمہ کا موبائل بجنے لگا......اس نے نمبر دیکھا تو تحسین کا تھا۔

"ہیلو......علینہ کیسی ہو......؟"تمکین کی آواز میں چہک تھی۔

"فائن......"وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"ایک انٹرسٹنگ نیوز سنو......میں نے ابھی اسد کو فون کیا تھا۔"

"کیوں......؟"علینہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"اس کو تھینکس بولنے کو......اور تمہارے بارے میں اس کے خیالات جاننے کو۔"تمکین نے خوش ہو کر بتایا۔

"پھر......؟کیا اس نے کچھ کہا......؟"علینہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں......وہ تمہاری بہت تعریف کر رہا تھا......سچ......مجھے تو یقین نہیں آیا۔"تمکین نے ہنستے ہوئے بتایا۔

"رئیلی......آئی ڈونٹ بلیو اٹ (مجھے اس پر یقین نہیں آ رہا)

"ٹرسٹ می......علینہ آئی سویئر (میں قسم کھاتی ہوں)"تمکین نے اسے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔

"آئی ٹرسٹ یو......ڈیئر......بتاؤ اس نے کیا کہا؟"علینہ نے تجسس ہو کر پوچھا۔

"کہنے لگا......علینہ بہت اچھی اور بہت ڈفرنٹ لگتی ہے......"تمکین نے بتایا تو مسکراہٹ علینہ کے لبوں پر پھیلنے لگی۔

"اور کیا کہا......؟"علینہ نے اور متجسس ہو کر پوچھا۔

"میں نے پوچھا......ڈفرنٹ کیسے لگی......؟

"کہنے لگا......بہت کم گو......اور اپنی ذات میں گم رہنے والی لگی۔نہ تو زیادہ شو آف کرتی ہے اور نہ اوور ری ایکٹ اس میں بہت Calmness ہے"تمکین نے اسے بتایا تو وہ ہنسنے لگی۔

"ہنس کیوں رہی ہو......؟"تمکین نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے اسے بتایا نہیں کہ وہ کتنا بڑا دھوکہ کھا گیا ہے۔اس کو نظر آنے والی Calmness کے پیچھے کتنا انتشار اور ڈپریشن ہے......کم گو......اور اپنی ذات میں گم رہنے والی......اس دنیا سے اور اپنے آپ سے فرار چاہتی ہے......تمکین appearance اور reality میں کتنا فرق اور کتنا تضاد ہوتا ہے......لوگ شکل اور تصویر دیکھ کر خود ہی assume کر لیتے ہیں......انہیں کیا معلوم کہ شکل اور تصویر کی اپنی کتنی کہانیاں ہوتی ہیں......دکھ بھری کہانیاں"علینہ نے آہ بھر کر کہا۔

"پلیز......علینہ......اپنے آپ میں اتنی مایوسی مت پیدا کرو......ورنہ زندگی گزارنا بہت مشکل ہو جائے گا۔"تمکین نے اسے سمجھایا۔

"تمکین......جو پہلے ہی آگ کے فرش پر چل رہا ہو......اس کو زندگی کے کانٹوں سے اور کیا خطرہ ہوگا......جسٹ لیو اٹ میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی......"علینہ نے ہنستے ہوئے کہا"تم اسد کو فون کر کے تھینکس بولنا......آئی ایم شیور اس طرح تم دونوں میں بات ضرور بڑھے گی۔"تمکین نے پرامید لہجے میں کہا۔

"آئی ایم ناٹ شیور (مجھے یقین نہیں)" علیزہ نے زخمی مسکراہٹ سے کہا۔

پلیز...... بی ہانسٹ...... اور اس کو فون کر کے بور مت کرنا۔ اس سے اچھی اچھی باتیں کرنا۔" تگین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیسی اچھی...... جیسی وقاص تم سے کرتا تھا۔" علیزہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"شٹ اپ...... یو ڈارک بانسٹرڈ" تگین نے مصنوعی خفگی سے کہا۔ "ٹھیک ہے...... کوشش کروں گی کہ وہ میری باتوں سے خوش ہو جائے...... ورنہ...... کسی کو مجھ سے بات کر کے زیادہ خوشی نہیں ہوتی...... نہ مما کو...... نہ پاپا کو...... مسز ستار کو...... نہ جمی...... اویس اور سلمان کو۔" وہ بے تحاشا قہقہہ لگا کر بولی۔

"آئی تھنک...... یو......" تگین نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"یس...... یو...... آر...... رائٹ۔ یہ زیادہ اچھی نہیں تھی...... میں ابھی تک اپنی سٹنر میں ہوں۔ میرا خیال ہے اس میں بھی ملاوٹ ہو گی...... ماتگی تو امپورٹڈ تھی...... شاید لوکل دے دی...... اسٹوپڈ نے۔" اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"تم اب ریسٹ کرو...... مجھے کچھ کام ہے۔" تگین نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اس نے ایک اور سگریٹ جلایا اور اس کے گہرے گہرے کش لینے لگی...... تگین کی باتیں اس کے ذہن میں گونجنے لگیں اور اسے مزا دینے لگیں۔

اسد لائیکس می (اسد مجھے پسند کرتا ہے) اس نے کمرے کی دیواروں کو بھرپور انداز میں دیکھتے ہوئے اپنے آپ سے کہا اور مسکرانے لگی۔

"اسد آئی لو یو......" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے موبائل سے اس کا نمبر ملانے لگی مگر اس کا موبائل اس وقت آف تھا...... آج وہ بہت تھک گیا ہو گا...... ہمارے ساتھ بزی تھا۔ اس نے مسکرا کر سوچا اور مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلنے لگی......

☆

"باجی...... آپ نے ابھی تک وین کا کرایہ نہیں دیا۔ مہینہ شروع ہوئے کتنے دن گزر چکے ہیں۔" وین والے نے سدرہ کو وین میں بیٹھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"میں...... آج لائی ہوں۔" اور سدرہ نے بیگ کھول کر اس کی جیب میں سے پیسے نکالنے چاہے مگر تمام جیبیں خالی پڑی تھیں۔ اس کا رنگ ایک دم فق ہو گیا اور اس نے بار بار جیبیں چیک کیں۔ اس کے ہاتھوں اور چہرے پر پسینہ آنے لگا۔ وین والا بغور اس کی جانب دیکھتا رہا۔

"آپ گھر بھول آئی ہوں گی۔" وین والے نے اس کی گھبراہٹ دیکھ کر کہا۔

"ہاں...... شاید" اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں...... کل دے دیں...... مگر زیادہ لیٹ نہ کیا کریں...... ہمارے بھی ہزار خرچے ہوتے ہیں۔" وین والے نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

وین کالج کی لڑکیوں سے بھری ہوئی تھی اور سب معنی خیز اور مشکوک نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ یکھ اس پر طنزیہ مسکرا رہی تھیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں۔ اس کے ساتھ ہر بار کوئی نہ کوئی مسئلہ ہوتا ہے...... مگر ایسا مسئلہ اس کے ساتھ پہلی بار ہوا تھا۔ وہ ہر بار کرایہ لیٹ ہونے کے بہانے ضرور بناتی تھی مگر ایسا جھوٹ اس نے کبھی نہیں بولا تھا۔ وہ سخت شرمندگی سی محسوس کرنے لگی تھی اور خاموشی سے وین کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

پیسے کہاں چلے گئے...... رات کو خود میں نے بیگ کی جیب میں یاد سے رکھے تھے اور جیب پھٹی ہوئی بھی نہیں...... کہاں گر سکتے ہیں۔ اس کا ذہن یہی سوچ سوچ کر پریشان ہونے لگا کہ شاید کہیں گر گئے ہیں اور اگر نہ ملے تو میں کرایہ کہاں سے دوں گی...... اس ماہ اس نے بہت مشکل سے صرف کرائے کے پیسے بچائے تھے۔ باقی جو ٹیوشن ملی تھی۔ اس نے اماں کو گھر کے خرچ کے لیے دے دیئے تھے اور اب اماں سے پیسے مانگوں گی تو وہ ہزار باتیں کرے گی کہ میں جان بوجھ کر بہانہ بنایا ہے...... مگر...... پیسے کہاں جا سکتے ہیں؟ اماں نے بھی کبھی اس کے بیگ کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ منی بھی ہمیشہ اس سے مانگ کر لیتی تھی...... اور...... راشد...... ؟ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

کل رات کو وہ اماں سے بسنت منانے کے لیے پیسے مانگ رہا تھا کہ اس نے پتنگیں اور ڈور یں خریدنی ہیں...... اور اماں اسے سمجھا رہی تھی کہ ابھی اس کے پاس نہیں...... کل کوٹھی والوں سے ادھار مانگے گی تو اسے دے گی...... مگر...... راشد نے بھی کبھی اس کے بیگ کو ہاتھ نہیں لگایا...... پھر...... پیسے کہاں جا سکتے ہیں...... وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔

"اگر پیسے نہ ملے تو...... ؟ اور اس سوچ نے اسے کالج میں بھی سارا دن بہت مضطرب کیا۔ وہ اس قدر پریشان رہی کہ توجہ سے کوئی لیکچر نہ سنا۔ اس کی بھوک ویسے ہی مٹ گئی تھی مگر جیب میں بھی کوئی پیسہ نہ تھا۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی۔ اپنی چارپائی اور کپڑوں کی الماری دیکھنا چاہتی تھی کہ کہیں پیسے وہاں نہ گر گئے ہوں۔ وہ کالج سے زکیہ آپا کی طرف گئی تو اس کا چہرہ بہت اترا ہوا اور اداس تھا۔ مومنہ ابھی تک یونیورسٹی سے نہیں آئی تھی۔ زکیہ آپا نے اس کے لیے کھانا ڈالا مگر اس نے بمشکل چند نوالے لیے۔

"کیا بات ہے...... آج تم پریشان لگ رہی ہو۔" زکیہ آپا نے اس کے پاس بیٹھ کر محبت سے پوچھا۔

"آپا جی...... کل یہاں جن بچوں نے مجھے ٹیوشن فیس دی تھی...... میں نے اماں کو کچھ پیسے دینے کے بعد صرف وین کا کرایہ پاس رکھا...... مگر آج صبح کرایہ دینے لگی تو پیسے غائب تھے۔" اس نے رنجیدہ لہجے میں بتایا۔

"کہاں جا سکتے ہیں...... کتابوں میں دیکھنے تھے...... مومنہ اور مریم تو اکثر کتابوں میں پیسے رکھ کر بھول جاتی ہیں۔" زکیہ آپا نے کہا۔

"نہیں...... میں نے خود بیگ کی جیب میں رکھے تھے۔" وہ فکر مندی سے بولی۔

"گھبراؤ نہیں...... مل جائیں گے......" زکیہ آپا نے اسے تسلی دی "اور اگر نہ ملے تو...... ؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"تو پھر اللہ مسبب الاسباب ہے...... وہ اپنے بندوں کو پریشانیاں دیتا ہے تو پھر ان پریشانیوں کو دور کرنے کے اسباب بھی خود پیدا کرتا ہے۔" زکیہ آپا نے اسے تسلی دی۔

"مومنہ باجی نہیں آئیں۔" سدرہ نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں...... آجکل یونیورسٹی میں کچھ...... کام ہے...... پتا نہیں کیا ہے بتا رہی تھی...... لیٹ ہی آئے گی۔" زکیہ آپا نے کہا۔

"اور مریم......؟" سدرہ نے پوچھا۔

"آج اس کی طبیعت ٹھیک نہیں...... اس کے سر میں درد ہے۔" کمرے میں سو رہی ہے۔" زکیہ آپا نے جواب دیا تو سدرہ خاموش ہو گئی۔

اس نے بچوں کو بمشکل ٹیوشن پڑھائی اور گھر پہنچی...... اماں ابھی تک نہیں آئی تھی۔ منی بیٹھی اپنی کاپیوں پر کچھ لکھ رہی تھی۔

"منی...... کیا تم نے یہاں کہیں...... پیسے گرے ہوئے دیکھے ہیں؟ سدرہ نے چادر اتارتے ہوئے پہلا سوال کیا۔

"نہیں...... کتنے تھے" منی نے پوچھا۔

"ہزار کا نوٹ تھا......" وہ پریشانی سے بولی۔

"کیا گم ہو گئے ہیں؟" منی نے بھی پریشانی سے سوال کیا۔

"ہاں...... شاید...... وین والے کو کرایہ دیا تھا...... ادھر آؤ...... میرے ساتھ ڈھونڈو۔" سدرہ نے کہا اور دونوں چارپائی سے چادر گدا، تکیہ اس کا غلاف، ہر ہر شے کو جھاڑ جھاڑ کر چیک کرنے لگیں۔

"راشد کہاں ہے؟ اچانک سدرہ نے سوال کیا۔

"پتا نہیں...... آپا...... آج تو اس نے اتنی پتنگیں اڑائی ہیں اور کیمیکل والی ڈوریں بھی لایا تھا۔" منی نے خوش ہو کر بتایا۔

سدرہ ایکدم چونکی...... اور منی کی طرف بغور دیکھنے لگی۔

"اب وہ کہاں ہے؟ سدرہ نے منی سے پوچھا۔

"پتا نہیں...... ابھی تھوڑی دیر پہلے گڈو کے ساتھ آیا تھا اور سائیکل لے کر چلا گیا۔

"جا...... باہر دیکھ......! گر ہے تو اسے بلا کر لا۔" سدرہ نے اسے کہا تو وہ جلدی سے باہر چلی گئی۔ سدرہ شدت سے اس کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

منی کو باہر گئے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ سدرہ پریشان ہونے لگی۔

"نجانے کہاں رہ گئی ہے؟ وہ خود چادر لے کر اسے ڈھونڈنے کے لیے باہر نکلی۔ شام کا وقت ہو رہا تھا اور اماں بھی آنے والی تھی وہ شام کے بعد منی کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتی تھی۔

اماں خواہ مخواہ اسے ڈانٹے گی۔ اس نے دروازے کو تالا لگایا اور جیسے ہی باہر نکلی...... منی...... راشد کے ساتھ سائیکل پر بیٹھی آ رہی تھی۔ راشد نے پیلے رنگ کی نئی شرٹ پہنی ہوئی تھی اور اس کے منہ میں پان تھا۔ منی کے ہاتھ میں بھی ٹافیاں اور بسکٹ تھے۔ راشد نے اپنی سائیکل پر نجانے کتنی گھنٹیاں باندھ رکھی تھیں اور وہ ٹن ٹن گھنٹیاں بجاتا خوش باش آ رہا تھا۔ سدرہ کو دیکھ کر دونوں چونک گئے۔

"منی...... تو اسے بلانے گئی تھی اور کہاں رہ گئی...... پتا بھی ہے شام ہو رہی ہے...... اماں آنے والی ہے۔" سدرہ نے منی کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"آپا...... یہ کہنے لگا آ تجھے سائیکل پر سیر کرا لاؤں...... آپا اس نے مجھے آئس کریم بھی کھلائی ہے۔" منی نے خوش ہو کر بتایا۔

سدرہ نے راشد کی طرف دیکھا۔ اس کا منہ خوشبودار پان سے بھرا ہوا تھا اور مشکل سے منہ کھل رہا تھا۔ منہ سے رنگدار پان کی رالیں بہہ رہی تھیں۔ سدرہ کو غصہ آنے لگا۔

"تم دونوں اندر آؤ۔" سدرہ نے تالا کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ راشد اور منی اندر داخل ہوئے تو سدرہ نے دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔

"راشد سنا ہے آج تو نے بڑی بسنت منائی ہے...... بڑی پتنگیں چڑھائی ہیں اور یہ نئی شرٹ بھی پہن رکھی ہے...... منی کو بھی آئس کریم کھلائی ہے...... خود بھی پان کھا رہا ہے...... کیا تیری لاٹری نکل آئی ہے؟ سدرہ نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں...... وہ...... آپا...... اماں نے دیئے تھے۔" اس نے جلدی سے بہانہ گھڑا۔

"اماں کے پاس تو پیسے نہیں تھے...... رات کو میں ساری باتیں سن رہی تھی۔" سدرہ نے پوچھا۔

"وہ...... وہ...... گڈو...... "وہ بمشکل بولا۔

"جھوٹ...... مت بول...... تو نے میرے بیگ سے پیسے چرائے ہیں نا...... سچ بول......" سدرہ نے غصے سے پوچھا۔

"نہیں...... وہ تو مجھے زمین پر پڑے ملے تھے۔" اس نے جھوٹ بولا۔

"پھر...... جھوٹ...... میں نے خود بیگ میں رکھے تھے اور تجھے ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ میں کتنی مشکل سے ٹیوشنیں پڑھا کر اپنی پڑھائی کا خرچہ پورا کرتی ہوں۔ آج میں نے وین والے کو پیسے دینے تھے اور بیگ میں پیسے نہیں تھے۔ اب جھوٹ بولنے کے ساتھ ساتھ تو نے چوری بھی شروع کر دی ہے۔" سدرہ نے غصے سے کہا۔

"آپا...... میرے پر الزام مت لگا۔" وہ رعب سے بولا۔

"ایک تو...... برے کام کرتا ہے اور دوسرا رعب جماتا ہے۔" سدرہ نے اسے دو تین تھپڑ لگا دیئے...... اس نے بھی آگے سے ہاتھ اٹھانا چاہا تو وہ غصے سے اور بھڑ گئی۔ پاس پڑے ہوئے پھر کے ڈنڈے سے اس نے راشد کی خوب پٹائی کی۔ وہ اسے گالیاں بکتا رہا اور اونچی آواز میں چلا چلا کر روتا رہا۔

باہر دروازہ زور زور سے بجنے لگا منی نے جا کر دروازہ کھولا تو اماں اندر داخل ہوئی۔ راشد کے رونے کی اور چلانے کی آوازیں سن کر اماں کے حواس باختہ ہو گئے اس کا تو رنگ فق ہو گیا۔

"ہائے...... میں مر گئی...... میرا بچہ کیوں رو رہا ہے؟ اماں کھانا صحن میں ہی چھوڑ کر اندر بھاگی راشد بیٹھا رو رہا تھا اور سدرہ غصے میں اسے گھور رہی تھی۔

"کیا ہوا......؟ رشیدہ نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پوچھو اسی سے۔" سدرہ نے غصے سے کہا۔

"ماں صدقے......واری......کیا ہوا......کس نے مارا......؟" رشیدہ نے راشد کے سرخ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اماں......اس نے مجھے ڈنڈوں کے ساتھ مارا ہے۔" راشد اونچی آواز میں روتے ہوئے بولا۔

"ہائے......مرجائے......تو......تیرے ہاتھ ٹوٹیں......کیوں میرے بچے کو مارا ہے۔" رشیدہ نے سدرہ کو تھپڑ لگاتے ہوئے کہا۔

"اماں......اس نے میرے بیگ سے پیسے چوری کرکے قلفیں اڑائی ہیں اور پھر جھوٹ بھی بولتا ہے......میں نے آج وین کا کرایہ دینا تھا۔" سدرہ روتے ہوئے بولی۔

"بس......اتنی سی بات پر تو نے بھائی کو مارا......تیری جیسی بہن سے تو وہ اکیلا ہی بہتر ہے......مرجائے تو......میرے پھول سے بچے پر تو نے ڈنڈے برسائے......پیسے ہی نکالے تھے نا......" رشیدہ نے غصے سے کہا۔

"کتنے پیسے خرچ کیے تو نے......؟" رشیدہ نے راشد سے پوچھا اور اس نے جیب میں سے باقی کے پیسے نکالے۔ رشیدہ نے انہیں گنا......صرف دو سو روپے باقی بچے تھے۔ رشیدہ نے پاس سے آٹھ سو روپے نکال کر اس کا ہزار روپیہ پورا کرکے اس کی طرف زور سے پھینکے۔

"لے......پکڑ......اپنے پیسے......کلموئی......اور خبردار آئندہ میرے بچے کو ہاتھ لگایا......تیرے ہاتھ میں خود کاٹ ڈالوں گی۔" رشیدہ غصے سے بولی۔

"اماں......تو......ایک دن پچھتائے گی۔" سدرہ نے پیسے سمیٹ کر بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"پچھتا تو اب بھی رہی ہوں......تجھے پڑھا کر" رشیدہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اب تو میرے گھر میں زیادہ دن نہیں رہ سکتی......کل ہی زاہدہ کو بلاتی ہوں کہ اس بلا کو میرے گھر سے لے کر جائے۔ میرا تو سکون برباد کر دیا ہے کمبخت نے۔" رشیدہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور سدرہ بیٹھ کر رونے لگی۔

وہ اگلے روز کالج سے ٹیوشن پڑھا کر گھر آئی تو تھوڑی دیر بعد کاشف آ گیا۔ وہ اسے دیکھ کر چونک گئی۔

"تو......آج کیسے آیا ہے؟" سدرہ نے حیرت سے اسے پوچھا۔

"تجھ سے بات کرنے آیا ہوں۔" کاشف نے بتایا۔

"کیا بات؟" سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آج......پھوپھو نے میری اماں کو بلایا ہے کہہ رہی ہے تیری شادی جلدی کرنا چاہ رہی ہے......پوچھنے آیا ہوں کیا تو بھی یہی چاہتی ہے؟" کاشف نے سدرہ کو بتایا تو وہ اس کی بات سن کر چونک گئی۔ اسے قطعی امید نہیں تھی کہ اب کی بار اماں واقعی اس کی شادی کر دے گی۔

"تیرا کیا خیال ہے؟ تو......تو کہتی تو تھی کہ تو امتحان سے فارغ ہوگی تو پھر شادی کرے گی......اب کیا ہو گیا ہے......کیا کوئی خاص بات ہے؟" کاشف نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"کیسی خاص بات؟" سدرہ نے قدرے غصے سے پوچھا۔

''وہی تو پوچھ رہا ہوں...... کیا بات ہو گئی ہے جو پھوپھو کو اتنی ایمرجنسی پڑ گئی ہے۔'' کاشف نے پوچھا۔

سدرہ اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی۔

''اماں کل آئے گی...... پھوپھو سے بات کرنے...... مگر میں تیری مرضی جاننے آیا ہوں...... کیا تو بھی یہی چاہتی ہے؟'' کاشف نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں...... ہاں لے جا اس مصیبت کو...... ہر روز ہم سے جھگڑتی ہے...... اماں بھی اس کی لڑائیوں سے تنگ آ گئی ہے۔'' راشد اچانک گھر آیا تھا اور دونوں کی باتیں سن کر اندر آ گیا تھا۔ وہ غصے سے بولا تو کاشف نے حیرت سے راشد کی طرف اور پھر سدرہ کی جانب دیکھا۔

''دفعہ ہو جا...... یہاں سے۔'' سدرہ نے راشد کو غصے سے ڈانٹا۔

''جا رہا ہوں مگر اب تو بھی یہاں نہیں رہے گی۔'' راشد کہہ کر چلا گیا اور کاشف کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

''سدرہ...... یہ راشد کس لہجے میں باتیں کرنے لگا ہے۔ اسے ذرا بھی لحاظ نہیں رہا کہ میں اس سے بڑا ہوں۔ تو اس کی بڑی بہن ہے اور تیرے میرے سامنے اتنی بدتمیزی...... '' کاشف نے حیرت سے کہا۔

''ہاں...... بس...... محلے کے لڑکوں کے ساتھ پھر پھر کر بدتمیز ہو گیا ہے۔'' وہ شرمندگی سے بولی۔ اور کاشف نے آہ بھر کر اس کی جانب دیکھا۔

دروازہ کھلا تو رشیدہ اور منی گھر میں داخل ہوئیں۔ آج منی بھی ماں کے ساتھ کام پر گئی تھی کیونکہ کوٹھی والوں کے گھر شادی شروع ہو رہی تھی اور کام بہت زیادہ تھا۔ جب کام زیادہ ہوتا تو رشیدہ منی کو اپنے ساتھ سکول سے چھٹی کروا کر کام پر لے جاتی۔

''کاشف آیا ہے...... خیر سے...... بڑے دنوں بعد آئے ہو۔'' رشیدہ نے محبت سے کاشف کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''السلام وعلیکم پھوپھو......'' کاشف نے کھڑے ہو کر سلام کی۔

''وعلیکم السلام جیتے رہو...... اللہ...... لمبی زندگی دے...... کیا اکیلے آئے ہو؟ میں نے تو زاہدہ کو فون کیا تھا کہ وہ بھی آئے۔'' رشیدہ سدرہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں...... وہ میں ادھر سے گزر رہا تھا...... سوچا آپ کو سلام کر جاؤں۔'' کاشف نے بات بنائی۔

''اچھا کیا...... تمہارا اپنا گھر ہے۔ سدرہ اس کے لئے چائے لے آ ؤ'' رشیدہ نے سدرہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

''کاشف...... میں نے تیری ماں کو اس لیے بلایا ہے کہ سدرہ کی شادی کر دوں...... میں تو زیادہ دیر گھر سے باہر رہتی ہوں۔ جوان بیٹی ہے۔ اب اتنی رکھوالی نہیں ہوتی...... اس کی شادی ہو جائے گی تو میں منی کو کام پر ساتھ لے جایا کروں گی۔ ابھی تو مجھے سدرہ کی وجہ سے منی کو گھر چھوڑنا پڑتا ہے......'' رشیدہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''لیکن پھوپھو...... سدرہ نے تو کہا تھا کہ امتحانوں کے بعد وہ شادی کرے گی......'' کاشف نے کہا۔

"ارے...... رہنے دے...... اس نے پڑھ کر جو تیر مارنا ہے...... شادی کر کے اپنے گھر جائے...... جا کر امتحان دے یا نہ دے...... تم لوگوں کی مرضی...... مگر اب میں اسے نہیں رکھ سکتی۔ تم لوگوں کی امانت ہے۔ جتنا جلدی ہو سکے لے جاؤ" رشیدہ نے غصے سے کہا اور اس لمحے سدرہ چائے کا کپ لیے اندر داخل ہوئی۔ اس نے رشیدہ کے الفاظ سن لیے تھے۔ بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ کاشف نے اس کی آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں کو دیکھ لیا تھا اور گہری سانس لی تھی۔

"ٹھیک ہے...... پھر میں اماں کو بھیجتا ہوں...... آ کر تاریخ پکی کر لے۔" کاشف نے کہا تو سدرہ جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ رشیدہ خوش ہو گئی۔

"تو چائے پی...... ذرا میں منہ دھولوں...... صبح سے منہ بھی نہیں دھویا۔" رشیدہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی اور کاشف سدرہ کو برآمدے میں کھڑا دیکھ کر اس کے پاس آ گیا۔

سدرہ...... اب تمہارا یہاں رہنا مناسب نہیں...... پھوپھو اور راشد تم سے بہت بیزار نظر آ رہے ہیں...... اور...... اس صورت حال میں کوئی دوسری سوچ باقی نہیں رہتی...... تم فکر نہیں کرو...... میں تمہیں امتحان دینے سے نہیں روکوں گا...... خود تجھے موٹر سائیکل پر کالج چھوڑ کر آؤں گا۔" کاشف نے مسکرا کر سرگوشی کے انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

یونیورسٹی کی جانب سے سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ کے اسٹوڈنٹس کے لئے مختلف ذہنی امراض کے ہسپتالوں اور فونٹین ہاؤس کے ٹرپ کے مختلف پروگرام ارینج کیے گئے تھے...... اس لئے مومنہ بہت مصروف تھی...... اور اکثر یونیورسٹی سے لیٹ آ رہی تھی...... ایک ٹرپ ڈاکٹر ثقلین کے ہاسپٹل کے وزٹ کا ارینج کیا گیا تھا۔ تمام اسٹوڈنٹس ان کے ہاسپٹل جانے کے بہت مشتاق تھے...... مومنہ کو بھی بہت شوق تھا مگر اچانک زکیہ کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ نہ جا سکی اور اسے نہ جانے کا بہت افسوس ہوا تھا۔

ڈاکٹر ثقلین نے تمام طلباء و طالبات کو اپنے ہاسپٹل کا وزٹ کرایا۔ ڈاکٹر براس اور ڈاکٹر مرتضیٰ جیسے سینئر اور دو تین جونیئر ڈاکٹرز پر مشتمل اپنی ٹیم سے سب کا تعارف کرایا۔ ہاسپٹل کی دو اہم وارڈز تھیں۔ ایک الکوحل ایڈیکٹڈ مریضوں کے لیے اور دوسری مختلف ڈرگز ایڈیکٹڈ مریضوں کے لیے......

ڈاکٹر ثقلین خود الکوحل ایڈیکٹڈ مریضوں کی وارڈ کے انچارج تھے اور ڈاکٹر براس اور دوسرے ڈاکٹر ڈرگز ایڈیکٹڈ مریضوں کے شعبے کے انچارج تھے۔ ڈاکٹر براس ایک سیمینار کے سلسلے میں لندن گئے تھے اس لئے ڈاکٹر ثقلین نے انہیں زیادہ تر اپنی وارڈ کا وزٹ کرایا اور وہاں موجود مریضوں سے باری باری سب کا تعارف کرایا۔ وارڈ پچاس مریضوں پر مشتمل تھی اور اس وقت وارڈ میں انچاس مریض تھے۔ اکثر کی حالت بہت خطرناک تھی اور چہرے کافی بگڑ چکے تھے۔ بعض ایسے بوڑھے تھے جنہوں نے ساری زندگی شاید شراب کے علاوہ کچھ اور نہیں پیا تھا...... اسٹوڈنٹس ڈاکٹر ثقلین سے ان مریضوں کے بارے میں سوالات کرنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے مگر ڈاکٹر ثقلین نے سب کو سمجھا دیا تھا کہ وہ مریضوں سے خوش اخلاقی سے ملیں اور صرف ان کا حال پوچھیں۔ ان کے بیڈ نمبرز نوٹ کریں اور بعد میں کانفرنس روم میں ان کے بارے میں وہ سوالات پوچھ سکتے ہیں۔

"ہر بیمار شخص کی طرح یہ لوگ بھی بہت حساس ہو جاتے ہیں...... اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر مشتعل ہو کر انتہائی قدم اٹھانے سے بھی دریغ

نہیں کرتے......اور ان میں سے بہت سے لوگ خودکشی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کے لواحقین ان کی حرکتوں سے پریشان ہو کر انہیں یہاں چھوڑ جاتے ہیں......اور......ہم بہت محبت وتوجہ سے ان کا علاج کر کے انہیں دوبارہ معاشرے کا کارآمد شہری بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔" ڈاکٹر ثقلین نے وزٹ سے پہلے تمام اسٹوڈنٹس کو بریفنگ دی۔

تمام اسٹوڈنٹس نے وارڈ کا وزٹ کیا۔مریضوں سے بہت نرمی وخوش اخلاقی سے پیش آئے۔ہر ایک کے ہاتھ میں اپنی اپنی فائل اور پین تھے۔وہ ہر مریض کو انتہائی توجہ سے آبزرو کر کے اپنی اپنی فائل میں ان سے متعلقہ سوالات نوٹ کرتے رہے۔وہ اپنے ساتھ مریضوں کے لیے پھول اور فروٹ لے کر آئے تھے......تقریباً تین گھنٹوں میں انہوں نے وارڈ کا وزٹ مکمل کیا۔مریضوں سے ملاقاتیں کیں......اور اس کے بعد ڈاکٹر ثقلین نے ان کے لیے ریفریشمنٹ ارینج کی تھی۔اس سے فارغ ہو کر سب لوگ کانفرنس روم میں جمع ہو گئے۔

تمام اسٹوڈنٹس اپنی اپنی فائلیں کھول کر بیٹھ گئے۔کانفرنس روم میں سلائیڈ اور پروجیکٹر کے علاوہ پلازمار کھا تھا۔جس میں مختلف قسم کی ویڈیو ٹیپ دکھائی جاتی تھیں۔ڈاکٹر ثقلین کے علاوہ ان کے اسسٹنٹ ڈاکٹرز بھی وہاں اسٹیج پر موجود تھے اور ایک ٹیم کی صورت میں اسٹیج پر بیٹھے تھے۔سب کے آگے مائیک تھے۔"اب آپ مریضوں سے متعلق اپنی اپنی آبزرویشن پر مشتمل سوالات پوچھ سکتے ہیں۔" ڈاکٹر ثقلین نے مائیک ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب ایک شراب نوشی کرنے والے شخص اور ڈرگز وہیروئن کے عادی شخص میں خاص فرق کیا ہے؟" پہلی رو میں بیٹھے ایک طالب علم نے سوال کیا۔

ڈاکٹر ثقلین نے اپنے ایک اسسٹنٹ ڈاکٹر معیز کی جانب دیکھا وہ ایک نوجوان ڈاکٹر تھا۔اس نے مائیک اپنے آگے کھسکایا۔

"الکوحل یعنی شراب کی ایک مخصوص مقدار پینے کے باوجود بھی ایک شخص قدرے نارمل نظر آتا ہے۔وہ اپنے معاملات بخوبی سرانجام دیتا ہے۔اپنے آپ میں پہلے سے زیادہ اعتماد اور کام کرنے کی صلاحیت کو active پاتا ہے۔"بعض لوگ روزمرہ کے کام کاج بزنس اور خاص طور پر کوئی انتہائی چیلنجنگ کام کرنے کے لیے ڈرنک کرتے ہیں اور وہ کام بہت جلدی اور تیزی سے سرانجام دیتے ہیں۔وہ کئی دنوں کا کام چند گھنٹوں میں مکمل کر لیتے ہیں۔کیونکہ یہ Senses کو تیز کرتی ہے۔وہ اپنے اندر ایک انتہائی قوت محسوس کرتے ہیں......آپ دیکھیں اکثر پرانے زمانہ میں جنگوں میں جانے سے پہلے سپاہی الکوحل کا استعمال کرتے تھے۔کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ انہیں بہادر بناتی ہے......جبکہ ڈرگز......ہیروئن......کوکین اور دوسری نشہ آور اشیاء اس قدر تیز ہوتی ہیں۔

کہ استعمال کے بعد مریض اپنے آپ سے ہی بے نیاز ہو جاتا ہے۔وہ بے سدھ پڑا رہتا ہے۔اس کا جسم مفلوج اور ذہن ہواؤں میں پرواز کر رہا ہوتا ہے۔وہ روزمرہ کے معاشرتی وکاروباری معاملات کرنے کے قابل نہیں رہتا......ڈرگز لینے والے کا سب سے زیادہ نقصان خود اس شخص کی اپنی ذات کو ہوتا ہے جبکہ شراب نوشی کرنے والے کا اپنی ذات کے علاوہ معاشرے کو بھی بہت نقصان ہوتا ہے۔" ڈاکٹر معیز نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر صاحب اگر شراب کے اتنے فوائد ہیں تو پھر اس کے استعمال میں اتنی کراہت کیوں؟" ایک اور طالب علم نے سوال کیا۔

"ڈاکٹر ثقلین نے اپنی ٹیم میں موجود ڈاکٹر سلمان کی طرف دیکھا اور ڈاکٹر سلمان نے مائیک اپنے آگے کرتے ہوئے جواب دیا۔

"شراب کے استعمال کے وقتی فائدے ہیں۔اس کے بعد انسان جسمانی اور ذہنی طور پر بہت زیادہ مضطرب ہو جاتا ہے۔اس کے اندر شراب کی طلب بڑھنے لگتی ہے.....آغاز میں وہ اسے اس کے پینے سے Pleasure (خوشی) اور ایک سا لطف محسوس ہوتی ہے۔وہ چیزوں کو انجوائے کرنے کے لیے اس کا استعمال کرتا ہے۔

خوشی کے موقعوں پر خوشی کے احساسات کو دوبالا کرنے کے لیے اور اپنی خوشی کو Celebrate کرنے کے لیے وہ اسے پیتا ہے.....آغاز میں کبھی کبھار اس کا استعمال کرتا ہے اور یہ استعمال اسے بہت خوشی دیتا ہے.....اس کے بعد کوئی ٹینشن ہوتی ہے تو وہ اپنے آپ کو ریلیکس کرنے کے لیے اس کا استعمال کرتا ہے۔پہلے وہ اپنے اندر کا اضطراب دور کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔وہ اس سے لطف اندوز ہوتا ہے بعد میں یہی چیز اس کے اندر اضطراب پیدا کرنے لگتی ہے اور وہ اس اضطراب سے بچنے کے لئے اس کا استعمال زیادہ کرنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ اس کے جسمانی نظام کو مفلوج کرنے لگتی ہے۔یہاں تک کہ آکٹوپس کی طرح یہ انسان کو اپنے خطرناک اور زہریلے شکنجے میں بری طرح جکڑ لیتی ہے اور یوں خوش کن آغاز ایک بھیانک و خطرناک انجام کو پہنچ جاتا ہے۔"ڈاکٹر سلمان نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر صاحب یہ بات کہاں تک درست ہے کہ شراب بہت سی بیماریوں میں دوا کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے۔یہ جسم کو گرم بھی رکھتی ہے۔یہ انسان کے اندر جنسی قوت میں اضافہ کرتی ہے۔انسان کو کنفیڈنٹ (پر اعتماد) اور Daring (بہادر) بناتی ہے۔"ایک لڑکی نے درمیانی رو میں سے کھڑے ہو کر سوال کیا۔

"ڈاکٹر ثقلین کے دیکھنے سے پہلے ہی ڈاکٹر جمیل نے مائیک ہاتھ میں پکڑا اور اس سوال کا جواب دینے لگا۔

"یہ سب آپ کو مادی اور وقتی فائدے نظر آئیں گے.....اس کے اخلاقی نوائد بہت کم دکھائی دیں گے.....آپ ایک اور فائدہ بتانا بھول گئی ہیں کہ اکثر شراب پینے سے شرابیوں کے اندر کا انسان اور اس کی فطرت کھل کر سامنے آجاتی ہے.....اگر شرابی جھگڑالو و فسادی فطرت کا ہوگا تو وہ شراب پی کر غل غپاڑہ اور دنگا فساد کرے گا۔اگر شریف النفس فطرت کا مالک ہے تو اچھی باتیں کرے گا۔اگر گھٹیا اور کمینی فطرت کا مالک ہے تو وہ ویسا ہی سامنے آئے گا.....''ڈاکٹر جمیل نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر صاحب کیا یہ اچھی بات نہیں کہ انسان کی فطرت کو جاننے کے لیے اسے شراب پلا دی جائے۔"ایک اسٹوڈنٹ نے سوال کیا اور خود ہی مسکرانے لگا۔

"نہیں.....اللہ تعالیٰ ستار العیوب (عیبوں پر پردہ ڈالنے والے) ہیں۔وہ ایک انسان کو دوسرے انسان کے سامنے شرمندہ و بے عزت ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔اس لیے انہوں نے کچھ باتوں اور چیزوں کو مخفی رکھا ہے۔اسی میں انسان کی عافیت اور فلاح ہے۔ایک دل میں دوسروں کے لیے نجانے کتنی رنجشیں، بغض، عداوت اور کینہ ہوتا ہے اگر وہ سب کچھ کسی طرح دوسروں پر ظاہر ہونا شروع ہو جائے تو معاشرے میں ہر جانب انتشار اور فساد نظر آئے۔اس لیے یہ فائدہ بھی ایک بہت بڑے نقصان کی صورت میں سامنے آتا ہے۔اب آپ کا پہلا سوال کہ شراب دوا کے طور پر بھی استعمال

ہوتی ہے۔اس ضمن میں سب سے پہلے میں ہادی برحق حضورؐ کی حدیث پاک کو بیان کروں گا۔

آپؐ کا فرمان ہے کہ شراب دوا نہیں ہے لیکن مرض (بیماری) ضرور ہے۔"

اور اس ضمن میں مسلم اور ترمذی میں روایت ہے کہ ایک صحابی طارق جعفیؓ نے حضورؐ سے کہا کہ میں اس کو دوا کے طور پر استعمال کرتا ہوں اور آپؐ نے انہیں منع فرمایا کہ یہ دوا ہرگز نہیں۔"

بعض لوگ اس کی قلیل (تھوڑی) مقدار کو دوا کے طور پر استعمال کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے...... جس چیز کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کی تھوڑی سی مقدار بھی حرام ہے اور اس میں کبھی بھی شفا نہیں ہو سکتی...... اور جس شے کے استعمال سے انسان لاعلاج امراض میں مبتلا ہوتا ہے۔اس میں شفا کیسے ہو سکتی ہے۔"

دوسرا سوال کہ یہ جسم کو گرم رکھتی ہے تو اس ضمن میں اہم بات یہ ہے کہ یہ گرمائی وہمی نوعیت کی ہے کیونکہ شراب خون کی نالیوں (Blood vessels) کو وسیع کر دیتی ہے بالخصوص جو جلد کے نیچے ہوتی ہیں اور شرابی کو اپنے اندر گرمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شرابی کے جسم سے اصل گرمی و حرارت کم ہو جاتی ہے اور یورپ میں اکثریت سخت سردی کے موسم میں پارکوں اور سڑکوں پر مردہ حالت میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ میں گرمائی محسوس کرتے ہیں جبکہ موسم کی سردی حقیقت میں ان کو نقصان پہنچاتی ہے...... جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ تیسرا سوال کہ یہ جنسی قوت میں اضافہ کرتی ہے۔اس کا جواب شیکسپئر نے یوں دیا ہے۔

"I provokes the desire but takes away the performance."

یہ وقتی طور پر شرابی میں (Sexual desires) کو بہت زیادہ بڑھاتی ہے اور وہ ان خواہشات کو بھرپور طریقے سے انجام دینا چاہتا ہے مگر وہ کسی طور پر مطمئن نہیں ہو پاتا...... اور آہستہ آہستہ یہ بات اس میں بہت فرسٹریشن اور اضطراب پیدا کرنے لگتی ہے...... وہ اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلقات سے تسکین نہیں پاتا اور دوسری عورتوں کے ساتھ جنسی تعلقات بڑھاتا ہے۔ جب ان سے بھی تسکین نہیں پاتا تو وہ کم عمر لڑکوں کے ساتھ تعلقات بڑھاتا ہے اور رفتہ رفتہ ایسے لوگ gays بن جاتے ہیں۔

مرد کے گردوں کے اوپر والے غدود supra renal glands قلیل مقدار میں ہارمون خارج کرتے ہیں۔ صحت مند جگر ان ہارمونز کو برابر توڑتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ مردانہ ہارمونز testo steron باقی رہ جاتے ہیں اور وہی غالب آ جاتے ہیں لیکن بیماری سے متاثرہ جگر اس اہم کام کو سرانجام نہیں دے سکتا۔ شراب پینے والوں کے جسم میں مردانہ ہارمونز کم ہونے لگتے ہیں اور زنانہ ہارمونز جسم میں زیادہ ہونے لگتے ہیں اس کے علاوہ شراب دماغ کے درمیانی حصے hy po thalmas پر اثر انداز ہوتی ہے اور یہی مرد میں منی کے اخراج کو کم کر دیتی ہے۔اس لیے شراب پینے والوں کی آواز باریک، بال کم اور چھاتیاں بڑی ہونے لگتی ہیں۔ ان کا عزم و ارادہ کمزور ہونے لگتا ہے۔ کولہوں میں چربی جمع ہونے لگتی ہے اور مردانہ صفات کم ہونے لگتے ہیں۔

شراب پینے والی عورتوں میں بھی جنسی قوت کم ہونے لگتی ہے اور ان کے Placenta میں مسائل پیدا ہونے لگتے ہیں جس کی وجہ سے بار

بار ان کا abortion ہو جاتا ہے۔

اس طرح ذہنی قوت رفتہ رفتہ بہت مسائل پیدا کرنے لگتی ہے۔

وہ وقتی طور پر اپنے اندر خود اعتمادی محسوس کرتا ہے جیسا کہ برطانیہ کی سب سے بڑی اور مشہور طبی کتاب price text book of medicines میں ہے۔ "پہلے یہ انسان میں اضطراب دور کرتی ہے رفتہ رفتہ انسان شخصی اضطراب کا شکار ہونے لگتا ہے۔" یہ شراب انسان کے دماغ کے بالائی حصوں میں غنودگی، نیم مدہوشی کی کیفیت پیدا ہونے کے باعث اس سے حیا اور بردباری کے احساسات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس میں ہیجان و بے خودی اور جمود و سرشاری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح یہ انسان میں جسمانی، جنسی و اخلاقی گراوٹ کا باعث بنتی ہے۔ ڈاکٹر سہیل نے بہت تفصیل سے بتایا۔

"ڈاکٹر صاحب شراب کو ام الخبائث (برائیوں کی جڑ) کس بنا پر کہا گیا ہے جبکہ دوسری حرام کردہ اشیاء کے بارے میں ایسا نہیں فرمایا گیا؟" ایک اسٹوڈنٹ نے سوال کیا۔

"ڈاکٹر شکیل نے اب کی بار مائیک خود اپنے ہاتھ میں لیا اور انہوں نے ڈاکٹر معیز کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا ڈاکٹر معیز نے اشارہ کر دیا یو میں موجود ایک کیسٹ کو آن کیا پلازما آن ہوا۔ سب لوگ تجسس انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگے۔ سب سے پہلے ایک چھوٹا سا پارٹی سین تھا۔ جس میں بہت ماڈرن مرد و خواتین خوش گپیوں میں مصروف تھے اور سب کے ہاتھوں میں شراب کے گلاس تھے۔ سب مسکرا مسکرا کر باتیں کرتے ہوئے شراب پی رہے تھے۔

پھر سین بدلا اور ایک ڈرائنگ روم سین تھا جس میں کچھ نوجوان لوگ بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے اور ان کے درمیان ٹیبل پر وائن گلاسز تھے۔ سب نے چیئرز کہہ کر شراب پینا شروع کر دی۔ وہ آہستہ آہستہ مدہوش اور مسرور ہونے لگے پھر سب اٹھ کر ایک گاڑی میں بیٹھ کر سڑک پر آ گئے۔ وہ سیٹیاں بجانے اور غل غپاڑہ کرنے لگے۔ ٹریفک سگنلز توڑتے ہوئے اور انتہائی تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے دوسری گاڑیوں کو اوور ٹیک کرتے ہوئے وہ بہت ایک لطف محسوس کرنے لگے۔ وہ مستی اور سرشاری میں انتہائی تیز رفتاری سے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ سامنے سے آتے ہوئے ٹرکوں اور دوسری گاڑیوں سے وہ بمشکل ٹکراتے ہوئے بچے اور آخری بار بچ جانے پر وہ خوشی سے نعرے لگاتے۔ اتنی تیز رفتاری سے جاتے ہوئے انہیں احساس ہی نہ ہوا اور ایک بند ریلوے پھاٹک سے بری طرح ٹکراتے دوسری جانب سے ریل گاڑی آ رہی تھی اور دونوں کے تصادم سے زبردست نقصان ہوا۔ گاڑی کے پرخچے اڑ گئے اور اس میں موجود تمام لوگوں کے سر، دھڑ ادھر ادھر بکھر گئے۔ ٹرین ریل کی پٹڑی سے اتر کر الٹ گئی اور اس کی کتنی بوگیاں الٹ گئیں ہر طرف کہرام مچ گیا۔ ہر طرف گوشت اور خون نظر آنے لگا۔ نشستوں پر بیٹھے تمام لوگوں کی آنکھیں آبدیدہ ہونے لگیں ایسے حادثات کے بارے میں ہر روز سننے میں آتا تھا۔ مگر ان کی بہت سی وجوہات میں ایک اہم وجہ شراب نوشی بھی ہوتی ہے...... سب خاموش اور مضطرب ہونے لگے۔ اس کے بعد ایک اور clip میں ایک شخص کو دکھایا گیا جو ڈرنک کر کے گاڑی چلا رہا ہے اور اس کی نظر راہ چلتی ایک خوبصورت لڑکی پر پڑتی ہے۔ وہ اسے بار بار گھورتا ہے اور پھر اسے زبردستی گاڑی میں ڈال کر لے جاتا ہے اور اس کا rape کر کے اسے سڑک پر پھینک دیتا ہے۔

ایک اور clip میں شراب پینے والے شخص کو اپنی بیوی سے جھگڑتا اور اسے مار پیٹ کرتے دیکھایا جاتا ہے۔ وہ بچوں کو مارتا ہے گھر کے برتن توڑتا ہے اور گھر میں انتہائی پریشانی پیدا کرتا ہے۔ بیوی بچے روتے دکھائے جاتے ہیں جبکہ وہ دوستوں کے درمیان بیٹھ کر شراب نوشی کرتا ہے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر جوا کھیلتا ہے۔

اس کے بعد ایک اور سین بدلا۔ اور ایک ادھیڑ عمر شخص کے سامنے ٹیبل پر شراب کی دو تین بوتلیں رکھی ہیں اور وہ ہر بوتل میں سے بار بار شراب پیتا ہے یہاں تک کہ اسے قے آنے لگتی ہیں اور وہ بالکل مدہوش ہو کر گر جاتا ہے۔

اس کے بعد ایک ہاسپٹل کے کمرے کا سین دکھایا جاتا ہے جس میں بیڈ پر ایک شراب نوش پڑا ہے اور بہت شراب پینے سے اس کا جگر اور گردے خراب ہو چکے ہیں اور وہ بیڈ پر لیٹا تڑپ رہا ہے۔ ڈاکٹر اور نرسیں پاس کھڑے اس کو بچانے کی کوششیں کرتے ہیں مگر وہ تڑپ تڑپ کر دم توڑ جاتا ہے۔

ڈاکٹر معیز اٹھ کر ویڈیو اور پلازما آف کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر تمکین نے ہال میں موجود تمام طلباء و طالبات کی جانب دیکھا۔

"آپ نے دیکھا کہ شراب صرف پینے والے پر ہی خطرناک حد تک ہی اثرات مرتب نہیں کرتی یا اس کے گھر اور پورے معاشرے کے لئے بھی بہت خطرناک ہے۔ شراب اور ڈرگز استعمال کرنے والے تمام مریض کم و بیش ایسے ہی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں...... جن سے معاشرے پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ دوسری حرام کردہ اشیاء کا نقصان استعمال کرنے والے کی اپنی ذات کو زیادہ اور کسی حد تک معاشرے کو بھی ہوتا ہے لیکن "شراب" ایسی چیز ہے جو فرد کے ساتھ پورے معاشرے کو بھی تباہ کر دیتی ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو خوش کن خیالات سے خوبصورت فینسی اور اس خوبصورت فینسی سے انتہائی خطرناک دلدل کی جانب لے جاتی ہے۔

ایسی دلدل جس میں صرف موت اور تباہی ہے۔

جیسا کہ ایک یورپی محقق نے بہت تحقیق کے بعد لکھا ہے" کہ انسان کو شراب سے زیادہ کسی چیز نے زیادہ دکھ نہیں پہنچائی۔ شراب کی وجہ سے لوگ جنون اور لاعلاج امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ قتل و غارت کے علاوہ اعصابی بیماریوں اور پیٹ وغیرہ کی تکالیف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اپنی جائیدادیں بیچ دیتے ہیں اور اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔" ڈاکٹر تمکین نے وضاحت سے بتایا۔

"ڈاکٹر صاحب کیا آپ کے پاس مریض زیادہ تر ان کی صحت کی خرابی کی وجہ سے لائے جاتے ہیں یا معاشرے میں بگاڑ کی وجہ سے؟"

ایک اسٹوڈنٹ نے پوچھا۔

"دراصل شراب پینے سے طبی اور اخلاقی نقصانات اسقدر زیادہ ہوتے ہیں۔ جو بالواسطہ یا بلاواسطہ انداز میں معاشرے پر برے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ میں آپ کو مختصراً اس کے طبی نقصانات کے بارے میں بتاتا ہوں اور پھر معاشرے پر اثرات کے بارے میں تاکہ نوجوان نسل پر اس کے مضر اثرات کے بارے میں تصویر واضح ہو جائے۔

''ڈاکٹر پیٹر نے لکھا ہے کہ انسان وقتی سرور کو ابھارنے کے لیے شرابوں سے مشابہ کوئی اور چیز دریافت نہیں کر سکا جبکہ وہی چیز بیک وقت زندگی اور صحت کو برباد کرنے میں اپنی مثال آپ نہیں رکھتی کیونکہ اس جیسا کوئی دوسرا مادہ عادت پیدا کرنے والا زہریلا پن اور معاشرے کے لیے انتہائی خطرناک نہیں پایا گیا۔''

سب سے پہلے میں معدے پر اسکا اثر واضح کروں گا۔'' جیسا کہ آغاز میں یہ apetizer یعنی بھوک کو بڑھانے اور کھانے کو ہضم کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے مگر حقیقت ہے کہ اس کی تھوڑی سی مقدار بھی معدے کی دیواروں میں لعاب دار جھلیوں کو ہیجان میں لے آتی ہے اور معدے سے تیزابیت کے خارج ہونے میں اضافہ کرتی ہے آہستہ آہستہ یہ مسئلہ انتہائی پیچیدگی اختیار کرتا اور چھوٹی آنت کے اگلے حصے میں ناسور کا باعث بنتی ہے۔

اگر زیادہ طاقتور نشہ یعنی وسکی اور برانڈی پی جائے تو معدے میں دائمی سوزش کا باعث بنتی ہے۔

اس کے علاوہ وسکی میں الکوحل کی زیادہ مقدار انسان کے جگر کو خراب کرنے اور نظام ہضم کو برباد کرنے کے لیے گارنٹی کے ساتھ کام کرتی ہے۔

شراب سب سے پہلے خون میں پھیلتی ہے پھر وہاں سے نشوز میں چلی جاتی ہے۔ شراب میں موجود الکوحل اعصابی نظام کے خلیات کو بے حس بنا دیتے ہیں۔ یہ دماغ کی اوپر والی سطح پر بری طرح اثر انداز ہو کر انسان کی غور و فکر اور عقل کو متاثر کرتے ہیں یہ انسانی جسم کے خلیات میں انتشار کا باعث بن کر بیماریاں پھیلاتے ہیں۔ انسان میں دماغی خلل ہذیان اور ارتعاش پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس کے جسم میں مختلف وٹامنز کی کمی ہونے لگتی ہے چونکہ الکوحل بہت زیادہ گرم نوعیت کی ہوتی ہے لہٰذا اس کی oxidation کے عمل کے لیے وٹامن B کی بہت بڑی مقدار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک شرابی ایسی غذا استعمال نہیں کرتا جس میں وٹامن بی بہت زیادہ ہو۔ دوسری جانب وہ شراب کی مقدار بھی بڑھاتا جاتا ہے کیونکہ کم مقدار سے اس کا اضطراب دور نہیں ہو پاتا اور جسم میں وٹامن بی کی بہت زیادہ کمی ہونے لگتی ہے جو بہت سی بیماریوں کا باعث بنتی ہے۔

اس کے علاوہ بوڑھے لوگوں اور شرابیوں میں ایم انکافیتا کی ایک بیماری پیدا ہو جاتی ہے جس سے خون کی باریک نالیاں پھٹ جاتی ہیں اور جمع شدہ خون دماغ کے اگلے حصے اور کنپٹیوں پر اثر ڈالتا ہے۔ خون میں انتشار کے باعث خونی دانے، انگلیوں کی پوریں موٹی اور جسم میں نسوانیت بڑھنے لگتی ہے عورتوں میں ماہواری کم اور جنسی رغبت بہت کم ہونے لگتی ہے۔ جسم کے خودکار عضلات بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ گابا جسم کے اندر ایک اہم مادہ ہوتا ہے جو اختلافات ارتعاشات کو روکتا ہے یہ امینو (گلوٹامک) حیاتین اور پیرا ڈاکسن فارمولے کے مطابق ترکیب پاتا ہے۔ یہ جسم میں اختلاج اور مرگی کو روکتا ہے۔ شراب اس اہم مادے ''گابا'' کو بننے سے روکتی ہے جس کی وجہ سے دماغ کے خلیات کا ہیجان زیادہ ہو جاتا ہے اور مرگی کے دورے شروع ہو جاتے ہیں یہ خصوصی شراب (رم) کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ 40% شرابی معدے کی سوزش، 17% جگر کے امراض اور 20% میں اعصابی نظام کی خرابی پیدا ہوتی ہے۔

شرابی میں رفتہ رفتہ ہکلاہٹ، لڑکھڑاہٹ، نظر میں دھندلاہٹ سونگھنے اور سننے کی حس بھی متاثر ہوتی ہے۔ چہرے اور آنکھوں میں خون اکٹھا ہونے لگتا ہے۔ سر میں درد، اضطراب، ہیجان، ہچکیاں، خون کے سفید ذرات متاثر ہونے لگتے ہیں جسم کے امراض سے مقابلہ کرنے کی قوت کم ہو جاتی ہے۔ پیشاب کثرت سے آنے لگتا ہے جو ماں شراب پیتی ہے اس کی چھاتی سے دودھ کم آنے لگتا ہے۔

اس کے علاوہ شراب سے بہت سے نفسیاتی اور اخلاقی مسائل جنم لیتے ہیں۔ رفتہ رفتہ انسان میں اضطراب، ہیجان اور انتشار پیدا ہونے لگتا ہے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصے میں آ کر تشدد کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ aggressive ہو کر سامنے رکھی چیزوں کو توڑنے لگتا ہے۔ اس کے دماغ میں delusions یعنی گمراہ کن اعتقادات اور خیالات جنم لینے لگتے ہیں اور وہ اپنے گرد و پیش کی ہر چیز کے بارے میں مبہم و مشکوک ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی اور ماں، بہن، ہر عورت مشکوک ہو جاتی ہے۔ وہ دوسروں کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور اپنے اندر جنسی شہوت مفقود ہوتی جائے گی اور اس کی تسکین کے لیے وہ بے راہروی کے راستے اختیار کرتا ہے۔ بعض اوقات بہت زیادہ مضطرب ہو کر خودکشی کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں شیزوفرینیا علامات پیدا ہونے لگتی ہیں یہ hallucination کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ ان کو تصوراتی سائے اور موہوم آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ عجیب و غریب خوشبوئیں سونگھتے ہیں جن کا کوئی وجود نہیں ہوتا ہے ان کو محسوس ہوتا ہے جیسے ان کی جلد کے نیچے کیڑے مکوڑے رینگ رہے ہوں۔ لمس کی قدرت بھی متاثر ہوتی ہے۔ احساسات، سماعت، بصارت، سونگھنے، لمس اور ذائقہ کی حسیات متاثر ہوتی ہیں۔ رعشہ، زبان میں لڑکھڑاہٹ، ان کے اندر سخت باطل اعتقادات پیدا ہونے لگتے ہیں یادداشت متاثر ہونے لگتی ہے۔ جھوٹ بولنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اور انجانی جنونی ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ نشہ کی حالت میں اسے اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا۔ کبھی اچانک ہی بہت زیادہ ہنسنے لگتا ہے اور کبھی اچانک ہی رونے لگتا ہے بات کو بہت دہراتا ہے۔ اگر منع کیا جائے تو ناراض ہو کر تشدد پر اتر آتا ہے۔

الغرض لطف و سرور سے شروع ہونے والی اس چیز سے انسان رفتہ رفتہ بالکل ناکارہ اور مفلوج ہونے لگتا ہے۔ قدرت کو چونکہ اپنے بنائے ہوئے انسان کا یوں منتشر اور تباہ و برباد ہونا پسند نہیں اس لیے اس شے کے استعمال کو حرام قرار دے دیا گیا اور اگر پورے معاشرے پر نظر دوڑائی جائے تو کسی بھی شرابی کو شروع سے لے کر آخر تک ایک پرسکون، متوازن اور صحت مند زندگی گزارتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ وہ اپنے خیالات احساسات اور جنونی کیفیت سے معاشرے میں کسی نہ کسی طرح بگاڑ ضرور پیدا کرتا ہے۔ ان کی اپنی فیملی لائف، بچے، اردگرد کے لوگ ضرور متاثر ہوتے ہیں...... میرا خیال ہے کہ شراب کے استعمال اور اس کے اثرات سے پیدا ہونے والے نقصانات سے آپ کو مکمل آگاہی ہو چکی ہوگی۔ اگر کوئی سوال آپ کے ذہنوں میں آ رہا ہو تو آپ پوچھ سکتے ہیں۔" ڈاکٹر ثقلین نے ہال پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"تو ...ڈاکٹر صاحب تھینک یو ویری مچ۔" پروفیسر زکریا شعیب نے کھڑے ہو کر تمام اسٹوڈنٹس کو خاموش پا کر کہا۔

ڈاکٹر ثقلین اور ان کی ٹیم نے اسٹوڈنٹس کو بہت محبت سے رخصت کیا۔

اگلے روز یونیورسٹی میں ہر جانب ڈاکٹر ثقلین، ان کی ٹیم ان کے ہاسپٹل اور شرابی مریضوں کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ ہر کوئی ڈاکٹر ثقلین کی نوجوان نسل کے لیے خدمات کو سراہ رہا تھا۔ مومنہ اگلے دو دن یونیورسٹی نہ جا سکی اور وہ اس ساری ڈسکشن سے محروم رہی۔ اور جب وہ یونیورسٹی پہنچی تو ڈاکٹر ثقلین کے ہاسپٹل اور اس سے متعلق گفتگو کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔ کیونکہ اسٹوڈنٹس کے لیے فنکشن ہاؤس کے وزٹ کے بارے میں پلان ہو رہا تھا اور مومنہ اس بار اس وزٹ کو بالکل بھی مس نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ ڈاکٹر ثقلین کے ہاسپٹل کا وزٹ مس کر کے اس نے بہت زیادہ ملول کیا تھا...... اور کسی انجانی شے نے اسے اندر ہی اندر بہت مضطرب کر دیا تھا۔

☆

زکیہ آپا بہت کشمکش میں تھیں۔ سلوت آپا نے انہیں جس قصے میں ڈال دیا تھا۔ اس نے ان کو ذہنی طور پر بہت پریشان کر دیا تھا۔ کئی دن گزر گئے تھے اور زکیہ آپا نے مومنہ سے کوئی بات نہیں کی تھی...... مومنہ اور مریم کئی دن تو منتظر رہیں کہ ماں ان سے اس موضوع پر بات کریں گی مگر جب انہوں نے کوئی بات نہ کی تو انہوں نے یہی سوچ لیا کہ ان کی ماں کو یہ رشتہ ناپسند ہے اور وہ یقیناً اس سے انکار کر دیں گی۔۔۔ مومنہ کو اندر ہی اندر اس بات کا بہت دکھ تھا کہ اس نے اس سے اس کی رائے جانے بغیر خود ہی فیصلہ کر لیا تھا مگر وہ خاموش رہی لیکن اس کا دل بہت پریشان اور دکھی رہتا۔

زکیہ آپا...... اپنی جگہ پریشان تھیں...... سلوت آپا جیسے صاحب ذوق صاحب حیثیت اور خاندانی لوگوں کے ہاں سے رشتہ آنا بہت خوش نصیبی کی بات تھی مگر اس رشتے کے آنے سے وہ خوش تو ہوئیں تھیں مگر پریشان بہت زیادہ تھیں۔ انہیں بار بار اپنے والد مرحوم مولوی اکبر علی کے الفاظ یاد آ رہے تھے۔

"بیٹیوں کے رشتے اپنے ہم پلہ لوگوں میں کرنے چاہئیں...... اگر لڑکے والے صاحب حیثیت ہوں تو وہاں لڑکی بے حیثیت ہو کر رہ جاتی ہے اور اگر لڑکی والے صاحب حیثیت ہوں تو لڑکے والے بے حیثیت ہو جاتے ہیں۔" اور زکیہ آپا کے لیے اپنے والد کے الفاظ بہت اہمیت رکھتے تھے۔ سلوت آپا جیسے لوگوں پر وہ آنکھیں بند کر کے اعتبار کر سکتی تھیں مگر اپنی حیثیت کو بھی نہ بھول رہی تھیں لیکن ان کے گھر کا کوئی ایک کونہ بھی اس قابل نہ تھا جہاں وہ اسد اور سلوت آپا کو بٹھا سکتیں اور جس سسرال میں داماد کو بیٹھنے کے قابل جگہ نہ ملے۔ تو اس لڑکی کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ زکیہ آپا سلوت آپا کو جانتی تھیں۔ اسد کی ذہنیت کیا ہے۔ کس مزاج کا ہے۔۔۔ انہیں کچھ علم نہ تھا۔۔۔ گو کہ اس میں خاندانی وقار تھا اور سلوت آپا کا خون تھا...... اس میں ضرور کم یا زیادہ ان جیسی باتیں ہوں گی مگر وہ کس حد تک سمجھوتہ کر پائے گا۔ ان کے محل کے سامنے تو زکیہ آپا کے گھر کی حیثیت ایک جھونپڑی کی سی تھی...... انہیں اپنی بیٹی کے مزاج کا بھی علم تھا۔ وہ بہت سادہ مزاج مذہبی کم گو اور بہت زیادہ حساس تھی۔ اسد کی کوئی بات...... کسی قسم کا رویہ اس کے لیے ذہنی اذیت کا باعث بن سکتا ہے۔۔۔ وہ اسے جنت جیسی جہنم میں نہیں جھونکنا چاہتی تھیں جہاں کی پُرمسرت آسائشوں میں اس کا وجود گم ہو جائے ان کا دل نہیں مانتا تھا کہ وہ ظاہری چمک دمک کو دیکھ کر اپنی بیٹی کے لیے کوئی غلط فیصلہ کر دیں...... مگر سلوت آپا جیسی ہستی کو انکار کرنا انہیں بہت مشکل لگ رہا تھا۔

مومنہ یونیورسٹی سے لوٹی تو عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔ مریم اپنی کسی سہیلی کے ہاں گئی تھی۔ زکیہ آپا نے مغرب کی نماز پڑھ کر مومنہ کو اپنے پاس بلایا۔ وہ بھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی۔ سفید چادر کو اس نے اپنے چہرے کے گرد اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ وہ ماں کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"مومنہ...... اس روز سلوت آپا...... اپنے پوتے اسد سے تمہارے رشتے کی بات کرنے آئی تھیں...... سلوت آپا جیسے لوگوں کے ہاں سے رشتہ آنا بڑے نصیب کی بات ہے مگر میں یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ ہماری حیثیت ایسی نہیں کہ ہم ان کو کہیں بٹھا بھی سکیں...... میں نہیں چاہتی کہ تم کسی قسم کی اذیت کا سامنا کرو۔" زکیہ آپا نے نرم لہجے میں کہا۔

"امی...... کیا آپ فیصلہ کر چکی ہیں یا میری رائے پوچھ رہی ہیں۔" مومنہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تمہاری رائے بھی جاننا چاہتی ہوں۔" زکیہ آپا نے اس کی بات سن کر اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"امی ...... انسان کا نصیب اللہ بناتا ہے...... عزت، دولت، شہرت، مقام و مرتبہ سب اس کی عطائیں ہیں...... وہ انسان کو دیکھ کر نہ تو اس کا نصیب بناتا ہے اور نہ اس کو مقام و مرتبہ دیتا ہے...... یہ تو اس کا کرم ہے...... جس کو چاہے نواز دے...... وہ انسان کو اس کی سوچ سے بڑھ کر عطا کرتا ہے...... اگر اس نے ہمارے ہاں اتنا بڑا رشتہ بھیجا ہے تو یہ بھی اس کا کرم اور عطا ہے۔" مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں صرف سلوت آپا کو جانتی ہوں...... اسد کیسا ہے...... میں نہیں جانتی...... بڑے گھر کا لڑکا ہے...... کیسی عادتیں ہوں گی...... ہمیں کچھ معلوم نہیں۔" زکیہ آپا نے کہا۔

"امی ...... دنیا میں کوئی انسان نہ اپنے بارے میں گارنٹی دے سکتا ہے نہ دوسروں کے بارے میں۔" مومنہ نے جواب دیا۔

"کیا تمہیں یہ رشتہ مناسب لگ رہا ہے؟" زکیہ آپا نے حیرت سے پوچھا۔

"امی ...... سب والدین اپنی بیٹیوں کے لیے مناسب رشتے ہی طے کرتے ہیں...... مگر یہ تو بیٹیوں کے اپنے نصیب ہوتے ہیں...... اچھے نکلیں یا برے......" مومنہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہیں اسد پسند ہے؟" زکیہ آپا نے واضح الفاظ میں پوچھا تو مومنہ نے خاموشی سے سر جھکا دیا اور مدہم سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی اور اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

"میں پھر...... سلوت آپا کو ہاں کہہ دیتی ہوں...... خدا تمہارا نصیب اچھا کرے۔" زکیہ آپا نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی چومی اور اسے گلے سے لگایا۔

سلوت آپا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا جب زکیہ آپا نے انہیں ہاں کی...... جب سلوت آپا کچھ روز بعد ان کے ہاں جواب لینے آئیں۔ ہم آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کریں...... آپ نے ہم پر اتنی بڑی عنایت کر دی...... ہمیں اس قابل سمجھا کر اپنے جگر کا ٹکڑا ہمیں دے دیا۔" سلوت آپا خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھیں۔

"سلوت آپا...... یہ تو آپ کا احسان ہے جو آپ نے ہم غریبوں کو اس قابل سمجھا...... ورنہ کہاں آپ...... کہاں ہم؟ ہم تو اس قابل نہیں کہ آپ کی حیثیت کے مطابق مٹھائی بھی لا سکیں۔" زکیہ آپا نے قدرے رنجیدہ لہجے میں کہا۔

"زکیہ...... ایسا مت سوچیں...... آپ نے ہمیں اپنی سب سے قیمتی شے دے دی ہے...... آپ حیثیت کی بات نہ کریں...... ہم آپ کے قدردان ہیں۔" سلوت آپا نے محبت سے زکیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"مومنہ بیٹی کہاں ہے؟" سلوت آپا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا "میں ابھی بلاتی ہوں۔" اور زکیہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی اور مومنہ کو اپنے ساتھ لے کر آئی۔ مومنہ نے پنک کلر کی شلوار قمیض کے ساتھ بڑا سا دوپٹہ بہت قرینے سے اوڑھ رکھا تھا اور اس کا چہرہ شرم سے گلابی ہو رہا تھا۔

"ماشاءاللہ......" سلوت آپا نے اٹھ کر اسے گلے لگا کر پیار کیا۔

"السلام علیکم......" مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

"وعلیکم السلام......جیتی رہیے......" سلوت آپا نے پرس میں سے ہزار کے دو نوٹ نکال کر اس کے سر سے وار کر صدقے کے طور پر ٹیبل پر رکھے۔

"یہ غریبوں میں بانٹ دیجیے۔" سلوت آپا نے زکیہ سے کہا اور زکیہ دو ہزار کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"ادھر آئیے......ہمارے پاس بیٹھیے" انہوں نے محبت سے مومنہ کو اپنے پاس ایک خستہ حال صوفے پر بٹھا لیا اور اپنے پرس میں سے ایک خوبصورت مخمل کی چھوٹی ڈبیا نکالی اور اس میں سے ڈائمنڈ کی بہت خوبصورت اور نفیس انگوٹھی نکال کر مومنہ کی انگلی میں پہنا دی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا نصیب اچھا کرے۔"

سلوت آپا نے محبت سے اسے دعا دی۔

مریم چائے لے کر آ گئی اور مومنہ کی انگلی میں انگوٹھی دیکھ کر زیر لب مسکرا دی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کی جھلک نمایاں ہونے لگی۔

"زکیہ...... ہم باقاعدہ رسم کرنے کب تشریف لائیں؟" سلوت آپا نے پوچھا۔

"آپا...... آپ نے انگوٹھی پہنا دی ہے...... یہی رسم کافی ہے...... اب اس کے بعد باقی کیا رہ جاتا ہے؟ زکیہ نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"زکیہ ہماری کچھ خاندانی روایات ہیں اور ہمارے ہاں بہوؤں کی منگنی اور شادی کی رسمیں بہت اہتمام سے کی جاتی ہیں تاکہ آنے والی بہو کو سسرال سے ملنے والی عزت و قدر کا احساس ہو...... زکیہ...... بہوؤں کو یہ احساس دلانا بہت ضروری ہوتا ہے...... ہمارے بزرگ فرمایا کرتے تھے۔ جب بہوؤں کی عزت کی جاتی ہے تو وہ اپنے سسرال کی عزت کرتی ہیں۔" سلوت آپا نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"آپا...... اگر سب کچھ سادگی سے ہو جائے تو بہتر ہے۔" زکیہ نے آہستہ آواز میں کہا اب وہ انہیں کیسے بتاتی کہ ان کے تو گھر میں مہینے کا خرچ اتنی مشکل سے چلتا ہے۔ منگنی اور شادی بیاہ کی رسموں کے لیے پیسہ کہاں سے آئے گا۔ مہنگائی کے اس دور میں زکیہ سلائی کر کے اور بچیاں ٹیوشنز پڑھا کر جس مشکل سے گھر اور تعلیم کے اخراجات پورا کرتی تھیں یہ وہی جانتی تھیں...... ان کے گھر میں ضرورت کے پرانے اور بوسیدہ فرنیچر کے علاوہ کوئی زائد پلنگ تک نہیں تھا۔ 14 انچ کا بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی بیڈروم سائز کا ریفریجریٹر گھر گھر کرتا پرانا پنکھا...... گھوم گھوم کر تھک جاتا تو تب بمشکل ہوا کا ہلکا سا جھونکا دیتا...... پیڈسٹل فین ہوا کم آواز زیادہ دیتا۔ دو خستہ حال کمروں ایک برآمدہ اور لمبا سا تاریک انتہائی چھوٹے سائز کا کچن، جس میں اگر مومنہ پکاتی تو مریم کے کھڑے ہونے کی جگہ نہ ہوتی...... ٹوٹے پھوٹے فرش...... کچا صحن جس میں چند گملے رکھ کر اس کو خوبصورت بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ گھر بہت صاف ستھرا تھا مگر اس کی صفائی ستھرائی بھی اس کی خستہ حالی کو کم نہ کر پاتی...... ایسے گھر میں وہ سلوت آپا اور ان کے رشتے داروں کو کیسے بلاتی...... انہیں کہاں بٹھاتی...... ایسی تنگدستی میں منگنی کا کیسے سوچا جا سکتا تھا۔ زکیہ نے سوچ رکھا تھا کہ مومنہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوکری کرے گی تو گھر کے حالات بہتر ہوں گے اور تب وہ مومنہ کی شادی کا سوچے گی اور اب سب کچھ اس قدر اچانک اور جلدی جلدی ہو رہا تھا کہ

زکیہ بوکھلا گئی تھی۔

وہ کبھی مومنہ کے ہاتھ کی انگلی میں ڈائمنڈ کی انگوٹھی اور میز پر رکھے دو ہزار روپوں کو دیکھتی تو کبھی اپنے گھر کے خستہ حال در و دیوار کو..... وہ آج کے بارے میں نہیں..... کل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اگر اسعد نے کسی طرح ناپسندیدگی اور کراہت کا اظہار کیا تو..... مومنہ کے دل پر کیا گزرے گی.....؟ اور وہ اپنی بیٹی کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ بے حیثیت رہ کر جی نہیں سکتی تھی۔ سارے اندیشے اور وسوسے زکیہ کے دل میں سر اٹھا رہے تھے کہ اس کو اس رشتے کی ذرا بھی خوشی نہیں ہو رہی تھی۔

"اب ہم چلتے ہیں..... اور جس روز آنا ہوگا ہم آپ کو ڈرائیور کے ذریعے اطلاع بھیج دیں گے۔" سطوت آپا نے اٹھتے ہوئے کہا اور محبت سے سب کو گلے مل کر رخصت ہو گئیں۔

"مریم..... یہ پیسے اٹھا کر رکھ دو..... کسی غریب کو صدقے کے طور پر دینے کے لیے ہیں۔" زکیہ نے کہا تو مریم نے خاموشی سے پیسے اٹھا کر رکھ دیے مومنہ خاموش بیٹھی انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔ زکیہ کے چہرے پر فکرمندی کے تاثرات تھے۔

"امی..... کیا آپ خوش نہیں؟" مریم نے زکیہ کے اداس چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بیٹی اچھے گھر میں بیاہی جائے..... ہر ماں کی دلی خواہش ہوتی ہے..... مگر ہمارے حالات کیسے ہیں..... اور ہم کس طرح گزارہ کر رہے ہیں..... یہ تو صرف ہم ہی جانتے ہیں۔" زکیہ نے آہ بھر کر کہا۔

"امی..... آپ نے سطوت آنٹی سے کچھ چھپایا تو نہیں..... آپ کا ماضی اور حال دونوں ان کے سامنے ہے..... ہم کیا ہیں.....؟ ہم نے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی پھر آپ کیوں فکرمند ہیں؟" مریم نے ماں کو سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"مریم..... تھوڑا بہت تو ہر ایک کے پاس ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی یہی توقع کرتے ہیں..... مگر ہم کسی کو کیا دیں.....؟ تم ہی بتاؤ..... کیا ہم اسعد کو سونے کی انگوٹھی پہنا سکتے ہیں..... کیا ہم اس کو پہننے کے لیے ایک جوڑا بھی دے سکتے ہیں..... کیا سطوت آپا کو ان کی حیثیت کے مطابق کوئی ساڑھی دے سکتے ہیں..... جہیز تو دور کی بات ہے.....؟" زکیہ نے انتہائی فکرمندی سے کہا تو مومنہ اور مریم ماں کی پریشانی کی وجہ جان کر خاموش ہو گئیں۔ مومنہ نے خاموشی سے انگوٹھی اتار کر مخمل کی ڈبیا میں واپس رکھ دی اور اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔ مریم نے بھی نم آنکھوں سے مومنہ کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی طرف دیکھا۔ مومنہ نے ہچکی لی اور پھر سسکنے لگی۔ مریم نے اسے اپنے گلے لگایا تو وہ رونے لگی۔ زکیہ ان کو روتے دیکھ کر اپنی نم آنکھوں کو صاف کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ مریم اسے دلاسا دینے لگی اور اس کے آنسو صاف کیے۔ "نجانے ہماری خوشیاں اتنی ادھوری کیوں ہوتی ہیں.....؟" مومنہ نے نم آنکھوں سے کہا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا..... آپی..... اللہ کو منظور تھا..... تو..... آپ کا رشتہ ادھر ہو گیا نا..... وہ آنے والی مشکلیں بھی خود ہی دور کرے گا..... آپی..... معجزے اللہ کی ذات سے وابستہ ہوتے ہیں اور آپ کا اتنے بڑے گھرانے میں رشتہ ہونا ہمارے لیے ایک معجزہ ہی ہے۔ میں مطمئن ہوں..... اللہ سب ٹھیک کرے گا..... بس آپ فکر نہ کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔" مریم نے محبت سے مومنہ کو سمجھایا تو اس کا دل قدرے مطمئن

ہونے لگا اور وہ مریم کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔

اسد بے انتہا خوش ہوا تھا۔ جب دادو نے اسے آ کر یہ خوشخبری سنائی تھی۔

"سچ ۔۔۔۔ دادو ۔۔۔ کیا مومنہ مان گئی ۔۔۔؟" اسد کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں ۔۔۔۔ اور میں نے اسے انگوٹھی بھی پہنا دی ہے۔" دادو نے مسکرا کر بتایا۔

"دادو ۔۔۔۔ صرف انگوٹھی ۔۔۔۔؟" اسد نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں ۔۔۔ بھئی ۔۔۔ ہم باقاعدہ طور پر اپنی خاندانی روایات کے مطابق منگنی کریں گے۔ انشاءاللہ ۔۔۔" دادو نے مسکرا کر جواب دیا۔

"دادو ۔۔۔ آپ ان لوگوں کو ڈنر پر کب انوائیٹ کریں گی؟" اسد نے پر شوق انداز میں پوچھا۔

"آپ جو سوچ رہے ہیں ۔۔۔۔ وہ ممکن نہیں ۔۔۔۔ ہمارے ہاں لڑکیاں منگنی کے بعد نہیں ۔۔۔۔ شادی کے بعد ہی سسرال آتی ہیں۔" دادو نے مسکرا کر کہا۔

"دادو ۔۔۔۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔" اسد نے منہ بنا کر کہا۔

"مگر ہم تو نہیں بدلے نا۔" دادو نے ہنستے ہوئے کہا۔

"دادو ۔۔۔ آپ مومنہ کو موبائل تو گفٹ کریں گی نا ۔۔۔" اسد نے بے صبری سے پوچھا۔

"ہمارے ہاں ۔۔۔۔ بہوؤں کو ایسی فضول چیزیں نہیں دی جاتیں ۔۔۔۔" دادو نے پھر مسکراتے ہوئے کہا۔

"کم آن دادو ۔۔۔۔ اب اتنی ریجڈ مت بنیں ۔۔۔۔ کچھ تو نئے زمانے کے ساتھ چلیں ۔۔۔۔ آخر آپ بھی تو اسی زمانے کا حصہ ہیں نا۔" اسد نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ہاں ۔۔۔۔ جب دلہن یہاں آ جائیں گی تو سب کچھ استعمال کریں۔ جو چاہیں وہ کریں ہم کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کریں گے۔" دادو نے کہا۔

"تب تو میں خود اسے سب کچھ دے سکوں گا ۔۔۔۔ مجھے تو آپ کی ہیلپ کی اب ضرورت ہے۔" اسد نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا ان باتوں کو چھوڑیئے ۔۔۔۔ ایک اہم بات ہم آپ سے ڈسکس کرنا چاہتے ہیں۔" دادو نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا ۔۔۔؟" اسد نے حیرانگی سے پوچھا۔

"زکیہ بیگم ایک بیوہ عورت ہیں ۔۔۔۔ اور بہت مشکل سے انہوں نے بچیوں کو محنت مزدوری کر کے ان کی پرورش کی ہے اور انہیں تعلیم دلوائی ہے ۔۔۔۔ ہم نے ان کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات دیکھے ہیں ۔۔۔۔ اور ۔۔۔۔ وہ بار بار اپنی حیثیت کا ذکر کرتی ہیں ۔۔۔۔ ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے ۔۔۔۔ کہ ۔۔۔۔ وہ ہم سے ہمارے خاندانی وقار اور دولت کی وجہ سے یہ رشتہ کر کے مطمئن نہیں ۔۔۔۔" دادو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟" اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"بیٹا ۔۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ جب انسان اپنے سے زیادہ حیثیت کے لوگوں میں رشتے داری کرتا ہے تو وہ نفسیاتی طور پر ایک دباؤ میں آ جاتا

ہے۔۔۔۔۔ وہ ان سے مرعوب بھی ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ذکیہ بیگم بھی بہت مرعوب ہیں اور کچھ خوفزدہ بھی۔۔۔۔۔'' دادو نے اسے بتایا۔

''کیسی خوفزدہ۔۔۔۔۔؟'' اسد نے حیرانگی سے پوچھا۔

''شاید ذکیہ بیگم کو خوف ہے کہ اگر وہ ہم سے ہماری حیثیت کے مطابق نہیں ملیں گی۔۔۔ تو۔۔۔ یہ بات ان کی بیٹی کے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہ کر دے۔۔۔۔۔'' دادو نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''دادو۔۔۔۔۔ آپ نے انہیں بتایا کیوں نہیں کہ ہم ایسے لوگ نہیں'' اسد نے ملامت سے کہا۔

''بیٹا۔۔۔۔ وہ ہمیں اور ہمارے خاندان کو اچھی طرح جانتی ہیں۔۔۔ بتایا تو وہاں جاتا ہے۔۔۔۔ جہاں کسی کو کچھ خبر نہ ہو۔۔۔۔ ہمارا ماضی۔۔۔۔ اور ہمارا حال سب ان کے سامنے ہے۔'' دادو نے بتایا۔

''دادو جان۔۔۔۔۔ پھر آپ کیا چاہتی ہیں؟'' اسد نے پوچھا۔

''ہم سوچ رہے ہیں کہ ہم آپ کی شادی اور اس کی رسمیں بہت سادگی سے کریں۔۔۔ کسی کو اسقدر شدید نفسیاتی دباؤ سے نکالنے کا واحد حل یہی ہوتا ہے کہ انسان اس کے لیول پر آ کر بات کرے۔۔۔۔۔ اگر اپنی خاندانی روایات کے مطابق تقریبات کریں گے تو وہ ذہنی طور پر پریشان ہو جائیں گے۔۔۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے مالی حالات اچھے نہیں اور اللہ رسول کا حکم ہے کہ دوسروں کا بھرم رکھنے کی کوشش کی جائے۔۔۔۔ دوسروں کی تکلیف اور پریشانی کو کم کیا جائے'' دادو نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ دادو۔۔۔۔۔ آپ ان کو شادی پر کمبائنڈ فنکشن کے لیے فورس کریں۔۔۔۔۔ میں ساری حمایت کروں گا۔۔۔۔۔ اور آپ منگنی کی رسم بھی بہت مختصر کریں۔۔۔۔۔ کسی بھی رشتہ دار کو نہ لے کر جائیں۔۔۔۔۔ تا کہ ان پر بوجھ نہ ہو۔'' اسد نے بھی سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

''جیتے رہیے۔۔۔۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ اور آپ سے بھی یہی توقع کرتے ہیں کہ آپ ان کے مسائل کو سمجھیے۔۔۔۔۔ اور مستقبل میں کسی بھی بات پر۔۔۔۔۔ اعتراض نہ کریں۔۔۔ یہ بہت کم ظرفی کی بات ہوتی ہے کہ انسان دوسروں کے مسائل کو سمجھنے کے باوجود ان پر نقطہ چینی کرے۔ اس سے دوسروں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ ہمیں۔۔۔۔۔ مومنہ بیٹی کی صورت میں'' در نایاب'' مل رہا ہے۔۔۔۔۔ کیا یہ ہماری کم خوش نصیبی ہے۔''

دادو نے محبت اور نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''دادو۔۔۔۔۔ آپ میری طرف سے بے فکر رہیے۔۔۔۔۔ میں آپ کا بیٹا ہوں۔۔۔۔۔ اور آپ کو اپنے بیٹے پر اعتماد ہونا چاہیے۔'' اسد نے دادو کا ہاتھ محبت سے تھام کر کہا۔

''خوش رہیے۔۔۔۔۔ ہمیں آپ پر پورا اعتماد ہے۔۔۔۔۔ اللہ آپ کو بہت خوشیاں دے۔'' دادو نے دعا کی۔

''دادو۔۔۔۔۔ اب منگنی اور شادی کے درمیان زیادہ لمبا عرصہ نہیں ہونا چاہیے۔'' اسد نے شرماتے ہوئے کہا۔

''بیٹا۔۔۔۔ مومنہ بیٹی کے فائنل ایگزام ہونے والے ہیں۔۔۔۔۔ شادی اس کے بعد ہی ہو گی۔۔۔۔۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری خواہش کے لیے وہ اپنی اتنے سالوں کی محنت ضائع کر دے۔۔۔۔۔ بچیوں کو اپنی تعلیم مکمل کرنی چاہیے۔'' دادو نے کہا۔

"ہاں...... یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں......" اسد نے جواب دیا اور خاموش ہو گیا۔

"ہم اگلے ہفتے کو جا کر منگنی کی رسم کر آئیں گے۔" دادو نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

ڈرائیور کے ذریعے زکیہ آپا کو منگنی کی رسم کی اطلاع کر دی گئی تھی۔ اور سلوت آپا نے بھی پیغام بھیجا تھا کہ منگنی کرنے وہ اکیلی ہی آئیں گی اور ان کے ساتھ صرف ان کی دو ملازمائیں خیرن بوا اور ثروت ہوں گی۔ وہ بھی انہیں اس مقصد کے لیے ساتھ لے کر جا رہی تھیں کہ وہاں جا کر کام کاج کر سکیں۔

"زکیہ پریشان ہو گئی تھی، پرانے صندوق کھول کر دیکھے گئے تھے نہ کوئی ڈھنگ کا کپڑا نکلا تھا اور نہ ہی کوئی زیور۔۔۔ سوائے زکیہ آپا کی دو سونے کی چوڑیوں کے...... اور ان کو دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گئی تھی کہ وہ ان چوڑیوں کا کیا کرے...... سلوت آپا کو دیں...... مومنہ کو یا پھر اسد کو کچھ دیا دیں...... مومنہ اور مریم بھی ماں کی پریشانی کو جان کر بے چین تھیں...... زکیہ نے بہت سوچ کر ان چوڑیوں سے سلوت آپا اور اسد کے لیے۔" انگوٹھیاں خریدیں جو دیکھنے میں ہی بہت عام اور معمولی نظر آتی تھیں...... باقی سب کچھ کیسے ہوگا۔۔۔؟ یہ سوچ کر وہ سب پریشان تھیں۔

سلوت آپا مٹھائیوں اور پھلوں کو بڑے بڑے گول ٹرے میں سجا کر بڑے اہتمام سے لائیں۔ سونے کا بڑا سیٹ، کپڑے اور جوتوں کے ساتھ بڑے اعلیٰ اور نفیس سوٹ مومنہ، مریم اور زکیہ کے لیے بھی لے کر آئیں۔

مومنہ کو ایک لاکھ روپے نقد سلامی کے دیے۔ خیرن بوا اور ثروت تو یہ دیکھ کر حیران ہو رہی تھیں کہ سلوت آپا کو کیا سوجھی کہ اس گھر میں اپنے پوتے کا رشتہ طے کر دیا۔ جس کی ٹیکسٹائل مل کے علاوہ گارمنٹس کا بہت کامیاب بزنس تھا۔ جو خوبصورت بھی تھا اور خوب سیرت بھی۔ امیر بھی تھا اور بااخلاق بھی۔ کسی بھی شے کی اس میں کمی نہ تھی۔ اتنا خوبصورت، اور خاندانی لڑکا...... وہ مومنہ کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں۔ سلوت آپا مومنہ پر سے پیسے وار کر خیرن بوا اور ثروت کو پکڑا رہی تھیں۔ زکیہ ان کی رسمیں دیکھ کر پریشان ہو رہی تھیں۔ جو خود کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں تھی۔ زکیہ نے بہت مشکل سے قورمہ، پلاؤ اور زردہ بنایا تھا اور انہیں مجبوراً کھانا پڑا۔ زکیہ نے سلوت آپا کو ڈرتے ڈرتے انگوٹھی پہنانا چاہی تو انہوں نے بہت محبت سے انکار کر دیا اور انہیں تنہائی میں سمجھانے لگیں...... کہ ان کا یہ سب کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ اگر وہ یہ سب کچھ نہ کرتیں تو مومنہ کا دل بجھ جاتا۔ اس کے دل میں خواہش، حسرت بن جاتیں...... اور وہ یہ کبھی بھی ایسا نہیں چاہتیں...... مگر زکیہ کو وہ کوئی رسم اور کوئی خرچ نہیں کرنے دیں گی بلکہ شادی کا بھی سارا خرچ وہ دل کھول کر کریں گی۔ سلوت آپا نے انہیں اس غم سے آزاد کر دیا تھا کہ وہ نہ تو کوئی جہیز لیں گی اور نہ ہی زکیہ کو مومنہ کے لیے کسی بھی بات کے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت ہے...... زکیہ بے بسی سے رونے لگیں تو سلوت آپا نے اسے محبت سے اپنے گلے لگایا۔

"زکیہ جہاں رشتہ داری کی جاتی ہے...... وہ لوگ اپنے بن جاتے ہیں اور ان کی خوشیاں اور مسائل اپنے ہو جاتے ہیں...... ہم اور آپ اب کوئی جدا نہیں...... آپ کی عزت ہماری عزت ہے...... آپ کے مسئلے ہمارے مسئلے ہیں...... اس لیے ہمیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں...... ہم سب سمجھتے اور محسوس کرتے ہیں...... آپ کو کسی بھی قسم کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں...... بس مومنہ بیٹی کے امتحانات سے فارغ ہوتے ہی ان کی شادی کر دیں گے۔ انشاءاللہ۔" سلوت آپا نے محبت سے کہا تو زکیہ آپا مسکرا دیں۔ انہیں یوں محسوس ہونے لگا جیسے اللہ نے ان کے دل کا غم اور

پریشانیاں خود سطوت آپا کو سمجھا دی ہوں۔ زکیہ آپا کو تو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہ رہی تھی۔ اللہ نے ان کا کیسا بھرم رکھا تھا اور کس قدر باعزت طریقے سے سارا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ سطوت آپا نے رخصت ہوتے وقت مومنہ کو بہت پیار کیا مریم اور زکیہ کو اگلے روز کھانے پر دعوت دی۔ ان کے جانے کے بعد زکیہ آپا، مومنہ اور مریم بہت خوش تھیں۔ پورے گھر میں ہر طرف پھلوں، مٹھائیوں اور ڈرائی فروٹ کے ٹرے تھے۔ لاتعداد خوبصورت ملبوسات، زیورات، جوتے، چوڑیاں، کنگن پھول اور بے شمار چیزیں تھیں۔

"آپی..... آپ بہت خوش قسمت ہیں..... اللہ نے تو آپ کو چھپر پھاڑ کر دیا ہے۔ ایسی شادیاں تو فلموں اور کہانیوں میں ہوتی ہیں....." مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو خود بھی یقین نہیں آ رہا..... کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا کرم کیا ہے۔" مومنہ نے شکرانہ انداز میں کہا۔

"امی..... پچھلے دنوں کس قدر پریشان رہتی ہیں..... میں تو ان کو دیکھ دیکھ کر پریشان ہوتی رہی۔" مریم نے فکرمندی سے کہا۔

"مریم..... میں بھی ان کی پریشانی کو سمجھتی تھی..... ظاہر ہے ہر ماں کی کچھ نہ کچھ خواہشات ہوتی ہیں..... اور ہمارے حالات..... تو ہمیں ہی معلوم ہیں نا..... میں دن رات اللہ سے یہی دعائیں کرتی رہی کہ ہماری غیب سے مدد کرے اور ہماری عزت رکھ لے۔ اور شکر ہے اس نے ہماری عزت رکھ لی۔" مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں..... اللہ کا شکر ہے ورنہ ہمیں بھی دو رسم کے لیے بلاتیں تو امی کہاں سے خرچ کرتیں۔" مریم نے فکرمندی سے جواب دیا۔ زکیہ آپا نے بھی رات کو شکرانے کے نفل پڑھ کر اللہ کے حضور اپنی عزت کا بھرم رکھنے پر بہت شکریہ ادا کیا اور آنسوؤں کے نذرانے پیش کیے۔

"اگلے روز ڈرائیور مریم اور زکیہ کو لینے کے لیے آ گیا..... سطوت آپا نے خود ان کا بھرپور استقبال کیا۔ مریم تو اتنا بڑا اور خوبصورت گھر دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ گھر کی نفاست، ڈیکوریشن، فرنیچر اور ہر ہر شے کو وہ حیرت اور پرستائش نگاہوں سے دیکھ رہی تھی..... سطوت آپا بہت خوشی اور محبت کا اظہار کر رہی تھیں۔ کھانے کی ٹیبل پر انواع و اقسام کے کھانے چنے گئے تھے۔ اس قدر نفیس اور قیمتی کراکری اور کٹلری تھی کہ مریم ان کو دیکھتی رہ گئی۔ کھانے پر اسد کو بھی بلایا گیا۔ اسد نے انتہائی قیمتی بلیو پینٹ کے ساتھ سکائی بلیو شرٹ اور نفیس بلیو پرفیوم کی خوشبو لگا رکھی تھی۔ مریم اسے دیکھ کر بہت متاثر ہوئی۔ مریم نے بلیو اور پنک کومبینیشن میں اسٹائلش کڑھائی والا سوٹ پہن رکھا تھا اور بہت سلیقے سے دوپٹہ اوڑھا تھا۔ مریم بھی دراز قد، سمارٹ اور خوبصورت تھی مگر مومنہ کے چہرے پر بہت معصومیت اور کشش تھی۔ مریم انکھیوں سے اسد کی جانب دیکھتی تو وہ مسکرا دیتا اور وہ جھینپ جاتی۔ مریم اس سے باتیں کرنا چاہتی تھی مگر پہلی ملاقات تھی اس لیے کچھ شرما رہی تھی۔ اسد اس سے گاہے بگاہے اس کی اسٹڈیز کے بارے میں مختلف سوالات کرتا رہا اور وہ اس کی باتوں کا جواب دے کر خاموش ہو جاتی۔ وہ اسد کی پرسنالٹی سے لے کر اس کی گفتگو مینرز اور tastes تک ہر بات سے متاثر ہو رہی تھی اور مومنہ کے ساتھ اس کا موازنہ کر رہی تھی..... مومنہ بھی زیادہ گفتگو نہیں کرتی تھی۔ وہ اس کی طرح کم گو تھی..... مگر دونوں کی پرسنالٹیز میں چارم تھا اور دونوں دیکھنے والوں کو بہت متاثر کرتے تھے۔ مریم کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اللہ نے مومنہ اور اسد کو ایک دوسرے کے لیے ہی بنایا ہو....." اسد زکیہ سے بھی بہت مؤدبانہ انداز میں باتیں کرتا رہا۔ کھانا کھانے کے بعد سب تھوڑی دیر ڈرائنگ روم میں بیٹھے اور چائے پینے کے بعد زکیہ آپا نے

اجازت چاہی۔ شوکت آپا نے مریم اور زکیہ کو بہت سے تحائف دے کر رخصت کیا۔"

شام ہو رہی تھی جب دونوں گھر پہنچیں۔ مومنہ شدت سے ان کی آمد کی منتظر تھی۔ دونوں کے خوش چہرے دیکھ کر مومنہ مطمئن ہو گئی۔ وہ مریم کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھتی رہی کہ اسے وہ کب کوئی بات اسد کے بارے میں بتاتی ہے مگر وہ مریم بھی اس کو تنگ کرنے کے موڈ میں تھی۔ رات تک مومنہ اس کے آگے پیچھے پھرتی رہی اور وہ مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی رہی مگر جب بھی اسد کا ذکر آتا وہ بات کا رخ بدل دیتی اور مومنہ جھنجھلانے لگتی۔

مومنہ کا بھی موڈ آف ہو گیا تھا اور وہ اپنی کتابیں لے کر پڑھنے بیٹھ گئی۔ جب وہ پڑھنے میں بہت محو تھی تب مریم اس کے پاس آئی۔

"آپی..... کیا آپ اسد بھائی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھیں گی؟" مریم نے شرارتی لہجے میں مسکرا کر کہا۔

"نہیں....." مومنہ دو ٹوک لہجے میں بولی۔

"ہاں..... بھئی آپ مطمئن جو ہیں..... اسد بھائی سے مل چکی ہیں..... انہیں دیکھ چکی ہیں اور اب مزید جاننے کی ضرورت بھی کیا ہے؟" مریم مسکراتے ہوئے بولی۔

"مجھے چھوڑو..... تم بتاؤ..... تمہیں کیسے لگے؟" مومنہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"انہیں دیکھ کر آپ پر بہت رشک آیا..... آپی..... اللہ واقعی آپ کو بہت نواز رہا ہے..... ہر طرح سے..... خدا آپ دونوں کو نظر بد سے بچائے۔" مریم نے فرط جذبات سے لبریز آواز کے ساتھ کہا تو مومنہ مسکرا دی۔

☆

علینہ اسد سے ملنے کے بعد اور زیادہ اپ سیٹ ہو گئی تھی۔ وہ بری طرح اس کی محبت میں گرفتار ہو چکی تھی۔ وہ اسے اپنے تمام ساتھ ہوائے فرینڈز سے مختلف لگا تھا وہ سلجھا ہوا، مہذب اور شائستہ انسان تھا۔ وہ لڑکیوں سے باتیں کرتا ہوا lusty ہوا دکھائی نہیں دیتا تھا بلکہ بہت باعزت طریقے سے باتیں کرتا تھا۔ اس میں وہ سب کچھ تھا جو علینہ ایک مرد میں دیکھنا چاہتی تھی اور اسد اس کی سوچوں کے مطابق تھا۔ وہ اسد سے محبت کرنے لگی تھی مگر اسد نے اسے ایسی نظروں سے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا..... وہ اس کے حسن، اسٹائل اور ڈریسنگ سے ایک بار بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔ وہ نگین سے بھی اسی لہجے میں باتیں کرتا تھا جس طرح علینہ سے کرتا تھا۔ علینہ نے اسے وزٹ کرنے کے بعد کئی ایک بار فون بھی کیا تھا مگر وہ ضروری بات کرنے کے بعد فون بند کر دیتا..... وہ فون بند کرتا تو علینہ کی بے تابیاں اور بڑھنے لگتیں۔ وہ اس شخص کو کیسے اپنا اسیر بنائے..... کس طرح اس پر ظاہر کرے کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے..... کس طرح اس سے اپنے دل کی باتیں کہے۔ نگین نے اس کے لیے بہت کوشش کی تھی۔ باتوں باتوں میں اسد کو علینہ کے جذبات اور اس کی محبت کے بارے میں بتانے کی کوشش کی تھی مگر وہ ان باتوں کو چھوڑ کر دوسری باتیں کرنا شروع کر دیتا..... علینہ کو شدید ڈپریشن ہونے لگا تھا۔ وہ اب ہر روز نگین کی طرف جانے لگی تھی۔ یونیورسٹی سے واپسی پر وہ اکثر نگین کے ساتھ اس کے گھر چلی جاتی۔ دونوں بیٹھ کر اسد کو ڈسکس کرتے ہوئے کبھی ڈرنک کرتیں..... کبھی سموکنگ..... نگین کے گھر پر ملازموں کے علاوہ کوئی نہ ہوتا تھا جو ان پر اعتراض کرتا۔ اس کی مما این جی

اوکی میٹنگز، کانفرنسز اور مختلف پراجیکٹس میں مصروف رہتیں اور رات گئے گھر لوٹتیں۔ ڈیڈی کی جب سے پرموشن ہوئی تھی۔ وہ دوسرے شہر شفٹ کر گئے تھے اور ویک اینڈ پہ گھر آتے...... اس کا بڑا بھائی امریکہ جا چکا تھا۔ گھر پہ تگین کے علاوہ اور کوئی نہ ہوتا تھا اور علینہ کو بھی اس کے گھر بہت سکون ملتا یہاں ممّا کی گھورتی آنکھیں اور سننے کو طعنے نہیں تھے۔۔۔ وہ دونوں جب اکتا جاتیں تو لنچ کرنے باہر چلی جاتیں اور کئی کئی گھنٹے سڑکوں پر یونہی بے مقصد ڈرائیو کرتی رہتیں۔

اسد کو علینہ نے پھر فون کیا تھا...... جب وہ تگین کے بیڈروم میں کاؤچ پر لیٹی سموکنگ کر رہی تھی۔ تگین اس کے لیے اور اپنے لیے شیمپین کی بوتل اور گلاس لے کر آئی تھی۔ اسد نے اس کی کال ریجیکٹ کر دی تھی اور علینہ اس کی اس حرکت سے بہت ہرٹ ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"کیا ہوا......؟" تگین نے شیمپین کا پیگ بنا کر اس میں آئس ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"ریجیکٹڈ......" اس نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"وہ بزی ہوگا......" تگین نے پیگ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہر۔۔۔ بار۔۔۔" علینہ نے کپکپاتے ہونٹوں اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ڈونٹ وری۔۔۔ آج میں اس سے بات کرتی ہوں۔" تگین نے کہا اور اپنے سیل سے اس کا نمبر ملایا۔

"ہیلو تگین۔۔۔ ہاؤ آر یو؟" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اسد...... آپ کیسے ہیں؟" تگین نے خوش کن لہجے میں پوچھا۔

"ڈن...... " وہ مسکرا کر بولا۔

"اسد...... یو نو...... علینہ لوز (loves) یو سو مچ۔" تگین نے ایکدم بغیر کسی سیاق وسباق کے کہہ دیا۔

"وہاٹ؟ اس نے چونکتے ہوئے جواب دیا۔

"یس...... شی میڈلی لوز یو۔" وہ (پاگلوں کی طرح تم سے محبت کرتی ہے) تگین نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

"شی از کریزی۔" اسد نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"یس...... شی از کریزی فار یو۔" تگین نے کہا۔

"لسن...... تگین...... ناؤ آئی ایم انگیجڈ (سنو...... تگین اب میری منگنی ہوگئی ہے) اسد نے واضح الفاظ میں اسے بتایا۔

"انگیجڈ......؟ وہاٹ؟" تگین نے قدرے چلاتے ہوئے کہا۔

"یس......" اسد نے پرسکون لہجے میں بتایا اور تگین نے کال آف کر دی۔

"علینہ نے اس کی بات سن لی تھی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"وہ اس قدر شدت سے رو رہی تھی کہ تگین پریشان ہوگئی اور اس نے اس کے گلاس میں اور شیمپین ڈالی جو اس نے دوبارہ پی لی۔

"پلیز.....علیہ......ڈونٹ لوز یور ہارٹ۔" تمکین نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"تمکین......آئی ایم ایمپٹی لائک دس باٹل (میں اس بوتل کی طرح خالی ہوگئی ہوں) علیہ نے شیمپین کی خالی بوتل کو پکڑ کر روتے ہوئے کہا۔

"ایوری تھنگ ول بی فائن (ہر چیز ٹھیک ہو جائے گی) تمکین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے کہا تو علیہ اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔

"نو......نیور......ناٹ ان مائی کیس (نہیں......کبھی بھی نہیں......میرے کیس میں ایسا نہیں ہوگا) علیہ نے جواب دیا۔

"کیوں......؟" تمکین نے حیرت سے پوچھا۔

"آئی ایم دی ان لکیسٹ پرسن آف دس ورلڈ (میں اس دنیا کی سب سے بدقسمت انسان ہوں) علیہ نے سسکتے ہوئے جواب دیا۔

"ڈونٹ تھنک لائک دس (اس طرح مت سوچو)" تمکین نے کہا

"تمکین......آئی ایم......" علیہ نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"نو......علیہ......یو آر ناٹ" تمکین نے پھر کہا۔

"آئی ایم" علیہ پھر چلائی۔

"نو......علیہ......نو" تمکین نے پھر کہا۔

"آئی ایم......آئی ایم......آئی ایم" علیہ بے قابو ہونے لگی اور اونچی آواز میں چلانے لگی۔ نشے نے اس کو بدحواس اور بے قابو کر دیا تھا۔ وہ زور زور سے چلاتی ہوئی صوفے پر گر گئی تمکین کو بھی نشہ ہو گیا تھا مگر اس نے نہ تو اتنی پی تھی اور نہ ہی وہ اس قدر مدہوش ہوئی تھی۔ وہ علیہ کی طرف دیکھتی رہی اور اسد کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے......اور وہ مضطرب ہو کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

شاکر علی کو ایئرپورٹ سے گھر آئے دو گھنٹے گزر گئے تھے مگر علیہ کی کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے......؟ انہوں نے اس کے موبائل پر کئی بار نمبر ملایا مگر اس کا موبائل آف تھا۔ وہ بہت فکرمند ہو رہے تھے۔

"ندرت......کیا علیہ روز اسی طرح گھر سے باہر رہتی ہے......رات کے نو بج رہے ہیں اور وہ یونیورسٹی سے واپس نہیں آئی۔ کیا اس سے کچھ بھی نہیں پوچھتیں؟" شاکر علی نے حیرانگی سے بیوی سے پوچھا۔

"پوچھا کرتی تھی......مگر جب سے آپ نے منع کیا ہے......میں نے اس سے بات کرنا چھوڑ دیا ہے......شاکر......وہ بہت زیادہ خراب ہو چکی ہے......اس میں اور کسی آوارہ لڑکی میں کوئی فرق نہیں رہا۔" ندرت نے انتہائی غصے میں اس کے بارے میں بتایا

"ندرت......میں اسے تمہارے حوالے کر کے گیا تھا......وہ تمہاری ذمہ داری تھی۔" شاکر علی نے بے بسی سے جواب دیا۔

"وہ مجھے کچھ سمجھے تو پھر ہے نا......" ندرت نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"تم اس کی ماں ہو......" شاکر علی نے کہا۔

"ہاں......مگر......سوتیلی" ندرت نے تلخی سے جواب دیا۔

"یہ بات اس کے ذہن میں کس نے ڈالی؟ شاکر علی نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ خود ہی بہت سمجھدار ہے..... کسی کو اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں..... شاکر..... آپ کو اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہو گا..... ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔" ندرت نے کہا۔

"مگر..... وہ گھر تو آئے..... وہ کہاں جاتی ہے؟ شاکر علی نے فکر مندی سے پوچھا۔

"اپنی کسی بگڑی ہوئی دوست کے گھر جاتی ہے..... اور وہیں بیٹھ کر دونوں شراب بھی پیتی ہیں اور شاکر اس کے پرس میں، میں نے سگریٹ بھی دیکھے ہیں..... اس کی وارڈروب میں شراب کی بوتلیں بھی ہوتی ہیں۔" ندرت نے غصے سے بتایا۔

"کیا تمہارے پاس اس کا ایڈریس یا فون نمبر ہے؟ شاکر علی نے پوچھا۔

"نہیں..... اور..... شاکر میں آپ کو کیا بتاؤں کہ اردگرد کے لوگ علیزہ کے بارے میں کیسی کیسی باتیں کرنے لگے ہیں..... سچ مجھے تو اسقدر شرمندگی ہوتی رہتی ہے..... کیا کیا بتاؤں..... باتیں سن کر میرا تو بی پی ہر وقت ہائی رہتا ہے۔" ندرت نے ٹالتی لہجے میں کہا۔

"میں تو مطمئن تھا کہ وہ یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے..... تم اس کے پاس ہو..... مگر..... یہ سب کیسے ہو گیا؟ شاکر علی نے انتہائی پریشانی اور دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

گیٹ پر باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ ندرت بیگم نے چونکتے ہوئے بتایا۔" وہ آ گئی ہے....."

لاؤنج کا دروازہ کھلا اور علیزہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے انتہائی بیہودہ لباس پہن رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور وہ قدرے لڑکھڑاتے قدموں سے شاکر علی کی جانب بڑھی۔

"ہائے..... پاپا..... آپ کب آئے؟" وہ شاکر علی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"بہت دیر سے میں..... تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" شاکر علی نے آہ بھر کر نم آنکھوں کے ساتھ کہتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ اسے اس کے منہ سے شراب کی بو محسوس ہوئی۔ شاکر علی کے دل پر گہری چوٹ لگی۔ اس نے بمشکل اپنے آپ پر قابو پایا۔

"کیسی ہو.....؟ شاکر علی نے آہ بھرتے ہوئے پوچھا۔

"نہ اچھی..... نہ بری۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔ ندرت بیگم نے غصے سے ان کی جانب دیکھا اور پھر شاکر علی کی طرف..... شاکر علی نے شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔

"اب میں آ گیا ہوں..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" شاکر علی نے اسے اپنے قریب صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"پاپا..... آپ کے آنے سے بھی کچھ فرق نہیں پڑے گا..... نہ لوگ کسی کے آنے سے بدلتے ہیں اور نہ حالات۔" اس نے ندرت بیگم کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"آئی ایم ہوپ فل۔" شاکر علی نے محبت سے اس کے بالوں کو سنوارتے ہوئے کہا۔

"بٹ آئی ایم ناٹ" اس نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے جواب دیا۔ تو شاکر علی نے گہری سانس لی۔

"آئی ایم ٹائرڈ (میں تھک گئی ہوں)" اور وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شاکر علی سر تھام کر بیٹھ گئے...... انہوں نے اس کے بارے میں جو کچھ سنا تھا۔ اس پر یقین نہیں کیا تھا۔ وہ یہی توقع کر رہے تھے کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا...... وہ اس حد تک کبھی بھی نہیں بگڑ سکتی اور اب انہوں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اور جو کچھ دیکھا تھا...... اس پر یقین کرنے کی توقع کر رہے تھے...... شاکر علی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئے۔

"آپ ہمت کریں اور اس کی جلد از جلد شادی کا بندوبست کریں۔ ورنہ ہمارے بیٹے اظفر پر اس کا بہت برا اثر پڑے گا...... علی نے بھی ایسے ہی گل کھلائے تھے...... اور اب علینہ بھی اسی کی ڈگر پر چل رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اظفر بھی......" ندرت نے فکرمندی سے کہا تو شاکر علی اور پریشان ہو گئے۔

"کیا کروں...... کیا کسی میرج بیورو سے رابطہ کروں...... یا تم کسی رشتے والی سے بات کرو۔ تاکہ چند دنوں کے اندر یہ شادی ہو جائے۔" شاکر علی نے فکرمندی سے کہا۔

"شاکر...... آپ کے بڑے بھائی کا بیٹا بھی تو ڈاکٹر ہے۔ آپ ان سے بات کیوں نہیں کرتے؟" ندرت بیگم نے کہا۔

"کس سے...... ؟ ناظر بھائی سے......" شاکر علی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں......"

"مگر جب سے جائیداد کی وجہ سے ہم دونوں میں جھگڑا ہوا ہے...... دوبارہ ملنا تو کیا ایک دوسرے کی خبر نہیں لی۔ پندرہ سال تو ہو گئے ہیں ہمیں جدا ہوئے...... اگر مسئلہ کورٹ میں نہ گیا ہوتا تو شاید ملنے کی صورت پیدا ہو سکتی تھی۔" شاکر علی نے افسردگی سے کہا۔

"شاکر...... اپنوں میں قتل بھی ہو جائیں تو زندگی میں پھر بھی ملنے کی امید ہوتی ہے...... سنا ہے ناظر بھائی کا بیٹا بڑا لائق ڈاکٹر ہے...... آپ بڑی آپا سے بات کریں اور وہ صلح کرانے کی کوشش کریں کیونکہ ناظر بھائی اپنے ہیں...... علینہ کسی غیر جگہ بیاہی گئی تو اس کی حرکتوں کی وجہ سے اگلے ہی دن اس کو طلاق ہو جائے گی۔ ناظر بھائی ہوں گے تو طلاق دیتے ہوئے سوچیں گے ضرور۔" ندرت بیگم نے کہا تو شاکر علی خاموش ہو گئے۔ ندرت بیگم کی بات میں وزن تھا۔

"میں کل ہی سیما آپا کی طرف جاتا ہوں...... لیکن تم بھی اپنی کوششیں جاری رکھو...... اگر ناظر بھائی انکار کرتے ہیں تو ہمارے پاس کوئی اور آپشن تو ہونی چاہیے۔" شاکر علی نے فکرمندی سے کہا۔

"ہاں...... ٹھیک ہے...... میں ایک دو عورتوں سے رابطہ کرتی ہوں۔" ندرت بیگم نے کہا۔

ندرت بیگم اپنی طرف سے شاکر علی کو بہت دانشمند مشورہ دے رہی تھیں مگر حقیقت میں وہ بڑی گہری چال چل رہی تھیں۔ اپنی بڑی بہن نزہت کی وفات کے بعد جب ان کی شادی شاکر علی سے ہوئی تو پورے خاندان میں ندرت کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا کہ نزہت کی زندگی میں ہی اس نے

شاکر علی پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیے تھے اور نزہت نے اس بات کا اتنا شدید ذہنی اثر لیا تھا کہ اس کو برین ہیمبرج ہو گیا اور جیسے ہی ندرت اور شاکر علی کی شادی ہو گئی تو شاکر علی کے خاندان والوں نے ندرت کا بائیکاٹ کر دیا۔ خاص طور پر ناظر علی اور اس کی بیوی کشور اس بات پر پیش پیش تھے...... ندرت کو ان کے رویے سے سخت ذہنی اذیت محسوس ہوئی اور اس نے جان بوجھ کر جائیداد کا مسئلہ اٹھا لیا...... شاکر علی کو اتنا اکسایا کہ مسئلہ کورٹ میں چلا گیا۔ دونوں بھائیوں کا اکٹھا کاروبار تھا۔ زرعی زمینیں اکٹھی تھیں۔ ناظر علی انہیں بانٹنا نہیں چاہتے تھے مگر شاکر علی نے ندرت کے کہنے میں آ کر انہیں ہتک آمیز انداز میں کورٹ کے ذریعے نوٹس بھجوا دیا اور بالآخر جائیداد تقسیم ہو گئی...... مگر دونوں بھائی ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے...... تینوں بہنوں نے بھی ناظر علی کا ساتھ دیا۔ ان میں سے پھر کوئی بھی شاکر علی اور ندرت سے نہ ملا...... شاکر علی جائیداد بیچ کر امریکہ چلے گئے اور وہ سارے خاندان سے کٹ گئے پچھلی بار بڑی آپا خود بھائی کی محبت میں بے قرار ہو کر ان سے ملنے آئیں تھیں اور اب ندرت جان بوجھ کر علیزہ کا رشتہ ناظر علی کے ہاں کروا کر کشور سے بہت سے بدلے لینا چاہتی تھی...... اور اس نے یہ بہت پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ وہ پہلے اپنی کوششوں سے خاندان کو ملائے گی۔ پھر ان میں ہمیشہ کے لیے جدائی ڈلوا دے گی۔ شاکر علی کا دل ندرت کی طرف سے مطمئن ہو گیا تھا کہ وہ اس کے لیے اور اس کے اولاد کے لیے کتنا بہتر سوچتی ہے۔

علیزہ اگلے روز سہ پہر کو بیدار ہوئی۔ اس کا سر بوجھل ہو رہا تھا اور سر میں شدید درد ہو رہی تھی۔ جسم میں اتنی تھکاوٹ اور مزاج میں اس قدر بیزاری تھی کہ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ پوری بوتل شراب کی پی کر پھر سو جائے...... شراب کے نشے سے اسے ایسا سرور ملتا تھا کہ وہ زندگی کی ساری تلخیاں بھولنے لگتی تھی۔ جب سے وہ ہوش میں آئی تھی اس کا سر پھٹ رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی لہولہان ہو رہا تھا۔ اسے اسد کے چھن جانے کا شدید قلق محسوس ہو رہا تھا...... اس نے اس کی محبت کو ایک بار بھی اس قابل نہ سمجھا تھا کہ اپنی ذرا سی نظر کرم اس پر کرتا۔ وہ اس کے لیے کتنے نازک جذبات رکھتی تھی اور اس نے نہ تو اسے اس قابل سمجھا تھا اور نہ اس کی محبت کو...... کہ وہ ایک بار اس سے اس موضوع پر بات کرتا...... اسے اپنی شدید ذلت محسوس ہوئی تھی جب تہمینہ نے کئی بار اسد کو اس کی محبت کے بارے میں احساس دلایا تھا۔ اپنے آپ کو اتنا نیچے گرا کر بھی اسے کچھ حاصل نہ ہوا تھا۔ وہ شدت سے رو رہی تھی اور رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئیں تھیں۔ شام ہو رہی تھی جب وہ کمرے سے باہر نکلی۔ گھر میں سناٹا سا چھایا تھا۔ شاید گھر پر کوئی بھی نہیں تھا...... اس نے کچن میں جھانکا تو عذرا کھانا بنانے میں مصروف تھی۔

"پاپا کہاں ہیں......؟" علیزہ نے پوچھا۔

"کہیں باہر گئے ہیں......" عذرا نے جواب دیا۔

"اور...... مما......؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ بھی ساتھ گئی ہیں۔" عذرا نے جواب دیا۔

"اور...... اظفر؟" علیزہ نے پوچھا۔

"وہ اپنے دوستوں کے ساتھ باہر کھیلنے گیا ہے۔" عذرا نے کہا۔

"مجھے ناشتہ بنا دو۔" علیزہ نے کہا تو عذرا نے انتہائی حیرت سے اس کی جانب سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا۔

"جی...... اچھا" اس نے کہا اور چائے بنانے لگی۔

وہ سارے گھر میں گھومنے لگی۔ اسے عجیب سی سرشاری اور آزادی کا احساس ہو رہا تھا...... آج مما گھر پر نہیں تھی اور اسے یہ گھر اپنا سا محسوس ہو رہا تھا...... مما نے اس گھر کو اس کے لیے کتنا ناقابل برداشت بنا دیا تھا۔ یہ گھر جنت نہیں...... اس کے لیے جہنم بن گیا تھا...... جہاں ہر وقت مما کی طنزو تلخ باتیں...... ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ...... اس کا تو ایک ایک لمحہ اس گھر میں اذیت سے پُر تھا۔

"بی بی جی...... ناشتہ تیار ہے۔" عذرا نے ناشتہ ٹیبل پر لگاتے ہوئے کہا۔

علینہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر ناشتہ کر رہی تھی۔ اس کا موڈ قدرے خوشگوار ہو رہا تھا...... اس نے عذرا کو کہا کہ وہ اونچی آواز میں میوزک لگا دے۔ عذرا نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور میوزک لگا دیا۔ علینہ ناشتہ کرتے ہوئے جھومنے لگی۔ عذرا کچن میں مصروف ہو گئی اور وہ ناشتہ کرنے کے بعد دوبارہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

"مما...... آئی ایم آل الون (مما...... میں بالکل تنہا ہوں) دِس ہاؤس از امپٹی (یہ گھر خالی ہے) آئی ایم امپٹی (میں خالی ہوں) مائی لائف از امپٹی (میری زندگی خالی ہے) ایوری تھنگ از امپٹی (ہر چیز خالی ہے)" وہ بڑبڑاتی رہی اور سسکتی رہی۔

☆

سیما آپا...... شاکر علی اور ندرت کی اچانک آمد سے بے حد خوش ہوئیں تھیں...... سیما آپا بہن بھائیوں میں سب سے بڑی اور انتہائی عمر رسیدہ تھیں...... ان کی اولاد کی اولادیں بھی جوان ہو چکی تھیں اور وہ زیادہ تر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتیں۔ موٹاپے اور گھٹنوں کی درد کی وجہ سے بمشکل ایک جگہ سے دوسری جگہ تک جا سکتی تھیں اور عمر کے اس حصے میں انہیں بہن بھائیوں کی آپس میں جدائی کا بہت دکھ رہتا تھا۔ ناظر علی انہیں ماں کی طرح سمجھتا تھا۔ دوسری بہنیں بھی ان کی بہت عزت کرتیں تھیں مگر شاکر علی کی وجہ سے ہر وقت پریشان رہتیں۔ شاکر علی نے نہ کبھی انہیں فون کیا نہ حال پوچھا اور ندرت تو ویسے ہی سب سے کٹ کر رہنا چاہتی تھی۔ اس لیے اسے ان سے نہ ملنے کا کوئی افسوس نہیں تھا۔

سیما آپا انہیں دیکھ کر اسقدر خوش ہوئیں کہ ان کی آنکھوں سے خوشی کے مارے آنسو نہ تھم رہے تھے۔ وہ بار بار بھائی کے چہرے پر محبت سے ہاتھ پھیرتیں...... کافی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں...... اور وہ ہر بات میں کسی نہ کسی طرح نزہت کا ذکر کرتیں...... نزہت نے سسرال کی بہت عزت اور خدمت کی تھی اور سب اس سے بہت خوش تھے۔ نزہت کے بار بار تذکرے پر ندرت کے چہرے کے تاثرات بگڑ جاتے وہ بمشکل اپنے آپ کو بہت مشکل سے نارمل کرتی۔

"شاکر علی...... اس بار تم کتنے عرصے بعد آئے ہو؟ سیما آپا نے پوچھا۔

"سات سال بعد......" شاکر علی نے جواب دیا۔

"شکر ہے...... تم آ گئے...... میں دن رات تمہیں یاد کرتی رہتی ہوں اللہ سے یہی دعا کرتی تھی کہ بس ایک بار تم سے ملاقات ہو جائے۔ سیما آپا نے کہا۔

"ہاں...... بس اچانک ہی آنا پڑا...... علی تو امریکہ میں سیٹ ہو گیا ہے اب علیزہ کی شادی کے سلسلے میں آیا ہوں......" شاکر علی نے بات چھیڑی۔

"ماشاءاللہ اب تو جوان ہو گئی ہوگی...... کہیں رشتہ پکا کر دیا ہے یا پھر ابھی ڈھونڈ رہے ہو؟ سیما آپا نے پوچھا۔

"ہاں...... بس دیکھ رہا ہوں...... ایک دو فیملیز سے بات چل رہی ہے۔ شاکر علی نے جان بوجھ کر کہا۔

"اچھا...... اللہ پاک بچی کے نصیب اچھے کرے۔" سیما آپا نے دعا دی اور پھر خاموش ہو گئیں۔ شاکر علی نے ندرت کی طرف دیکھا۔

"خاندان میں بھی دیکھ رہے ہیں...... اگر اپنوں میں کوئی اچھا رشتہ مل جائے تو باہر جانے کی کیا ضرورت ہے؟" ندرت نے جلدی سے کہا۔

"ہاں...... یہ تو ہے...... ہمارے زمانے میں تو اپنوں میں ہی رشتے داریاں کرتے تھے۔ کبھی کبھار غیروں کے بارے میں سوچا جاتا تھا...... مگر آج کل خون ہی سفید ہو گئے ہیں...... اپنوں میں رشتے ہوتے ہوئے بھی لوگ غیروں کو بہتر سمجھتے ہیں...... قیامت کی نشانیاں ہیں۔" آپا نے جواب دیا اور پھر خاموش ہو گئیں۔ شاکر علی کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح ناظر بھائی کا ذکر کرے جنہیں انہوں نے کورٹ میں گھسیٹ کر رسوا کیا تھا...... اس بھائی نے محبت کا بدلہ انہیں کس طرح بے عزت کر کے دیا تھا۔

"آپا...... اگر آپ کی نظر میں...... اپنوں میں کوئی رشتہ ہو تو ضرور بتایئے گا۔" ندرت نے کہا۔

"ہاں...... میں بھی دیکھوں گی۔" سیما آپا نے جواب دیا۔

"آپا...... جمیلہ آپا اور صدیقہ آپا کا کیا حال ہے؟ شاکر علی نے بمشکل پوچھا۔

"ٹھیک ہیں...... اپنے اپنے گھروں میں خوش باش ہیں...... ناظر علی پچھلے دنوں آیا تھا...... بتا رہا تھا کہ صدیقہ کی چھوٹی بیٹی امریکہ پڑھنے جا رہی ہے...... ڈاکٹر بن گئی ہے...... حکومت اسے پڑھنے بھیج رہی ہے۔" سیما آپا نے اسے بتایا۔

"ماشاءاللہ...... کون...... ثانیہ؟ شاکر علی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں...... ماشاءاللہ اس کی دونوں بیٹیاں اور بیٹے بہت لائق ہیں...... ہمارے خاندان پر اللہ کا بہت کرم ہے...... سب بہن بھائیوں کے بچے بہت لائق فائق ہیں...... ناظر کا بیٹا...... اللہ اسے زندگی دے...... اس قدر قابل بچہ ہے...... ڈاکٹری میں بڑا نام ہے۔ بڑی شہرت ہے اور اتنا سعادتمند بچہ کہ اللہ سب کو ایسی اولاد دے...... جمیلہ کے بیٹے انجینئر اور ایک فوج میں میجر ہے۔ شکر ہے پروردگار کا...... اللہ پاک نے ہمارے بچوں کو بڑی عزت دی ہے۔" سیما آپا نے کہا۔

"ماشاءاللہ......" شاکر علی نے آہستہ آواز میں کہا اور اس کا دل اس وقت کس قدر ٹوٹ رہا تھا۔ جب وہ علیزہ کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ "اور میری اولاد...... کے بارے میں جب سب کو معلوم ہوگا کہ...... تو کس قدر بے عزتی ہوگی؟ سب میں میری بیٹی ہی ایسی آوارہ نکلی ہے......" شاکر علی کا دل کٹنے لگے۔

"بھیا...... یہ تو ماں باپ کی تربیت ہوتی ہے...... ان کی محنت اور اللہ کا کرم ہوتا ہے جو نیک اور لائق اولاد کی صورت میں ملتا ہے......

ہمارے ماں باپ پڑھے لکھے تھے اور انہوں نے ہماری اچھی تربیت کی اور ہم نے اپنے والدین کی سکھائی باتوں کو اپنی اولادوں کے دلوں اور ذہنوں میں ڈالا اور پروردگار نے ہم پر کرم کر دیا......" سیما آپا نے کہا تو ندرت نظریں چرانے لگی کیونکہ ندرت کو تعلیم یافتہ تھی ظاہری طور پر مذہبی اور بد مزاج و جھگڑالو طبیعت کی تھی۔ پورا خاندان جانتا تھا کہ ندرت کی وفات کے بعد اس نے علیزہ اور علی پر کتنی سختیاں کیں تھیں۔ شاکر علی تو اس کے ہاتھوں میں بالکل کٹھ پتلی بن گیا تھا۔ سیما آپا اور ناظر علی کی بیوی کشور سب ندرت سے اس کی محاذ آرائیوں کی وجہ سے خائف رہتے تھے مگر ندرت کسی کو اس قابل نہ سمجھتی تھی کہ ان کی کوئی بات سنتی۔ ندرت نے نہ تو کسی کی عزت کی تھی اور نہ ہی وہ اپنے سوا کسی کو عزت کے قابل سمجھتی تھی۔ مگر وقت نے آہستہ آہستہ اسے دکھا دیا کہ پورے خاندان میں کوئی بھی اس کی عزت نہیں کرتا تھا۔ نہ کوئی اسے کسی تقریب میں بلاتا تھا نہ ہی خاندانی رسومات و اجتماعات میں......وہ بالکل الگ تھلگ رہ گئی تھی۔ سیما آپا کی باتیں سن کر اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ اسے باتیں سنا رہی ہوں۔

"شاکر علی......زندگی بہت مختصر ہے......اس لئے میں چاہتی ہوں کہ ایک بار پھر سارا خاندان مل جائے......" اچانک سیما آپا نے کہا تو شاکر علی چونک گیا اور خوش بھی ہو گیا جیسے اس کے دل کی آواز سیما آپا نے سن لی ہو۔

"ہاں......آپا......میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ پردیس میں جا کر اپنوں کی بہت یاد آتی ہے۔" شاکر علی نے جواب دیا۔

"میں ناظر علی کشور اور دونوں بہنوں کو بھی بلواتی ہوں......میں چاہتی ہوں......سب میں صلح ہو جائے......اور خاندان پھر سے ایک ہو جائے۔" سیما آپا نے کہا۔

شاکر علی نے ندرت کی جانب دیکھا۔ ندرت کی آنکھوں سے رضامندی کا پیغام پڑھ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"آپا......آپ کا حکم سر آنکھوں پر......میں آپ کا حکم نہیں ٹال سکتا......جو آپ فیصلہ کریں گی وہ مجھے منظور ہوگا......میں ناظر بھائی سے خود معافی مانگ لوں گا......جمیلہ آپا اور صدیقہ آپا کو بھی منا لوں گا۔" شاکر علی نے جواب دیا۔

"جیتے رہو......اور خوش رہو......میں کل ہی سب کو بلاتی ہوں اور پھر تمہیں فون کروں گی......تم بھی آ جانا......خدا کرے سب بہن بھائی ایک ہو جائیں۔" سیما آپا نے کہا مگر انہوں نے ندرت کا نام کہنے نہ لیا۔ سیما آپا کی باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ندرت کو کس قدر ناپسند کرتی ہیں مگر ندرت منہ پھلائے خاموش بیٹھی رہی۔

"ٹھیک ہے آپا......میں آپ کے فون کا انتظار کروں گا۔" شاکر علی نے اجازت لیتے وقت کہا اور انہوں نے اسے بہت دعائیں دے کر رخصت کیا۔ ندرت کا موڈ سخت آف تھا......گھر پہنچ کر اس نے شاکر علی کے ساتھ خوب جھگڑا کیا اور وہ خاموشی سے سنتے رہے۔

"ندرت......ان سب سے صلح کرنا ہماری مجبوری ہے......پلیز میری خاطر اس بات کو مائنڈ نہ کرو۔" شاکر علی نے اسے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے......آپ جایئے اور ان سے صلح کریں مگر میں نہیں جاؤں گی......نہ کسی کو میری ضرورت ہے......اور نہ ہی چاہت......مجھے بھی کسی کی پرواہ نہیں۔" ندرت نے غصے سے کہا اور پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔ شاکر علی حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہ گئے۔ وہ اٹھ کر علیزہ کے کمرے میں گئے۔ وہ کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہی تھی اس کے پاس اس کی کتاب اور نوٹس ٹیبل پر پڑے تھے۔

"میری بیٹی..... کیا کر رہی ہے؟" شاکر علی نے محبت سے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں۔" وہ کمپیوٹر آف کرتے ہوئے بولی۔

"علینہ ---- میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔" شاکر علی نے کہا۔

"جی..... میں سن رہی ہوں۔" علینہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس بار تمہاری شادی کر دوں۔" شاکر علی نے کہا۔

"اس لئے کہ مما ---- مجھ سے چھٹکارا پانا چاہتی ہیں۔" علینہ نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں ---- ایسی بات نہیں۔" شاکر علی نے جلدی سے جواب دیا۔

"پاپا..... مجھے اچھی طرح معلوم ہے..... وہ کیا چاہتی ہیں۔" علینہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

"تم نزہت کے بارے میں اتنی بدگمان کیوں ہو..... وہ تمہاری ماں ہے۔" شاکر علی نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔

"پاپا..... وہ صرف آپ کی دوسری بیوی ہیں..... میری ماں مر چکی ہے..... " علینہ نے آ دبھر کر کہا۔

"علینہ ---- بیٹا ---- تم کیوں ایسے سوچتی ہو؟" شاکر علی نے حیرت سے پوچھا۔

"پاپا---- یہ میری سوچ ہی نہیں ---- میرا تجربہ ہے ---- میں اور علی صرف ان کے شوہر کی پہلی بیوی کے بچے ہیں ---- ان کی بہن کے نہیں..... اگر انہیں بہن کا احساس ہوتا تو انہیں جیتے جی مارنے کی پلاننگ نہ کرتیں..... اور..... پاپا..... آپ نے بھی تو میری ماں کے ساتھ بے وفائی کی..... ان کے ہوتے ہوئے ان کی بہن کو پسند کرتے رہے..... مما آپ دونوں کی وجہ سے مر گئیں۔" علینہ روتے ہوئے بولی۔

"یہ غلط بات ہے..... میں نے کبھی نزہت کے ساتھ بے وفائی نہیں کی۔" شاکر علی نے کہا۔

"اور..... وفا بھی نہیں کی..... " علینہ نے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو شاکر علی خاموش ہو گئے۔

"آپ نے ان کے ساتھ ہماری زندگیوں کو بھی برباد کر دیا..... " وہ آ دبھر کر بولی..... شاکر علی کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

"پاپا..... آپ نے ہمارے حصے کی محبت بھی چھین لی..... اور شفقت بھی۔" علینہ نے نم آنکھوں سے کہا۔

"کیا تم ہر بات کی ذمہ دار مجھے ہی سمجھ رہی ہو..... " شاکر علی نے پوچھا۔

"نہیں..... آپ کے ساتھ آپ کی دوسری بیوی کو بھی۔" اس نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"تم بہت بدل گئی ہو..... بہت منفی سوچنے لگی ہو..... اتنی بدگمان اور متنفر..... " شاکر علی نے حیرت سے پوچھا۔

"پاپا..... جب دل میں غم زیادہ ہو جاتا ہے..... تو وہ چھپنے لگتا ہے..... اس کا ٹوٹنا اور بکھرنا کوئی نہیں دیکھ پاتا..... صرف اس کا ابلتا لاوا سب کو محسوس ہوتا ہے۔" علینہ نے آ دبھر کر جواب دیا۔

"اگر تم ہر غلط بات کا قصوروار مجھے ٹھہراتی ہو..... تو..... ٹھیک ہے..... مگر تم نے جو لائف اسٹائل اپنا رکھا ہے..... کیا وہ ٹھیک ہے..... جس

روز میں آیا ہوں...... تم نے ڈرنک کر رکھی تھی...... اور...... جو ڈریس تم پہن کر گھومتی ہو...... کیا شریف خاندان کی بیٹیاں یہ سب کچھ کرتی ہیں...... کیا تمہیں ذرا بھی احساس نہیں کہ تم کیا کر رہی ہو؟ شاکر علی نے اپنا غصہ دباتے ہوئے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

"پاپا...... میں جو کچھ بھی کرتی ہوں...... اس سے کسی زندگی متاثر نہیں ہوتی......" اس نے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

"خاندان کی عزت اور نیک نامی متاثر ہوتی ہے۔" شاکر علی نے کہا۔

"ایک انسان کی زندگی کا خالی پن اور اندر کا دکھ کم کرنے کے لئے خاندان کی عزت اور نیک نامی کی ضرورت نہیں ہوتی...... وہ وہی کچھ کرے گا...... جس سے اسے سکون ملے گا......" اس نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم ہمارے بارے میں اپنی منفی سوچ اور رویے کو بالکل بھی بدلنا نہیں چاہتی۔" شاکر علی نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"او انسان کی سوچ ایک دن میں نہیں بنتی" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہارا ایم بی اے مکمل ہو یا نہ ہو...... میں امریکہ جانے سے پہلے تمہاری شادی کر کے جاؤں گا۔" شاکر علی نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔

"چاہے میں رضامند ہوں یا نہ ہوں؟ علینہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں تمہیں مزید بکھرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔" شاکر علی نے آہ بھر کر قدرے توقف کے بعد اس کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"یوں کہئیے کہ آپ کی بیگم...... اس گھر میں میرا وجود زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی...... ٹھیک ہے...... میں بھی اب اس گھر میں نہیں رہنا چاہتی...... اب یہاں میری سانس گھٹنے لگی ہے......" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے اور چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پلیز...... علینہ...... ایسی باتیں مت سوچو...... یہ گھر تمہارا ہے...... ہم سب تمہارے ہیں...... تم میری بیٹی ہو" شاکر علی نے محبت سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"پاپا...... یہاں کچھ بھی میرا نہیں...... آپ بھی نہیں۔" اس نے شاکر علی کی جانب بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ؟ شاکر علی نے نم آنکھوں سے پوچھا۔

"کہ...... آپ میرے پاپا ہیں...... پاپا...... مجھے اس کا پورا یقین ہے...... میں آپ کی بیٹی ہوں...... اس کا مجھے یقین نہیں آتا۔" علینہ نے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

"کیوں یقین نہیں آتا......؟ میں نے کب تمہیں اگنور کیا ہے؟ کب تمہارے اکاؤنٹ میں پیسے نہیں بھیجے......؟ کب تمہاری ضروریات پوری نہیں کیں......؟ جب بھی تم نے کچھ کہا...... میں نے کب انکار کیا......؟ شاکر علی نے قدرے جذباتی لہجے میں جواب دیا۔

"آپ نے کب مجھ سے پوچھا کہ آنٹی ندرت کا رویہ مجھ سے کیسا ہے؟ کب آپ نے محسوس کیا کہ بچپن سے میرے اندر کوئی خلا پیدا ہو رہا ہے جو مجھے کتنا امپٹی (خالی) کر رہا ہے؟ کب آپ نے جاننے کی کوشش کی کہ مجھے بہت سے پیسوں کے علاوہ محبت کی بھی ضرورت ہے......؟ کب آپ نے مجھ سے میری اپنی مما کی باتیں کیں؟ کیا آپ کو کبھی یہ احساس ہوا کہ میں مما کو کتنا مس کرتی ہوں؟ آپ تو آنٹی ندرت کے ساتھ

بہت خوش ہیں...... جب آپ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے تو پھر میری مما سے شادی کیوں کی؟ ان کی زندگی کو جہنم بنادیا...... اور وہ خاموشی سے اس دنیا سے چلی گئیں۔" علینہ اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ کر سسکنے لگی۔

شاکر علی کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ وہ اس کی جانب دیکھتے رہے اور پھر اس کے کمرے میں سے نکل گئے اور جا کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ جہاں ہر طرف مکمل خاموشی اور تاریکی تھی۔

شاکر علی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ علینہ اس قدر بدل گئی ہے اور اتنی میچور ہو چکی ہے۔ کتنی بے باک اور بولڈ ہو گئی ہے۔ اس نے باپ کو آئینے میں ان کا چہرہ دکھاتے ہوئے ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی تھی۔ شاکر علی کو اپنے بارے میں اس کے خیالات جان کر انتہائی صدمہ ہوا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ ان سے اس قدر متنفر اور بدل ہے...... شاکر علی کا خون کھول رہا تھا اور انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں اور کیا کہیں......؟ ندرت سے شادی نے انہیں صرف خسارہ دیا تھا...... وہ اپنے بہن بھائیوں سے بھی جدا ہو گئے تھے اور اولاد سے بھی کٹ گئے تھے...... بہن بھائی بھی ان کے بارے میں مشکوک تھے اور اولاد بھی متنفر تھی...... انہیں احساس ہونے لگا کہ سمجھدار اور نیک سیرت عورت کا وجود پورے خاندان کے لئے کتنا ضروری ہوتا ہے...... انہوں نے نزہت کی قدر نہ کی تھی...... اسے اپنا ہم پلہ نہ سمجھا تھا۔ وہ عام شکل وصورت کی سادہ مزاج مگر سمجھدار اور نیک عورت تھی۔ جسے فیشن اور بناؤ سنگھار سے کم لگاؤ تھا...... جسے اپنے سے زیادہ اپنے گھر کو سنوارنے کی فکر رہتی تھی...... جسے اپنے گھومنے پھرنے سے زیادہ سسرال کے رشتہ داروں کے ہاں جانا زیادہ پسند تھا۔ جو شوہر کے دل کو لبھانے کی بجائے اس کی خدمت میں زیادہ یقین رکھتی تھی...... جسے ظاہری نمود ونمائش کی بجائے اخلاقیات سے پیار تھا مگر شاکر علی کو ان سب باتوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ وہ زندگی کا بیشتر حصہ یورپ میں گزار کر آئے تھے۔ نزہت ان کی خالہ زاد تھی اور بچپن سے ہی ان سے منسوب تھی...... اس لئے اس سے شادی کرنا مجبوری تھی۔ مگر انہیں ندرت میں دلچسپی تھی۔ وہ خوش باش، ماڈرن، باتونی اور فیشن ایبل تھی۔ شاکر علی کو محسوس ہونے لگا کہ ندرت ان کی ہم مزاج ہے اور نزہت بھی ان کا دل لگاؤ اور جھکاؤ ندرت کی جانب دیکھ کر خاموش رہ جاتی۔ وہ رشتوں کو ملانے والی عورت تھی۔ ان میں بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے اس دکھ کو اپنے سینے کے اندر ہی سموئے اس دنیا سے چلی گئی۔ اسے اچانک برین ہیمرج ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے موت ہو گئی۔ علینہ پانچ سال کی اور علی دو سال کا تھا۔ شاکر علی اور ندرت کو قدرت نے ان کے ذریعے ملا دیا۔ بچے ندرت سے بہت اٹیچڈ تھے مگر شادی کے بعد ندرت روایتی ماں بن گئی۔ سسرال والے نزہت کی سادہ مزاجی اور ادب واحترام سے متاثر تھے انہیں ندرت کی چالاکی، شوقین مزاجی اور سازشی ذہنیت پسند نہ آئی اور وہ اس سے متنفر ہو گئے...... شاکر علی کو نجانے کیوں نزہت یاد آنے لگی...... انہیں اچانک محسوس ہونے لگا...... کہ...... اگر آج نزہت زندہ ہوتی تو انہیں یہ مسائل پیش نہ آتے...... نزہت سے کسی کو بھی شکایت نہ تھی...... سوائے شاکر علی کے...... نزہت سے سب بہت محبت کرتے تھے...... سوائے شاکر علی کے نزہت ابھی بھی سب کی باتوں میں اور یادوں میں زندہ تھی۔ سوائے شاکر علی کے...... انہوں نے اسے کبھی بھولے سے بھی نہیں یاد کیا تھا...... علینہ اور علی کے ساتھ بھی کبھی ان کی ماں کا تذکرہ نہیں کیا تھا اور علینہ کو اس بات کا بچپن سے ہی بہت احساس تھا وہ اپنی ماں کی باتیں اور یادیں کسی کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی تھی۔ مگر کس کے ساتھ...... ندرت علی اور علینہ کے منہ سے بہن کا ذکر سن کر بھڑک اٹھتی تھی وہ شاکر علی کو کیسے اجازت دے سکتی تھی کہ وہ اس کا ذکر کریں۔

"شاکر...... آپ کا فون ہے۔" ندرت موبائل ہاتھ میں پکڑے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔ شاکر علی صوفے پر نیم دراز سگریٹ کے گہرے کش لگا رہے تھے اور ان کے چہرے پر تفکرات کے آثار نمایاں تھے۔

کس کا فون ہے؟ شاکر علی نے موبائل ہاتھ میں پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"سیما آپا کا" ندرت آہستہ آواز میں کہا۔

"السلام علیکم آپا......" شاکر علی نے لہجہ قدرے خوش کن بناتے ہوئے کہا۔

"جی... ٹھیک ہے... میں ابھی پہنچ رہا ہوں... خدا حافظ۔" شاکر علی نے موبائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"آپا... بلا رہی ہیں...... میں ان کی طرف جا رہا ہوں۔" شاکر علی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ندرت کا چہرہ غصے سے بگڑنے لگا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ سیما آپا نے اسے ساتھ لانے کو نہیں کہا تھا...... اور ایسی باتیں اسے ہمیشہ غصہ دلاتی تھیں۔

"جائیں...... میں نے کب روکا ہے؟" وہ غصے سے کہہ کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی اور شاکر علی اسے دیکھتے رہ گئے۔

سیما آپا نے سب بہن بھائیوں کو بلا رکھا تھا۔ ناظر علی...... کشور...... جمیلہ اور صدیقہ...... وہ سب کو شاکر علی سے صلح کرنے پر اصرار کر رہی تھیں...... پہلے تو سب اس بات کے خلاف بولے مگر سیما آپا کے سمجھانے پر سب خاموش ہو گئے۔ شاکر علی سیما آپا کے گھر کی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو بہت شرمسار تھے۔ چہرے پر مایوسی اور آنکھیں ندامت سے جھکی ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم......" شاکر علی آہستہ سے بولے اور سر جھکا کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

"وعلیکم السلام"...... سب نے منہ میں جواب دیا۔ شاکر علی کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

"شاکر علی...... آگے بڑھو اور بڑے بھائی سے معافی مانگو...... زیادتی تمہاری جانب سے ہوئی ہے۔" سیما آپا نے حکم دیا تو شاکر علی ایک دم بوکھلا گئے انہیں قطعی توقع نہ تھی کہ آپا یہ حکم صادر کریں گی...... وہ تھوڑا سا ہچکچائے اور پھر اٹھ کر ناظر علی کی جانب بڑھے۔

"بھائی جان...... میں...... میں...... بہت شرمندہ ہوں۔" اور شاکر علی کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

"ناظر علی سمیت سب بہن بھائیوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ناظر علی نے آگے بڑھ کر شاکر علی کو اپنے گلے سے لگایا اور دونوں بھائی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

"میں آپ کا مجرم ہوں...... میں نے بہت غلط کام کیا۔" شاکر علی بھائی کے گلے لگ کر بولتے رہے۔

"جو...... کچھ بھی ہوا...... میں نے تمہیں معاف کیا...... بہن بھائیوں میں بہت کچھ ہوتا ہے...... جو کچھ بھی ہو جائے...... ناخنوں کو پوروں سے جدا نہیں ہو سکتے...... زمانہ کتنا ہی بدل جائے...... خون میں کشش ضرور ہوتی ہے۔" ناظر علی نے انہیں محبت سے پیار کرتے ہوئے کہا اور اپنے آنسو پونچھے۔

"بھابھی جان...... میں آپ سے بھی معافی مانگتا ہوں۔" شاکر علی کشور کے پاؤں میں بیٹھ کر بولے۔"

"بھیا..... تمہیں تو ہم نے ہمیشہ اپنے بچوں کی طرح سمجھا ہے..... یہ سب کیا دھرا ندرت کا ہے..... نزہت زندہ ہوتی تو کسی کو بھی یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا..... تم ہی کانوں کے کچے نکلے جو اس کی باتوں میں آ گئے۔" کشور نے جل بھن کر کہا تو شاکر علی خاموش ہو گئے۔

"جمیلہ آپا..... مجھے معاف کیجئے..... میں نے آپ کا بھی دل دکھایا۔" شاکر علی نے بڑی بہن جمیلہ سے بھی معافی مانگی۔

"شاکر علی..... یہ تم ہی تھے جو بہن بھائیوں کی محبتوں کو بھلا بیٹھے ورنہ ہم سب نے تم سے جتنی محبت اور جتنے تمہارے لاڈ اٹھائے ہیں..... تمہیں یاد ہوتا..... تو..... تم کبھی ایسا نہ کرتے۔" جمیلہ آپا نے قدرے خفگی سے کہا..... جو مزاج کی قدرے سخت تھیں۔

"آپا..... میں اپنے کیے پر بہت پچھتایا ہوں..... اور ابھی تک شرمسار ہوں۔" شاکر علی نے آہستہ آواز میں کہا۔

"تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے تو پھر ہم تمہیں مزید شرمندہ نہیں کرنا چاہتے..... خوش رہو..... اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔" جمیلہ آپا نے جواب دیا۔

"صدیقہ..... آپا..... میں آپ سے بھی....." شاکر علی نے چھوٹی آپا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"ہم سب نے تمہیں معاف کیا..... مگر..... شاکر علی..... آئندہ ذرا اپنی آنکھیں کھول کر رکھنا..... تمہیں ندرت کیا ملی..... تم سمجھے کہ ساری دنیا تمہارے ہاتھ آ گئی..... مرد کو اپنی آنکھیں کھول کر رکھنی چاہیئے..... مرد..... اپنی بیوی اور اپنے خاندان کے درمیان پل کا کام کرتا ہے..... اگر پل کمزور ہو تو سارے رشتے کمزور ہو جاتے ہیں۔" صدیقہ آپا نے کہا تو وہ نادم سے خاموش ہو گئے۔

شکر ہے..... پروردگار کا..... آج میں سرخرو ہوئی..... اگر تم بہن بھائیوں کو ملائے بغیر مر جاتی تو قیامت کے روز اپنے ماں باپ کو کیا منہ دکھاتی..... شکر ہے مولا کا..... اس نے میری لاج رکھی..... آج اماں..... ابا کی روحیں بہت خوش ہوں گی کہ ان کی بکھری اولاد پھر سے مل گئی ہے۔" سیما آپا نے ہاتھ جوڑ کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا تو سب مسکرا دیئے سیما آپا نے مٹھائی منگوائی اور سب نے چائے کے ساتھ کھائی۔ سب آہستہ آہستہ باتوں میں مصروف ہو گئے۔

"ناظر علی اور کشور میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں..... بڑی بہن کے ناتے امید کرتی ہوں کہ تم لوگ میری بات ضرور مانو گے۔" سیما آپا نے اچانک کہا تو سب ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔

"آپا..... آپ حکم کیجئے۔" ناظر علی نے باادب انداز میں کہا۔

"شاکر علی..... علیزہ کا رشتہ طے کرنے آئے ہیں..... ایک دو جگہ بات بھی چل رہی ہے..... میں چاہتی ہوں..... تم علیزہ کو اپنی بیٹی بنا لو..... تا کہ بھائیوں کا یہ رشتہ اور مضبوط ہو جائے۔" سیما آپا نے اچانک کہا تو ناظر علی اور کشور سمیت سب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ شاکر علی خود بھی حیران رہ گئے۔ ان کے دل میں جو بات ندرت نے ڈالی تھی آپا اس بات تک خود بخود پہنچ گئیں تھیں ناظر علی اور کشور کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہیں اور وہ بھی شاکر علی کی موجودگی میں..... وہ تو اس کے سامنے کوئی احتجاج بھی نہیں کر سکتے تھے..... جس نے ابھی ابھی ان سے معافی مانگی تھی۔ انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے شاکر علی کو دل سے معاف نہیں کیا۔

"مگر آپا...... یہ بڑوں کا نہیں...... بچوں کی زندگیوں کا مسئلہ ہے اور ناراضگی ہوئے پندرہ سولہ سال ہو گئے ہیں...... بچوں نے تو ابھی کسی کو دیکھا بھی نہیں...... وہ ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں...... یہ آپ کیا فیصلہ کر رہی ہیں؟ جمیلہ آپا نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جمیلہ...... رشتے تو اللہ تعالیٰ نے خود طے کیے ہوتے ہیں...... کبھی بچے خود...... تو کبھی بڑے یہ کام سرانجام دیتے ہیں اور اگر پروردگار کو منظور ہو تو رشتے بن ہی جاتے ہیں...... اور علینہ...... نزہت کی بیٹی ہے...... اس میں ماں کی خوبیاں تو ضرور ہوں گی......" سیما آپا نے قدرے فخریہ انداز میں کہا تو شاکر علی نے چونک کر آپا کی طرف دیکھا اور ان کا دل ڈوبنے لگا۔

ان کو جب معلوم ہوگا...... کہ...... "شاکر علی کے دل سے آواز آئی تو چہرے اور ہاتھوں میں پسینہ آنے لگا۔ وہ گھبرا گئے۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے...... مگر بچوں کی بھی رضامندی ضروری ہے۔" صدیقہ آپا نے بھی رائے دی۔

"سنی اور علینہ ہمارا خون ہیں...... ہمارے بچے ہیں...... انہیں ہمارے فیصلوں پر اعتراض نہیں ہوگا...... کیوں ناظر علی؟ سیما آپا نے ناظر علی اور کشور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سنی کی اس وقت ملک اور ملک سے باہر بہت عزت اور شہرت ہے۔ اس نے اپنی ہونے والی بیوی کے بارے میں کیا سوچ رکھا ہے ہمیں نہیں معلوم...... وہ تو ہمیں ابھی اپنی شادی کا ذکر تک نہیں کرنے دیتا...... پھر ہم کیسے خود ہی فیصلہ کر لیں؟ ناظر علی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ناظر علی...... سنی کا نمبر ملاؤ...... میں خود اس سے پوچھتی ہوں۔" سیما آپا نے کہا تو سب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ نجانے آج سیما آپا کو کیا ہو رہا تھا۔ خود بخود چونکا دینے والے فیصلے کرتی جا رہی تھیں۔ ناظر علی نے نمبر ملا کر موبائل سیما آپا کے ہاتھ میں دیا اور وہ سنی سے بات کرنے لگیں...... سب خاموشی سے ان کے چہرے کی جانب دیکھتے رہے۔

"سنی کو کوئی اعتراض نہیں...... اسے بڑوں کا فیصلہ منظور ہے۔"

سیما آپا نے فون بند کر کے ناظر علی اور کشور کی جانب دیکھ کر فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

ناظر علی اور کشور نے بے بسی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"شاکر علی...... اگر تم علینہ بیٹی کی رائے جاننا چاہتے ہو...... تو میں اس کو بھی فون کر کے پوچھ لیتی ہوں۔" سیما آپا نے کہا۔

"نہیں...... نہیں...... اس کی کوئی رائے نہیں...... میں اس کی مرضی جان چکا ہوں۔" شاکر علی نے جلدی سے بوکھلائے انداز میں کہا انہیں ڈر تھا کہ اگر سیما آپا علینہ کو فون کرتی ہیں تو وہ الٹا سیدھا نہ بولنا شروع کر دے۔ وہ تو باپ کا لحاظ نہیں کرتی تھی سیما آپا کو نجانے کیا کچھ کہہ دے۔

"تو...... پھر ٹھیک ہے...... علینہ اور سنی کا رشتہ میں پکا کرتی ہوں۔"

اس ماہ کی پچیس تاریخ کو چاند کی پندرہ تاریخ بنتی ہے...... تب دونوں کا نکاح کریں گے...... سادہ سی تقریب ہوگی جس میں خاندان کے چند قریبی لوگ ہوں گے۔" سیما آپا نے انگلیوں پر دن اور تاریخ گنتے ہوئے کہا۔

"آپا...... آج پندرہ تاریخ ہے اور صرف دس دن بعد......" کشور نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں......اتنے دن کافی ہیں۔" سیما آپا نے جواب دیا۔

"لیکن ہمیں تیاری کے لئے کچھ وقت چاہیے۔" کشور نے حیرت سے کہا۔

"شاکر علی نہ تمہیں زیادہ کاٹھ کباڑ اکٹھا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کشور تمہیں نمود و نمائش کی...... جو کام اللہ کے حکم کے مطابق آسانی سے ہو جائیں۔ اپنی خواہشات کی خاطر ان کی وجہ سے تکلیف میں پڑنا۔ اپنا ہی نقصان ہے...... ہمارے بچے اپنے گھروں میں خوش رہیں۔ اس سے بڑھ کر خوشی کی بات ہمارے لیے اور کیا ہوگی...... کشور اور ناظر علی...... بس تم لوگ وعدہ کرو کہ علینہ کو اپنی بیٹی سمجھو گے...... اسے کبھی بھی یہ احساس نہ دلانا کہ تم میں اور اس کے باپ میں ناراضگی رہی ہے۔ جب وہ مسئلہ ہوا تھا...... وہ تو معصوم بچی تھی...... جب اسے کچھ معلوم ہی نہیں...... تو اسے کیا بتانا...... کشور...... نزہت نے تمہاری بہت خدمت کی تھی...... تمہیں یاد ہے نا سب...... جب تم اپنی چھوٹی بیٹی عزا کی پیدائش پر بیمار ہوئی تھی تو نزہت نے دن رات ایک کر دیا تھا...... تم علینہ کی غلطیوں کو نزہت کی خدمت کے صدقے میں معاف کر دینا...... مجھے امید ہے علینہ بھی تمہاری بہت خدمت کرے گی۔" سیما آپا نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"آپا...... آپ ہماری جانب سے بے فکر رہیے۔ ہم اسے اپنی بیٹی سمجھیں گے۔" کشور نے ناظر علی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"سمجھنا کیسا...... بیٹی اسے ہی ہوگا۔" سیما آپا نے کہا۔

"انشاءاللہ" ناظر علی نے مسکرا کر شاکر علی کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"شاکر علی نے نظریں نیچے کر لیں اور گہری سانس لی۔

"مبارک ہو...... اللہ پاک بچوں کے نصیب اچھے کرے۔ یہ لو...... منہ میٹھا کرو۔" سیما آپا نے ناظر علی، کشور اور شاکر علی کو مٹھائی کھلاتے ہوئے کہا۔

لمحوں میں کمرے کا ماحول بدل چکا تھا۔ ہر جانب قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ شاکر علی بہنوں اور بھائی کے ساتھ چہک چہک کر باتیں کر رہے تھے۔ سیما آپا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ بہنوں بھائیوں کے مسکراتے چہرے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں اور بار بار اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں۔

سیما آپا کی بات کو ٹالنا گویا ماں کی بات کو ٹالنا تھا۔ سیما آپا بہت حلیم الطبع اور رعب والی خاتون تھیں۔ جو بات ایک بار کہہ دیتیں۔ سب اس کو بلا چوں و چرا مانتے تھے۔ ہر طرف خوشی کا سماں تھا۔

شاکر علی رات کے دو بجے گھر پہنچے تو ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ ندرت کا موڈ سخت آف تھا اور وہ اظفر کے بیڈ روم میں سو رہی تھی۔

"ندرت...... ندرت......" شاکر علی اس کے قریب کھڑے ہو کر آوازیں دیتے رہے مگر وہ خاموشی سے آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ شاکر علی نے آہ بھر کر اس کی جانب دیکھا اور کمرے سے باہر نکل آئے۔ وہ علینہ کے کمرے کی جانب گئے اور دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"علینہ بیڈ پر لیٹی اسموکنگ کر رہی تھی۔ دستک کی آواز سن کر جلدی سے سگریٹ واش روم میں پھینکا اور ایئر فریشنر سے اسپرے کر کے دروازہ کھولا...... شاکر علی کے ہاتھ میں مٹھائی تھی اور وہ مسکرا کر اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"آپ......؟اس وقت......؟"علینہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں......میں ابھی سیما آپا کے گھر سے آرہا ہوں۔"شاکر علی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"علینہ ......تمہیں ایک خوشخبری سنانی ہے۔......سیما آپا نے تمہاری شادی......ناصر بھائی کے بیٹے سنی سے طے کر دی ہے۔"شاکر علی نے کہا تو علینہ کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے......اسے تو اپنی سماعت پر بھی یقین نہیں آرہا تھا۔

"اس ماہ کی پچیس تاریخ کو تمہاری شادی ہے۔"شاکر علی نے کہا۔

"ش......شا......دی......"وہ بمشکل بولی۔

"ہاں......"شاکر علی نے جواب دیا۔

"علینہ کے حواس بحال نہیں ہو رہے تھے۔پندرہ سال پہلے والا لمبا دبلا پتلا گھنگھریالے بالوں والا۔گندمی رنگت اور موٹی ناک والا جھگڑالو سنی اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔

"رات بہت ہو رہی ہے۔......اب تم سو جاؤ......میں نے سوچا پہلے تمہیں یہ خوشخبری سنا دوں۔"شاکر علی نے مسکراتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

علینہ اپنے سر کے بال نوچنے لگی۔اسے تو سنی سے بہت نفرت تھی اور اب اس کے ساتھ ہی شادی......

"او......نو......"وہ ہونٹ چباتے ہوئے بڑبڑانے لگی......اور سسکنے لگی۔

اسد کا خوبصورت......پرکشش چہرہ اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔اس کا دل اک انجانے غم سے بھرنے لگا۔اس کی قسمت میں اسد نہیں تھا۔"سنی تھا......"اس بار پھر اسے قسمت نے مات دی تھی۔اس نے جو چاہا تھا اور جس کی تمنا کی تھی وہ اسے پھر اسے نہیں مل رہا تھا۔ہر بار اسے قسمت یونہی شکست دیتی ہے اور وہ بے بسی سے اپنی شکست کا تماشا دیکھتی ہے اور اب کی بار تو بازی ایسی الٹی پڑی تھی کہ اس کے حواس خطا ہونے لگے۔وہ آواز بند کیے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

بیڈ پر زور زور سے مکے مارنے لگی۔کبھی اسد اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتا تو کبھی سنی کا چہرہ......وہ تو ہمیشہ اس سے نفرت کرتی آئی تھی اور اب وہی اس کا نصیب بننے جا رہا تھا۔اس نے وارڈ روب سے شیمپین کی بوتل نکالی اور اسے منہ لگا کر پینے لگی۔رفتہ رفتہ وہ نڈھال ہو کر بستر پر گر گئی......اسے چاروں طرف اسد کا مسکراتا چہرہ نظر آنے لگا اور وہ بھی اسے مسکرا کر دیکھنے لگی۔

"اسد آئی لو یو سو مچ۔"وہ آہستہ آواز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

"آئی لو یو ٹو۔"اسد کی سرگوشی اسے کہیں سے سنائی دی اور وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اسد کا چہرہ ہر دیوار پر آویزاں ہو اس کی ہنسی کے ساتھ وہ بھی ہنس رہا ہو اور تمام در و دیوار بھی۔

"آئی لو یو ٹو......"اسد کی سرگوشیاں اسے مسرور کرنے لگیں۔

''آئی مس یو اسد......'' وہ پھر بڑبڑائی۔

''آئی مس یو ٹو......'' اسد نے بھی سرگوشی کی۔

علیزہ نے پھر بھرپور قہقہہ لگایا اور آنکھیں بند کر کے ہنستی رہی اور اسے احساس بھی نہ ہوا کہ آنسو اس کی بند آنکھوں میں سے گر کر تکیے میں جذب ہو رہے تھے...... وہ ہر فکر غم اور دکھ سے آزاد ہو چکی تھی۔ ہواؤں میں اسد کے ساتھ محو پرواز تھی...... وہ اس کے ساتھ محبت کی باتیں کر رہا تھا اور وہ ان باتوں پر مسکرا رہی تھی۔ خوش ہو رہی تھی...... مگر نجانے کہاں سے آنسو بھی امڈ امڈ کر آ رہے تھے...... شاید دل کہیں اداس تھا جو اس کی ہنسی میں اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

''اسد...... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی......'' وہ پھر بڑبڑائی۔

''میں...... بھی...... تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' اسد کی سرگوشی سنائی دی۔

وہ پھر مسکرانے لگی اور مسکراتی رہی...... آنسو وہیں تھم گئے اور وہ سو گئی۔

☆

رشیدہ...... سدرہ کی شادی کے نام پر لوگوں سے خوب چیزیں اور پیسہ اکٹھے کر رہی تھی۔ وہ ان گھروں میں بھی جاتی تھی جہاں اس نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا...... اور...... عرصے سے بھی ان کی طرف نہیں گئی تھی۔ مگر شادی کا بتا کر وہ ان سے بھی کچھ نہ کچھ لے آتی اور گھر آ کر فخریہ انداز میں بتاتی...... تو سدرہ دل مسوس کر رہ جاتی۔ اسے رشیدہ پر سخت غصہ آتا۔ اسے یوں مانگ کے چیزیں اکٹھا کر کے لے جانا سخت برا لگ رہا تھا...... وہ خالی ہاتھ چلی جائے...... یہ اسے زیادہ پسند تھا...... مگر رشیدہ اس کی کہاں سنتی تھی...... اس نے پچیس تیس ہزار نقد کے علاوہ بہت سے سوٹ، جہیز کا مختلف سامان بستر اور برتن اکٹھے کیے تھے۔ سدرہ کی شادی میں گویا رشیدہ کی لاٹری لگی ہوئی تھی۔ وہ...... ہر شام لدی پھندی گھر لوٹتی۔ راشد اور منی فوراً اس کے گرد بیٹھ جاتے اور وہ چیزیں نکال کر دکھاتی۔ راشد کو جو چیز پسند آتی وہ لے لیتا۔ اس کے علاوہ وہ ہر شام سو روپے کا نوٹ رشیدہ سے بہانے بنا کر لے کر جاتا اور رات کو دیر سے گھر لوٹتا...... اور...... جب گھر آتا تو جیب میں چند سکوں کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا۔ سدرہ رشیدہ اور راشد کی حرکتوں پر خون کے آنسو روتی مگر زبان سے کچھ نہ کہتی۔ لال کوٹھی والوں نے بارات کی خاطر و تواضع کا سارا خرچہ اٹھانے کا وعدہ کیا تھا۔ رشیدہ کے گھر کے دونوں کمرے سامان سے بھر گئے تھے اور وہ چیزوں کو چھپا چھپا کر لوہے کے بڑے ٹرنکوں میں رکھتی تھی۔ زاہدہ اور کاشف کو اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ جہیز بالکل نہیں دے سکتی اور کاشف نے بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ ان سے کوئی چیز نہیں لے گا۔ اس نے اپنے بیڈ روم کے لیے سارا فرنیچر بھی خود ہی بنوایا تھا۔ رشیدہ کی یہ حرکتیں دیکھ کر سدرہ کو بہت دکھ ہوتا اور وہ ساری رات چپکے چپکے آنسو بہاتی رہتی۔ اس کی شادی کا جوڑا بھی اس کے سسرال والے لے کر آئے تھے۔ رشیدہ نے کسی کو بھی شادی پر نہیں بلایا تھا۔ بارات بھی چند لوگوں پر مشتمل تھی۔ انتہائی سادگی سے شادی کی تقریب انجام پائی اور سدرہ ماں کے گھر سے سسرال میں آ گئی۔

کاشف اس سے بہت محبت کرتا اور اس کا بہت خیال رکھتا۔ وہ دبلی پتلی لمبی سانولی سی لڑکی تھی۔ میکے میں تو کبھی ڈھنگ کا کپڑا پہننا نصیب

نہ ہوا تھا اور کاشف نے خود اس کے لیے بہت خوبصورت اور مہنگے کپڑے بنوائے تھے۔ جنہیں وہ پہنتی تو بہت خوبصورت لگتی...... وہ تو چند روز میں ہی نکھر گئی تھی کاشف کی محبت اور زاہدہ کی آؤ بھگت نے اسے بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ ہر دم ہنستی، مسکراتی زاہدہ کے گھر میں اٹھلاتی پھرتی۔ کاشف اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا اور وہ اس کی بہت سی محبت اور چاہت پا کر مسرور ہو جاتی۔

زاہدہ کا گھر...... رشیدہ کے گھر سے کئی گنا بہتر اور صاف ستھرا تھا۔ تین کمروں، ڈرائنگ روم، ڈائننگ روم کے علاوہ لاؤنج، کچن، سٹور اور دو واش رومز پر مشتمل تھا۔ گھر میں ہر سہولت کی چیز تھی...... کسی بھی شے کی کوئی کمی نہ تھی۔ اس گھر میں سدرہ کے جہیز کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی اور رشیدہ نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سارا سامان اپنے گھر میں رکھ لیا تھا کہ یہ کسی کے کام آئے گا۔۔۔اسے تو اس نے غیروں میں بیاہنا ہے۔۔۔ماں کی یہ سوچ دیکھ کر سدرہ خاموش رہی۔

وہ اپنے گھر میں خوش تھی اور پرسکون بھی...... رشیدہ اس کے گھر آئی تھی اور نہ ہی اس کے پاس میکے میں جانے کے لیے وقت تھا کیونکہ شادی کے ایک ماہ بعد ہی اس کے امتحانات ہونے والے تھے۔ وہ پڑھائی میں مصروف رہی۔ زاہدہ کو اس کی یہ بات بہت کھٹکنے لگی تھی۔ وہ عام سوچ رکھنے والی گھریلو عورت تھی۔ اس کے نزدیک نئی نویلی بہو کو یا تو بج سنور کر گھومنا پھرنا چاہیے یا پھر گھرداری کرنی چاہیے۔ نئی نویلی بہو کا کمرے میں بیٹھ کر کتابیں پڑھنا اسے سخت برا لگتا تھا۔ وہ صرف کاشف کی وجہ سے خاموش تھی۔ کاشف اس کی پڑھائی میں بہت مدد کرتا تھا۔ وہ تو باپ کی وفات کے بعد مزید تعلیم حاصل نہ کر سکا تھا مگر سدرہ پڑھائی کا شوق دیکھ کر وہ اس کی بھرپور مدد کرتا۔ کاشف کے گھر آ کر اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی شجر سایہ دار کے نیچے آ گئی ہو اسے قطعی امید نہیں تھی کہ کاشف اور زاہدہ اس سے اتنا تعاون کریں گے۔ کاشف اس کے امتحانات میں کالج لینے اور چھوڑنے جاتا۔ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا۔ زندگی نے بہت خوشگوار موڑ لیا تھا جس کی اسے قطعی توقع نہ تھی۔ اس نے ماں کے گھر جس قدر مشکل اور کسمپرسی کی زندگی گزاری تھی سسرال میں آ کر وہ ساری تلخیاں، خوشگوار اور خوبصورت لمحوں میں بدل گئیں تھیں۔

گھر میں صرف وہ اور زاہدہ ہوتیں۔ دونوں نندیں اپنے سسرال میں رہتی تھیں۔ کاشف شام کو گھر آتا۔ سارا دن گھر میں خاموشی اور سکون رہتا۔ وہ امتحانات سے فارغ ہوئی تو زاہدہ کے ساتھ گھر کے کام کاج کرنے میں مصروف رہتی۔ زاہدہ کبھی کبھی کوئی تلخ بات کہہ دیتی تو وہ خاموش رہتی۔ کاشف شام کو آتا تو ضرور اس کے لیے پھول اور کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتا اور چھٹی کے روز اسے گھمانے پھرانے کے لیے بھی کسی پارک میں لے جاتا تو کبھی نہر کنارے۔ کبھی شاپنگ کرانے تو کبھی کسی ہوٹل میں کھانا کھلانے۔ یہاں آ کر اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اب اس نے زندگی گزارنا شروع کی ہو...... ورنہ...... اس سے قبل تو زندگی اسے گزار رہی تھی۔ نہ ڈھنگ کا کھانا نصیب ہوتا نہ پہننا اوڑھنا، ہر خواہش کے لیے ترسنا پڑتا اور اکثر خواہشیں تو سسک سسک کر دم توڑ دیتیں مگر اب تو کاشف اس کی کسی خواہش کو ردنہ ہونے دیتا۔ خدا اس پر اسقدر مہربان ہوگا......اسے یقین نہیں آتا تھا اور وہ دن میں کئی بار خدا کا شکر ادا کرتی۔ ذکیہ آپا کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجتے۔

"جو لوگ اپنے مشکل وقت میں اللہ سے پر امید رہتے ہیں...... وہ انہیں کبھی مایوس نہیں کرتا...... ان پر ضرور اپنا کرم کرتا ہے۔"

ذکیہ آپا نے اس کی سوچ بدلی تھی...... اسے اللہ کی کتاب میں لکھے اس کے احکامات اس طرح ذہن نشین کرائے تھے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے،

سوچتے، جاگتے...... ہر کام کرتے وقت یہ ضرور سوچ لیتی کہ اس کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے...... زکیہ آپا نے اس کی جو سوچ بدلی تھی اس سوچ نے اس کی زندگی بدل دی تھی اور یہی سوچ اس کے گھر والوں کو کھٹکتی تھی۔ رشیدہ اس سے تنگ تھی اور راشد ناراض...... سب اس سے کتنے ہی ناراض کیوں نا ہوتے...... مگر وہ اپنی سوچ کو نہ بدلتی کیونکہ یہ سوچ اس کو اللہ نے دی تھی...... اور

''صراط مستقیم کا راستہ بہت کٹھن اور دشوار ہوتا ہے...... جس میں پھول بھی سنگریزے بن جاتے ہیں...... نرم اور مخملیں گھاس ایسے خارزار میں تبدیل ہو جاتی ہے جو ہر قدم پر اذیت اور تکلیف دیتی ہے...... ایسے دشوار راستے پر سفر کرنے کے لیے بہت ہمت اور جذبوں کی سچائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پختہ ارادہ اور دل کی نیک نیتی اس دشوار راستے کو قدرے آسان بنانے میں مدد دیتی ہے...... اس نے بھی اپنے لیے صراط مستقیم کا انتخاب کیا تھا۔ اس راستے میں قدم قدم پر دشواریاں حائل تھیں وہ اپنی ماں کے گھر ان کا تجربہ کر چکی تھی لیکن سسرال میں آ کر وہ مطمئن تھی کہ اس کے لئے ایسی کوئی مشکل نہیں ہو گی۔ ان کے لئے صراط مستقیم پر چلنا ممکن ہو گا۔ کاشف نوکری کرتا ہے...... حق حلال کی کمائی گھر لاتا ہے اور اس کمائی میں کاشف کی محنت شامل ہوتی ہے اس لئے حق حلال کی کمائی میں اسے کوئی شک نہ تھا۔

کاشف کا موبائل مسلسل بج رہا تھا اور وہ واش روم میں تھا۔ دفتر سے آئے اسے ابھی چند منٹ ہی ہوئے تھے اور وہ فریش ہونے کے لئے نہا رہا تھا۔ سدرہ نے موبائل دیکھا تو کوئی لوکل فون سے کال کر رہا تھا۔ اس نے موبائل رکھ دیا۔

کاشف کے واش روم سے باہر نکلنے تک موبائل مسلسل بجتا رہا۔

سدرہ نے کھانا ٹیبل پر لگا دیا تھا۔ کاشف باہر نکلا تو اس نے جلدی سے موبائل کان کو لگایا۔

''ہیلو...... ہاں...... کہو......'' یکدم کاشف کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔

''میں...... آ رہا ہوں۔'' کاشف یکدم گھبرا کر بولا۔

''اس نے جلدی سے قمیض پہنی اور باہر جانے لگا۔

''کاشف...... کھانا تیار ہے...... کھانا تو کھا لیں۔'' سدرہ نے کہا مگر کاشف نے سنی ان سنی کرتے ہوئے جلدی سے موٹر سائیکل باہر نکالی اور چلا گیا۔

''اسے کیا ہوا......؟ چلا بھی گیا ہے...... ابھی تو آیا تھا۔''

''زاہدہ اس کی موٹر سائیکل کی آواز سن کر کمرے سے باہر آئی اور سدرہ سے پوچھنے لگی۔

''معلوم نہیں...... کوئی فون آیا ہے۔'' سدرہ نے جواب دیا۔

''بس...... واپڈا کی نوکری میں یہی مصیبت ہے۔ آئے دن مسئلے...... کبھی آدھی رات کو کال آ جاتی ہے کہ ٹرانسفارمر اڑ گئے ہیں۔ کہیں شارٹ سرکٹ ہو گیا ہے...... کہیں بجلی فیل ہو گئی ہے۔ بیچارے عملہ کو بھاگم بھاگ پہنچنا پڑتا ہے۔'' زاہدہ اپنی ہی لے میں بولتی گئی تو سدرہ مطمئن بھی ہو گئی اور خوش بھی...... کہ...... اس کا شوہر عوام کی کتنی خدمت کر رہا ہے...... کاشف کا وجود لوگوں کے لئے کتنا ضروری ہے۔ وہ...... ہے...... ہی ایسا......

ہر ایک کے لئے ضروری ہے..... میرے لیے بھی اور لوگوں کے لئے بھی...... سدرہ نے مسکرا کر سوچا اور کمرے میں آ گئی۔

رات گئے کاشف گھر لوٹا تو اس کے چہرے پر بہت تھکاوٹ اور پریشانی کے آثار تھے۔

"کاشف خیریت تو ہے..... آپ پریشان لگ رہے ہیں؟ سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں...... یونہی...... کام بہت زیادہ تھا۔" کاشف ٹالنے کے انداز میں بولا۔

"کیا..... کوئی ٹرانسفارمر جل گیا تھا؟ سدرہ نے پوچھا۔

"نہیں....."

"کیا کوئی شارٹ سرکٹ ہو گیا تھا؟ سدرہ نے پھر پوچھا۔

"نہیں...... ایسا کچھ نہیں......" اور سگریٹ جلا کر اس کے گہرے گہرے کش لینے لگا۔

"کھانا لاؤں......؟ سدرہ نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے بھوک نہیں۔" وہ مایوس کن لہجے میں بولا۔

"کیا بات ہے..... آپ پریشان کیوں ہیں؟ سدرہ نے قدرے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں...... تم سو جاؤ۔" کاشف بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولا۔

"کاشف...... میں آپ کو اپنی ہر پریشانی بتاتی ہوں...... کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گے؟ سدرہ نے ملائمت سے پوچھا۔

"کوئی پریشانی نہیں۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"پریشانی تو آپ کے چہرے پر لکھی ہے۔" سدرہ نے کہا۔

"پلیز...... اسوقت...... کچھ مت بولو اور سو جاؤ......" وہ قدرے غصے سے بولا تو سدرہ چونک گئی...... ان کی شادی کو پانچ ماہ ہو رہے تھے اور اس پورے عرصے میں کاشف اس سے ایک بار بھی اس لہجے میں نہیں بولا تھا اور آج نجانے اسے کیا ہوا تھا کہ اس کا لب ولہجہ ہی بدل گیا تھا۔ یقیناً کوئی بڑی بات ہوئی ہے۔ وہ خاموشی سے بیڈ پر لیٹ گئی مگر وہ ساری رات کروٹیں بدلتی رہی اور انکھیوں سے کاشف کو دیکھتی رہی جو رات بھر جاگتا رہا تھا اور ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سویا تھا اور اس کو یوں پریشان و مضطرب دیکھ کر وہ بے چین ہو رہی تھی۔

اگلے روز وہ آفس ٹائم سے پہلے ہی چلا گیا۔ اس نے بہت بے دلی سے چائے کا آدھا کپ پیا تھا۔ "سدرہ ناشتہ اس کے سامنے لگائے اسے کھانے کو کہتی رہی مگر اس نے اس کی کسی بات کا جواب نہ دیا اور اپنی ہی سوچوں میں گم رہا۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ آفس چلا گیا اور سدرہ گھر پر بے چین رہی۔ کاشف نے اس کو اتنی محبت دی تھی کہ اب وہ اسے ایک لمحے کے لئے بھی پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کاشف مضبوط اعصاب کا تنومند، خوبصورت، دراز قد نوجوان تھا۔ وہ ہر بات میں سدرہ کی ہمت بندھاتا تھا۔ اس سے حوصلے اور ہمت کی باتیں کرتا تھا اور اب نجانے کیا ہو گیا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھا تھا۔ "ضرور کوئی گھمبیر مسئلہ ہے۔ ورنہ کاشف جیسا شخص یوں بے قرار نہیں ہو سکتا۔" سدرہ

سارا وقت اس کے بارے میں سوچتی رہی اور ہر نماز میں اس کے لئے دعائیں کرتی رہی۔

شام کو وہ گھر لوٹا تو قدرے مطمئن تھا۔ اب اس کے چہرے پر ایسی پریشانی نہیں تھی جیسی صبح تھی۔ اس کے پرمطمئن چہرے کو دیکھ کر سدرہ نے سکون کا سانس لیا۔ کاشف نے کھانا بھی ٹھیک طرح سے کھایا اور مسکرا مسکرا کر اس سے باتیں کرتا رہا۔

کاشف کیا آپ کا مسئلہ حل ہو گیا؟ سدرہ نے رات کو بیڈ پر لیٹتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں......'' وہ پرمطمئن لہجے میں بولا۔

''کیا مسئلہ تھا......؟ سدرہ نے پوچھا۔

''کچھ نہیں......''

''کیا مجھے بتانا نہیں چاہتے......؟ سدرہ نے پوچھا۔

''ہاں......'' وہ قطعیت سے بولا۔

''کیوں......؟''

''تم نہیں سمجھو گی...... دفتر کے بہت سے معاملات اور بڑے بکھیڑے ہوتے ہیں...... گھر کی عورتوں کو اس میں دخل نہیں دینا چاہیے۔''

کاشف نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

''کاشف...... کل آفس کے بعد مجھے اماں کی طرف چھوڑ دیجئے گا۔ بہت دن ہو گئے ہیں ان کی خیر خبر معلوم کیے ہوئے......'' سدرہ نے کہا۔

''اچھا......'' وہ آہستہ آواز میں بولا اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

اگلے روز کاشف کے آفس سے آنے سے پہلے ہی وہ تیار ہو چکی تھی اس نے فیروزی شلوار کے کڑھائی والے سوٹ کے ساتھ فل میچنگ جیولری پہن رکھی تھی اور میک اپ کر رکھا تھا۔ کاشف اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

''تم کتنی سنوری کتنی اچھی لگتی ہو...... ہر روز یونہی سنورا کرو۔'' کاشف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیوں......؟ اس نے جان بوجھ کر پوچھا۔

''میرا دل خوش ہو جاتا ہے۔'' وہ شرارتی لہجے میں بولا۔

''اور جانتے ہیں...... میرا دل کب خوش ہوتا ہے؟ سدرہ نے مسکرا کر پوچھا۔

جب میں تمہیں محبت سے دیکھتا ہوں۔'' کاشف ہنستے ہوئے بولا۔

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا مطلب...... پھر کب؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

''جب آپ مجھے اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

"تم تو بچپن سے ہی میرے دل میں ہو۔" کاشف نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں...... جب آپ مجھے اپنا ہمراز بناتے ہیں...... مجھ پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنے راز مجھ سے شیئر کرتے ہیں...... تب مجھے بہت خوشی محسوس ہوتی ہے...... مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ نے مجھے کسی قابل سمجھا ہے۔" سدرہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"بھئی...... میں تو تمہیں ہمیشہ اعتماد کے قابل سمجھتا ہوں۔" کاشف نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"پھر...... آئندہ مجھ سے کچھ مت چھپانا......" سدرہ نے معنی خیز انداز میں کہا تو کاشف خاموش ہو گیا۔

"اب چلیں...... اندھیرا ہو رہا ہے...... گھر واپس بھی آنا ہے۔" سدرہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو کاشف بھی زبردستی مسکرانے لگا۔

"دونوں رشیدہ کے ہاں پہنچے تو منی گھر پر اکیلی تھی۔

سدرہ اور کاشف کو دیکھ کر وہ خوشی سے کھل اٹھی۔

"آپا...... تم...... اتنے دنوں بعد کیوں آئی ہو؟ میں بہت اداس ہو گئی تھی...... اور تم کتنی اچھی لگ رہی ہو۔" منی محبت سے اس کے گلے لگتے ہوئے بولی۔

"میں بھی بہت اداس ہو گئی تھی...... اسی لیے تو ملنے آ گئی ہوں۔"

اماں اور راشد کہاں ہیں؟ سدرہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"راشد کا تو پتا نہیں...... اماں ساتھ والوں کے گھر گئی ہے۔"

منی نے بتایا۔

"کیوں......؟ سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"راشد اور گڈو کی کل لڑائی ہو گئی تھی...... راشد نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر گڈو کی خوب پٹائی کی...... پھر اماں اور گڈو کی ماں میں خوب جھگڑا ہوا...... گڈو کے سر سے خون بہنے لگا...... اسے پٹی لگی ہے...... وہ لوگ پولیس کو بلانے لگے تھے...... اماں اب معافی مانگنے گئی ہے۔" منی نے ایک ہی سانس میں بتایا تو سدرہ ایکدم پریشان ہو گئی۔

"اتنا کچھ ہو گیا...... اور تم لوگوں نے مجھے بتایا ہی نہیں۔" سدرہ نے حیرانگی سے کہا۔

"اماں کو پتا ہو......" منی نے جواب دیا۔

سدرہ کو راشد کی باتیں سن کر کاشف کے سامنے شرمندگی ہو رہی تھی۔

"آپا...... راشد پھر فیل ہو گیا ہے...... اب کہتا ہے...... میں نے نہیں پڑھنا۔" منی نے بتایا تو سدرہ کاشف سے نظریں چرانے لگی۔

"منی...... تو...... سکول جا رہی ہے؟" سدرہ نے پوچھا۔

"نہیں...... تیری شادی کے بعد تو ایک دن بھی نہیں گئی۔ اماں نے دو گھروں کا کام مجھے دلا دیا ہے۔ اماں کہتی ہے...... گھر کا خرچ پورا نہیں

ہوتا......اس لئے اب مجھے بھی کام کرنا پڑے گا......راشد کو کچھ نہیں کہتی......آپا اس نے صندق میں سے بھی چیزیں جو کوٹھی والوں نے تیری شادی کے لئے دی تھیں۔نکال کر بیچ دی ہیں......منی ایک ایک کر کے گھر کی ساری باتیں اسے بتا رہی تھی اور سدرہ کو سخت شرمندگی ہو رہی تھی۔

"مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔"

"میں جا رہا ہوں، واپسی پر تمہیں لے لوں گا۔" کاشف نے سدرہ کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات کو پڑھتے ہوئے خود ہی وہاں سے جانے کا فیصلہ کیا۔سدرہ خاموشی سے کاشف کی جانب دیکھنے لگی اور وہ اس کا جواب سنے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

"اب......مجھے ساری باتیں تفصیل سے بتا......یہ گھر میں کیا ہو رہا ہے......اماں......راشد کو منع کیوں نہیں کرتی......وہ دن بدن بگڑ رہا ہے۔" سدرہ نے منی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"آپا......اماں......تو......راشد کو نہ خود کچھ کہتی ہے اور نہ ہی کسی اور کو کچھ کہنے دیتی ہے۔" منی نے کہا۔

"اماں......راشد کو کتنا بگاڑ رہی ہے......اماں کو سمجھ کیوں نہیں آتی۔" سدرہ نے خفگی سے کہا۔

دروازہ کھلا اور رشیدہ اندر داخل ہو گئی۔اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا آنکھوں میں غصہ اور چہرے پر فکر کے تاثرات تھے۔یوں لگ رہا تھا جیسے کسی سے خوب لڑ جھگڑ کر آ رہی ہو......سدرہ کو بیٹھے دیکھ کر چونکی۔

"تو کب آئی......؟" رشیدہ نے قدرے ناگواری سے پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے۔" سدرہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

"کس کے ساتھ......؟"

"کاشف کے ساتھ......وہ ضروری کام سے باہر گئے ہیں۔" سدرہ نے جواب دیا۔

"منی......مجھے پانی پلا......خدا ستیاناس کرے ایسے ہمسایوں کا جنہیں ذرا بھی دید......لحاظ نہیں......کسی طور مانتے ہی نہیں تھے......بول رہے تھے۔راشد کو پولیس کے حوالے کریں گے......ارے میں ان کی بوٹیاں نہ نوچ لوں......جو میرے راشد کی طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھے......" رشیدہ پانی پیتے ہوئے اپنے اندر کا غبار نکالنے لگی۔

سدرہ اپنا غصہ مشکل سے ضبط کیے ماں اور منی کی طرف دیکھتی رہی۔

"ارے......میں تو خود پولیس میں جا کر ایسا بیان دوں گی۔ان کو تو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔میرا راشد یتیم ضرور ہے......مگر اس کی ماں ابھی زندہ ہے۔" رشیدہ اونچی آواز میں بولنے لگی۔

"اماں......بس کر......نہ اس کو خراب کر۔" سدرہ اپنے آپ پر بمشکل قابو پاتے ہوئے بولی۔

"آ گئی ہے......تو......اس کی دشمن۔" رشیدہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"اماں......میرا ایک ہی بھائی ہے......میں کیسے اس کی دشمن ہو سکتی ہوں۔" سدرہ نے اپنا لہجہ نارمل کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... تو نے بھائی کے لئے کیا کیا.....؟ آئی بڑی بھائی کہنے والی۔..... کاشف سے کہہ کر اسے نوکری تو دلا نہیں سکی..... تجھے خود نہ خیال آیا۔ اب میں تجھے خود اپنے منہ سے کہوں۔" رشیدہ غصے سے پھٹ پڑی۔

"اماں..... وہ میٹرک تو کر لے۔۔۔ آٹھویں بھی اس نے تھرڈ ڈویژن میں پاس کی ہے..... کون اسے نوکری دے گا؟" سدرہ نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہاں..... ہاں..... کاشف تو ایم اے پاس ہے نا..... جب اس کا باپ مرا تو وہ ابھی دسویں میں تھا۔ اسے بھی تو نوکری مل گئی تھی نا۔" رشیدہ نے غصے سے کہا۔

"اماں..... تب کاشف نے میٹرک کے امتحان دیئے تھے۔ رزلٹ آنے تک اسے پکا نہیں کیا گیا تھا۔" سدرہ نے کہا۔

"ہاں..... ہاں..... تو ہی سب کچھ جانتی ہے..... ہم تو ان پڑھ جاہل ہیں۔ ہمارا بھی اللہ وارث ہے..... میں کوٹھی والے صاحب سے کہہ کر اپنے بیٹے کو نوکری دلوا دوں گی۔" رشیدہ نے غصے سے کہا۔

تو سدرہ منہ بنا کر خاموش بیٹھ گئی۔ اور رشیدہ چارپائی پر لیٹ گئی۔

"آپا..... تیرے لیے چائے بناؤں۔" منی نے سدرہ کی نم آنکھوں کو دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں..... چل اندر چلتے ہیں۔" سدرہ نے منی سے کہا اور دونوں کمرے میں چلی گئیں۔

"آپا..... ہم دونوں بہنوں سے اماں ایسے کیوں بولتی ہے۔ ہر وقت ڈانٹتی ہے۔ ہر وقت غصے سے ہی رہتی ہے۔ راشد سے تو ایسے بات نہیں کرتی۔" منی نے افسردگی سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" سدرہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"باہر دروازہ زور سے کھلا..... اور راشد اپنی سائیکل لے کر اندر آیا۔

"آ گیا..... میرا چاند۔" رشیدہ نے چارپائی پر لیٹے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں....." اس نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"کسی نے تجھے کچھ کہا تو نہیں..... ادھر آ..... میرے پاس بیٹھ۔"

"رشیدہ نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں..... کسی نے کچھ کہنا تھا؟" راشد نے حیرت سے پوچھا۔

"یہی..... گڈو کی ماں..... بڑا بول رہی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ راشد کو پولیس میں دے دوں گی۔ اس نے گڈو کو زخمی کیا ہے اور وہ ہسپتال میں ہے۔" رشیدہ نے بیزاری سے کہا۔

"لگتا ہے..... اب ماں بیٹے کو جان سے ہی مارنا پڑے گا۔" وہ یکدم طیش میں اٹھتے ہوئے بولا۔

"بکواس بند کر...... یہ تو نے کیا کام شروع کر رکھے ہیں...... محلے والوں سے لڑائی جھگڑے شروع کر دیے ہیں۔" سدرہ نے غصے میں کمرے سے باہر آ کر اسے دو تھپڑ لگائے۔ راشد اور رشیدہ ایکدم بوکھلا گئے۔ راشد کو قطعی توقع نہ تھی کہ سدرہ اس طرح اس پر ہاتھ اٹھائے گی وہ اپنا گال سہلانے لگا۔

"آپا...... تو......" وہ غصے سے ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"خبردار...... جو تو آ سدرہ یہاں آئی...... اور میرے بیٹے پر ہاتھ اٹھایا۔ تیری اتنی جرأت" رشیدہ نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اماں...... یہ تجھے کہیں کا نہیں چھوڑے گا......؟" سدرہ غصے سے بولی۔

"تجھے...... اس سے کیا......؟ میں تجھ سے شکایت کرنے نہیں جاؤں گی۔" رشیدہ نے کہا۔

راشد کی پینٹ کی جیب میں سدرہ کو سگریٹ کی ڈبیا نظر آئی۔ وہ آگے بڑھی اور غصے سے اس کی جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکالی یہ...... یہ تو نے کب سے شروع کر دیے ہیں؟ سدرہ نے چونک کر پوچھا۔

راشد ایکدم گھبرا گیا۔ رشیدہ بھی چونک کر دیکھنے لگی۔

"کیا...... تیری عمر ہے...... سگریٹ پینے کی...... ماں لوگوں کے گھروں میں مزدوری کرے اور تو پیسہ ان کاموں میں اڑائے۔ راشد تجھے ذرا بھی شرم نہیں آتی...... تم کیوں یہ سب کچھ کر رہے ہو......؟ سدرہ نے اسے بازو سے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

"سب لڑکے پیتے ہیں...... میں اکیلا تو نہیں۔" وہ بازو چھڑا کر ڈھٹائی سے بولا۔

"ہاں...... ہاں...... ساتھ والوں کا گڈو...... سامنے والوں کا ریحان...... سب ہی......" رشیدہ نے راشد کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"اماں...... بس کر...... کسی بات پر تو اسے ڈانٹا کر......" سدرہ نے غصے سے کہا۔

"کیوں ڈانٹوں...... بیٹے ایویں ہی نہیں ملتے...... تم جیسی ریوڑیاں تو تھوک کے حساب سے ملتی ہیں...... ایسے لعل تو نصیبوں سے ملتے ہیں۔" رشیدہ نے راشد کو محبت سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"پھر لعل کو سنبھال کر بھی رکھتے ہیں...... سڑکوں اور گلیوں میں آوارہ چھوڑ دیے جائیں تو کنکر بن جاتے ہیں۔" سدرہ نے غصے سے کہا۔

"تو اپنی باتیں اپنے پاس رکھ...... ہمیں بھی ساری سمجھ ہے...... ساری عقل تیرے پاس ہی نہیں......" رشیدہ نے کہا۔

"راشد...... آ سدرہ تو نے سگریٹ کو ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا...... اپنی عمر دیکھ اور اپنی عادتیں...... ٹھیک طرح سے پڑھائی کر...... میں کاشف سے کہہ کر تجھے کسی دفتر میں نوکر کراتی ہوں۔" سدرہ نے اپنا لہجہ نرم کر کے ملائمت سے کہا۔

"مجھے نہیں کرنی نوکری...... اور...... نہ ہی پڑھائی۔" راشد غصے سے اپنی شرٹ کا کالر اکڑا کر کے بولا اور سدرہ کو گھورتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا۔

"مہربانی کر...... اور...... تو یہاں نہ آیا کر...... ہم تجھ سے کوئی اداس نہیں ہوتے کہ اپنا چہرہ دکھانے چلی آتی ہے یہاں...... اور جب بھی

آتی ہے لڑائی جھگڑا کرتی ہے..... ہم باز آئے تم سے ملنے سے۔"

رشیدہ نے غصے سے کہا تو سدرہ حیرت سے ماں کی طرف دیکھنے لگی۔اس کی آنکھوں سے آنسو زاروقطار بہنے لگے۔منی اسے دیکھ کر سہم گئی۔

اچانک کاشف دروازہ کھول کر اندر آیا..... اور سدرہ کو روتے ہوئے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"کیا ہوا.....؟" کاشف نے اسے اور پھر رشیدہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں..... گھر چلیے۔" سدرہ نے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا اور کسی سے بھی ملے بغیر گھر سے باہر نکل گئی۔

اسد اور مومنہ کی شادی بہت سادگی سے ایک میرج ہال میں ہوئی تھی جس کے سارے اخراجات اسد نے برداشت کیے تھے۔سلوت آپا نے جہیز میں کوئی چیز نہ لی تھی..... انہوں نے زکیہ کو ہر غم اور فکر سے آزاد کر دیا تھا..... مگر سلوت آپا نے اپنی خاندانی روایات کے مطابق تمام رسمیں ادا کیں تھیں۔اس کی وارڈروب کو خوبصورت اور قیمتی ملبوسات سے بھر دیا تھا۔سیف میں سونے چاندی، وائٹ گولڈ اور ہیروں کے سیٹ رکھے تھے۔اس کے ڈریسنگ ٹیبل پر قیمتی پرفیومز اور میک اپ کا بے تحاشہ سامان تھا..... کمرے کی آرائش، فرنیچر ہر شے قیمتی اور دیدہ زیب تھی۔

مومنہ سرخ عروسی کامدار لہنگے میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی اور زیورات میں لدی پھندی، خوشبوؤں سے معطر پھولوں اور گجروں سے سجی..... سرخ گھونگھٹ سے چہرہ چھپائے جب اس نے اسد کے محل نما گھر میں قدم رکھا تو اس کے وجود کی روشنیوں سے سارا گھر جگمگانے لگا۔اس کے آنے سے ہر طرف گھر میں اک لطیف سا احساس پیدا ہونے لگا۔سلوت آپا اس پر واری اور قربان ہو رہی تھیں۔بار بار اس کے سر پر سے ہزار ہزار کے نوٹ وار کر ڈرت اور خیرن بوا کو دے رہی تھیں۔بار بار اس کی پیشانی چومتیں۔اسد کنکھیوں سے اس کی جانب دیکھتا اور اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کرتا۔اسے لاؤنج میں بٹھا کر انہوں نے کئی خاندانی رسمیں ادا کیں۔

"بہو بیگم..... آپ تھک گئی ہوں گی..... اپنے کمرے میں جا کر آرام کیجیے..... فخر بیگم..... آپ اس گھر کی بڑی دلہن ہیں..... ہماری بہو بیگم کو ان کے کمرے میں پہنچا دیجیے۔" سلوت آپا نے فخر بیگم کو کہا اور وہ مومنہ کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جانے لگیں۔

"ٹھہریے....." سلوت آپا نے کہا اور مومنہ کے سامنے کھڑی ہو کر اس کی پیشانی چومنے لگیں۔

"زندگی کا نیا سفر مبارک ہو..... خدا کرے..... آپ کا دل اور دامن خوشیوں سے بھرا رہے..... اسد بیٹا..... اب آپ کی ذمہ داری ہے..... بہو بیگم کا بہت خیال رکھیں..... سلوت آپا نے ساتھ ساتھ کھڑے اسد اور مومنہ کو باری باری چوم کر دعائیں دیں۔مومنہ نے شرما کر سر جھکا لیا اور اسد مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

دونوں نے کمرے میں قدم رکھا تو تازہ گلاب کے پھولوں کے خوشگوار اور پر معطر جھونکوں نے ان کا بھرپور استقبال کیا۔کمرے کے دروازے سے بیڈ تک سارے راستے میں گلاب کے پھولوں کی پتیاں بچھائی گئیں تھیں۔مومنہ ان نرم و نازک پتیوں پر چلتی ہوئی اپنے بیڈ تک پہنچی۔جہاں سرخ مخملیں بستر پر موتیے کی کلیاں اور گلاب کی پتیاں بچھائی گئی تھیں۔

"اب آپ آرام کیجیے....." فخر بیگم نے محبت سے کہا اور دونوں کی طرف مسکرا کر دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔اسد نے آف

وہائٹ شیروانی اور ہیرون کلے کے ساتھ گولڈن تلے کے کام والا شاہی کھسہ پہن رکھا تھا۔ دونوں بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ دراز قد، سمارٹ، خوبصورت اور پرکشش۔

''مومنہ...... آپ کو ہمارا ساتھ کیسا لگا......؟ آئی مین...... پہلی بار کی ملاقات سے لے کر اب تک...... کبھی موقع ہی نہیں ملا...... کہ میں آپ سے آپ کے بارے میں کچھ پوچھ سکتا...... آج موقع ملا ہے تو کیا آپ اس ملن پر خوش ہیں؟'' اسد نے مسکرا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے پوچھا۔

مومنہ نے شرما کر سر نیچے کر لیا...... اور مسکرانے لگی۔

''مومنہ...... میں آپ کی مسکراہٹ کے ساتھ آپ کی آواز بھی سننا چاہتا ہوں...... جو یقیناً آپ کی طرح بہت خوبصورت ہے۔'' اسد نے مسکراتے ہوئے کہا تو مومنہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''آپ نے کب سنی......؟'' اچانک مومنہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''اسی روز...... جب آپ کو دیکھا تھا...... میں تو آپ کی آواز اور حسن کا اسیر ہو گیا...... نجانے آپ نے کیا جادو کر دیا ہے کہ آپ کے بغیر زندگی بہت ادھوری لگنے لگی تھی......'' اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور...... اب......؟'' مومنہ نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

''اور...... اب یوں لگتا ہے...... میرا جہاں مکمل ہو گیا ہو...... میری دنیا جگمگانے لگی ہو...... اس میں قدرت نے چاند ستاروں سے روشنی کر دی ہو...... اس میں خوشبوئیں بھر گئی ہوں...... آج مجھے میری دنیا بہت مکمل...... حسین...... دلکش اور بہت خوبصورت لگ رہی ہے...... آپ کی طرح...... ہنستی...... مسکراتی...... شرماتی...... لجاتی......'' اسد نے اسے اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

''ملن کا یہ احساس کتنا خوبصورت ہے......؟'' اسد نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں......'' وہ بھی مسکراتے ہوئے بولی۔

''اوہ...... میں تو بھول ہی گیا......'' اسد ایک دم بیڈ پر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ مومنہ حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ اس نے دراز میں اپنی الماری کی چابیاں نکالیں اور الماری کا خفیہ خانہ کھول کر اس میں سے ایک سرخ مخمل کا نیکلس سیٹ کا ڈبہ نکال کر لایا اور اسے مومنہ کے آگے رکھا۔

''ہمارے ملن کی خوشی میں...... میری محبت کے حضور پہلا نذرانہ۔ اسد نے سیٹ کا ڈبہ کھول کر مومنہ کو دکھایا۔ اس میں ڈائمنڈ کا انتہائی خوبصورت اور نفیس سیٹ تھا۔ مومنہ زندگی میں پہلی بار ہیرے کا سیٹ دیکھ رہی تھی۔ ہیروں سے نکلنے والی ست رنگی شعاعیں مومنہ کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں...... قدرت اس پر کتنی مہربان ہو رہی تھی۔ اسے کیسے کیسے نواز رہی تھی...... اسد جیسا ٹوٹ کر پیار کرنے والا شخص...... اور...... اس کی محبت کی طرح اس کے انمول تحفے...... وہ ڈر سی گئی۔

"کیا ہوا..... پسند نہیں آیا؟" اسد نے مومنہ کے چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں..... بہت خوبصورت ہے۔" وہ آہستہ آواز میں بولی۔

مومنہ کو اُسے اپنے ہاتھوں سے سیٹ پہنایا۔ وہ محبت پاش نظروں سے اس کی جانب دیکھتا رہا۔ اپنے آپ کو اس کی پُر شوق نگاہوں کے حصار میں پا کر وہ لمحہ بہ لمحہ مسرور ہو رہی تھی۔ اس کے دل میں سرشاری بھرنے لگی تھی۔ اس نے سارا سیٹ پہنایا واؤ..... یو..... آر..... لُک گریٹ ا..... سو..... پریٹی..... یہ ڈائمنڈز کتنے معمولی لگ رہے تھے مگر آپ نے پہن کر ان کو خوبصورت بنا دیا ہے....." اس نے محبت سے اس کے سفید مرمریں ڈائمنڈ کی انگوٹھی پہنے ہاتھ کو اپنے لبوں سے لگایا۔ مومنہ مسکرانے لگی۔

"مومنہ..... آئی..... ایم سو ہیپی..... اتنا..... خوش..... اتنا خوش کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتی۔" اسد پُر جوش انداز میں بولتے ہوئے بیڈ سے اٹھا..... اور اس کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا اپنے کمرے کی دیوار میں موجود ایک ڈیکوریشن الماری کے پاس گیا اور دیوار کے ساتھ لگا ایک بٹن دبایا الماری کا ایک بہت بڑا خانہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور اس میں ایک بہت بڑا خفیہ خانہ نظر آنے لگا اسد نے ایک بوتل اور اس کے ساتھ ترتیب سے رکھے انتہائی خوبصورت کرسٹل کے نفیس وائن گلاسز میں سے ایک گلاس نکالا اور بوتل سے اس میں وسکی ڈالی۔ پاس رکھے فریج میں سے اس میں آئس ڈال کر اس کا پیگ بنا کر مومنہ کے پاس آیا۔ مومنہ انتہائی حیرت زدہ نگاہوں سے اسے یہ سب کچھ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ہاتھوں اور چہرے پر پسینہ آ رہا تھا..... وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے کبھی اسد اور کبھی گلاس میں موجود شراب کو دیکھ رہی تھی۔ اسد اسے یوں حیران دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"آپ حیران کیوں ہو رہی ہیں؟" اسد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ..... یہ..... یہ....." خوف اور حیرت سے اس کی زبان سے الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔

"یہ..... ایک سافٹ ڈرنک ہے....." اسد ہنستے ہوئے بولا۔

"ش..... شرا..... ب..... وہ بمشکل بولی۔

"نہیں..... وسکی....." وہ ہنس کر بولا۔

"کیا..... آپ..... شراب پیتے ہیں؟" مومنہ نے حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا اور اس کی آنکھوں میں ایکدم نمی اتر آئی۔

"کبھی..... کبھار..... جب بہت خوش ہوں..... اپنی خوشی کو سلیبریٹ کرنے کے لئے..... اور..... آج..... میں بہت خوش ہوں۔" اسد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا خوشی ایسے مناتے ہیں..... اسے پی کر.....؟" مومنہ حیرت سے پوچھا۔

"ہر ایک کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے..... میں خوشی کو اس کے ساتھ زیادہ انجوائے کرتا ہوں۔" اسد نے مسکراتے ہوئے کہا اور گلاس لبوں کو لگانے لگا۔

"پلیز.....پلیز.....آپ اسے مت پئیں....." وہ غمناک ہو کر بولی۔

"کیوں.....اس میں کیا قباحت ہے؟ اسد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہ حرام ہے.....اور.....میں نہیں چاہتی.....ہماری زندگی کا آغاز ایک حرام شے سے ہو....." اس نے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

اسد نے اس کی طرف بغور دیکھا اور پھر گلاس کی طرف.....

"مومنہ.....آئی ایم ناٹ ایڈکٹڈ (عادی).....کبھی کبھار....." اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پلیز.....میری خاطر.....آج نہیں۔" مومنہ نے رنجیدگی سے کہا اور اس کی آنکھوں کی نمی میں اضافہ ہونے لگا۔

اسد نے اس کی طرف دیکھا گہری سانس لی اور واش روم میں جا کر گلاس واش بیسن میں الٹا دیا۔.....اور گلاس ٹیبل پر رکھ کر مومنہ کے پاس آ گیا.....اسد ایکدم خاموش ہو گیا تھا اور مومنہ افسردہ.....کچھ دیر پہلے دونوں بے انتہائی خوش تھے وہ ایک دوسرے کو پا کر یوں مسرور ہو رہے تھے جیسے انہوں نے کائنات کی سب سے بڑی خوشیاں پا لی ہوں.....وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ مگر ان نگاہوں میں اب وہ الفت نہیں رہی تھی۔ ایک دوسرے کا لمس محسوس کر رہے تھے۔ مگر نجانے چاہت کہاں غائب ہو رہی تھی۔ محبت، چاہت، خوشی، سرشاری اور سکون جانے کہاں چلا گیا تھا۔

"حرام چیز کی خباثت روح پر اثر کرتی ہے۔" ڈاکٹر ثقلین کے الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے اور اسے ان کے کہے ہوئے جملے پر یقین آ رہا تھا.....اسد نے صرف شراب کے جام کو چھوا تھا.....اس کا ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا اور اس کی خباثت نے ان کے کمرے کی معطر فضا کو مکروہ کر دیا تھا۔ ان کے دلوں سے سرشاری اور لبوں سے مسکراہٹ چھین لی تھی.....ان کی روحوں میں اضطراب بھر دیا تھا.....مومنہ کا دل ایکدم اداس ہو گیا تھا۔

اسد اس سے محبت جتلا رہا تھا اور وہ اس کی محبت پا کر ویسی خوش نہ ہو رہی تھی.....جس طرح وہ پہلے خوش تھی.....اور.....اسد کے دل میں عجیب سی بے چینی تھی.....جیسے کسی گلٹ کا احساس۔ دل کو اندر ہی اندر مضطرب کرتا ہے.....اسی طرح.....وہ بھی بے قرار ہو رہا تھا.....مومنہ نے اسے روکا تھا اور وہ رک گیا تھا.....کیا وہ واقعی ایسا کام کر رہا تھا.....جو اتنا کریہہ تھا.....کہ مومنہ نے اسے روکا تھا.....یہ تو بہت معمولی اور عام سی بات تھی.....یہ تو سوشل ڈرنک تھی.....سب لوگ پیتے ہیں.....اس میں کوئی ایسی قباحت کی بات نہیں تھی.....مومنہ اتنی حیران اور پریشان کیوں ہوئی تھی۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ مومنہ کے جذبات اور احساسات میں سے شدت اچانک غائب ہو گئی تھی۔

"مومنہ کا بھی قصور نہیں.....مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں ایسی ہی بیک ورڈ سوچ رکھتی ہیں.....یہ اس کی اور مومنہ کی کلاس کی 'سوچ' کا فرق تھا۔ اگر مومنہ کی جگہ علیزہ یا نگین ہوتیں.....تو شاید وہ خود بھی اس کا ساتھ دیتیں.....مگر.....مومنہ.....اس نے اس کی خوشی کو ادھورا کر دیا تھا.....اس کی خوشی میں تشنگی باقی رہ گئی تھی۔ اس نے مومنہ کو کچھ نہ کہا تھا مگر وہ اندر ہی اندر 'سوچ' کے اس فرق کو شدت سے محسوس کرنے لگا تھا۔

صبح سطوت آپا نے دونوں کو ناشتے کی ٹیبل پر بلایا تو وہ بے حد خوش تھیں۔ ٹیبل پر انواع و اقسام کے پکوان رکھے تھے۔ خاندان کے تمام قریبی رشتہ دار ٹیبل کے گرد جمع تھے۔ مومنہ نے فیروزی سوٹ کے ساتھ بھاری کامدار دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ ہلکا ہلکا میک اپ، زیورات سے مبرا

حسن...... اور آنکھوں میں ٹھہری اداسی...... اس کے اداس دل کی کیفیت کو بیان کر رہی تھی۔

اسد بھی پہلے کی طرح چپ نہیں رہا تھا۔ وہ ان کی ہر بات پر مسکرا کر مومنہ کو دیکھتا اور مومنہ بھی مسکرا کر شرما جاتی۔ رشتے دار خواتین اور لڑکیاں اسد اور مومنہ کے ساتھ ہنسی مذاق کرتی رہیں اور اسد ان کا بھرپور ساتھ دیتا...... مومنہ جب بھی مسکرا کر اسد کی طرف دیکھتی تو ایکدم کہیں سے اداسی کی لہر بھی آنکھوں میں نمی بن کر اتر آتی۔

"ولیمے کا بہت زبردست فنکشن ایک انتہائی مہنگے میرج ہال میں ہوا تھا۔ ولیمے پر اسد نے اپنے حلقۂ احباب کے تمام لوگوں کو بلایا تھا۔ تگین بھی اپنے والدین کے ساتھ آئی تھی اور بہت مشکوک و گہری نظروں سے مومنہ کی طرف دیکھتی رہی۔ اسد بہت خوش نظر آرہا تھا اور مومنہ بھی مسکرائی...... شرمائی...... سر جھکائے...... گھونگھٹ سے چہرے کو قدرے چھپائے ہوئے...... وہ اسے بہت عجیب سی لگی...... وہ اسے خوبصورت تو لگی...... مگر...... اس میں وہ اسٹائل نہیں تھا جو اپر کلاس کی لڑکیوں میں ہوتا ہے...... وہ اسے بہت عام سی لڑکی لگ رہی تھی...... البتہ اسد بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ تگین نے علینہ کا نمبر ملایا...... وہ نیم مدہوشی کے عالم میں تھی۔

"ہائے...... علینہ...... ہاؤ...... آر...... یو...... سویٹی......؟" تگین نے مسکرا کر کہا۔

"ڈئیر...... تم کیسی ہو......؟" علینہ جمائی لیتے ہوئے بولی۔

"میں...... اس وقت اسد کے ولیمے کا فنکشن اٹینڈ کر رہی ہوں۔" تگین نے کہا۔

"اسد کا ولیمہ...... آج......؟"

"ہاں...... اس وقت۔"

"کیا...... وہ...... خوش ہے؟" علینہ نے بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں...... دکھائی تو...... ایسا ہی دے رہا ہے۔" تگین نے اسد کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اور...... اس کی دلہن...... وہ کیسی ہے؟" علینہ نے پوچھا۔

"شی...... از...... پریٹی......" تگین نے جواب دیا۔

"کیا...... بہت زیادہ......؟" علینہ نے حسرت سے پوچھا۔

"یس...... شی...... از......" تگین نے مومنہ کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے پوچھا۔

"م...... م...... مجھ سے زیادہ......" علینہ نے بے قراری سے پوچھا۔

"آئی...... کانٹ کمپیئر...... شی از پریٹی...... بٹ شی از مڈل کلاس کمپلیکشن۔" تگین نے ناک چڑھا کر کہا۔

"اسد نے پھر بھی اس کو پسند کر لیا...... اسد کو اس میں کیا attraction فیل ہوئی......" علینہ بڑبڑانے لگی۔

"آئی ڈونٹ...... نو......" تگین نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا..... اسد..... بہت خوش ہے؟ علیمہ نے پھر پوچھا۔

''آئی..... تھنک..... ہی از ہپی (وہ خوش ہے) ثمین نے کہا تو علیمہ نے ایکدم اپنا موبائل آف کر دیا۔ ثمین حیرت سے موبائل کی طرف دیکھنے لگی۔

رفتہ رفتہ شادی کا ہنگامہ سرد پڑنے لگا۔ مہمان رخصت ہونے لگے..... اور گھر کی رونق میں کمی ہونے لگی تھی..... شادی کی رات کے بعد اسد نے پھر شراب کو ہاتھ نہ لگایا تھا اور نہ ہی پینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مومنہ کا دل مطمئن ہونے لگا تھا اس کے دل سے وہ شکوک ختم ہونے لگے تھے۔ اسد اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اس کو بہت عزت اور پیار سے بلاتا تھا۔ اس کی اتنی پذیرائی کرتا تھا کہ وہ اتنی خوشی پا کر ایکدم اداس ہو جاتی۔ جیسے کبھی کبھار انتہائی خوشی اک میٹھے درد میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسے اپنے آپ سے ڈر لگنے لگتا..... کہ کہیں اس کی خوشیوں کو اس کی اپنی ہی نظر نہ لگ جائے۔

تمام مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ زندگی معمول پر آ رہی تھی۔ سطوت آپا مومنہ سے اسقدر محبت اور پیار سے پیش آتیں کہ اس کا دل خوشی کی ایسی کیفیت سے دوچار ہونے لگتا کہ اسے سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کرے۔ وہ ان کی اتنی ستائش اور محبت کے جواب میں شکریہ بھی نہ ادا کر پاتی بس مسکرا کر ان کی جانب دیکھتی اور وہ اس کو محبت سے اپنے ساتھ لگا لیتیں۔

''بہو بیگم..... ہمارے خاندان کی روایت رہی ہے کہ جب نئی نویلی بہو آتی ہے تو اس کے کام کاج میں مدد کے لیے اپنی خاص ملازمہ اسے دی جاتی ہے..... ہم نے ثروت کی بیٹی شاہ کو آپ کی خدمت کے لئے بلایا ہے..... وہ آپ کے تمام کام کاج کر دیا کریں گی۔

''واہ..... اس کی کیا ضرورت تھی..... کوئی خاص کام تو ہیں نہیں۔'' مومنہ نے چونک کر کہا۔

''بہو بیگم..... یہ ہماری خاندانی روایت ہے..... اور جانتی ہیں..... ہماری ساس نے ہمیں کونسی ملازمہ دی.....؟ سطوت بیگم نے مسکرا کر پوچھا۔

''کون.....؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

''خیرن بوا.....'' سطوت بیگم نے مسکرا کر جواب دیا۔

''واقعی.....'' مومنہ نے حیرت سے کہا۔

''ہاں..... تب خیرن بھی جوان تھیں..... اب تو بہت بوڑھی ہو گئی ہیں ہمارا اور ان کا ساتھ بہت پرانا ہے..... زندگی میں کئی نشیب و فراز آئے مگر خیرن بوا نے ہمارا ساتھ نہ چھوڑا..... کبھی مالی حالات بہت دگرگوں بھی ہوئے مگر خیرن بوا بہت صابر و شکر رہیں بہت اچھی اور نیک خاتون ہیں..... ثروت ان کی بھانجی ہیں..... ہم جس حویلی اور جس گھر میں جائیں۔ خیرن بوا کے گھر والوں کے لئے کوارٹرز..... پیچھے گھر بنواتے ہیں۔ ثروت کا شوہر ہماری فیکٹری میں کام کرتا ہے۔ اس کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ شاہ سب سے بڑی ہے اور بہت سلجھی ہوئی اچھی بچی ہے۔ ہمارے ہاں ایسی ملازم خواتین سے صرف کام ہی نہیں کیا جاتا ان کو پڑھائی لکھائی اور سلائی کے علاوہ مکمل گھرداری..... ادب و آداب بھی سکھائے جاتے

ہیں۔آپ بھی ثناء کو سب کچھ سکھائیں گی......'' سلوت آپا نے تفصیلاً بتایا تو وہ ان کی بات پوری توجہ سے سنتی رہی۔

''ثروت......ثناء کو لے آیئے۔'' سلوت آپا نے کچن کی طرف منہ کر کے کہا تو ایک درمیانی عمر کی صحت مند، سانولے رنگ کی دراز قد عورت کچن سے باہر آئی اس کے ساتھ ایک سترہ سالہ دبلی پتلی لمبی گندمی رنگت والی لڑکی تھی۔

اس کے نقوش بہت واضح اور تیکھے تھے۔آنکھیں بڑی خوبصورت اور مدہوش کرنے والی تھیں۔اس نے ناک میں سونے کی باریک تار پہن رکھی تھی اور بالوں کی دو چٹیا باندھ رکھی تھیں۔وہ بہت پرکشش دکھائی دے رہی تھی۔

''بہو بیگم یہ ثناء ہے......اور ثناء بیٹی آج سے آپ نے بہو بیگم کے سارے کاموں کی ذمہ داری سنبھالنی ہے۔ان کی الماریوں کے کپڑے ٹھیک کرنے ہیں ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا ہے......اور......بہو بیگم آپ نے ثناء کا خیال رکھنا ہے......'' سلوت آپا نے دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی......بیگم صاحب......'' ثناء نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔

''ثروت......باقی کے کام آپ ثناء کو سمجھا دیجئے۔'' سلوت آپا نے کہا اور دونوں لاؤنج سے باہر نکل گئیں۔

''بہو بیگم......ایک بہت اہم بات ذہن نشین کر لیجئے کہ آپ اپنے تو سارے کام ثناء سے کروائیں مگر اسد بیٹے کے سارے کام خود کیجئے گا......ہمارے ہاں بیگمات پر پہلی ذمہ داری ان کے شوہروں کی ہوتی ہے......ہمارا مطلب آپ سمجھ گئی ہوں گی۔'' سلوت آپا نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''جی......جی......ہاں......'' مومنہ نے جواب دیا

''ہاں......ہم تو یہ پوچھنا بھول ہی گئے......کہ......اسد بیٹے کے ساتھ زندگی کا سفر کیسا لگا......؟'' سلوت آپا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''بہت......بہت......اچھا۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''ہمارا بیٹا......بہت اچھی اور نفیس طبیعت کا مالک ہے۔بہت سلجھا ہوا، سمجھدار، ہمدرد اور اعلیٰ ظرف انسان ہے۔اچھے ذوق و شوق کا مالک ہے......البتہ......ان میں ایک خامی ہے۔جب روٹھ جائے تو انہیں منانا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور اگر کسی سے متنفر ہو جائے تو پھر اس کی طرف لوٹ کر جانا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔جس سے محبت کرتا ہے......بے انتہا کرتا ہے......نفرت تو بے انتہا نہیں کرتا۔البتہ ان کو دوبارہ اس شخص سے محبت پر مائل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔یہ باتیں قدرے مشکل نظر آئیں گی مگر جب آپ ان کی عادتوں اور مزاج کو سمجھنا شروع کریں گی تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہوگا......یہ تو ہے کہ آپ بہت خوش قسمت ہیں......جنہیں اسد جیسا شوہر ملا......'' سلوت آپا نے پرستائش نظروں سے مومنہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرانے لگی۔

''کافی دنوں سے ذکیہ بیگم نہیں آئیں......اگر آپ کا دل اداس ہو رہا ہو تو آپ اسد بیٹے کے ساتھ یا ڈرائیور کے ساتھ جا سکتی ہیں......ہم شادی کی مصروفیت کی وجہ سے بہت تھک گئے ہیں......ورنہ ہم ساتھ چلے جاتے۔'' سلوت آپا نے محبت سے کہا۔

''نہیں......نہیں......ایسی کوئی بات نہیں......میں کل ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی......'' مومنہ نے جواب دیا۔

"بہو بیگم..... خوش رہیئے..... ہم سے اگر کوئی کوتاہی ہو جائے..... یا ہماری کوئی بات ناپسند آئے تو ہماری عمر کا تقاضا سمجھ کر نظر انداز کر دیجئے گا۔ ہم اس مزاج کی خاتون نہیں کہ جان بوجھ کر کسی کو تکلیف دے کر اپنی تسکین کریں..... آپ ہمیں بہت عزیز ہیں..... ہمارے بیٹے کی زندگی کو خوبصورت بنائیں.....اور ہمارے گھر کے آنگن میں آپ کے آنے سے بہار آئے....." سطوت بیگم نے دعا دیتے ہوئے کہا تو وہ ان کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگی۔

اسد کو اچانک بزنس میٹنگ کے سلسلے میں جانا پڑ گیا تھا۔ باہر دوسرے ملک سے کلائنٹس آ رہے تھے۔ وہ صبح سے ان کے ساتھ بہت مصروف تھا۔ مومنہ اسے بہت زیادہ مس کر رہی تھی اور بار بار اس کے موبائل پر نمبر ملاتی مگر اس کا موبائل بند ملتا۔

شادی کو آٹھ دن ہو گئے تھے اور ایک ایک لمحہ ایک دوسرے کی قربت میں کٹا تھا۔ دونوں کئی کئی دیر اپنی اپنی زندگیوں کے اہم واقعات سناتے..... محبت بھری باتیں کرتے..... مگر ایک لمحہ بھی ایک دوسرے سے دور نہیں ہوئے تھے.....اور..... آج اسد سہ پہر سے آفس گیا تھا۔ رات ہونے کو آ رہی تھی اور وہ اس سے کوئی بات نہیں کر پائی تھی۔ اس کی آواز نہیں سن پائی تھی تو اسے ہر جانب کسی شے کی تشنگی اور اچانک کھونے کا احساس عجیب سی اذیت دے رہا تھا۔ وہ اسد کے کس قدر قریب آ گئی تھی۔ صرف چند دنوں میں اسے اس کے بغیر کچھ بھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ یہ بھی کیسا عجیب سا رشتہ ہے.....؟ اسے اپنے آپ پر حیرانگی ہوتی..... اور اسد سے محبت کا احساس اور شدت اختیار کرنے لگتا۔

رات کافی گہری ہو رہی تھی۔ جب اسے اسد کا موبائل آن ملا۔

"اسد..... آپ کہاں ہیں؟" وہ بے صبری سے بولی۔

"آئی..... آئی..... ایم کمنگ..... بزنس کلائنٹس کے ساتھ بزی تھا....." اسد نے جواب دیا۔

"آئی..... مِس..... یو" وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"آئی..... لو..... یو..... ٹو سویٹ ہارٹ۔" اسد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور موبائل آف کر دیا۔

رات کے دو بج رہے تھے۔ مومنہ جلدی سے نیچے آ گئی.....اور لاؤنج میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ سطوت آپا سو رہی تھیں اور گھر کے ملازمین بھی جا چکے تھے وہ اسد کے خیالوں میں کھوئی صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے اسد کے بارے میں سوچ سوچ کر مسکرا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی کے ہارن اور گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ قدرے پُرجوش انداز میں اینٹرنس سے ہوتی ہوئی سیڑھیوں کے باہر کھڑی ہو گئی اور محبت پاش نظروں سے اسد کی جانب دیکھنے لگی۔ اسد بھی اسے دیکھ کر مسکرایا اور گاڑی سے نکل کر والہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھا۔ مگر اچانک اس کے قدم ڈگمگائے۔ مومنہ فوراً اس کے ساتھ لگ گئی۔ اسد نے اس کو اپنے ساتھ لگا کر گرفت مضبوط کی..... اچانک مومنہ کو اس کے منہ سے بو سی محسوس ہوئی۔ اس نے بغور اسد کی جانب دیکھا اور ایکدم پیچھے ہٹ گئی..... اسد نے شراب پی رکھی تھی۔

"کم آن..... سویٹ ہارٹ....." اسد نے محبت سے کہا اور وہ خاموش، مریل قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے کمرے تک آ گئی۔ وہ اس سے ملنے کے لیے جتنی بے تاب اور بے قرار ہو رہی تھی۔ ایک دم اس کے جذبات پر اوس پڑ گئی۔ اسد کی آواز قدرے بھاری اور جسم میں

ارتعاش سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کمرے میں آ کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا اور اپنی ٹائی کی ناٹ لوز کرنے لگا۔ مومنہ حسرت اور دکھ سے اس کی جانب دیکھتی رہی..... اس کا دل کرچی کرچی ہو رہا تھا۔ اتنا خوبصورت اور محبت کرنے والا انسان اس وقت کتنا مدہوش ہو رہا تھا۔ اپنے آپ سے بے نیاز۔

"اسد نے آنکھیں کھول کر مومنہ کی طرف دیکھا۔ جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور اس کے گہرے گہرے کش لیتے ہوئے مومنہ کی طرف مدہوش اور مست نگاہوں سے دیکھا۔

"آج..... آپ..... پہلے سے بھی زیادہ حسین لگ رہی ہیں..... جیسے سفید پری آسمانوں سے اتری ہو....." اسد نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

مومنہ کو اس کی بات سن کر ذرا بھی خوشی نہ ہوئی۔ الٹا اس کا دل اداس ہونے لگا۔

وہ اٹھ کر لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اس کے قریب آیا۔

"ناراض کیوں ہو؟" وہ اس کے ساتھ لپٹ کر بولا۔

"نہیں..... میں ناراض نہیں....." اسے اسد سے کراہت سی محسوس ہونے لگی اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی۔

"آئی..... نو..... آئی..... نو..... تم میرے ڈرنک کرنے سے ناراض ہوتی ہو..... لیکن بزنس ڈنر میں سب پیتے ہیں..... اور..... پلیز تم اپنی سوچ بدلو..... ہماری کلاس میں یہ سب چلتا ہے..... تمہارا attitude مجھے تنگ کرتا ہے..... پلیز..... چینج یور تھاٹس۔" اسد نے اپنے دل کی بات صاف گوئی سے کہہ دی۔

"اسد..... حلال و حرام..... کا حکم سب کے لیے ہے..... کسی ایک کلاس کے لیے نہیں..... اور شراب کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔" وہ خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"پلیز..... مجھے irritate مت کرو..... آئی ایم ڈرنک..... میرے پاس آؤ..... آئی نیڈ یو....." اسد نے اسے اپنے بازوؤں میں جکڑتے ہوئے کہا۔

اور وہ اس کی طرف دیکھ کر بے بسی سے رونے لگی..... نجانے کہاں سے آنسو اس کی آنکھوں میں امڈ امڈ کر آ رہے تھے..... وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسد اس کو روتے ہوئے دیکھ کر پریشان ہو گیا اور خود بھی اسے گلے لگا کر رونے لگا۔ مومنہ حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی..... اسے اس کے یوں رونے کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے اور گھبرا کر اسد کو جھنجھوڑنے لگی۔

"اسد..... اسد..... آپ کو کیا ہوا ہے.....؟" مومنہ حواس باختہ ہو کر بولی

"آئی ایم سوری..... سوری..... ریئلی..... سوری..... سوری..... سوری..... آئی..... ول ناٹ ڈرنک اگین....." اسد بے ربط انداز میں بولتا گیا۔

مومنہ اس کی بات سن کر خوش ہو گئی

"ریئلی....." مومنہ خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھی۔

یس..... آئی..... ول..... نیور..... اگین..... فارگیو (مجھے معاف کر دو) فارگیو..... فارگیو....." وہ مسلسل بول رہا تھا۔

''ٹھینک..... یو..... اسد'' وہ انتہائی خوش ہو کر بولی اور محبت سے اس کے ہاتھ چومنے لگی

''پلیز..... ان ہاتھوں سے دوبارہ اس حرام چیز کو مت چھونا..... اسد پلیز.....'' مومنہ ہاتھ جوڑ کر اس کے آگے التجا کرنے لگی

''آئی..... ول..... نیور.....'' وہ اس کے ہاتھوں پر اپنے لب رکھتے ہوئے بولا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

مومنہ نے اس کے جوتے اتارے اور اسے ٹھیک کر کے بستر میں لٹا دیا۔

مومنہ اس کی طرف غمزدہ اور حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اسد کے دل میں نجانے کیا غم ہے کہ وہ یوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے۔ شاید وہ اپنے ماں باپ کی کمی کو بہت محسوس کرتا ہے۔ اسد کے بہن بھائی بھی نہیں ہیں..... شاید وہ دکھ اس کے اندر ہے..... اسے اسد پر پہلے سے بھی زیادہ پیار آنے لگا۔ اسد نے آہستہ آہستہ بے ہوش ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

اسد میں آپ کی زندگی سے سارے دکھ..... سارے غم دور کروں گی۔

اسد..... آئی لو یو ٹو مچ.....'' فرط جذبات سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ ساری رات اس کے سرہانے بیٹھ کر قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر اسے دم کرتی رہی۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہ سوئی۔ فجر کی نماز پڑھ کر وہ شدت سے خدا کے حضور روئی اور گڑگڑا دعائیں کرتی رہی۔ نجانے قدرت کو اس کی کونسی آزمائش مقصود تھی۔ وہ اپنی قسمت پر کس قدر نازاں۔ خوش اور مطمئن تھی کہ اس کا رب اس کو کس قدر فراخ دلی سے نواز رہا تھا مگر اسے کیا معلوم تھا کہ اس کی خوشیوں کے اندر کیسا غم اور کیسی چبھن ہوگی جو اس کے دل کو پژمردہ کر دے گی اور اس کی روح میں کسک بن کر اسے ہر پل، ہر لمحہ مضطرب رکھے گی۔

ظاہری طور پر مکمل خوبصورت، خوشحال و مطمئن شخص اس کے لیے کیسی ذہنی اذیت کا باعث بنے گا۔

''شاید امی کو میری یہ ذہنی اذیت پہلے ہی محسوس ہونے لگی تھی۔ جو وہ اس رشتے کو قبول کرنے میں اتنی خوش نہیں تھی۔ مگر شاید انہوں نے اس کے دل کی خواہش کو محسوس کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ کیا مائیں..... اولاد کے ساتھ ہونے والے حادثات اور پریشانیوں کو پہلے ہی محسوس کر کے پریشان ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔'' مومنہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ برسنے لگے۔ وہ دونوں ہاتھوں کو دعائیہ انداز میں بلند کر کے مسلسل رو رہی تھی۔ اس کے لب خاموشی سے کپکپا رہے تھے مگر دل اونچی آواز میں رو رہا تھا..... سسکیاں بھر رہا تھا مگر نہ تو اس کی سسکیاں سننے والا کوئی تھا اور نہ ہی دل کا درد محسوس کرنے والا..... سوائے خدا کے..... جس نے اس کے لیے بہت کٹھن راہ منتخب کیا تھا۔ نجانے یہ سفر کیسے کٹے گا.....؟ اس کا اختتام کیسا ہوگا.....؟ بہت سے اندیشے اور وسوسے اس کے دل کو مضطرب کرنے لگے۔

اسد بے ہوش سو رہا تھا۔ وہ اپنے آپ سے بے خبر تھا۔ مومنہ کی موجودگی اور اس کی ذات سے لاتعلق تھا۔ اور مومنہ کے لیے صرف اور صرف اس کی ذات اور موجودگی اہم تھی..... وہ اس کے لیے خدا کے حضور گڑگڑا رہی تھی اور اسے کوئی سرگوشی بھی سنائی نہ دے رہی تھی۔ وہ اس کے لیے دعائیں کر رہی تھی۔ اور وہ ہر صدا و دعا سے بے نیاز تھا۔ وہ خاموش لبوں کے ساتھ دعائیں کرتی رہی بیڈ پر آڑھے ترچھے..... مدہوش دست اسد کو دیکھ دیکھ کر روتی رہی۔

"یہ تو نے میرے لیے کیسا سفر...... کیسی راہ...... منتخب کی ہے...... جو بہت کٹھن...... مشکل...... اور...... صبر آزما ہے...... جیسے کوئی پل صراط...... اب مجھے ہمت و طاقت دے تاکہ میں اس سفر کو کامیابی سے مکمل کروں۔ میں اس راستے کی تاریکی کو تیرے ایمان کے نور سے دور کروں......" وہ دعا کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور اپنی سرخ دھوتی ہوئی آنکھوں کو اپنے دوپٹے کے پلو سے صاف کرتی ہوئی بیڈ روم کے اسٹائلش سے چھوٹے صوفے پر نیم دراز ہوگئی۔ وہ آنکھیں بند کر کے کھولنے کی کوشش کرتی جو پپوٹوں کے سوجنے کے باعث انہیں کھولنا اور بند کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ نہ تو اسے نیند آرہی تھی اور نہ ہی کسی پل چین۔ وہ مسلسل اسد کی طرف دیکھتی رہی اور آہیں بھرتی رہی۔ وہ سوچوں کے بھنور میں دھنستی چلی گئی اور وہیں اس بھنور میں کھوئے ہوئے اسے کب نیند آئی اسے ہوش نہ رہا۔

دروازے پر کافی دیر سے دستک ہو رہی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور دروازہ کھولا تو سامنے ثنا سفید اور سرخ پرنٹڈ سوٹ میں نکھری نکھری مسکرا کر اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"آپ ابھی تک نیچے نہیں آئیں...... بڑی بیگم صاحب پریشان ہو رہی ہیں" ثنا ایک ہی سانس میں جلدی جلدی بولی

"میں...... میں...... ابھی آرہی ہوں۔" اس نے ہکلا کر جواب دیا

"چھوٹی بیگم...... کیا آپ کو میری کسی مدد کی ضرورت ہے؟" ثنا نے پوچھا

"نہیں...... آپ جائیے" مومنہ نے کہا تو وہ چلی گئی

مومنہ نے وارڈ روب سے خوبصورت استاروں والا سرخ سوٹ نکال کر پہنا...... ہلکا ہلکا میک اپ کیا...... زیورات پہنے...... اور اپنا آپ آئینے میں دیکھ کر گہری سانس لی۔

"کبھی کبھی اپنے آپ کو چھپانا کتنا ضروری...... مگر کتنا مشکل ہو جاتا ہے" اس نے نم آنکھوں سے سوچا اور آئینے میں ہی اسد کے بے سدھ جسم کو دیکھ کر آہ بھری۔ آنکھوں سے اچانک گرنے والے آنسوؤں کو صاف کیا۔ ان پر تھوڑی سی آئی شیڈ لگائی تاکہ ان کی سرخی اور سوزش کو چھپا سکے۔ بے بسی سے پرفیوم کا اسپرے کیا اور دوپٹے کو سلیقے سے اپنے سر پر پھیلا کر اوڑھتے ہوئے نیچے آگئی۔ دادو اخبار پڑھنے میں معروف تھیں۔ اس کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے صوفے سے اٹھیں۔

"ماشاءاللہ...... چشم بددور...... یہ رنگ آپ پر کتنا جچ رہا ہے...... آپ کو دیکھ کر ایک دم گھٹن کا احساس دور ہو جاتا ہے...... بہو بیگم...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک تھی نا...... آج آپ بہت دیر سے نیچے آئی ہیں۔" دادو نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"بس...... طبیعت بوجھل ہو رہی تھی......" وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"کیوں...... رات کو کھانا تو ٹھیک سے کھایا تھا نا؟" دادو نے فکرمندی سے پوچھا

جی جی۔ ہاں۔ اس نے بوکھلا کر جواب دیا

"آج ابھی تک اسد میاں بھی نہیں بیدار ہوئے...... خیریت تو ہے نا" دادو نے پھر پریشان ہو کر پوچھا۔

"جی...... دادو...... دراصل...... وہ رات کو بہت دیر سے آئے تھے" مومنہ نے جواب دیا۔

ہاں...... ان کی گاڑی کا ہارن سن کر ہم ایسے بیدار ہوئے پھر نیند نہ آئی...... آپ ناشتہ کیجئے...... اور...... پھر ہمارے پاس آ کر بیٹھئے......" دادو نے مسکراتے ہوئے کہا

"نہیں...... مجھے بھوک نہیں...... صرف چائے پیوں گی۔" اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

"نہیں...... بہو بیگم...... چائے کے ساتھ ضرور کچھ کھا لیجئے...... شاہ...... بیٹی...... آپ کہاں ہیں؟ دادو نے کچن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو شاہ بھاگتی ہوئی کچن سے آئی۔

"بہو بیگم کے لئے چائے اور انڈے لے آؤ......" دادو نے حکم دیا تو شاہ مؤدبانہ انداز میں "جی بڑی بیگم صاحبہ" کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

مومنہ خاموش بیٹھی رہی۔

"کیا بات ہے...... بہو بیگم......؟" دادو نے اچانک اس کو کہا تو وہ ہڑبڑا گئی۔

"ک...... ک...... کچھ نہیں" وہ جلدی سے بولی

"بہو بیگم...... ہم آپ کی آنکھوں میں گہری اداسی دیکھ رہے ہیں کیا بات ہے......؟ کیا آپ پریشان ہیں؟ دادو نے مومنہ کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا

"ن...... ن...... نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں...... بس رات بھر طبیعت بوجھل رہی...... اور میں سو نہیں سکی......" مومنہ نے اداس لہجے میں گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"بہو بیگم...... اگر طبیعت خراب تھی تو آپ ہمارے پاس آ جاتیں...... اور ہمارا خیال ہے آپ نے اسد بیٹے کو بھی کچھ نہیں بتایا ہوگا...... اب آپ اس گھر کا بہت اہم فرد ہیں...... آپ کے بغیر یہ گھر اور ہماری زندگیاں نامکمل ہیں...... پھر...... اس ہچکچاہٹ کا کیا مطلب......؟ دادو نے محبت سے اس کے سر اور کمر پر تھپکی دے کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی اور اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے۔

"ارے...... ارے...... ہماری جان...... آپ تو رونا شروع ہو گئیں...... آپ کی دادو کے لئے آپ کے یہ آنسو کتنے تکلیف دہ ہیں...... شاید آپ کو معلوم نہیں...... اتنی خوبصورت آنکھوں میں آنسو نہیں آنے چاہئیں...... کیا آپ کو اس گھر میں کسی پریشانی کا سامنا ہے؟ دادو نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پوچھا

"نہیں......" اس نے آہستہ آواز میں جواب دیتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا اسد بیٹے سے...... کوئی......؟ دادو نے جملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے کہا

"نہیں......" اس نے پھر نفی میں سر ہلا کر کہا۔

"پھر یقیناً" آپ ذکیہ بیگم اور مریم بیٹی سے اداس ہو رہی ہوں گی۔ ہم آج ہی اسد بیٹے سے کہتے ہیں آپ کو ذکیہ بیگم سے ملوانے لے

جائیں..... مگر وعدہ کریں۔ ہمارے سامنے یوں کبھی اداس نہیں ہوں گی۔ جو پریشانی یا کوئی مسئلہ ہو تو ہمیں فوراً بتا دیجئے..... ہمیں آپ کو اپنے بیٹے کی نسبت سے "بہو بیگم" کہہ کر مخاطب کرنا اچھا لگتا ہے۔ مگر حقیقت میں آپ ہماری بیٹی ہی ہیں......" دادو نے محبت سے کہا۔

نثار ٹرالی میں چائے لے آئی اور چائے بنا کر ایک کپ دادو کو دیا اور ایک مومنہ کو۔

دونوں آہستہ آہستہ چائے پینے لگیں۔

"بہو بیگم..... جب ہم بیاہ کر لکھنؤ سے حیدر آباد آئے..... تو اپنے گھر والوں کے بغیر دل جب بہت اداس ہوتا تو ہم چھپ چھپ کر روتے.....اور اپنی آنکھیں اچھی طرح صاف کر کے جب اپنی ساس صاحبہ کے پاس آتے..... تو وہ فوراً جان لیتیں..... اور اسی وقت ہمارے شوہر کو بلا کر کہتیں کہ بہو بیگم اداس ہو رہی ہیں انہیں میکے لے جائیے..... اور ہمیں خبر بھی نہ ہوتی اور ہمارے جانے کی مکمل تیاری ہو جاتی۔ کوچ کرنے سے چند گھنٹے پہلے ہمیں اطلاع دی جاتی..... اور جاتی ہیں..... ہمیں انتہائی حیرت ہوتی..... جب حیرن ہوا سامان باندھ کر ہمیں اطلاع دینے آتیں..... تو..... ہم چونک جاتے۔ ہمارے لئے اس اچانک خبر میں بہت لطف ہوتا" دادو مسکرا کر ماضی کی باتیں بتاتیں

دادو..... کیا آپ کی ساس بہت اچھی تھیں؟" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"بہت..... بہت..... اچھی..... نیک سیرت..... خدا ترس..... پاکباز عورت..... ہمارے ساتھ وہ تمیں برس رہیں.....اور..... اس عرصے میں نہ کبھی ڈانٹا..... اور نہ کسی قسم کا طنز کیا..... کبھی کبھی ہم سے کوتاہی ہو جاتی تو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتیں..... کہ..... ایسا ہم سے بھی ممکن ہو سکتا تھا..... بہت انسان دوست تھیں۔ ہمارے میکے میں بھی بہوؤں کے ساتھ حسن سلوک کی روایت بہت پختہ رہی تھی مگر ہماری ساس مرحومہ تو بہت ہی زیادہ نرم دل واقع ہوئی تھیں..... بہت مہذب اور شائستہ۔ ہم تو کہتے ہیں..... کہ جن گھروں میں شوہر بیوی کی اور سائیں بہوؤں کی عزت کرتی ہیں.....وہ گھر نہ کبھی ٹوٹتے ہیں اور نہ بدنظمی کا شکار ہوتے ہیں......" دادو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دادو..... آپ بہت اچھی ہیں..... امی آپ کی بہت تعریف کرتی ہیں" مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہو بیگم..... یہ "محبت" ہماری خاندانی روایت کا بہت اہم حصہ ہے۔ جو ہمیں..... ہماری ساس صاحبہ سے ملی۔ اور ہم آپ کو منتقل کر رہے ہیں.....اور امید کرتے ہیں کہ آپ محبت کی اس روایت کو قائم رکھتے ہوئے اپنی آئندہ آنے والی نسل کو منتقل کریں گی۔" دادو نے محبت سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو وہ ہری مسکراہٹ سے انہیں دیکھنے لگی۔

اوپر بیڈروم کا دروازہ کھلا تو مومنہ اور دادو نے لاؤنج میں بیٹھے ہوئے اوپر دیکھا۔

"میرا خیال ہے اسد اٹھ گئے ہیں..... میں ان کو جا کر دیکھتی ہوں" مومنہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں..... ضرور......" دادو نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بوجھل قدموں سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر کمرے میں آ گئی۔ اسد فریش ہو کر بلیک پینٹ کے ساتھ پنک شرٹ پہنے آئینے کے سامنے کھڑا پرفیوم لگا رہا تھا۔ مومنہ کو سرخ سوٹ پہنے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ اور محبت پاش نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"واؤ..... آپ ہر روز مجھے جگاتی ہیں..... " وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

"ناشتہ لگاؤں..... " مومنہ نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"خیرن بوا کو بولیں..... ہمیں چائے لے آئیں' اسد نے کہا

"میں خود لے کر آتی ہوں" مومنہ نے جواب دیا۔

"آپ کیوں.....؟ گھر میں کام کرنے کے لئے بہت سے ملازم ہیں' اسد نے کہا

"وہ گھر کے کام کاج کے لیے ہیں..... اور آپ کے کام کرنا میری ذمہ داری ہے" مومنہ نے سنجیدگی سے جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

اسد اپنے کچھ ڈاکومنٹس اپنے آفس بیگ میں رکھنے میں مصروف تھا۔ جب وہ چائے کی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے لئے چائے بنانے لگی۔

"چائے پی لیجیے..... " اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

اسد بیگ بند کر کے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے چائے کا کپ اسے پکڑا دیا اور وہ مسلسل خاموش تھی۔

"مومنہ..... کیا بات ہے؟ آپ خاموش کیوں ہیں؟ اسد نے اس کی اداس آنکھوں اور پریشان چہرے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اسد..... آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے نا؟ مومنہ نے گہری سانس لے کر پوچھا

"کون سا وعدہ.....؟ اسد نے انتہائی حیرت سے پوچھا

"رات کو آپ نے کوئی وعدہ کیا تھا.....؟" مومنہ نے حیرت سے پوچھا

"آئی ایم سوری..... آئی ڈونٹ ریممبر (مجھے یاد نہیں) اسد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا

"کیا آپ کو بالکل یاد نہیں.....؟ مومنہ نے پھر پوچھا

"مجھے تو یاد نہیں آ رہا..... آپ ہی بتا دیجئے۔" اسد نے کہا۔

"کیا آپ کو یہ بھی یاد نہیں کہ آپ رات کو بہت رو رہے تھے؟ مومنہ نے انتہائی حیرت سے پھر پوچھا

"میں..... رو..... رہا تھا..... کم آن..... مومنہ..... آپ کیا کہہ رہی ہیں بھلا میں کیوں رووں گا..... آئی ایم اے اسٹرونگ مین (میں مضبوط آدمی ہوں) میں اتنے کرائسس میں بھی ہمت نہیں ہارتا اور رات کو تو کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی تھی..... بھلا رونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اسد نے طنزیہ لہجے میں ہنستے ہوئے کہا۔ تو مومنہ خاموشی اور حیرت کے ملے جلے احساسات سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ اور اپنا نچلا ہونٹ کاٹتی رہی۔

آپ کون سے وعدے کی بات کر رہی تھیں.....؟ اسد نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی..... نہیں..... کچھ بھی نہیں" اس نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے..... آپ کے یاد دلانے پر مجھے یاد آ جائے" اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب مجھے اس کی امید نہیں" مومنہ نے جواب دیا اور برتن سمیٹ کر ٹرے میں رکھنے لگی۔

"مومنہ...... یوں اداس مت ہوا کریں...... میں آپ کو بہت خوش دیکھنا چاہتا ہوں...... دنیا کی ہر خوشی آپ کو دینا چاہتا ہوں...... ہم بہت جلد ہنی مون کے لئے سوئٹزرلینڈ چلیں گے...... میں آپ کو ساری دنیا کی سیر کرانا چاہتا ہوں" اسد نے اس کو اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے کہا۔

"دادو گھر پر اکیلی ہوں گی......" اس نے اداس لہجے میں جواب دیا

"کوئی بات نہیں دادو کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں" اسد نے مسکرا کر کہا۔

"ٹھیک ہے اگر دادو جائیں گی تو میں جاؤں گی...... ورنہ میں ان کو چھوڑ کو نہیں جاؤں گی......" مومنہ نے قطعیت سے جواب دیا۔

"او...... ہو...... لگتا ہے...... آپ کو مجھ سے زیادہ دادو سے محبت ہو گئی ہے" اسد نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"نہیں...... آپ سے زیادہ...... کسی سے بھی نہیں" مومنہ نے کہا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

اسد نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہونے لگی۔

"رئیلی......؟" اسد نے مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں پوچھا

"کیا آپ کو مجھ پر یقین نہیں......؟" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یقین نہ ہوتا...... تو...... شادی کیوں کرتا......؟" اسد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اسد...... آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں؟ مومنہ نے اس کی آنکھوں کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا

"کیا میری محبت کو ناپنے کے لئے...... آپ کے پاس کوئی پیمانہ ہے؟ اسد نے پوچھا۔

"نہیں...... مگر الفاظ کی گہرائی سے شدت کا اندازہ کر لوں گی" اس نے جواب دیا۔

"اور اگر...... میرے پاس بیان کرنے کو الفاظ نہ ہوں...... تو......؟" اسد نے مسکرا کر پوچھا۔

"پھر جذبات کی شدت سے جان لوں گی؟" مومنہ نے خفگی لہجے میں جواب دیا

"میری محبت کو بیان کرنے کے لئے الفاظ اور جذبات دونوں کم پڑ جائیں گے...... میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں...... یہ آپ ہر گزرتے دن کے ساتھ محسوس کریں گی" اسد نے جواب دیا

"اسد...... مجھے آپ پر اور آپ کی محبت پر یقین بھی ہے اور اعتماد بھی...... مگر......" وہ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے ناخنوں کو آپس میں بجاتے ہوئے بولی۔

"مگر...... کیا......؟" اسد نے اس کی طرف چونک کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اسد...... ہم دونوں کے درمیان ایک چیز آ گئی ہے...... اور مجھے ڈر ہے...... وہ ہمیں ایک دوسرے سے دور نہ لے جائے" مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

"کیسی چیز......؟ اور......ہم بھی ایک دوسرے سے دور نہیں ہوں گے......آپ کو پانے کی میں نے کتنی شدید تمنا کی ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں......اور آپ کو پا کر میں کس قدر خوش ہوں......آپ کو شاید اندازہ نہیں......میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے سے بہت خوش ہیں......آپ کو کیا خوف ہے......اور......آپ کس چیز کی بات کر رہی ہیں......؟" اسد نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ڈرنک کی" مومنہ نے ٹھوس لہجے میں کہہ کر جواب دیا

اسد نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گیا......ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اس کی جانب دیکھا۔ مومنہ کی نظریں مسلسل اس کے چہرے پر تھیں۔

"مومنہ......پلیز......اسے ایشو مت بنایئے......یہ کوئی بڑی بات نہیں" اسد نے کمزور لہجے میں جواب دیا۔

"اسد آپ کا مجھ سے نظریں نہ ملانا بتا رہا ہے......کہ یہ کتنی بڑی بات ہے" مومنہ نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"مومنہ......میرے پینے سے آپ کو کیا نقصان ہو رہا ہے......؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اگر آپ پر سے میرا اعتبار اور اعتماد کم ہو جائے......تو......اس سے بڑا نقصان کیا ہو سکتا ہے......" مومنہ نے جواب دیا تو اسد صوفے پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"ہم دونوں کے درمیان اعتبار اور اعتماد کو کبھی کچھ نہیں ہوگا......آئی ایم شیور (مجھے یقین ہے) اسد نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"اسد......جب آپ کو اپنی کہی ہوئی بات اور کیا ہوا وعدہ یاد نہیں رہے گا......تو......اعتبار کیسے قائم رہے گا؟" مومنہ نے جواب دیا تو اسد خاموش ہو گیا۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔ دونوں میں کافی دیر خاموشی چھائی رہی۔

"اسد......میں آپ کو Letdown (بے عزت) نہیں کرنا چاہتی......احساس دلانا چاہتی ہوں کہ یہ چیز آپ جیسے اچھے انسان سے آپ کی ساری اچھائیوں کو ختم کر دے گی......اور......میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گی......اسد......آئی لو یو سو مچ" وہ سسکنے لگی۔ تو اس کا دل پسیج گیا۔

"میں......کوشش کروں گا......کہ......" اسد مزید کچھ نہ کہہ سکا یا پھر اسے اپنے آپ پر یقین نہ رہا کہ وہ اپنے دعوے میں ثابت قدم بھی رہ پائے گا یا نہیں......وہ مومنہ کی طرف دیکھ کر ہونٹ چبانے لگا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کچھ کہنے لگا کہ اچانک اس کا موبائل بجنے لگا......اور وہ فون سننے میں مصروف ہو گیا۔

"آئی......ایم......کمنگ......(میں آ رہا ہوں) اسد نے کہہ کر موبائل آف کر دیا۔

مومنہ ٹشو پیپر سے اپنی نم آنکھوں کو رگڑتی رہی۔ اسد نے اس کی جانب دیکھا۔

"ارجنٹ کال تھی......میں جا رہا ہوں......اپنا خیال رکھنا اسد نے سنجیدگی اور محبت سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا تو مومنہ نے اپنی نم آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا اور خاموش رہی......اسد مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔ مومنہ اس کے پیچھے چلی آئی۔

"آیئے......اسد بیٹا......آج آپ بہت دیر سے چھٹے آئے ہیں......آپ کی طبیعت تو ٹھیک تھی نا" دادو نے فکرمندی سے پوچھا۔

"جی...... دادو......" اسد نے مومنہ کی طرف نگھیوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"بیٹا...... یہ آپ دونوں کے خوشیوں بھرے دن ہیں...... ان دنوں میں چہروں پر شفق پھوٹنی چاہیے۔ اداسی نہیں......" دادو نے محبت سے دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا "ہم بہت خوش ہیں...... دادو...... آپ کو خوامخواہ میں وہم ہو رہا ہے...... بلکہ ہم تو ہنی مون کے لیے سوئٹزرلینڈ جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں..... اسد نے ایک دم موڈ بدل کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ...... ضرور جائیے بھئی یہی تو گھومنے پھرنے کے دن ہیں...... اور ان خوبصورت دنوں کی یادیں تو ساری زندگی کا اثاثہ ہوتی ہیں" دادو نے محبت سے کہا۔

"ہاں...... مگر...... مومنہ کا کہنا ہے کہ آپ کے بغیر نہیں جائیں گی" اسد نے مسکرا کر مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"ارے بھئی...... نہیں...... یہ آپ کے گھومنے پھرنے کے دن ہیں...... ہمیں اپنے زمانے میں آپ کے دادا مرحوم نے بہت گھمایا پھرایا بہت عیشیں کرائی تھیں...... آگرہ کا تاج محل...... دلی کے باغات...... بلکہ ہمیں تو برطانیہ بھی لے کر گئے...... اس لیے ہم تو بالکل نہیں جائیں گے...... ویسے بھی ان کے بغیر کہیں جانے کو دل ہی نہیں چاہتا...... ہم تو ہرگز نہیں جائیں گے" دادو نے قطعیت سے کہا۔

"کیا خیال ہے...... مومنہ......؟ اسد نے مسکرا کر اسے پوچھا۔

"اسد...... مجھے امی کی طرف ڈراپ کر دیں...... بہت دنوں سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی" مومنہ نے جان بوجھ کر بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے...... ابھی چلیے......" اسد نے کہا۔

"ہاں...... بہو بیگم...... چلی جائیے......" دادو نے بھی محبت سے کہا۔

"میں برقع پہن کر آتی ہوں" مومنہ نے کہا اور تھوڑی دیر بعد برقعہ پہن کر آئی۔ دونوں باہر نکل گئے۔

وہ اسد کے ساتھ سیٹ پر خاموش بیٹھی تھی۔

"مومنہ...... اس میں اتنا اداس ہونے کی کیا بات ہے...... آپ کی خاموشی مجھے گلٹی فیل کروا رہی ہے" اس نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

"اسد...... اگر...... میں آپ سے کوئی غلط بات کہتی ہوں...... تو...... آپ مجھے کہنے سے روک سکتے ہیں......؟ مومنہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا تو اسد خاموشی سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔

اسے اس کے محلے کی سڑک پر ڈراپ کر کے وہ چلا گیا۔ وہ جیسے ہی اپنی گلی میں داخل ہوئی۔ اردگرد کی خواتین اپنے گھروں کی کھڑکیوں اور دروازوں سے اسے جھانک کر دیکھنے لگیں۔

"سب لوگ میرے نصیب پر کتنا رشک کر رہے ہیں...... اور...... میں......؟" اس نے آہ بھر کر سوچا۔

"مومنہ باجی آ رہی ہیں......" ایک بچے نے مومنہ کو دیکھتے ہی اس کے گھر جا کر اطلاع دی۔ ذکیہ مشین پر سلائی کا کام کر رہی تھیں اور مریم

تخت پوش پر بیٹھی ایک کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ مومنہ کا سن کر دونوں خوشی سے کھل اٹھیں۔ مریم نے جلدی سے کتاب بند کی اور ذکیہ نے سلائی کے کپڑے لپیٹے۔

مومنہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم......" مومنہ نے نقاب سرکاتے ہوئے ذکیہ سے کہا

"ماشاءاللہ......وعلیکم السلام......" ذکیہ نے محبت سے اسے گلے لگایا اور اس کا سر منہ چوم کر پیار کرتے ہوئے کہا۔

مریم بھی جلدی سے اسے گلے ملی۔

مومنہ نے برقع اتارا......تو......مریم اسے دیکھ کر خوشی سے چلانے لگی۔

"ہائے......آپی......آپ اس سرخ سوٹ میں کتنی کیوٹ لگ رہی ہیں" مریم نے پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا

جواب میں مومنہ مسکرا دی۔

"کیسی ہو تم......اپنے آنے کی اطلاع بھی نہیں دی" ذکیہ نے محبت سے پوچھا۔

"آپی آپ کی جیولری کتنی نفیس ہے نا......اور......یہ کنگن......کیسے ڈیسنٹ لگ رہے ہیں۔ یہ سب سطوت آپا کی چوائس ہوگی ناں" مریم نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں......" مومنہ نے جواب دیا۔

"میرا دل تم سے بہت اداس ہو رہا تھا۔ مگر تمہاری طرف جانے کی ہمت نہ ہوئی تھی" ذکیہ نے افسردگی سے کہا۔

"کیوں......؟" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"بیٹی کو اس کے سسرال کی حیثیت کے مطابق ملتے ہوئے اچھا لگتا ہے......" ذکیہ نے رنجیدگی سے کہا۔

"امی......آپ کیسی باتیں کرتی ہیں؟" مجھے سسرال میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں......اگر سطوت آپا اچھی ہیں......تو اسد بھی بہت اچھے ہیں" مومنہ نے سنجیدگی سے ماں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا

"وہ......تو......سب ٹھیک ہے......مگر اپنی عزت اور انا کا بھی مسئلہ ہوتا ہے......سچ......کبھی کبھی تو میں سوچتی ہوں......کہ" ذکیہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوگئی۔

"امی......آپ......ایسا مت سوچا کریں......کیا آپ دادو کو نہیں جانتی" مومنہ نے ملامت سے کہا۔

"بیٹا......ان لوگوں کی شرافت اور اچھائی سے کس کو انکار ہے......مگر......اپنے دل کو سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے......ہم جیسے سفید پوش لوگ اپنا بھرم رکھنے کی کوشش میں ساری زندگی جدوجہد کرتے ہوئے اس دنیا سے چلے جاتے ہیں......بس یہی فکر ہوتی ہے کہ کسی کو ہمارے اندر کے حال کی خبر نہ ہو" ذکیہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''امی..... آپ پریشان نہ ہوا کریں.....'' مومنہ نے کہا۔

''مریم..... جاؤ..... بہن کے لئے کھانے کو کچھ لاؤ.....'' ذکیہ نے کہا تو مریم اندر چلی گئی۔

''مومنہ..... تم اپنے گھر خوش تو ہو..... نا.....؟'' ذکیہ نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں..... ہاں..... اللہ کا شکر ہے'' مومنہ نے جواب دیا۔

''اور..... اسد..... کیسا انسان ہے؟ ذکیہ نے پھر پوچھا

''بہت..... بہت..... اچھے'' وہ جلدی سے بولی اور نظریں چرانے لگی۔

''کیا بات ہے.....؟ یہ بات بتاتے ہوئے تمہاری آنکھوں میں اعتماد نہیں..... اسد تمہارے ساتھ ٹھیک ہے نا.....؟ ذکیہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

''امی..... وہ..... بہت اچھے انسان ہیں..... آپ کیوں مشکوک ہو رہی ہیں؟'' مومنہ نے کہا

''ہاں..... مجھے اتنا تو یقین ہے کہ اگر اسد میں کوئی عیب ہوتا تو سلوت آپا نے خود ہی یہ رشتہ نہیں بنانا تھا..... وہ بہت صاف گو اور ایماندار خاتون ہیں'' ذکیہ نے پر مطمئن لہجے میں کہا تو مومنہ ماں کی بات سن کر خاموش ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں نمی کی لہری نمایاں ہو کر پھر کہیں گم ہو گئی۔

مریم چائے کے ساتھ فرنچ فرائز..... کباب..... اور بسکٹ لے آئی..... وہ مومنہ کی طرف مسکرا مسکرا کر پرشوق نگاہوں سے یوں دیکھتی رہی جیسے بہت کچھ پوچھنا چاہتی ہو.....

تینوں نے چائے پی۔ ذکیہ اس سے اس کی مصروفیات کے بارے میں بہت باتیں پوچھتی رہی۔ اور پھر اٹھ کر عصر کی نماز پڑھنے چلی گئی۔

''آپی..... اسد بھائی کیسے ہیں؟ آئی مین..... آپ کو شروع شروع میں ان سے بات چیت کرنے میں پرابلم تو ہوتی ہو گی'' مریم نے متجسس انداز میں سوال کیا۔

''کیسی پرابلم.....؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا؟

وہ اتنے امیر..... بڑے خاندان کے بندے ہیں..... ہماری اور ان کی کلاس میں ڈفرنس تو ہے ہی نا..... کیا آپ کو جھجک سی پرابلم نہیں ہوئی..... ایڈجسٹمنٹ..... میں.....؟ مریم نے حیرانگی سے پوچھا۔

''نہیں..... کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا..... اسد..... بہت اچھے ہیں'' مومنہ نے جواب دیا۔

''ہاں..... وہ..... تو..... اس سرخ جوڑے سے نظر آ رہا ہے'' مریم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' مومنہ نے چونک کر پوچھا۔

''بھئی ایسے کلرز خوشی میں ہی تو پہنے جاتے ہیں نا.....'' مریم نے پھر ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''مریم..... تم بھی..... چاہیں..... کیا کیا باتیں کرتی ہو؟ مومنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپی.....آپ لوگ گھومنے پھرنے.....آئی مین.....ہنی مون کے لیے کہاں جارہے ہیں؟ مریم نے تجسس سے پوچھا۔

"اسد.....سوئٹزر لینڈ کے لیے کہہ رہے تھے.....مگر.....میرا دل نہیں چاہ رہا" مومنہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"سوئٹ.....سوئٹزرلینڈ.....؟.....مریم نے انتہائی حیرت سے پوچھا

"ہاں.....اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے؟ مومنہ نے پوچھا۔

"آپی.....آپ تو کبھی اپنے گھر اور شہر سے باہر نہیں گئیں اور سوئٹزرلینڈ.....واہ.....کیا قسمت ہے آپ کی؟ مریم نے رشک بھرے لہجے میں کہا۔

"فکر نہیں کرو.....میں کہیں نہیں جارہی" مومنہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ک.....کیا مطلب.....؟ آپ کیوں نہیں جارہیں؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"بس.....یونہی....." مومنہ نے آہستگی سے جواب دیا

"آپی.....آپ بھی کمال کرتی ہیں.....اور اللہ بھی.....جن لوگوں کو جو شوق ہوتے ہیں۔ ان کو Opposite لوگ ملتے ہیں" مریم نے منہ بناتے ہوئے کہا

"فکر نہیں کرو.....تمہارے لیے ایسا لڑکا تلاش کریں گے.....جو ٹورازم ڈیپارٹمنٹ میں ہو" مومنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے.....آپی.....میں آپ کی طرح اتنی لکی نہیں ہوں.....اور ویسے بھی انسان جو سوچتا ہے.....ویسا کب ہوتا ہے اور جس چیز کی خواہش کرتا ہے.....وہ کب پوری ہوتی ہے؟ مریم نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"ارے اتنا اداس ہونے کی ضرورت نہیں.....انسان کو کیا معلوم کہ اللہ نے اس کے لیے کیا پلان کر رکھا ہے.....مگر اچھی بات کی خواہش اور امید رکھنی چاہیے" مومنہ نے مریم کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے کہا۔

"آپی.....سطوت آپا.....تو ہر روز نئی نئی ساڑھیاں اور میچنگ جیولری پہنتی ہوں گی" اچانک مریم نے پوچھا۔

"ہاں.....ان کے پاس ہر چیز کی زبردست کولیکشن ہے" مومنہ نے جواب دیا۔

"کاش.....ان کا ایک اور بیٹا ہوتا" مریم نے ہنستے ہوئے کہا

"کیوں.....؟ مومنہ نے جان بوجھ کر پوچھا۔

"پھر آپ اس کے ساتھ میری شادی کروا دیتیں" مریم نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"شکر ہے.....کہ.....وہ نہیں ہے" مومنہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہاں.....بھئی.....آپ کہاں چاہیں گی.....کہ میں بھی آپ کی طرح عیش کروں....." مریم نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"ہاں.....میں تو چاہوں گی کہ تمہیں مجھ سے بھی اچھا سسرال اور اسد سے بھی اچھا انسان ملے" مومنہ نے مسکرا کر جواب دیا تو مریم مسکرا دی۔

"مریم...... باتیں ہی کرتی رہو گی کہ بہن کے لئے کچھ پکاؤ گی بھی" ذکیہ نے نماز سے فارغ ہو کر مومنہ سے پوچھا۔

"ہاں...... میں ابھی بناتی ہوں" مریم نے کہا اور کچن میں چلی گئی۔

"امی...... میں بھی نماز پڑھ لوں" مومنہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور نماز پڑھنے چلی گئی۔

☆

علینہ کی شادی کی تقریب بہت مختصر اور سادہ تھی۔ خاندان کے افراد کے علاوہ چند قریبی دوستوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ شاکر علی اور ندرت نے ہی علینہ کے لیے زیورات، ملبوسات اور تمام دوسری چیزوں کی خریداری کی تھی۔ علینہ کا دل بری طرح ٹوٹا تھا اور وہ بہت اداس تھی۔ اسے شادی سے کوئی خوشی نہ ہو رہی تھی اور وہ بھی کسی سے۔ جب سے اس کی شادی کی تقریبات شروع ہوئیں تھیں۔ بات بات پر اس کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔

شادی سے ایک روز پہلے شاکر علی نے اسے بہت محبت سے سمجھانے کی کوشش کی کہ اب اسے بہت سمجھداری اور خوش اخلاقی سے اپنا رشتہ نبھانا ہے۔ سیما آپا کی عزت کا بھرم رکھنا ہے کہ انہوں نے علینہ کے بارے میں جس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ اس میں اپنی ماں جیسی اعلیٰ ظرفی ہوگی۔ اس دعوے کا ثبوت دینا ہے...... باقر علی اور کشور بھابھی کو کسی بات کی کوئی شکایت کا موقع نہیں دینا۔ سب کو خوش رکھنے کی کوشش کرنی ہے۔ شاکر علی اسے ایک ایک بات کی ہدایت اور نصیحت کرتے رہے اور وہ خاموشی سے سنتی رہی جیسے کچھ بھی نہ سن رہی ہو۔ اس نے نہ تو شاکر علی کی کسی بات کی تائید کی اور نہ ہی تردید...... وہ یوں بیٹھی تھی جیسے سکتے میں ہو۔

"علینہ...... بیٹی...... مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہو گئی ہیں ان کو معاف کر دینا...... اور میں چاہتا ہوں کہ اس گھر سے رخصت ہونے سے پہلے تم میں اور ندرت میں جو دوری پیدا ہو گئی ہے...... اسے دور کر دو...... وہ تمہاری ماں ہے......" شاکر علی نے اسے سمجھایا مگر وہ خاموش رہی

"میں ندرت کو بلاتا ہوں......" اور وہ ندرت کو بلانے چلے گئے۔

ندرت کو سمجھا بجھا کر لائے۔

"ندرت...... علینہ کو گلے سے لگاؤ...... تاکہ ساری تلخیاں دور ہو جائیں" شاکر علی نے ندرت کو کہا تو انہوں نے ایک نظر شوہر کو دیکھا اور پھر علینہ کو...... پھر آگے بڑھ کر علینہ کو گلے لگایا مگر علینہ بے حسی سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ خاموشی سے ان کے گلے لگ گئی مگر کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ ندرت خود ہی بولتی رہیں اسے معاف کرنے کو کہتی رہیں مگر وہ خاموش رہی۔ شاکر علی حیرت سے علینہ کی جانب دیکھتے رہے۔ اس کی خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔ ورنہ وہ تو ہر بات کا انتہائی کاٹ دار جواب دیتی تھی اور اس کا یوں خاموش ہونا شاکر علی اور ندرت کے لیے باعث تشویش تھا۔

"علینہ بیٹی کچھ تو بولو...... کچھ تو کہو" شاکر علی نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا مگر وہ پھر بھی خاموش رہی اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے دونوں کی جانب دیکھتی رہی۔

شادی کی تقریبات میں وہ انتہائی خوبصورت میرون کلر کا کامدار لہنگا پہنے اسٹیج پر بیٹھی تھی۔ اس کے ساتھ دولہے کی کرسی پر ڈاکٹر ثقلین بیٹھے

تھے۔ بلیک پینٹ کوٹ اور میرون ٹائی میں انتہائی ڈیسنٹ اور پرکشش لگ رہے تھے۔ علینہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ سیما آپا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ اپنی کامیابی پر خوش تھیں...... اور ہر کوئی انہیں مبارکباد دے رہا تھا کہ ان کی کوششوں سے بکھرا خاندان پھر ایک ہو گیا تھا۔ سیما آپا علینہ کے ساتھ بیٹھی بار باراس کی بلائیں لے رہی تھیں۔ خاندان کے تمام افراد ان کے پاس علی دعا سلام کے لیے آ رہے تھے اور وہ انتہائی خوشی اور گرمجوشی سے سب کا استقبال کرتیں...... شادی کی تمام رسموں میں ناظر علی اور شاکر علی نے سیما آپا کو ہی آگے رکھا تھا اور وہ خوشی خوشی ہر ذمہ داری نبھا رہی تھیں۔ ڈاکٹر ثقلین کے ساتھ ناظر علی اور کشور بیٹھی تھی۔ ندرت بھی شاکر علی کے ہمراہ اپنے فرائض نبھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جمیلہ آپا، صدیقہ آپا اور کشور نے اس کے ساتھ رسمی سلام دعا کی۔ ان سے مل کر کسی کو کوئی خاص خوشی نہ ہوئی۔ ندرل مسکرا یئے نہ چہروں کے تاثرات بدلے۔ علینہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ ڈاکٹر ثقلین نکھیوں سے اس کی جانب دیکھتے تو مسکرا دیتے۔

سب نے بہت محبت اور دعاؤں کے ساتھ علینہ کو ڈاکٹر ثقلین کے سنگ رخصت کیا۔

"سنی بیٹا...... اگر علینہ سے کوئی غلطی ہو جائے تو پلیز اسے معاف کر دینا" شاکر علی نے ڈاکٹر ثقلین کو گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے اپنے گلے سے لگا کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"آپ فکر نہیں کریں" ڈاکٹر ثقلین نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

"خدا تم لوگوں کو بہت خوش رکھے...... زندگی کے ہر قدم پر تمہیں کامیابیوں اور خوشیوں سے نوازے" شاکر علی نے انہیں دعائیں دیتے ہوئے رخصت کیا۔

علینہ نے پندرہ سولہ برس بعد ناظر علی کے ہاں قدم رکھا تھا۔ انہوں نے پرانا گھر بیچ کر ڈیفنس میں خوبصورت بنگلہ خرید اتھا۔

گھر کی آرائش دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ علینہ کا بیڈروم انتہائی خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔

علینہ نے بھرپور نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ سب کچھ اچھا تھا۔ مگر اسے کچھ بھی اچھا نہ لگ رہا تھا۔ نجانے کہاں سے اسد پھر اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا۔ اس نے اسے بھلانے کی بہت کوشش کی تھی اور کئی روز سے اینٹی ڈپریشن ٹیبلٹس کھا کھا کر اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش میں مصروف تھی مگر پھر بھی اسد اس کے دل میں اپنی مخصوص جگہ نہیں چھوڑ رہا تھا۔ اسد کی یاد اس کے دل میں اک کسک بن کر اس کی روح کو مضطرب کر رہی تھی۔ اس کے دل میں ایک بار بھی ڈاکٹر ثقلین کا خیال نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پاس بیٹھے ڈاکٹر ثقلین کی جانب ایک نظر بھی نہیں دیکھا تھا کہ ڈاکٹر ثقلین اسے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

ڈاکٹر ثقلین اس کے پاس آئے اور مسکرا کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔

"میں آج بہت خوش ہوں......" ڈاکٹر ثقلین نے محبت بھرے لہجے میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسد ازچیپ......" اچانک تزئین کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے

"آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں" ڈاکٹر ثقلین نے پھر کہا۔

"کیا اسد کی وائف خوبصورت ہے؟" اس کے کہا اپنے الفاظ اسے یاد آنے لگے

"نہیں..... شی..... از" ثقلین کی بات پھر اس کے ذہن میں گونجنے لگی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا..... کہ قدرت ہمیں یوں ملائے گی..... اور برسوں پہلے میرے دل کے اندر جنم لینے والی خواہش یوں پوری ہو جائے گی..... آج میرا ایک خواب..... خوبصورت حقیقت بن کر میرے سامنے آ گیا ہے" وہ خاموشی سے ہونٹ چباتی رہی۔ ڈاکٹر ثقلین کی کسی بات پر نہ مسکرائی اور نہ ہی خوش ہوئی۔

"کیا آپ کو یاد ہے۔ جب آپ نزہت چچی کے ساتھ ہمارے گھر آیا کرتی تھیں۔ اور ہم کئی کئی گھنٹے کھیلا کرتے تھے۔ آپ اکثر مجھ سے جھگڑ کر اور ناراض ہو کر چلی جاتی تھیں۔ پھر..... چچی اور امی ہم دونوں میں صلح کرواتی تھیں..... اور..... مجھے سزا کے طور پر آپ کو اپنی سائیکل پر بٹھا کر آئس کریم کھلانے لے جانا پڑتا تھا..... علینہ یاد ہے نا..... آپ کو سب کچھ" ڈاکٹر ثقلین نے قہقہہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں..... مجھے کچھ یاد نہیں" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

ڈاکٹر ثقلین نے چونک کر اس کی جانب دیکھا..... اس کے چہرے پر تناؤ اور اضطراب تھا۔

"ہو سکتا ہے۔ آپ کو یاد نہ ہو..... تب آپ بہت چھوٹی تھیں..... اور جب میں میڈیکل کالج میں اسٹوڈنٹ تھا تو میری ایک کلاس فیلو کا نام علینہ تھا۔ تب آپ مجھے بہت یاد آئیں..... اور کبھی کبھار انجانے میں میرا دل آپ کو پانے کی خواہش کرنے لگتا۔ لیکن میں یہ سوچتا کہ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ آپ کی اور میری فیملی میں جو رنجش پیدا ہوئی تھی اس کا ختم ہونا ناممکن نظر آتا تھا..... مگر جب قدرت کسی کو ملانے کا فیصلہ کرتی ہے تو راستے میں حائل تمام رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں اور چند روز پہلے جب سیما پھوپھو نے اچانک مجھے فون کر کے آپ کے بارے میں پوچھا تو مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا..... میری خواہش پوری ہونے جا رہی تھی..... میں کیسے انکار کر سکتا تھا..... سچ علینہ..... بعض اوقات قدرت اپنی انہونی باتوں اور فیصلوں سے اس قدر چونکاتی ہے کہ انسان کو ساری زندگی سمجھ نہیں آتی..... ڈاکٹر ثقلین اس قدر خوش تھے کہ ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل پڑے۔

"میرے سر میں شدید درد ہو رہی ہے" اس نے خوش ہوتے ہوئے ڈاکٹر ثقلین کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"ایک منٹ..... میں آپ کو میڈیسن دیتا ہوں..... " ڈاکٹر ثقلین نے واش روم کے ساتھ ملحقہ وارڈ روب کے ایک خانے میں ضروری ادویات رکھی ہوئی تھیں۔ وہ وہاں سے ایک ٹیبلٹ لے آئے۔

"آپ یہ کھا لیں..... تھوڑی دیر بعد ٹھیک ہو جائیں گی" ڈاکٹر ثقلین نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

علینہ نے ٹیبلٹ کھائی اور زیورات اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے اور واش روم میں جا کر ڈریس چینج کرنے لگی..... وہاں پرس میں سے سگریٹ نکال کر اس کے گہرے کش لیے..... اپنی سرخ آنکھوں کو آئینے میں دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"یہ شخص یا تو خود بے وقوف ہے یا مجھے بے وقوف بنا رہا ہے جسے میرے چہرے پر اپنے لیے بیزاری دکھائی نہیں دے رہی تھی..... تم اسد کی جگہ کبھی نہیں لے سکو گے..... تم خوبصورت اور سمارٹ تو ہو..... مگر ویسے ڈیشنگ نہیں..... تم میں نہ چارم ہے اور نہ کوئی اٹریکشن....." اس نے

ہونٹ سکوڑتے ہوئے سوچا۔ اسے واش روم میں گئے ایک گھنٹے سے زیادہ گزر چکا تھا اور ڈاکٹر ثقلین دل میں اس کے لیے محبت بھرے جذبات اور خوش کن احساسات کے ساتھ اس کا انتظار کرنے میں مصروف تھے۔

''علینہ بہت سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی...... شاید ندرت چچی کے رویے نے اس کو ایسا بنا دیا ہے...... ہمیشہ یہی سننے میں آتا تھا کہ ندرت چچی کا رویہ علی اور علینہ کے ساتھ بہت بُرا تھا...... شاید وہ نفسیاتی دباؤ میں رہنے کی وجہ سے ایسی ہو گئی ہے......

ہاں...... جب انسان بہت زیادہ سخت ماحول میں رہنے کے بعد ایک دم پرسکون ماحول میں جاتا ہے تو وہ ایڈجسٹ نہیں کر پاتا...... علینہ کے ساتھ بھی کوئی ایسا ہی مسئلہ دکھائی دیتا ہے'' ڈاکٹر ثقلین انتہائی گہرائی میں جا کر سوچنے لگے۔

''تم...... مجھ پر خواہ مخواہ...... زبردستی مسلط کر دیے گئے ہو...... مجھے تم سے بالکل بھی محبت نہیں...... تم مجھے بچپن میں اچھے لگتے تھے اور نہ ہی اب...... میرا دل تمہیں قبول نہیں کر رہا...... تم سے کیسے نجات پاؤں؟'' اور اس نے جان بوجھ کرتے کرنے کی ایکٹنگ کی۔

''علینہ...... کیا ہوا......؟'' ڈاکٹر ثقلین نے واش روم کے دروازے کے قریب آ کر قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں پکارا وہ مسکرا کر دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے پھر تے کرنے لگی۔ ڈاکٹر ثقلین پھر گھبرا گئے اور دروازے پر دستک دی۔

''علینہ...... علینہ...... آر...... یو...... آل رائٹ؟'' ڈاکٹر ثقلین نے انتہائی پریشانی سے کہا اور دروازے پر دستک دینے لگے۔

''اُفوہ...... کیا مصیبت ہے؟'' اس نے جھنجلا کر سوچا۔ منہ میں اسپرے کیا اور چہرہ دھو کر واش روم سے قدرے ہانپتی ہوئی باہر نکلی۔

''ک...... ک...... کک...... کیا ہوا؟'' ڈاکٹر ثقلین کے گویا ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

''آئی تھنک...... فوڈ پوائزن ہو گیا ہے'' وہ اکھڑی سانس کے ساتھ بولی۔

''آپ آرام کریں...... میں ابھی چیک کرتا ہوں......'' ڈاکٹر ثقلین نے اسے بیڈ پر لٹایا اور اس کی نبض چیک کرنے لگے۔

''نبض تو ٹھیک ہے'' وہ آہستہ آواز میں بڑبڑائے اور علینہ کے سپاٹ چہرے کی طرف دیکھنے لگے جو ہر قسم کے تاثرات سے خالی تھا۔

''میرا خیال ہے...... آپ کو آرام کی بہت ضرورت ہے'' ڈاکٹر ثقلین نے قدرے سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

ڈاکٹر ثقلین صوفے پر بیٹھ کر گہری سوچ میں ڈوب گئے...... وہ کتنے خوش تھے...... اور اب کتنے اداس اور مضطرب...... انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ماجرا کیا ہے......؟ علینہ......؟ وہ اس کے بارے میں نہ تو کچھ Prediet کر سکتے تھے نہ کوئی Guess لگا سکتے تھے...... مگر انہیں جو کچھ محسوس ہوا تھا...... وہ کچھ اچھا اور خوشگوار نہیں تھا اور اس بات نے ان کے دل میں مایوسی سی پیدا کر دی تھی...... اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس مایوسی میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ انہیں ڈپریشن ہونے لگا۔

''ڈاکٹر ثقلین...... تم لوگوں کو ڈپریشن سے نکالنے کے لیے اتنی جدوجہد کرتے ہو...... اخبارات میں کالم لکھتے ہو...... سیمینار اور ورکشاپس ارینج کرتے ہو...... اسٹوڈنٹس کو لیکچر دیتے ہو...... ایسے مریضوں کا علاج کرتے ہو...... اور...... اب...... تم خود ہی...... کا علاج ہو رہے ہو'' ڈاکٹر ثقلین نے بے بسی سے سوچا۔

"انسان اپنی تقدیر کے ہاتھوں کس قدر بے بس ہے...... پہلے جس بات کے ہونے کی تمنا کرتا ہے......اس کے لئے دعائیں کرتا ہے...... جب وہی بات ایک تلخ حقیقت بن کر سامنے آتی ہے......تو اس سے فرار چاہنے لگتا ہے......معلوم نہیں......میں کیا چاہتا ہوں اور کس بات کی تمنا کرتا تھا......" ڈاکٹر ثقلین نے قدرے مایوسی سے سوچا اور علیہ کی جانب دیکھا جو پرسکون سو رہی تھی......انہوں نے آہ بھری اور بیڈ پر جا کر لیٹ گئے...... علیہ نے دوسری جانب کروٹ بدل لی۔ ڈاکٹر ثقلین کو اپنے لیے علیہ کی ناپسندیدگی کا یقین ہونے لگا اور وہ مایوسیوں کے سمندر پر غوطہ زن ہو گئے۔

ولیمے کی محفل میں بھی ڈاکٹر ثقلین زیادہ تر خاموش اور سنجیدہ دکھائی دیے۔ علیہ نے سارا دن ان سے کوئی بات نہ کی۔

رات کو بہت دیر سے ڈاکٹر ثقلین اپنے بیڈ روم میں آئے تو علیہ بیڈ پر لیٹی تھی......ڈاکٹر ثقلین کی طرف ایک نظر دیکھا اور پھر چھت کو گھورنے لگی۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" ڈاکٹر ثقلین نے پاس بیٹھ کر قدرے ملائمت سے پوچھا۔

"ٹھیک نہیں......" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

"علیہ......ایک بات پوچھوں" ڈاکٹر ثقلین نے اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

علیہ نے ان کی جانب دیکھا اور خاموش رہی۔

"کیا یہ شادی آپ کی مرضی سے ہوئی ہے؟" ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا

"نہیں" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا آپ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں؟

"مسئلہ آپ نہیں......میری شادی تھی......" وہ بولی

"کیا مطلب......؟" ڈاکٹر ثقلین نے چونک کر پوچھا۔

"اگر پاپا......میری شادی آپ سے نہ کرتے تو کسی اور سے کر دیتے اور پاپا تو مجھ سے جان چھڑانا چاہ رہے تھے۔" وہ آہ بھر کر بولی۔

"کیوں......؟" انہوں نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"ناپسندیدگی کے لیے کسی وجہ کا ہونا ضروری نہیں" اس نے جواب دیا

ڈاکٹر ثقلین نے اس کی جانب گہری نظروں سے دیکھا۔

"کیا......آپ مجھے ناپسند کرتی ہیں؟" ڈاکٹر ثقلین نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔

علیہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔

"آپ کیا جاننا چاہتے ہیں؟" علیہ نے پوچھا

"حقیقت......" ڈاکٹر ثقلین نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میں آپ سے محبت نہیں کرتی" اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

ڈاکٹر ثقلین کو امید تھی کہ وہ کوئی بہانہ بنا لے گی مگر یہ بات نہیں کہے گی۔ اتنی تلخ اور چبھنے والی بات اس نے ایک سیکنڈ میں کہہ دی تھی۔ ڈاکٹر ثقلین کو اس کی بات سن کر شدید دھچکا لگا۔ وہ ایک ہی وار میں چاروں شانے چت ہو گئے...... مزید کچھ کہنا سننا بے کار تھا...... یہ کھیل ان کے ساتھ قدرت کھیل رہی تھی...... یا...... علیمہ...... انہیں خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے علیمہ کی طرف خاموشی سے دیکھا اور اپنے بیڈ روم کے ساتھ ہی اٹیچڈ اسٹڈی روم میں چلے گئے۔

کیسی کیسی لائق، آؤٹ اسٹینڈنگ اور ماڈرن لڑکیاں مجھ پر مرتی تھیں کیسے کیسے اعلیٰ خاندانوں سے پرپوزل آتے تھے...... ملک اور بیرون ملک جانی پہچانی شخصیت۔ انسانیت کے لئے انتہائی درد دل رکھنے والے نوجوان نسل کو بچانے کے لیے ہر دم سرگرداں ڈاکٹر ثقلین زندگی کے انتہائی اہم میدان میں آتے ہی کلین بولڈ ہو گئے تھے۔

"قدرت نے مجھے کتنی بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ ابھی حال ہی میں شاکر چچا کی ہماری فیملی سے اتنے برسوں بعد صلح ہوئی ہے اور اگر علیمہ کی ذرا سی بات کی بھی بھنک فیملی کو ہو گئی تو سارا خاندان پھر منتشر ہو جائے گا۔ اور اس انتشار کی ذمہ داری مجھ پر آئے گی...... مجھے بہت صبر سے یہ سب کچھ برداشت کرنا ہے"

ڈاکٹر ثقلین نے صورت حال پر بغور سوچتے ہوئے اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی اور اسٹڈی روم میں ایک سائیڈ پر بچھے سنگل بیڈ پر کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔

"میں آپ سے محبت نہیں کرتی" علیمہ کے الفاظ ان کے ذہن میں گونجے۔ ان کا دل کٹنے لگا اور آنکھیں نم ہونے لگیں

"اتنی بڑی بات...... اتنی زیادہ توہین...... زندگی کے سفر کے آغاز میں ہی ایسی حوصلہ شکنی...... انہوں نے آہ بھر کر سوچا

"انسان کو اندر ہی اندر کیا کچھ سہنا پڑتا ہے اور پھر اسے اپنے دل تک ہی محدود رکھنا ہوتا ہے۔" انہوں نے دکھ سے سوچا۔

"ناپسندیدگی کے لیے کسی وجہ کا ہونا ضروری نہیں ہوتا"

علیمہ کے الفاظ پھر اس کے ذہن میں گونجے...... انہوں نے پھر کروٹ بدلی۔

"شی از ان ڈپریشن" ڈاکٹر ثقلین نے اپنے ذہن کا رخ بدلتے ہوئے سوچا۔

"مما...... اور...... پاپا...... تو مجھ سے جان چھڑا نا چاہ رہے تھے"

علیمہ کے الفاظ نے ان کے دل میں نرم گوشہ پیدا کیا۔

"اس نے ساری زندگی دکھ اٹھائے ہیں...... شی نیڈز مائی ہیلپ...... میں اس کی زندگی بدلوں گا...... وہ بہت صاف گو ہے وہ بری انسان کبھی نہیں ہو سکتی" ڈاکٹر ثقلین نے مثبت انداز میں سوچا۔

علیمہ انہیں معصوم اور بے گناہ نظر آنے لگی...... ان کے دل کے اندر امید سی پیدا ہونے لگی۔

"میں آپ سے محبت نہیں کرتی" علیمہ کے الفاظ پھر ان کے ذہن میں گونجے۔

"وہ ٹھیک کہتی ہے...... وہ مجھ سے کیسے محبت کر سکتی ہے۔ اتنے برسوں میں نہ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا نہ بات چیت کی نہ کوئی خوبصورت بات کہی اور سنی...... پھر محبت کیسے ہو سکتی ہے یہ اس کی صاف گوئی ہے کہ اس نے مجھے حقیقت بتا دی...... اپنے دل کی بات صاف صاف بتا دی۔۔۔ اور۔۔۔ میں خوا مخواہ ہی اس کی بات کو دل سے لگا بیٹھا۔۔۔ اس کی بات پر رنجیدہ ہو گیا۔۔۔" انہوں نے مسکرا کر سوچا۔

"ڈاکٹر ثقلین...... اگر تم میں Guts ہیں...... تو اس کے دل میں اپنی محبت پیدا کرو...... وہ خود تمہاری طرف دوڑ کر آئے...... تم نظر نہ آؤ تو وہ شدت سے تمہاری منتظر ہو...... تم دیر سے آؤ تو تمہارے انتظار میں بے تاب ہو...... دنیا مانتی ہے کہ تم میں بہت Guts ہیں...... دنیا تمہارے ٹیلنٹ کی مداح ہے۔۔۔ تو۔۔۔ پھر اپنا آپ ثابت کرو" ڈاکٹر ثقلین کے دل نے انہیں چیلنج کیا۔

"ہاں...... میں...... علیبہ کے دل میں اپنی محبت پیدا کروں گا......" وہ پر امید انداز میں سوچتے ہوئے واپس اپنے بیڈ روم میں گئے۔ علیبہ نجانے لیمپ کی لائٹ آن کیے بیڈ پر نیم دراز سموکنگ کرنے میں مصروف تھی۔ ڈاکٹر ثقلین نے چونک کر اسے دیکھا۔ انہیں ایک اور شاک لگا۔ اس بات کی انہیں قطعی توقع نہیں تھی۔ علیبہ نے ایک ٹک ڈاکٹر ثقلین کی جانب دیکھا اور خاموشی سے سگریٹ پینے لگی۔

ڈاکٹر ثقلین کی موجودگی نے اس پر ذرا سا بھی اثر نہ کیا...... وہ بدستور سموکنگ کرتی رہی۔ سگریٹ ختم ہونے کے قریب تھا۔ اس نے اسے ایش ٹرے میں مسلا اور لیمپ آف کر کے آنکھیں بند کر لیں۔

"اوہ...... مائی...... گاڈ...... اگر ممی اور پاپا کو اس بات کی خبر ہو گئی تو سب پر کیا قیامت گزرے گی...... جس خاندان کی خواتین بہت مذہبی ذہنیت رکھتی ہوں۔ اخلاقیات اور ادب و آداب کا بہت خیال رکھتی ہوں...... وہ...... یہ سب کچھ کیسے برداشت کر پائیں گی" ڈاکٹر ثقلین کے چہرے پر پسینہ آنے لگا اور وہ دوبارہ اپنے اسٹڈی روم میں چلے گئے۔

ڈاکٹر ثقلین تیار ہو کر ہاسپٹل جانے کے لیے نیچے آئے تو کشور اور ناظر علی نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"ثنی...... بیٹا...... کیا تم کہیں جا رہے ہو؟" کشور نے حیرت سے پوچھا

"ہاں...... ہاسپٹل" ڈاکٹر ثقلین نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی...... کل تمہارا ولیمہ ہوا ہے اور آج تم ہاسپٹل جا رہے ہو؟" ناظر علی نے اخبار پڑھتے ہوئے ایک دم چونک کر کہا۔

"ایک ایمرجنسی کیس آیا ہے" ڈاکٹر ثقلین نے جواب دیا۔

"ہر روز ایسے ایمرجنسی کیس آتے ہیں...... مگر میں تمہیں جانے نہیں دوں گی...... حد ہوتی ہے...... تمہاری ڈاکٹری کی...... تمہارا بس چلتا تو شاید شادی کے روز بھی ہاسپٹل چلے جاتے" کشور نے خفگی سے کہا۔

"اور پھر بارات ہاسپٹل جاتی...... مریضوں اور نرسوں سمیت" ثمرا نے ایک دم کچن سے آتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا

"بھائی جان...... ویسے آپ بھی حد کرتے ہیں...... خود ہاسپٹل جا رہے ہیں اور علیبہ بے چاری کیا کرے گی" ثمرا نے پھر کہا۔

"تم ۔۔۔ ہوا ۔۔۔ اس کے پاس ۔۔۔ خوب سر کھاتا ۔۔۔ اس کا" ڈاکٹر ثقلین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں ۔۔۔ جی ۔۔۔ میں تو شادی کے ہنگامے میں بری طرح تھک گئی ہوں ۔۔۔ خوب سوؤں گی ۔۔۔" نمرا نے ڈائننگ ٹیبل پر رکھی ٹی پاٹ سے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے کہا

"بیٹا ۔۔۔ تمہارا آج جانا مناسب نہیں" ناظر علی نے نرمی سے سمجھایا

"پاپا ۔۔۔ بہت ضروری نہ ہوتا تو میں بھی رک جاتا ۔۔۔ میں بھی سمجھتا ہوں" ڈاکٹر ثقلین نے جواب دیا۔

"آپ اس کی باتوں میں آ سکتے ہیں ۔۔۔ میں نہیں" کشور نے غصے سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ممی ۔۔۔ ایک مریض کی جان خطرے میں ہے اور میرا جانا بہت ضروری ہے ۔ ڈاکٹر کی لائف تو ایسی ہی Unpredictable (غیر یقینی) ہوتی ہے ۔ آپ کو خوشی سمجھنا چاہیے" ڈاکٹر ثقلین نے ماں کو سمجھانے کے انداز میں کہا تو وہ خاموش ہو گئیں اور خفگی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"ممی ۔۔۔ میں جلدی آ جاؤں گا ۔۔۔ پلیز آپ فکر نہیں کریں" ڈاکٹر ثقلین نے کشور کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا تو وہ خاموش ہو گئیں۔

"نمرا ۔۔۔ بھائی کے لئے گرم چائے لے آؤ" کشور نے کہا تو نمرا کچن میں چلی گئی۔ ڈاکٹر ثقلین ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد نمرا گرم چائے لے آئی۔

"بھائی جان ۔۔۔ میڈیا آپ کی شادی کے بارے میں جاننے کے لیے کتنا کریزی ہو رہا ہے" نمرا نے خوش ہو کر بتایا۔

"کیا مطلب ۔۔۔؟" انہوں نے چونک کر پوچھا

"میری دوست کا بھائی جرنلسٹ ہے ۔ اور جب اس کو آپ کی شادی کی خبر ملی تو وہ بہت حیران ہوا۔ بار بار شادی کی خبر اخبار میں لگانے کی اجازت مانگ رہا ہے مگر میں نے کہہ دیا کہ شادی کو خفیہ رکھا جا رہا ہے ۔۔۔ وہ تو آپ کا اور علینہ کا انٹرویو بھی لینا چاہتا ہے" نمرا نے پرجوش انداز میں کہا۔

"بس ۔۔۔ بس ۔۔۔ بس ۔۔۔ ابھی یہ بھی نہ کہنا کہ جیو کی ٹیم بھی آ رہی ہے پھر بی بی سی اور سی این این ۔۔۔ اور اینڈ پر نیشنل جیوگرافک کے جانوروں کے ساتھ ایک فوٹو" ڈاکٹر ثقلین ہنستے ہوئے کہا تو نمرا منہ بنا کر رہ گئی۔

"بھائی جان ۔۔۔ اب ایسی بھی بات نہیں ۔۔۔" نمرا منہ بسورتے ہوئے بولی

"نمرا ۔۔۔ اگر نیشنل جیوگرافک کی ٹیم آ گئی نا ۔۔۔ تو اس گروپ فوٹو میں تم میرے ساتھ ضرور ہو گی" ڈاکٹر ثقلین نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو نمرا غصے سے انہیں دیکھتی ہوئی کچن میں چلی گئی

"ممی ۔۔۔ اب میں جا رہا ہوں ۔۔۔ جلدی آنے کی کوشش کروں گا" ڈاکٹر ثقلین نے ناشتہ کرنے کے بعد ٹشو پیپر سے اپنے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا اور کشور و ناظر علی کو سلام کرتے ہوئے گھر سے باہر چلا گیا۔

علینہ دوپہر کو بیدار ہوئی تو اس کا سر شدید بھاری ہو رہا تھا اور دل بہت مضطرب ۔۔۔ اسے کسی شے کی طلب ہو رہی تھی ۔ وہ بے دلی سے اٹھی اور شاور لینے کے بعد اس نے جینز کے ساتھ سلیولیس شرٹ پہنی اور میک اپ سے مبرا چہرے کے ساتھ چھوٹے بالوں کی پونی بنائے ، بیگ کندھے پر

ڈالے دوپٹے نیچے آ گئی۔ کشور کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور وہ حیران کن نظروں سے ناظر علی کی جانب دیکھنے لگیں۔ ناظر علی نے شرم سے آنکھیں جھکا لیں۔ کشور نے اس عمر میں بھی اپنے سر سے کبھی دوپٹہ نہ سرکایا تھا۔ اور نمرا بھی بہت مہذب لباس پہنتی تھی۔ ان کا گھرانہ خاصا مذہبی گھرانہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ کٹر مذہبی تو نہیں لیکن اخلاقیات اور اللہ کے احکامات کے بہت پابند تھے۔ ڈاکٹر ثقلین اور نمرا کی تربیت میں انہوں نے ان اصولوں کو خاص اہمیت دی تھی۔ ڈاکٹر ثقلین کا معاشرے میں بہت نام اور باعزت مقام تھا۔ وہ خود بھی نماز روزے اور شریعت کے بہت پابند تھے اور ایسے شخص کی بیوی کا عریاں لباس اور اس میں سے جھانکتا جسم ...... سب گھر والوں کے لیے ایک زبردست شاک تھا۔

"بیٹا ... آؤ ... ناشتہ کر لو ... ریحانہ علینہ بیٹی کے لیے ناشتہ لے آؤ" کشور نے اپنے آپ پر بمشکل قابو پا کر زمی سے کچن میں کام کرنے والی ملازمہ سے کہا۔

"جی ...... بیگم صاحبہ ......" ریحانہ نے جواب دیا۔

"ادھر ... آؤ ... میرے پاس بیٹھو ..." کشور نے اسے محبت سے اپنے پاس صوفے پر بیٹھنے کو کہا تو علینہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"بیٹا ... تم نئی نویلی دلہن ہو ... اور ہمارے ہاں نئی نویلی دلہن اس طرح کے لباس نہیں پہنتی ... تمہاری وارڈ روب میں ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت، قیمتی اور اسٹائلش سوٹ ہیں ... تم وہ پہنو" کشور نے محبت سے کہا۔

"آنٹی ... ایسے چمکیلے لباس میں نے کبھی نہیں پہنے" علینہ نے جواب دیا

"بیٹا ... کبھی نہیں پہنے ...... کیونکہ تب تمہاری شادی نہیں ہوئی تھی اور شادی کے بعد تو لڑکیاں ایسے ہی ڈریس پہنتی ہیں" کشور نے پھر کہا۔

"پہنتی ہوں گی ...... مگر ...... میں نہیں پہن سکتی ...... مجھے ان کی عادت نہیں" علینہ نے کندھے اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے جواب دیا

کشور نے ناظر علی کی جانب ایک نظر دیکھا جو لاؤنج میں بیٹھے دونوں کی باتیں سن رہے تھے۔

ریحانہ ناشتہ لے آئی۔ تو اس نے ایک سلائس کے ساتھ صرف چائے کا کپ پیا۔

"آنٹی ...... مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے ...... گاڑی چاہیے" علینہ نے چائے ختم کرتے ہوئے کہا

"شاپنگ ...... کیسی شاپنگ ......؟ تمہاری ضرورت کی ہر چیز تمہارے کمرے اور واش روم میں ہے" کشور نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"مجھے کچھ پرسنل چیزیں چاہئیں" اس نے جواب دیا

"ٹھیک ہے ...... سنی آتا ہے تو اس کے ساتھ چلی جانا ...... ہمارے ہاں خواتین شاپنگ کے لیے گھروں سے اکیلی نہیں جاتیں ...... ہمیشہ مردان کے ساتھ ہوتے ہیں ...... چاہے وہ گاڑی میں بیٹھے رہیں" کشور نے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آنٹی ...... مجھے نہ تو اپنی پرسنل لائف میں کسی کی انٹرفیرنس پسند ہے اور نہ ہی شاپنگ میں ...... چاہے وہ سنی ہی کیوں نا ہو" اس نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا تو کشور حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"بیٹا ...... یہ لو میری گاڑی کی چابی" ناظر علی نے گفتگو کی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے جلدی سے اپنی گاڑی کی چابی اس کے حوالے کی

"ٹھیک ہے...... ڈیڈی کل میری گاڑی بھیج دیں گے" اس نے چابی پکڑتے ہوئے کہا اور گھر سے باہر نکل گئی۔

کشور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی...... اور پھر ناظر علی کے پاس آ گئی۔

"ناظر...... مجھے محسوس ہو رہا ہے۔ ہم پر کوئی بہت بڑی آزمائش آنے والی ہے...... یہ لڑکی اس قدر بے باک اور منہ پھٹ ہے...... کہ...... میرا تو دل ہی دہل گیا ہے...... میں تو مطمئن تھی کہ یہ نزہت کی بیٹی ہے۔ اس میں ضرور نزہت جیسی خوبیاں ہوں گی...... مگر......" کشور نے انتہائی فکر مندی سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کشور...... میں بھی کچھ محسوس کر رہا ہوں...... مگر...... اب جو کچھ بھی ہے۔ ہمیں بہت ہمت اور حوصلے سے برداشت کرنا ہے...... ہم پر بہت بھاری ذمہ داری آن پڑی ہے۔ ہمیں نہ تو روایتی سسرال بننا ہے...... اور نہ ہی روایتی بہن بھائی بن کر دشمنی کا بدلہ اس کی بیٹی سے لینا ہے اور...... تمہیں تو معلوم ہی ہے۔ بن ماں کی بچی تھی...... ندرت نے اس پر بہت ظلم کیے ہیں...... ہو سکتا ہے...... اس میں کچھ سرکشی آ گئی ہو" ناظر علی نے سمجھاتے ہوئے کہا

"ناظر...... میں اس کی کسی بات پر اعتراض نہیں کروں گی لیکن اس کی بے پردگی مجھے پسند نہیں...... ناظر ہمارے خاندان میں کوئی ایسے کپڑے پہننے کا سوچ بھی نہیں سکتی اور...... آپ نے دیکھا...... میری تو نظریں ہی شرم سے جھکی جا رہی تھیں" کشور نے پریشانی سے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا

"کشور...... پلیز...... ابھی کسی بات پر اعتراض نہ کرنا۔ ورنہ باتیں نکلنا شروع ہو جائیں گی اور نزلہ پھر ہم پر گرے گا۔ ابھی اسے دیکھتی رہو...... پھر...... ہم اس سے بات کریں گے" ناظر علی نے کشور کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے سیما آپا کے فیصلے پر اسی وقت اعتراض تھا...... ہم نے لڑکی کو نہ دیکھا نہ بھالا...... اور...... یہی سوچ کر کہ وہ نزہت کی بیٹی ہے...... رشتہ کر لیا...... ناظر...... سیما آپا کو یہ خیال نہ آیا کہ اس میں شاکر علی کا بھی خون ہے اور جس نے ہمیں کتنا بے عزت کیا۔" کشور نے غصے سے کہا۔

"کشور...... اب ان باتوں کو چھوڑو...... اگر ہم ایسی بات کریں تو پھر ہم ہی قصوروار ٹھہریں گے کہ ہم نے ان کو معاف نہ کیا۔

"پلیز...... تم ایسی باتوں کو مت سوچو...... ورنہ رنجشیں بڑھتی جائیں گی اور مسئلے بگڑتے جائیں گے۔ حوصلے اور صبر سے برداشت کرو......" ناظر علی نے کشور کو بہت سمجھایا

"کبھی کبھی انسان اچھا کرنے کے چکروں میں اپنے ہی ہاتھوں برا کر ڈالتا ہے...... ہم تو برے پھنسے ہیں" کشور بڑبڑانے لگی

"ہر کام کا ہونا یا نہ ہونا اللہ کے اختیار میں ہے۔ انسان اس کی مرضی کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتا تو اتنے بڑے فیصلے کس طرح خود کر سکتا ہے...... انسان تو اس کے فیصلوں پر عمل کرنے والا معمول ہوتا ہے...... اصل عامل تو وہ ہے۔ اس بچی کا نصیب پہلے دن سے یہاں لکھا تھا...... سیما آپا تو خدا کے فیصلے کو عملی شکل دینے والی تھیں......" ناظر علی نے کشور کو پھر سمجھایا۔

"شکر ہے...... سب مہمان جا چکے ہیں ورنہ سب کے سامنے بہت شرمندگی اٹھانا پڑتی" کشور نے فکر مندی سے کہا اور اٹھ کر کمرے

میں چلی گئیں۔ نمرا ابھی تک سو رہی تھی..... گھر میں ہر طرف گہرا سکوت چھا گیا تھا۔

علیحہ تمکین کے گھر گئی تو وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی

"تم اتنے دن کہاں رہی ہو؟ اور تمہارا موبائل بھی آف ملتا تھا" تمکین نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا اور اسے اپنے ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

"میری شادی تھی" علیحہ نے آہ بھر کر جواب دیا

"شادی..... کم آن علیحہ..... آر یو جوکنگ (کیا تم مذاق کر رہی ہو) تمکین کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

"یہ سچ ہے....." اس نے جواب دیا

"وہاٹ اے سرپرائز؟" تمکین نے حیرانگی سے کہا

"سرپرائز تو میرے لیے ہے" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا

"اور تم نے بتایا بھی نہیں"

"کوئی اہم بات ہوتی..... تو..... بتاتی نا....."

"کم آن علیحہ..... اتنی بڑی نیوز..... اور تم نے اکیلے ہی سیلیبریٹ کر لی" تمکین نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیسی نیوز..... اور..... کیسی سیلیبریشن؟" اس نے آہ بھر کر کہا۔

"یہ تو بتاؤ..... کس سے شادی کی..... کون ہے وہ؟" تمکین نے حیرت سے پوچھا

"مائی کزن..... ڈاکٹر تحسین" اس نے جواب دیا۔

'امیزنگ..... یہ کہاں سے آ گیا' تمکین نے حیرت سے پوچھا۔

"تحسین اور ہم میں پندرہ سالوں سے ناراضگی تھی۔ میں نے اسے بچپن میں دیکھا تھا..... اور..... اب شادی ہو گئی..... بالکل اچانک مجھ سے پوچھے بغیر..... میری رائے جانے بغیر" اس نے نم آنکھوں سے جواب دیا۔

"کیسے ہیں ڈاکٹر تحسین..... اویس جی یا سلمان جیسے یا کچھ مختلف؟" تمکین نے مسکرا کر شرارتی لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں اویس اور سلمان سے اچھے..... مگر اسد سے اچھے نہیں" اس نے دکھی لہجے میں جواب دیا۔

"علیحہ..... وہ اسد جیسے ہو بھی نہیں سکتے۔ دنیا کا کوئی انسان، کب دوسرے جیسا ہوتا ہے؟" تمکین نے کہا

"ہاں..... کوئی بھی اسد نہیں ہو سکتا" اس نے مایوسی سے جواب دیا

"علیحہ..... چھوڑو..... اسد کو..... ہی از ہیپی ود ہز وائف (وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش ہے) جانتی ہو۔ اسد اور اس کی وائف ڈنر پر ہمارے گھر آئے تھے۔ اوہ..... مائی گاڈ..... علیحہ..... آئی کانٹ ٹیل یو..... شی واز لکنگ پیکوئن....." تمکین نے ہنستے ہوئے کہا

''پینگوئن......؟ کیا مطلب......؟علینہ نے حیرت سے پوچھا
ٹاپ ٹو......ٹو (سر سے پاؤں تک) برقعے میں تھی...... چہرہ بھی نقاب سے ڈھکا ہوا......سچ......اسے دیکھ کر تو مجھے گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔۔۔اور اس نے ڈیڈی کے سامنے بھی نقاب نہیں کھولا۔۔۔بلکہ۔۔۔اسد اور ڈیڈی نے علیحدہ کھانا کھایا۔۔۔میں نے۔۔۔مما نے اور مومنہ نے۔۔۔بس......ہرنیم از مومنہ (اس کا نام مومنہ ہے) علیحدہ کھانا کھایا۔تمکین نے اسے بتایا
''لیکن......تم تو بتا رہی تھی کہ وہ بہت خوبصورت ہے''علینہ نے حیرت سے پوچھا
''یس۔۔۔شی از۔۔۔بٹ ویری ریجڈ مسلم۔۔۔میں تو حیران ہوں کہ اسد نے کیسے اس سے شادی کر لی۔اٹ از اے ریڈل (یہ ایک معمہ ہے)۔مما اور میں تو انتہائی حیران ہو رہے تھے۔پھر میں نے اسد سے پوچھا بھی......کہ۔۔۔ان کی شادی کی کیا ریزن ہے؟ اور جانتی ہو......اسد نے کیا جواب دیا......تمکین نے علینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''کیا۔۔۔؟''علینہ نے بھی حیرت سے پوچھا۔
''کہنے لگا۔مومنہ میں سب کچھ تھا۔خوبصورتی، سادگی، معصومیت شرم و حیا اور گڈ ریپو (اچھی شہرت، نیک نامی) تمکین نے اسے بتایا۔
''کیا اسد کو ایسی لڑکی چاہیے تھی؟''علینہ نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔
''ہاں۔۔۔شاید۔۔۔اسی لیے تو اس نے مومنہ سے شادی کی۔۔۔ورنہ سوسائٹی ماڈرن اور فیشن ایبل لڑکیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور بہت اسپر کرش (فدا) بھی تھیں......لیکن اس نے مومنہ کو چوز کیا۔اسے یقیناً ایسی ہی لڑکی کی تلاش ہوگی......جب اسے مل گئی تو اس نے شادی کر لی''
تمکین نے کہا
''کیا لوگی۔۔۔سافٹ ڈرنک یا۔۔۔؟''تمکین نے مسکرا کر پوچھا
''اسی لیے تو آئی ہوں......بہت دنوں سے شدید ڈپریشن ہے......''علینہ نے معنی خیز انداز میں کہا تو تمکین مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔
علینہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں......زندگی کیسے کیسے موڑ پر انسان کو لے آتی ہے۔جب وہ سادہ، گھریلو لڑکی تھی تو ہر کوئی اس کے وجود کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔لڑکے اس کو ناپسند کرتے تھے۔کالج میں اس پر مختلف ریمارکس پاس کرتے تھے اور کبھی اسے 'اماں بی' کہہ کر چھیڑتے جب وہ چادر لے کر کالج جاتی تھی اور کبھی خالہ جان......اس کے اندر کی شرم و حیا کو لوگوں نے بے باکی اور بے حیائی میں بدل دیا تھا۔وہ اتنے مضبوط اعصاب کی نہیں تھی کہ اپنی اخلاقی قدروں کی خود حفاظت کرتی اور نہ ہی اس کے اندر والدین سے ملنے والی اخلاقیات کی جڑیں اتنی مضبوط تھیں کہ وہ ایسے تند و تیز جھونکوں کا مقابلہ کر سکتی......جس سمت سے بہاؤ آتا......وہ......اس کے ساتھ بہنے لگی......اس نے کالج کے لڑکے لڑکیوں کے ریمارکس سے تنگ آ کر اپنا حلیہ بدل لیا اور تمکین ملی تو اس نے ہاف سلیوز کی بجائے سلیولیس اور قمیض کی بجائے ''منی شرٹس'' پہننا شروع کر دیں۔بال کٹ گئے......جسم عریاں ہونے لگا......اور اب اسے یہ جان کر تاسف ہونے لگا کہ اسد کی چوائس کیا تھی۔اگر وہ اسے اس حلیے میں ملتی تو شاید وہ اسے مل جاتا......جس سے نہ ملنے کا قلق اسے ہر لمحہ اذیت دیتا تھا۔جسے وہ بھلا نہیں پا رہی تھی۔جو اپنی زندگی میں خوش اور مطمئن تھا......مگر اس کی زندگی کو بے سکون کر رہا

تھا..... آنسو اس کی آنکھوں سے گر کر صوفے کی پشت میں جذب ہونے لگے جس کے ساتھ وہ سر ٹکائے نیم دراز تھی۔ ثقلین دو پیگ بنا کر لائی اور دونوں نے مسکرا کر جام پینے شروع کر دیے۔

شام ہو رہی تھی جب علینہ گھر لوٹی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بہت بڑے امپوریم کا برانڈڈ شاپنگ بیگ تھا۔ ڈاکٹر ثقلین گھر آ چکے تھے اور لاؤنج میں صوفے پر خاموش بیٹھے تھے۔ ناظر علی اور کشور بھی بہت خاموش تھے..... کشور اور ناظر علی۔ علینہ کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات کر کے انکو کچھ مت جتنر نہیں کرنا چاہ رہے تھے..... اس لیے وہ جو کچھ پوچھتے۔ اس کا جواب دے کر خاموش ہو جاتے۔ علینہ پورچ کے ساتھ ملحقہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اس نے اندر آنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ نہ گھر والوں کو اپنے آنے کی اطلاع دی۔ اور نہ ہی ان کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔

"کیا علینہ اسی ڈریس میں باہر گئی تھی؟ ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے پوچھا تو کشور نے ناظر علی کی طرف اک ٹک دیکھتے ہوئے منہ پھیر لیا اور دونوں خاموشی سے ٹی وی دیکھنے لگے۔

ڈاکٹر ثقلین اٹھ کر بیڈ روم میں آئے۔ علینہ وارڈ روب کے خفیہ خانے میں کوئی چیز چھپا رہی تھی۔ ڈاکٹر ثقلین کو دیکھ کر اس نے گھبرا کر فوراً وارڈ روب بند کی۔

"علینہ..... آپ کہاں گئی تھیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے ملائمت سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"شاپنگ کرنے....." اس نے جواب دیا اور سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئی اور نظریں چراتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"علینہ..... قدرت نے ہمیں ملایا ہے..... اور..... ہمیں اس ساتھ کو نبھانے کی کوشش کرنی چاہیے" ڈاکٹر ثقلین نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"لیس..... آئی..... تھنک سو (ہاں۔ میں بھی ایسا سوچتی ہوں) اور وہ اٹھ کر ڈاکٹر ثقلین کے قریب آ گئی۔ ڈاکٹر ثقلین نے چونک کر اس کی مدہوش آنکھوں، کپکپاتے ہونٹوں اور مرتعش جسم کو حیرت سے دیکھا۔ اس کے دل میں وسوسہ سا پیدا ہوا

"آئی ایم سوری" علینہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کے قریب آ گئی اور ان کے شانے پر سر رکھ دیا۔ ڈاکٹر ثقلین کو اس کے منہ سے بو سی محسوس ہوئی۔ انہوں نے ایک جھٹکے سے اسے پیچھے کیا اور کھڑے ہو گئے۔

"آپ نے ڈرنک کی ہے؟ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے خفگی سے پوچھا۔

"سب کرتے ہیں....." اور وہ لڑکھڑاتے وجود کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈاکٹر ثقلین کے سینے کے ساتھ لگ گئی۔ ڈاکٹر ثقلین کو اس سے کراہت سی محسوس ہونے لگی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اس حد تک....." ڈاکٹر ثقلین نے اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا مگر وہ اس لمحے ان کے لیے بہت پوزیسو ہو رہی تھی۔

"سب اسی طرح دھتکارتے ہیں" اور وہ بیڈ پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی۔

اس کی بات سن کر ڈاکٹر ثقلین کا دل بھر آیا۔

"آئی ایم سوری....." انہوں نے بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ کر اسے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے قدرے نرمی سے کہا۔

"علیزہ.....پلیز.....چپ ہو جاؤ" ڈاکٹر ثقلین نے پھر کہا۔

علیزہ نے ان کی طرف نم آنکھوں سے دیکھا اور پھر ان کے گلے لگ کر رونے لگی اور وہ کراہت و محبت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس کا سر سہلانے لگے۔

"اس کو مجھ جیسی ہی چاہیے تھی.....جیسی میں پہلی تھی.....ویسی نہیں.....جو.....میں اب ہوں" وہ آہستہ آہستہ بڑبڑاتی رہی۔

ڈاکٹر ثقلین حیرت اور توجہ کے ساتھ اس کی باتیں سنتے رہے.....مگر اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ وہ اس وقت نشے میں تھی۔

علیزہ نشے میں قدرے جذباتی ہو رہی تھی اور اپنی محبت بھرپور انداز میں ڈاکٹر ثقلین پر نچھاور کر رہی تھی مگر اب انہیں اس کی محبت کی نہ طلب تھی نہ ضرورت.....نہ خواہش نہ تمنا.....وہ اس سے بیزار ہو رہے تھے۔ انہوں نے اسے نیم مدہوشی کے عالم میں بیڈ پر لٹایا اور آہ بھر کر اسے دیکھنے لگے۔ وارڈ روب سے اپنا ڈریس نکالنے کے لیے اسے کھولا تو خفیہ خانے پر نظر پڑی۔ اسے کھول کر دیکھا تو ان میں وسکی، بیئر اور شیمپئن کی بوتلیں تھیں۔

"اوہ.....مائی گاڈ" ڈاکٹر ثقلین دیکھ کر بڑبڑائے۔ وہ حواس باختہ ہونے لگے۔ ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے پر پسینہ آنے لگا۔ ان کا دل شدید دکھ و غم کے جذبات سے بھرنے لگا۔ وہ اسٹڈی روم میں آئے اور بیڈ پر نیم دراز ہو گئے۔ ان کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں۔ دل اس قدر مضطرب ہو رہا تھا کہ جیسے پھٹنے کو بے تاب ہو.....ایسی بے قراری، بے چینی اور اضطراب انہوں نے اس سے قبل کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ کبھی اٹھ کر بیڈ پر بیٹھتے۔ مٹھیاں بھینچ کر بیڈ پر مکے مارتے۔ تو کبھی مضطرب ہو کر کمرے کے چکر لگانے شروع کر دیتے انہوں نے ابھی تک عشاء کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ وضو کر کے وہ جا نماز پر کھڑے ہو گئے اور جیسے ہی اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ پڑھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ رکوع و سجود میں جاتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں بہنے لگتے جیسے بھاری رکاوٹیں توڑ کر جھرنوں کی صورت میں برس رہے ہوں اور جیسے ہی دعا کے لیے انہوں نے ہاتھ بلند کیے تو آنسوؤں کی روانی میں اور شدت آ گئی۔

"یا اللہ! تو نے مجھے کس کٹھن راستے پر ڈال دیا ہے.....میں نے ایسے راستے کی تمنا تو نہیں کی تھی.....مجھے معلوم نہیں تھا کہ میری زندگی کا یہ انتہائی اہم موڑ مجھے کسی گہری کھائی کی طرف لے جائے گا.....مجھے اپنی زندگی تاریکیوں میں گم ہوتی نظر آ رہی ہے.....کیا تو میری اتنی سخت آزمائش کرنا چاہتا ہے.....مجھے ایسا دکھ.....ایسا غم دے رہا ہے کہ میں کسی سے اس کا اظہار بھی نہیں کر سکتا ہوں.....یہ غم میرے دل اور میری روح کو کس کس طرح بے قرار کر رہا ہے.....تو سب جانتا ہے.....میں کیسے اس آزمائش سے نجات پاؤں.....میں کیسے اس پل صراط پر چل پاؤں گا.....؟ کیسے اپنے آپ کو مضبوط اور ثابت قدم رکھ پاؤں گا.....؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا.....میرے اس غم کو صرف تو جانتا ہے اور مجھے اس غم سے نجات دینے والا بھی صرف تو ہے.....وہ ہاتھوں کو اپنے چہرے پر رکھے زور زور سے سسکیاں بھرنے لگے.....پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے.....مگر نہ دل کا بوجھ ہلکا ہو رہا تھا اور نہ ہی آنسو تھم رہے تھے.....اور بے قراری بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ رات گزر رہی تھی یا ختم ہو گئی تھی۔ انہیں کچھ احساس نہ تھا.....فجر کی اذانیں شروع

ہو گئیں۔ آبادی کی تمام مسجدوں سے مؤذن بلند آواز میں پکار رہے تھے

حیّ علی الفلاح

فلاح کی طرف آؤ۔۔۔

فلاح کی طرف۔۔۔۔۔۔

'فلاح' کا نقارہ بج رہا تھا اور لوگ اس سے بے خبر اپنی اپنی زندگیوں میں مست اپنی خواب گاہوں میں بے خبر سو رہے تھے۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ جو جاگ رہے تھے۔۔۔ جو بیدار تھے۔۔۔ جو فلاح کی طرف دوڑنے کے لیے بے تاب تھے۔۔۔ ان کے لیے فلاح کا راستہ بہت دشوار اور بہت کٹھن اور بہت صبر آزما ہو رہا تھا۔ ان کی ہمتیں ٹوٹ رہی تھیں۔۔۔۔۔ حوصلے شکستہ ہو رہے تھے اور دل بہت بے قرار ہو رہے تھے۔۔۔۔۔ مگر قدرت ان پر مہربان تھی جو اتنی مشکلات کے باوجود بھی 'فلاح' کے اس نقارے کو سن کر اس کی جانب متوجہ رہے تھے۔۔۔۔۔ کوئی قوت ان کے ٹوٹے دلوں کی ڈھارس بندھا رہی تھی۔۔۔۔۔ اور وہ خود 'فلاح' کے اس راستے پر چلنے کے لئے ہمت، صبر اور امید کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

یا اللہ! مجھے ہمت دے۔۔۔

یا اللہ! میرا ساتھ دے۔۔۔

یا اللہ! اپنے نور سے میرے ایمان کو منور کر۔۔۔

یا اللہ! مجھے ثابت قدم رکھ۔

یا اللہ! مجھے دنیا اور آخرت میں 'فلاح' کے راستے پر چلا۔۔۔۔۔ اور مجھ سے وابستہ لوگوں کو بھی اس 'فلاح' کا شعور دے۔

یا اللہ! انہیں ہدایت دے۔۔۔ (آمین)

نم چہرے پر ہاتھ رکھ کر وہ گڑگڑا کر خدا کے حضور دعائیں کرتے رہے۔

☆

کاشف تندوری چرغہ، نان، رس ملائیاں اور فروٹ کے بہت سے لفافے لے کر آیا تھا۔ آموں کا موسم کیا آیا تھا۔ ہر دوسرے تیسرے روز میٹھے آموں کی پیٹیاں وہ گھر لاتا تھا۔ ان کے گھر میں یہ طریقہ تھا کہ ہر روز رات کو خوب پھل فروٹ کھاتے، پھر سونے سے پہلے دودھ جلیبیاں، کبھی دودھ سوڈا تو کبھی نیم گرم دودھ میں بادام ڈال کر پیتے۔ زاہدہ کو تو اتنا کچھ کھائے بغیر نیند ہی نہیں آتی تھی اور کاشف کی بھی یہی عادت تھی۔ سدرہ حیرانگی سے انہیں دیکھتی رہتی۔ سارا دن چٹ پٹے اور زیادہ تر مرغن کھانے بنانے میں گزر جاتا۔ رات کو پھر خوب کھا پی کر سوتے۔ ہر روز گھر میں کبھی بکرے کا گوشت پکتا یا مرغی بھونی جاتی۔ شام کو اکثر مچھلی فرائی ہوتی۔ کاشف کھانے پینے کا بہت شوقین تھا۔ دفتر سے گھر لوٹتا تو ہر روز اس کے ہاتھوں میں کھانے پینے کی چیزوں کے بڑے بڑے لفافے ہوتے۔۔۔۔۔ اور سدرہ اکثر ان لفافوں کو دیکھ کر سوچوں میں گم ہو جاتی۔ اس کی ماں بھی شام کو جب گھر لوٹتی تھی تو اس کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگز ہوتے۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ ان میں بچے کچھے کھانے ہوتے تھے۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اب قدرت اس پر مہربان تھی کیسے

سارا منظر بدل گیا تھا۔ اتنی نعمتیں اس کو مل رہی تھیں کہ اس کا کاسہ بھرنے لگا تھا۔ وہ کھانے پینے کی زیادہ شوقین نہیں تھی کاشف کا ساتھ دینے کے لیے اسے کھانا پڑتا۔ کاشف کے بار بار اصرار پر زاہدہ طنزیہ جملہ چھوڑتی۔

"اس نے کبھی اتنا کچھ کھایا نہیں نا۔ اس لیے اسے عادت نہیں" زاہدہ کے ایسے طنزیہ جملوں پر وہ اکثر تلملا جاتی مگر کاشف اسے خاموش رہنے کو کہتا...... کاشف نے بہت حد تک زاہدہ کو کنٹرول میں رکھا تھا۔ وہ اسے منع کرتا رہتا کہ وہ سدرہ سے کوئی بات نہ کیا کرے...... اور...... زاہدہ بہت مشکل سے اپنی زبان پر قابو رکھتی مگر کہتے ہیں نا کہ وہ اپنے دل کی بھڑاس کسی نہ کسی طرح نکال ہی لیتی۔

سدرہ کو جب سے رشیدہ نے کھری کھری سنا کر گھر سے نکالا تھا اور اسے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اسے ان کے گھر آنے کی ضرورت نہیں۔ تب سے سدرہ بہت اداس اور چپ چپ رہتی۔ کاشف اس کی خاموشی کی وجہ جانتا تھا اور وہ اسے ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا وہ ویسے بھی اس کی صحت اور خوشی کا بہت خیال رکھتا تھا جب سے ڈاکٹر نے اسے خوش خبری سنائی تھی کہ وہ باپ بننے والا ہے۔ خوشی سے اس کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے وہ ہر وقت اس کی آؤ بھگت میں مصروف رہتا۔ اس کو خود پھل کاٹ کاٹ کر کھلاتا۔ زاہدہ کا رویہ بھی تھوڑا سا بدلا تھا۔ کھانے پینے کی چیزوں کے لفافوں میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر ہر وقت پھلوں کی باسکٹ بھری ہوئی ملتی۔ اور جب وہ شام کو اور پھل لے کر آتا تو پہلے پڑے پھلوں کو ویسے کا ویسا دیکھ کر خفا ہوتا۔

"سدرہ...... مجھے تمہاری صحت کی بہت فکر ہے۔ ڈاکٹر بولتی تھی کہ تم میں خون کی بہت کمی ہے۔ اس لیے پھل زیادہ کھایا کرو...... اپنی صحت کا خیال رکھا کرو" وہ محبت بھرے لہجے میں اسے کہتا

"کھاتی تو ہوں...... جتنا کھا سکتی ہوں" وہ آہستہ سے کہتی

"کب کھاتی ہو...... آئینے میں اپنا چہرہ دیکھو...... رنگت کیسی پیلی ہو رہی ہے۔ ذرا سا بھی فرق نہیں آ رہا" کاشف خفگی سے کہتا

"ارے بیٹا...... برسوں کی کمی دو چار دن میں تو نہیں جاتی نا" زاہدہ کاشف کے اتنے اصرار سے چڑ کر باہر سے آواز لگاتی تو سدرہ خاموشی سے کاشف کی طرف دیکھنے لگتی۔

"تم اماں کی باتوں کو دل سے نہ لگایا کرو...... یہ ان کی عادت ہے......" کاشف اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دیتا تو وہ خاموش ہو جاتی۔

وہ کاشف کو پا کر بہت خوش تھی اور کاشف اسے پا کر...... کاشف اسے دل و جان سے چاہتا تھا...... اور...... وہ اسے...... کاشف کی محبت نے اسے اپنی ہی نظروں میں بہت پر اعتماد اور معتبر بنا دیا تھا ورنہ اماں کے ہاتھوں ہر روز ذلیل ہو ہو کر اس کے اندر احساس کمتری پیدا ہونے لگا تھا۔

"سدرہ جلدی سے آؤ۔ بڑا مزے دار گرما گرم تندوری چرغہ لایا ہوں......" کاشف نے کچن میں کام کرتی سدرہ کو آواز دی۔ کاشف لاؤنج میں رکھی ٹیبل پر شاپنگ بیگز رکھتے ہوئے بولا۔

"اتنے مرغ مسلم نہ کھلایا کرو...... اسے کون سا کھایا پیا لگتا ہے۔ خواہ مخواہ میں اتنے پیسے خرچ کر دیتے ہو" پاس بیٹھی زاہدہ نے ناک چڑھا کر کہا۔

"اماں.....ڈاکٹر کہتی ہے اس کی خوراک کا خاص خیال رکھو.....خون کی بہت کمی ہے۔ بچے کی صحت کو خطرہ ہے" کاشف نے کہا

"ارے.....رہنے بھی دو.....آج کل کی ڈاکٹروں کے چونچلے.....ہمارے زمانے میں مائیں تو روکھی سوکھی کھا کر درجنوں بچے پیدا کرتی تھیں اور وہ بھی صحت مند.....آج کل نخرے زیادہ اور بچے دیکھو۔۔ یوں جیسے مریل چوزے۔۔" زاہدہ نے منہ بنا کر قدرے نخوت سے کہا۔

سدرہ ہاتھ صاف کرتی ہوئی کچن میں سے آئی۔

"سدرہ یہ پلیٹوں میں ڈال کر لاؤ۔ بڑے مزے کا تندوری چرغہ ہے اور یہ رس ملائیاں بھی ہیں اور یہ پھلوں کے لفافے بھی کچن میں لے جاؤ" کاشف نے اسے کہا تو وہ سارے لفافے اٹھا کر لے گئی۔

"اپنے اپنے نصیب ہیں نا.....میری بچیوں کو تو اس گھر میں کبھی ڈھنگ سے کھانا نصیب نہ ہوتا تھا.....تمہارے ابا کی تنخواہ ہی اتنی کم تھی۔ مشکل سے گھر کا خرچہ پورا ہوتا اور بیچاریاں اپنے اپنے سسرال گئیں تو وہاں بھی ایسے ہی حالات ملے.....اور.....اس کو دیکھو.....میکے میں شاید پوری روٹی بھی کھانے کو نہ ملتی ہو.....اور.....یہاں چرغے.....پھل۔۔۔اور رس ملائیاں۔۔۔واہ ری قسمت" زاہدہ نے تاسف کا اظہار کیا تو کاشف خاموشی سے سنتا رہا۔

سدرہ پلیٹوں میں سب کچھ ڈال کر لے آئی۔

"خوشبو تو بہت اچھی ہے.....لگتا ہے چرغے کو خوب مزیدار مصالحہ لگایا ہے" کاشف منہ میں پانی بھر کر بولا۔

"ہاں.....اچھی خوشبو آ رہی ہے" سدرہ نے جواب دیا۔

"اماں.....پہلے تم ڈالو....." کاشف نے ماں کے آگے پلیٹ کرتے ہوئے کہا تو زاہدہ نے جلدی سے اپنی پلیٹ بھر لی۔

"سدرہ.....تم بھی ڈالو....." کاشف نے کہا۔

"نہیں.....آپ ڈالیں"

"لگتا ہے مجھے خود ہی تمہیں کھلانا پڑے گا.....اور تم نے میرے ساتھ میری پلیٹ میں سے کھانا ہے.....تاکہ میری نظروں کے سامنے تم سب کچھ کھاؤ....." کاشف نے محبت سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا تو وہ شرما کر مسکرانے لگی۔

ابھی کاشف نے پہلا نوالہ توڑا ہی تھا کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔

"اُفوہ.....اب یہ کس کا فون آ گیا؟ وہ جھنجھلا کر بولا۔

مگر نمبر دیکھ کر ایک دم ٹھٹھکا گیا اور موبائل لے کر کمرے میں چلا گیا۔ سدرہ حیرت اور پریشانی سے کمرے کی جانب دیکھتی رہی جبکہ زاہدہ مزے سے لے کر کھاتی رہی۔

کاشف جلدی سے کمرے سے باہر نکلا اور اس کے چہرے پر پریشانی اور گھبراہٹ کے تاثرات تھے۔ اس نے موبائل جیب میں ڈالا اور موٹر سائیکل کی چابی اٹھا کر باہر جانے لگا۔

''کاشف......آپ کہاں جارہے ہیں......؟ پہلے کھانا تو کھائیں......'' سدرہ نے اس کے پیچھے جا کر پریشانی سے کہا۔

''بہت ارجنٹ کال ہے......میرا جانا بہت ضروری ہے'' کاشف نے کہا اور سدرہ کی بات سنے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

سدرہ پریشانی سے کھانے کی جانب دیکھتی رہی۔

''واپڈا کی نوکری میں یہی برائی ہے......نہ دن دیکھتے ہیں......نہ رات......گھروں سے ملازموں کو بلا لیتے ہیں......کہ کبھی ٹرانسفارمر جل گیا ہے......تو کبھی شارٹ سرکٹ ہو گیا ہے......اتنا کام اور تنخواہ دیکھو......صرف نو......دس ہزار......انہیں ذرا بھی خدا کا خوف نہیں......'' زاہدہ نے چکن کی بوٹیاں کھاتے ہوئے کہا تو سدرہ نے چونک کر زاہدہ کی جانب دیکھا۔۔کوئی چیز چھناکے سے اس کے اندر ٹوٹی۔۔۔

''کتنی تنخواہ......؟'' وہ بے خیالی میں بڑبڑائی۔

صرف......نو......دس ہزار......وہ بھی ابھی بڑھی ہے۔ پہلے تو پانچ چھ ہزار تھی۔'' زاہدہ نے لیگ پیس کی ہڈی چباتے ہوئے کہا۔

سدرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگیں۔ کبھی وہ ٹیبل پر پڑے کھانوں کو دیکھتی......کبھی گھر کے در و دیوار کو اور کبھی زاہدہ کی طرف حیرت بھری نگاہوں سے......

اس کی ماں دن بھر کام کر کے پانچ ہزار کماتی تھی۔ وہ کڑھائی اور ٹیوشن پڑھانے کے بعد چار پانچ ہزار کماتی تھی جو مل ملا کر دس ہزار بنتے تھے اور اس میں صرف دوپہر کا کھانا پکتا تھا نہ رات کا......صرف ناشتہ ہوتا تھا اور پھر بھی وہ تنگی تنگدستی سے گزارہ کرتے تھے......اور کاشف کی تنخواہ میں اتنی عیاشی......؟ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

اور اسے خود ایک بار بھی خیال نہ آیا کہ وہ کبھی کاشف سے اس کی تنخواہ کے بارے میں پوچھے......اسے تو پورا یقین تھا کہ کاشف جیسا اچھا انسان کبھی رزق حرام نہیں کما سکتا......اور......؟ اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ اماں سے ہر وقت اسی بات پر الجھتی رہتی تھی۔ اس نے ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیا تھا اور شاید اب پھر قدرت اس کو آزمانے جا رہی تھی۔ انسان جس چیز کے بارے میں زیادہ سوچتا ہے۔ جس کے کرنے سے زیادہ ڈرتا ہے۔ نجانے وہی چیز کیوں آزمائش بن کر سامنے آجاتی ہے۔ نجانے کب! اور کیسے ذہن حرام اور حلال کی الجھن میں پڑ گیا تھا اور وہ تب سے اس بات کے بارے میں بہت کوشش رہتی۔

''اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے......کاشف......اگر تم حرام کماتے ہو......تو......تم نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا ہے......تمہیں میری صحت کی بہت فکر ہے اور اپنے ہونے والے بچے کی ذرا بھی فکر نہیں جس کی پرورش تم حرام کی کمائی سے کر رہے ہو'' آنسو امڈ کر اس کی آنکھوں میں آرہے تھے۔

''نہیں......میں......ایسا نہیں ہونے دوں گی......میں تمہیں حرام نہیں کمانے دوں گی چاہے کچھ ہو جائے......شاید اسی لیے میرے لئے یہ مزیدار اور چٹ پٹے کھانے لاتے ہو......اور......کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہتا تھا......شاید قدرت مجھے اس سے بچانا چاہتی تھی......اور......آج بھی میرے حلق سے ایک نوالا بھی نیچے نہیں اترا......اور......حقیقت مکمل کر سامنے آگئی ہے۔

تھوڑی دیر بعد کاشف گھر آیا تو وہ قدرے مطمئن تھا..... آتے ہی اس نے پھر شور مچانا شروع کر دیا۔ زاہدہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

سدرہ..... بھئی ..... سدرہ کہاں ہو.....؟ باہر آؤ کھانا کھاتے ہیں؟ کاشف نے اسے لاؤنج میں سے آوازیں دیں۔ سدرہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیسے اسے انکار کرے..... اگر اس نے کوئی ایسی بات کہہ دی تو کاشف کا دل بجھ جائے گا..... مگر وہ اسے بھی کیسے حرام کھاتا ہوا دیکھ سکتی تھی۔ وہ عجیب مخمصے میں پڑ گئی..... "کیا کروں ..... یا اللہ! میری مدد کر" اس نے دل میں دعا کی اور دروازے سے باہر قدموں کی چاپ سن کر وہ فوراً بستر میں گھس گئی اور جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ کاشف نے دروازہ کھولا اور آہستہ آواز میں اسے پکارا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"او..... ہو..... یہ تو سو گئی..... ٹائم بھی تو بہت ہو گیا ہے نا" وہ آہستہ سے بڑبڑاتا ہوا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

سدرہ نے شکر ادا کیا مگر وہ بہت مضطرب رہی ..... تھوڑی دیر بعد کاشف آیا۔ اس نے ایک دو بار اسے آوازیں دیں مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بھی سو گیا۔ سدرہ ساری رات آنکھیں بند کیے جاگتی رہی۔ ایک لمحے کے لیے بھی اس کا دماغ سو نہ سکا۔ اتنی باتیں..... اتنی سوچیں..... اتنے تفکرات..... ماضی کی باتیں..... حال کے واقعات..... مستقبل کے اندیشے..... وہ اس قدر پریشان ہو رہی تھی کہ ایک لمحے کے لیے بھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ کاشف کا پچھلی بار بھی ایک فون کال پر گھبرا کر گھر سے چلے جانا اور آج رات بھی..... یہ سب کیا ہے.....؟ کاشف کیا کرتا ہے.....؟ اتنی عیشیں تو کوئی اعلیٰ عہدے پر فائز کوئی افسر ہی کر سکتا ہے ایک عام میٹرک پاس لائن مین کیسے یہ سب کچھ افورڈ کر سکتا ہے..... مجھے پہلے ہی کاشف سے پوچھنا چاہیے تھا..... ماموں کی وفات تک تو ان لوگوں کے حالات بہت خراب تھے..... نہ گھر کی حالت اچھی تھی اور نہ ہی کھانا پینا..... اور..... کیسے سب کچھ بدل گیا۔ جیسے ہی کاشف نے نوکری شروع کی..... ان کی زندگی ہی بدل گئی..... گھر بدل گیا..... رہن سہن بدل گیا..... وہ خود بدل گئے۔

سدرہ نے اٹھ کر فجر کی نماز ادا کی اور خدا سے گڑگڑا کر دعائیں کرنے لگی کہ خدا اس کی آنے والی زندگی کو تلخ آزمائشوں سے بچا لے۔ اب اسے آزمائشوں اور مصائب میں گھرنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ بچپن سے جوانی تک اس نے ایک ایک لمحہ اذیتوں میں کاٹا تھا۔ شادی کے بعد صرف چند ماہ خوشی اور سکون کے میسر آئے تھے۔ جنہوں نے ان کے تھکے ہوئے اعصاب کو قدرے سکون دیا تھا..... اور اسے احساس دلایا تھا کہ پرسکون زندگی کتنی بڑی نعمت ہے مگر یہ سکون بہت عارضی ثابت ہو رہا تھا..... اس سکون کے پیچھے کتنا تکلیف دہ اضطراب تھا۔ اسے اس کا علم ہی نہ تھا۔ وہ لاعلمی میں جس کو سکون سمجھ رہی تھی۔ وہ حقیقت میں سکون نہیں تھا۔ اگر وہ سکون ہوتا تو وہ اتنا مضطرب اور بے چین نہ ہوتی..... وہ خدا کے حضور رو رو کر دعائیں کرتی رہی۔

کاشف صبح بیدار ہوا تو سدرہ کچن میں اس کے لئے ناشتہ بنا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئیں اور چہرہ بہت اداس تھا۔ وہ مسلسل خاموش تھی۔ کاشف اس کی طرف بغور دیکھتا رہا۔

"سدرہ..... کیا بات ہے.....؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے..... تم نے رات کو کچھ بھی نہیں کھایا تھا..... پھر میں نے بھی نہیں کھایا..... سب کچھ فریج میں رکھ دیا ہے" کاشف نے چائے پیتے ہوئے کہا

سدرہ خاموشی سے سنتی رہی..... اور..... کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا بات ہے..... کیا مجھ سے ناراض ہو......؟ کاشف نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا

سدرہ خاموش رہی اس نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ کاشف نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"سدرہ...... میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں...... مجھے کچھ بتاؤ تو سہی" کاشف نے قدرے خفگی سے کہا تو سدرہ کی آنکھوں سے آنسو گر پڑے

"یہ آنسو......؟ کاشف نے انتہائی حیرت سے اس کے آنسوؤں کو اپنی انگلی کی پور سے چھوتے ہوئے کہا۔

"تم...... کس بات پر اتنی پریشان ہو رہی ہو......؟ میرا خیال ہے۔ جب میں رات کو گیا تھا...... تم بالکل ٹھیک تھیں...... پھر کیا ہوا......؟ کیا اماں نے کوئی بات کہی ہے؟" کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں......" سدرہ نے نفی میں جواب دیا۔

"پھر...... کیا بات ہے......؟" کاشف نے پوچھا۔

"آپ آفس سے آئیں گے تو بات کروں گی" سدرہ نے جواب دیا۔

"اور...... آفس میں...... میرا یہ وقت کیسے گزرے گا...... کیا تم جانتی ہو؟" کاشف نے محبت سے پوچھا۔

"یہ آپ کے آفس جانے کا ٹائم ہے...... اور...... میں اس وقت کوئی بات نہیں کرنا چاہتی" سدرہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے...... لیکن...... آج میرا دن بہت برا گزرے گا...... سدرہ تم جانتی نہیں...... میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور تمہاری آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر اداسی مجھے کتنا پریشان کرتی ہے...... تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتی" کاشف نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو سدرہ نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی جانب دیکھا کاشف آفس چلا گیا اور وہ سارا دن سوچوں میں گم رہی...... وہ کیا کرے...... کیا نہ کرے؟ کس طرح کاشف سے بات کرے...... اس کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سارا وقت اپنی سوچوں میں گم رہی رات کو کاشف آیا تو بہت تھکا ہوا تھا مگر اس نے آتے ہی سدرہ کے اداس چہرے کی جانب دیکھا۔

"آج میں بھی دن بھر بہت پریشان رہا ہوں...... ادھر بیٹھو میرے پاس تم کیا سوچتی رہتی ہو...... جو...... اس قدر پریشان رہتی ہو...... اور مجھے بھی پریشان کرتی ہو" کاشف نے اسے اپنے پاس صوفے پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے آپ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھائیں...... میں پھر بات کروں گی" سدرہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"سدرہ...... کیا تم سوچ سکتی ہو کہ میں نے آج ایک ایک منٹ کیسے گزارا...... اور...... میں کھانا کیسے کھا سکتا ہوں؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

"بات بہت تفصیل طلب ہے...... اس لیے پہلے آپ کھانا کھائیں"

سدرہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی اور کاشف نے آہ بھر کر اس کی جانب دیکھا اور واش روم میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد سدرہ کمرے میں کھانا لے کر آئی اور اس کے سامنے ٹیبل پر کھانا رکھا۔

"تم بھی تو کھاؤ نا...... تمہارا چہرہ بتا رہا ہے آج تم نے دن بھر کچھ نہیں کھایا" کاشف نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھوک نہیں..... آپ کھایئے..... میں مامی کو کھانا دے کر آتی ہوں" سدرہ جان بوجھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

کاشف کھانے میں مصروف ہو گیا۔

"سدرہ برتن لے جاؤ" کاشف نے اسے آواز دی اور وہ آ کر برتن لے جانے لگی تو کاشف اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"سنو..... جلدی واپس آنا..... اب مجھ سے مزید انتظار نہیں ہو رہا" کاشف نے کہا تو وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

کاشف گہری سوچ میں گم تھا۔ آخر سدرہ کس بات پر پریشان ہے اور مجھ سے کیا بات تفصیل میں کرنا چاہتی ہے..... اس میں اور اماں میں ایسا کوئی جھگڑا ابھی نہیں ہوا ہے..... اور..... اگر ہو بھی جائے تو سدرہ نے کبھی مجھ سے ماں کے بارے میں شکایت نہیں کی..... تو..... پھر کیا بات ہو سکتی ہے؟ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ سدرہ کمرے میں آئی تو کاشف نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"ہاں..... اب بتاؤ..... کس بات نے تمہیں اس قدر زیادہ پریشان کر رکھا ہے" کاشف نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کاشف..... آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟ سدرہ نے انتہائی سنجیدگی سے سوال کیا۔

"کیوں.....؟ کاشف ایک دم ہڑ بڑا گیا۔

"مجھے سچ بتایئے گا" سدرہ نے پر اعتماد لہجے میں پوچھا۔

"گزارہ ہو جاتا ہے..... کیا تمہیں پیسے کی کوئی کمی ہے؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں..... پیسے کی زیادتی مجھے پریشان کر رہی ہے" سدرہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"کیا مطلب.....؟ کاشف نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"کاشف..... آپ میٹرک پاس لائن مین ہیں..... اور..... آپ کے گھر کے اخراجات کسی اعلیٰ افسر کے گھر کے اخراجات سے بھی زیادہ ہیں۔ اتنا پیسہ کہاں سے آتا ہے؟ کیا آپ جاب کے علاوہ کوئی اور کام بھی کرتے ہیں.....؟ سدرہ نے مضبوط لہجے میں پوچھا

"تم کیوں ان باتوں میں الجھ رہی ہو؟ کاشف نے گھبراتے ہوئے لہجے میں کہا

"کاشف..... ہم جن باتوں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں..... کبھی کبھی وہ زندگیاں بھی ختم کر دیتی ہیں اور رشتے بھی" سدرہ نے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔

"سدرہ..... یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو.....؟ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کاشف نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ملامت بھرے لہجے میں کہا

"اس سے پہلے مجھے آپ کی تنخواہ کے بارے میں کچھ علم نہ تھا" اس نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"پھر.....؟ کاشف نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"پھر..... یہ..... کہ..... کاشف..... میں اپنا اور اپنے بچے کے وجود کو حرام کی کمائی پر نہیں پال سکتی" سدرہ نے قطعیت سے جواب دیا

"کیا تم جانتی ہو..... کہ..... تنخواہ میں صرف میری موٹر سائیکل کے پٹرول کا خرچہ چلتا ہے..... گھر کا خرچ کہاں سے چلے گا؟ کاشف نے

قدرے درشت لہجے میں جواب دیا۔

"اور حرام کی کمائیوں سے جب جسم اور روحیں بیمار پڑتی ہیں تو پھر ان کا علاج ناممکن ہوتا ہے" سدرہ نے جواب دیا۔

"آج کل سب لوگ حرام کھانے پر مجبور ہیں...... نہ کھائیں تو زندہ رہنا ناممکن ہے...... مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے...... ایک عام گھر کا دن بھر کا خرچہ پانچ سو روپے ہے اور مہینے کا صرف پندرہ ہزار خرچہ کا بل اور دوسرے اخراجات اس کے علاوہ ہیں...... وہ سب انسان کہاں سے پورا کرے......" کاشف نے غصے سے کہا۔

"رزق حلال کمانا اور کھانا آسان ہوتا تو لوگ رزق حرام کیوں کھاتے...... کاشف...... کیا صراط مستقیم آسان راستہ ہے؟ اگر یہ آسان ہوتا تو سب اس پر چل رہے ہوتے" سدرہ نے گہری سانس لے کر کہا تو کاشف لاجواب ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"سدرہ...... تم خواہ مخواہ پاگل ہو رہی ہو آج کل کی عورتیں کہاں ان باتوں کے بارے میں سوچتی ہیں...... انہیں تو بس عیش کرنا ہوتی ہیں...... مرد چاہے جہاں مرضی سے پیسہ کما کر لائے" کاشف نے حیرت سے کہا۔

"کاشف...... میں آج کی ہی عورت ہوں...... مگر...... ان عورتوں سے بہت مختلف...... مجھے عیش نہیں کرنی...... مجھے اچھی زندگی گزارنی ہے...... ویسی جیسی...... اللہ کا حکم ہے...... صراط مستقیم پر چلتے ہوئے" سدرہ نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"تم...... اس بات کو مسئلہ کیوں بنا رہی ہو؟" کاشف نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کاشف...... اگر میں نے قرآن پاک ترجمے اور تفسیر سے نہ پڑھا ہوتا...... اور اگر مجھے ذکیہ آپا جیسی استاد نہ ملی ہوتیں...... اگر میری تربیت صرف ماں ہی کرتی...... تو شاید میں آپ سے کچھ نہ پوچھتی...... سب کچھ جان کر کیسے اللہ کی باتوں کو نہ مانوں...... جن باتوں سے وہ منع کرتا ہے...... کیسے ان کو کروں...... جن چیزوں کو کھانے سے وہ روکتا ہے...... کیسے کھاؤں......؟ میں میں بہت الجھ گئی ہوں میں بہت زیادہ اپ سیٹ ہوں۔ میں نے رات سے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا۔ جب بھی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتی ہوں تو بجانے کون سی قوت، کون سی بات مجھے روکتی ہے...... کاشف میں بہت پریشان ہوں" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"پلیز...... سدرہ...... ایسا مت سوچو...... تم خود بھی الجھ رہی ہو...... اور...... مجھے بھی الجھا رہی ہو" کاشف نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"کاشف...... میں صرف حلال کھانا چاہتی ہوں" سدرہ نے روتے ہوئے کہا۔

"کیا تم جانتی ہو...... کہ حلال کی کمائی میں تم کیا کھا سکوگی؟" کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں...... نہ کپڑے نہ جوتے...... نہ کوئی عیش...... صرف دو وقت کی روکھی سوکھی روٹی...... جو میرے گلے میں کانٹوں کی طرح نہ چبھے...... جسے کھاتے ہوئے میرے دل میں وسوسے نہ اٹھیں...... جسے کھا کر میں پرسکون سو سکوں" سدرہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے...... میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ حلال کمانے کی پوری کوشش کروں گا...... اس میں گزارا کرنا تمہارا کام ہے اور پھر مجھ سے

کسی بھی قسم کی شکایت نہ کرنا" کاشف نے سنجیدگی سے کہا تو سدرہ آنسو پونچھ کر اس کی جانب مسکرا کر دیکھنے لگی

"مجھے منظور ہے...... کاشف میں بھی آپ کے ساتھ محنت کروں گی...... کون کہتا ہے حلال کی کمائی میں پوری نہیں پڑتی...... جب انسان ارادہ باندھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود بخود حلال کی کمائی میں برکت ڈالنے لگتا ہے...... میں ٹیوشنز پڑھاؤں گی...... آپ کے ساتھ محنت کروں گی...... بس آپ حرام کا ایک پیسہ بھی گھر نہیں لائیں گے" سدرہ نے کہا تو کاشف اس کی طرف بغور دیکھنے لگا۔

"سدرہ...... میں پہلے صرف تم سے محبت کرتا تھا...... اور...... اب بہت عزت کرنے لگا ہوں...... یقیناً تمہاری استاد بہت اچھی مسلمان ہیں جنہوں نے تمہاری تربیت کی" کاشف نے محبت سے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"شکر ہے...... تمہارے چہرے پر مسکراہٹ آئی...... ورنہ میں کتنا پریشان ہو رہا تھا...... تمہارا اداس چہرہ دیکھ دیکھ کر" کاشف نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

☆

مومنہ ہاسپٹل سے گھر لوٹی تو بہت خوش تھی۔ اس کی میڈیکل رپورٹ پازیٹیو تھی۔ سلوت آپا یہ خبر جان کر بے حد خوش ہوئیں۔ خوشی سے ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ انہوں نے محبت سے مومنہ کا سر منہ چوما۔ انہوں نے اس وقت مومنہ کے سر سے ہزار ہزار کے کئی نوٹ وار کر نظام دین ڈرائیور کو دیے تا کہ وہ غریبوں میں خیرات کر دے۔ گھر کے سب ملازمین کو پیسے دیے۔ فوراً مٹھائی کے ٹوکرے منگوائے اور یتیم خانے میں بھجوائے۔

"بہو بیگم...... ہم کس قدر خوش ہیں...... آپ سوچ بھی نہیں سکتیں...... تین برسوں بعد ہمیں یہ خوشخبری مل رہی ہے۔ شکر ہے پروردگار کا...... اب ہم بھی اس گھر میں بچوں کے قہقہے سن سکیں گے...... ان کے ساتھ کھیل سکیں گے...... ان کو اپنی گود میں کھلا سکیں گے...... سنو...... کیا اسد بیٹے کو یہ خوشخبری سنائی ہے؟ سلوت آپا نے خوشی سے پوچھا۔

"نہیں...... وہ آج بہت بزی ہیں...... گڈز ڈیلیوری کے سلسلے میں...... رات کو دیر سے آئیں گے" مومنہ نے بتایا

"اچھا...... ابھی کیا ٹائم ہوا ہے؟ سلوت آپا نے پوچھا۔

"دو بج رہے ہیں...... مومنہ نے جواب دیا۔

"خیرن بوا...... نظام دین کو بلائیں" سلوت آپا نے کہا تو مومنہ حیرت سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔

"جی...... بیگم صاحبہ" نظام دین نے مؤدبانہ انداز میں پوچھا۔

"گاڑی نکالیے...... ہمیں مٹھائی لے کر درگاہ پر بھی جانا ہے اور زکیہ بیگم کی طرف بھی" سلوت آپا نے مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی...... بہت بہتر...... آپ تشریف لے آئیے" نظام دین نے کہا۔

"چلیے بہو بیگم...... سب سے پہلے درگاہ پر سلام کرنے چلتے ہیں اور پھر زکیہ بیگم کو خوشخبری سنانے جائیں گے" سلوت آپا نے کہا تو مومنہ

نے دوبارہ برقعہ پہنا اور ان کے ساتھ چل پڑی۔

سارا راستہ سطوت آپا محبت سے اس کی طرف دیکھتیں اور پیار سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتیں۔ ان کی آنکھیں خوشی سے بار بار نم ہو رہی تھیں......

"اگر آج ہمارا بیٹا اور بہو زندہ ہوتے تو خوشی کی یہ خبر سن کر وہ پھولے نہ سماتے...... سچ...... آج ہمیں ظہیر الدین بہت یاد آ رہے ہیں...... نہ اسد کو جوان ہوتے دیکھ سکے اور نہ اس کی اولاد کو" سطوت آپا نے نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے کہا تو مومنہ بھی ایک لمحے کے لیے افسردہ ہو گئی۔

انہوں نے درگاہ کے لیے تازہ گلاب کے پھولوں کی چادر خریدی۔ تبرک کے طور پر مٹھائی خریدی۔ درگاہ پر دعا کرنے کے بعد انہوں نے مومنہ کو کہا کہ وہ سب لوگوں میں مٹھائی بانٹے...... اور مومنہ خوشی خوشی مٹھائی بانٹتی رہی۔

"بہو بیگم...... یہ پیسے بھی آپ فقیروں میں خود بانٹیے" سطوت آپا نے اپنے پرس میں سے دس دس کے نوٹوں کی گڈی نکال کر مومنہ کو دیے اور وہ سب فقیروں میں بانٹنے لگی۔

وہاں سے فارغ ہو کر وہ مٹھائی لے کر ذکیہ کے گھر پہنچیں تو مریم بچوں کو ٹیوشن پڑھانے میں مصروف تھی جبکہ ذکیہ مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی۔ دونوں کو اچانک دیکھ کر مریم اور ذکیہ دونوں بہت حیران ہوئیں مگر مومنہ کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر وہ قدرے مطمئن ہو گئیں۔ ان کے پیچھے نظام دین مٹھائی کا ٹوکرا لیے ہوئے داخل ہوا...... اور...... مٹھائی رکھ کر باہر چلا گیا۔

"بسم اللہ...... آیئے آیئے...... اچانک کیسے...... اور کہاں سے آ رہی ہیں؟" ذکیہ نے سطوت آپا کے گلے ملتے ہوئے کہا اور مومنہ کا سر منہ چوم کر پیار کیا۔

"ذکیہ بیگم...... ہم آپ کو خوشخبری سنانے آئے ہیں...... کہ آپ نانو بننے والی ہیں...... پروردگار ہمارے بچوں کو اولاد کی اتنی بڑی نعمت سے نواز رہا ہے" دادو نے خوش ہو کر ذکیہ کو گلے مل کر مبارکباد دی۔

"ماشاءاللہ......" ذکیہ انتہائی خوشی سے بولی اور مومنہ کو پھر گلے سے لگایا۔

مریم نے جلدی سے سب بچوں کو چھٹی دے دی۔ وہ بھی یہ خوشخبری سن کر بہت خوش ہو رہی تھی۔

"آپی...... واقعی......؟" مریم کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"رپورٹ تو یہی بتا رہی ہے......" مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

"مریم ایک ٹرے میں سات کچے اناج ڈال کر لاؤ...... ان میں کچھ چاول بھی ڈال لینا" ذکیہ نے جلدی سے کہا تو مریم حیرانگی سے سن کر کچن میں چلی گئی اور ایک ٹرے میں مختلف دالیں اور چاول لے کر آئی۔

"مومنہ بیٹی...... یہ تمہارا صدقہ ہے اس اناج پر اپنے دونوں ہاتھ پھیر دو...... صبح پرندوں کو ڈالوں گی......" ذکیہ نے فرط جذبات سے لبریز آواز کے ساتھ کہا تو مومنہ نے سارے اناج پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرے اور مریم نے ٹرے ایک جانب رکھ دی۔

"ذکیہ بیگم......اب منہ میٹھا کیجیے......" سلوت آپا نے مٹھائی کے ٹوکرے سے مٹھائی نکال کر ذکیہ کے منہ میں ڈالی۔

"مریم......بیٹا......چائے بھی بنا لو" ذکیہ نے کہا تو مریم مسکراتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ مومنہ بھی اس کے پیچھے کچن میں گئی۔

"آپی......مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا......ہمارے گھر میں بھی ایں ایں کی آوازیں سننے کو ملیں گی......" مریم نے خوشی سے کہا

"اور تمہیں......اس کو سنبھالنا بھی پڑے گا" مومنہ نے مسکرا کر کہا

"اس کی آپ فکر نہ کریں......مجھے اس کی آبا کہ لیجیے گا......پڑھی لکھی آیا......" مریم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"سنو......تمہارا رزلٹ کب آ رہا ہے؟" مومنہ نے اچانک پوچھا

"اگلے ہفتے......"

"اور میرا......؟" مومنہ نے پوچھا۔

"شاید اگلے ماہ......" مریم نے جواب دیا

"مریم......یہ میں تمہارے لیے موبائل لائی ہوں۔ فون کرنے کی بہت پرابلم ہوتی ہے۔ اسے رکھ لو" مومنہ نے اپنے بیگ سے ایک موبائل نکال کر مریم کو دیتے ہوئے کہا۔

"آپی......امی ناراض ہوں گی......کہ......میں نے کیوں لیا؟ مریم نے کہا

"مریم یہ میرا اپنا ہے......اور اسد نے مجھے Latest ماڈل کا لے کر دیا ہے۔ یہ میرے پاس ایکسٹرا تھا۔ اس لیے تمہیں دے رہی ہوں"
مومنہ نے کہا تو مریم نے موبائل رکھ لیا مگر خاموش ہو گئی۔

"تم فکر نہ کرو......میں امی کو سمجھا دوں گی......دیکھو......مجھے تم سے اکثر بہت سی باتیں کرنا ہوتی ہیں......کیسے کروں؟ مومنہ نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

"مریم......سدرہ کا کیا حال ہے؟ کیسی ہے وہ......؟ شادی کے بعد نہ وہ ملی ہے اور نہ ہی میں......اس کو میرا سلام کہنا" مومنہ نے سدرہ کے بارے میں پوچھتے ہوئے کہا۔

"آپی......اس کا شوہر بہت اچھا ہے۔ اس نے سدرہ کو بہت خوش رکھا ہے۔ کبھی کبھار موٹر سائیکل پر اس کے ساتھ آتی ہے۔ شادی کے بعد ایک بار ہمارے گھر آئی تھی۔ بہت ہی سنوری اچھی لگ رہی تھی" مریم نے خوش ہو کر بتایا۔

"چلو......شکر ہے اس کی بھی پریشانیاں دور ہو گئیں......بہت اچھی لڑکی ہے......" مومنہ نے خوش ہو کر کہا۔

"آپی......آپ بھی تو بہت خوش ہیں نا......سچ آپ پر تو سارا محلہ رشک کرتا ہے۔ جب بھی آپ ادھر سے ہو کر جاتی ہیں تب سارے محلے کی عورتیں باری باری آپ کے بارے میں پوچھنے آتی ہیں......" مریم نے خوش ہو کر بتایا تو مومنہ اس کی بات سن کر ہلکے سے مسکرا دی۔

مریم چائے کی ٹرے لے کر باہر آئی اور سب نے مل کر چائے پی۔

تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہ لوگ اجازت لے کر گھر آ گئیں۔

"بہو بیگم اب آپ تھک گئی ہوں گی۔ اپنے کمرے میں جا کر آرام کیجئے۔ میں شاہ کو بھیجتی ہوں...... آپ کے پاؤں دبا دے" سلوت آپا نے کہا تو مومنہ مسکراتے ہوئے اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شاہ کمرے میں آئی تو مومنہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ چند ہفتوں میں ہی نکھر گئی تھی۔ اس نے ہلکے اور گہرے جامنی کومبینیشن میں خوبصورت پرنٹڈ شفون کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ قمیص اس قدر ٹائٹ پہنتی تھی کہ جسم بری طرح نمایاں ہوتا تھا۔ دوپٹہ آدھے سر پر یوں اوڑھتی کہ دوپٹہ لے کر بھی وہ دوپٹے کے بغیر ہی نظر آتی۔ اس میں کسی حد تک لاابالی پن تھا اور وہ دن بدن قدرے شوخ بھی ہو رہی تھی۔ بات بے بات قہقہہ لگاتی تو سلوت آپا حیرانگی سے اسے دیکھ کر ثروت کو بلاتیں۔

"ثروت...... شاہ کو سمجھایئے...... گھروں میں یوں بے ہنگم طریقہ سے قہقہے نہیں لگائے جاتے...... ہم بہو بیگم سے بھی کہیں گے...... اس کی تربیت کریں" سلوت آپا قدرے فکرمندی سے ثروت کو کہتیں

"جی...... بیگم صاحبہ...... میں اسے سمجھا دوں گی...... بلکہ اکثر سمجھاتی ہوں مگر ابھی اس میں بچپنا ہے نا...... سمجھتی ہی نہیں" ثروت بے بسی سے کہتی۔

"ہاں...... وقت لگے گا...... سمجھانے میں...... مگر آپ سمجھاتی رہیں اولاد کی تربیت ایک دن میں تو نہیں ہوتی نا...... بچپن سے جوانی تک سمجھنے، سمجھانے میں ہی گزر جاتی ہے" سلوت آپا کہتیں تو ثروت ان کی باتیں سن کر چلی جاتی اور جا کر شاہ کی خوب کلاس لیتی۔

مومنہ بیڈ پر لیٹی تھی اور شاہ اس کے پاؤں دبا رہی تھی۔

"چھوٹی بیگم...... آج آپ بہت خوش ہیں نا" شاہ نے پوچھا۔

"ہاں......" مومنہ نے جواب دیا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں...... بیٹا...... یا...... بیٹی...... ؟ شاہ نے پاؤں دباتے ہوئے پوچھا۔

"معلوم نہیں...... جو اللہ کی مرضی" مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

وہ پھر خاموشی سے پاؤں دبانے لگی۔ مومنہ کو نیند سی آنے لگی۔

"چھوٹی بیگم...... آپ برقع کیوں پہنتی ہیں؟ شاہ نے پوچھا۔

"اللہ کا حکم ہے...... عورتوں کو اپنا جسم چھپانا چاہیے" مومنہ نے آنکھیں بند کیے ہوئے جواب دیا۔

"صاحب آپ کو منع نہیں کرتے؟ شاہ نے پھر پوچھا۔

"نہیں...... وہ کیوں کریں گے؟ مومنہ نے آنکھیں کھول کر حیرت سے پوچھا۔

"مرد تو زیادہ تر فیشن ایبل لڑکیاں پسند کرتے ہیں نا...... اور آپ؟ نجانے شاہ کے ذہن میں کیا کیا باتیں آ رہی تھیں اور وہ آج موقع دیکھ

کر پوچھ رہی تھی۔

"ثناء...... ابھی تم بہت چھوٹی ہو...... مردوں اور عورتوں کی باتیں مت سوچا کرو...... اور...... سنو...... کل سے میں تم کو پڑھانا شروع کروں گی۔ فضول باتوں میں اپنا وقت مت ضائع کیا کرو......" مومنہ نے بیٹھ کر اسے قدرے نرمی سے سمجھایا۔ ٹھیک ہے اس نے مثبت میں سر ہلایا

"اب تم جاؤ...... مجھے نیند آ رہی ہے" مومنہ نے کہا تو وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

مومنہ نے لائٹس آف کیں۔ صرف ٹیبل لیمپ آن کیا اور سو گئی۔ وہ دن بھر کی کافی تھکی ہوئی تھی۔ گہری نیند سو گئی۔ اسد رات کو قدرے لیٹ گھر آیا تو مومنہ پھر بھی بے خبر سوئی رہی۔ اس نے اس کو اٹھانا مناسب نہ سمجھا اور سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر کچھ نکالنا چاہا۔ اس میں مومنہ کی میڈیکل رپورٹ تھی۔ اس نے رپورٹ نکل کر پڑھی تو مسکرا کر مومنہ کی طرف محبت سے دیکھنے لگا۔ اور رپورٹ واپس رکھ دی۔ وہ مسکراتا ہوا صوفے پر جا کر بیٹھ گیا اور خوش ہو کر انگڑائی لی۔

"اوہ گاڈ...... آئی ایم سو گلیڈ...... (میں بہت خوش ہوں) اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی اور اس نے اپنی خوشی کو انجوائے کرنے کے لیے وسکی کا پیگ بنایا اور مزے لے کر پینے لگا۔ اس کے چہرے پر بہت مسکراہٹ تھی۔ اور وہ نیم مدہوشی کے عالم میں مومنہ کے پاس آ گیا اور محبت سے مومنہ کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا مومنہ چونک کر اٹھی اور اسد کی جانب بغور دیکھنے لگی۔

"آئی ایم ویری ہیپی (میں بہت خوش ہوں) اسد مسکرا کر بولا۔

مومنہ کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔

"مومنہ...... یو...... آر...... گریٹ...... تھینکس فار گڈ نیوز" وہ خوش ہو کر بولا۔

مومنہ خاموشی اور نم آنکھوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے......؟ کیا آپ خوش نہیں......؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ نے میری خوشی کو دکھ میں بدل دیا ہے" مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

"وہ...... کیسے......؟ اسد حیرانگی سے بولا۔

"ڈرنک کر کے......" مومنہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"کم آن...... مومنہ...... آپ مجھے خوشی سیلیبریٹ بھی نہیں کرنے دیتیں۔ اسد خفگی سے بولا۔

مومنہ نے افسردگی سے اس کی جانب دیکھا اور کچھ کہے بغیر لیٹ گئی۔ اس سے اس لیے کچھ بھی کہنا بے کار تھا...... وہ نشے میں مست ہو رہا تھا اور وہ اس کی مستی و سرور سے بہت بے قرار اور مضطرب ہو رہی تھی۔

اسد گہری نیند سو رہا تھا جب مومنہ صبح بیدار ہوئی۔ اس نے اسد کی طرف بغور دیکھا پھر اپنی رپورٹ نکال کر اسے دیکھنے لگی اور گہری سانس لے کر اسے واپس رکھ دیا۔ حال کی تلخیاں اور مستقبل کے اندیشے اور وسوسے اس کی آنکھوں کو نم کرنے لگے۔ سب کچھ ہونے کے باوجود کسی کے نہ

ہونے کا احساس اسے شدید مضطرب کرنے لگا۔ پیار و محبت، دولت اور ہر آسائش بھی انسان کے اندر سکون پیدا نہیں کر سکتی۔

"میں کیا کروں..... یا اللہ! تو ہی اسد کو ہدایت دے..... اس کے ذہن کو اس کی سوچ کو بدل دے..... وہ حرام کو حرام سمجھے..... تیرے علاوہ ذہنوں کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ میری باتوں میں ایسی تاثیر بھر دے کہ میں اسے قائل کر کے تیرے راستے پر لا سکوں یا اللہ! میری مدد کر..... اسد کو صراط مستقیم پر چلا..... فلاح کے راستے..... جو..... حقیقی کامیابی کا راستہ ہے" اس نے اسد کی طرف مسلسل دیکھتے ہوئے گڑگڑا کر خدا کے حضور التجائیں کیں۔ "تو نے مجھے کتنے سخت امتحان میں ڈال دیا ہے۔ ایسی آزمائش میں..... جسے صرف تو جانتا ہے اور میں....." اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کے رخساروں کو بھگونے لگے۔ اسد نے کروٹ بدلی اور اچانک آنکھیں کھول کر صوفے پر بیٹھی مومنہ کو دیکھنے لگا۔ اس کو روتے ہوئے دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"موی..... کیا ہوا.....؟" وہ قدرے گھبراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کچھ نہیں....." مومنہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"آر یو..... آل..... رائٹ؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا" اسد نے انتہائی پریشانی سے پوچھا۔

"ہاں"

"پھر..... یہ آنسو..... کیوں.....؟"

"یونہی..... بہہ نکلتے ہیں..... ان پر میرا اختیار نہیں" وہ آہ بھر کر بولی۔

"یونہی تو نہیں بہہ نکلتے۔ یہ آنکھوں سے تب بہتے ہیں جب دل دکھی ہو جاتا ہے..... یا..... کوئی ہرٹ کرتا ہے..... آپ کو کس نے ہرٹ کیا ہے؟" اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"اس گھر میں..... مجھے کون ہرٹ کر سکتا ہے۔ سب تو بہت محبت کرتے ہیں" مومنہ نے اسد کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ..... پھر..... اس لیے ہرٹ ہوئی ہیں..... کہ..... میں نے رات کو ڈرنک کی تھی" اسد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

مومنہ خاموش ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"موی..... پلیز..... اس کو ایشو مت بناؤ..... ہماری زندگی Smoothly جا رہی ہے۔ آئی لو یو نو..... اینڈ یو لو می تو..... پھر اتنی چھوٹی سی بات سے زندگیوں میں Bitterness (تلخی) کیوں پیدا کر رہی ہو؟" اسد نے جھنجھلا کر کہا۔

"چھوٹی سی بات..... کیا یہ چھوٹی سی بات ہے؟ انسان اپنی Senses (حواسوں) میں نہ رہے..... اسے اپنی کہی ہوئی باتیں یاد نہ ہوں..... اور وہ ایموشنز میں اتنا اسٹرونگ آؤٹ آف کنٹرول ہو جائے کہ اس کے انسان ہونے پر بھی شک ہونے لگے..... کیا یہ چھوٹی سی بات ہے.....؟" مومنہ قدرے جذباتی ہو کر بولی۔

"موی..... ڈارلنگ..... جسٹ ریلیکس..... میں ڈرنک کر کے ہمیشہ اپنی سینسز میں ہوتا ہوں..... انسان اپنی سینسز تب لوز کرتا ہے جب

وہ بہت زیادہ پیتا ہے...... میں تو بس تھوڑی سی پیتا ہوں۔اپنے مائنڈ کو فریش کرنے کے لیے۔Nerves کو ریلیکس کرنے کے لیے اور اپنے آپ کو ایکٹو کرنے کے لیے...... اٹس اے سورس آف انرجی اینڈ پلیثر (یہ خوشی کا ذریعہ ہے) وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولا۔

"اور...جس کا ایک قطرہ اور ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔۔" مومنہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"آپ کیوں حلال و حرام کے چکروں میں پڑ رہی ہیں۔ یو آر این ایجوکیٹڈ ویمن (آپ ایک تعلیم یافتہ عورت ہیں) اس زمانے کے norms کو سمجھنے کی کوشش کریں...... ورنہ ایڈجسٹمنٹ میں بہت پرابلم ہوگی" اسد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے سمجھایا۔

"اگر حلال و حرام میری سوچ کا مسئلہ ہوتا...تو...میں اپنی سوچ فوراً بدل دیتی...لیکن......" اس نے آہ بھر کر اسد کی طرف دیکھا۔

"لیکن...کیا......؟" اسد نے حیرت سے پوچھا

"یہ اللہ کے احکامات کا مسئلہ ہے۔ایک انسان ساری زندگی ایسی چیزوں سے بچتا ہوا ایک راستے پر چلا ہو...... وہ کیسے اتنی بڑی رکاوٹ کو نظر انداز کر سکتا ہے...... اسد...... اگر میں اس زمانے کی ماڈرن، فیشن ایبل عورت ہوتی تو شاید میری سوچ مختلف ہوتی...... مگر میں کیا کروں میری ہر سوچ میں اللہ کی سوچ بھی شامل ہے" مومنہ نے نرمی سے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"کم آن......موی...... آپ کو religious mania ہو گیا ہے اور کچھ نہیں...... دنیا میں رہنے کے لیے اپنے آپ میں flexibility (لچک) پیدا کرنی چاہیے ورنہ زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے" اسد نے قدرے خفگی سے کہا۔

"میں کیا کروں...... آپ کو شراب کے پیگ بنا کر دوں...... خود بھی پیوں...... اور...... کل کو ہمارے بچے ہوں۔ تو ان کو بھی پلاؤں...... اور یقیناً وہ بھی پئیں گے...... جب وہ اپنے ماں باپ کو ڈرنک کرتے ہوئے دیکھیں گے...... ایسی ایڈجسٹمنٹ آپ چاہتے ہیں؟...... ایسی ہی flexibility......" مومنہ ایک دم ہائپر ہو کر بولی اور پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی۔

"آئی ایم سوری...... آئی نیور مین اٹ (میرا یہ مطلب نہیں)" اسد نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا اور اس کے آنسو ٹشو پیپر سے صاف کرنے لگا

"اسد...... میں سچ مچ اپ سیٹ ہوں پلیز ٹرائے ٹو انڈر سٹینڈ می" اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"پلیز......موی......اس condition میں یوں اپ سیٹ ہونا اچھی بات نہیں۔ اکثر بچے ٹینشن کی وجہ سے ابنارمل پیدا ہوتے ہیں کہ مدر بہت زیادہ اپ سیٹ رہتی ہے...... پلیز...... آپ خوش رہیں...... میں پوری کوشش کروں گا...... کہ...... دوبارہ ایسا نہ ہو" اسد نے آہستہ آواز میں کہا تو مومنہ قدرے مطمئن ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"اسد...... آپ بہت اچھے انسان ہیں...... میں آپ کی بہت respect کرتی ہوں۔ آپ کی qualities (خوبیوں) کو دل سے ویلیو کرتی ہوں...... پلیز اپنے امیج کو میری نظروں سے کبھی مت گرانا...... اگر ایسا ہوا تو میں زندہ نہیں رہوں گی" مومنہ پھر رونے لگی۔

"اور ایسا کبھی نہیں ہوگا...... میں آپ کو مرنے نہیں دوں گا...... اور اگر...... ایسا ہوا تو میں بھی آپ کے ساتھ......" اسد نے محبت سے اس

کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو مومنہ نے جلدی سے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"خدا ہماری محبت کو نظرِ بد سے بچائے۔۔۔۔" مومنہ نے کہا اور اسد نے مسکرا کر اسے اپنے گلے لگا لیا۔

میرا بے بی healthy پیدا ہونا چاہیے۔۔۔۔ یو۔۔۔۔ نو۔۔۔۔ آئی ایم ویری ایکسائیٹڈ" شاپنگ کب سے شروع کرنی ہے۔۔۔۔ اکثر بے بی ٹوائز (toys) دیکھ کر میرا دل چاہتا تھا کہ فوراً خرید لوں۔۔۔۔ پھر سوچتا تھا کس کے لیے۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اب تو میں دو دو ٹوائز خریدوں گا۔۔۔۔ ایک اپنے لیے اور ایک اس کے لیے" اسد نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو مومنہ نے مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا۔ اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہونے لگا۔

"بس۔۔۔۔ آپ نے اپنی صحت کا بہت خیال رکھنا ہے۔۔۔۔ کوئی ٹینشن نہیں لینی۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ پلیز ایسی باتوں کے بارے میں سوچنا بالکل چھوڑ دیں۔ انڈرسٹینڈ" اسد نے مسکراتے ہوئے اسے ہدایات دیں۔

"آپ فریش ہو جائیں۔۔۔۔ میں آپ کے لیے ناشتہ لگاتی ہوں" مومنہ نے دوپٹہ ٹھیک طرح سے اوڑھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔۔۔۔ اب آپ کوئی کام نہیں کریں گی۔۔۔۔ گھر میں اتنے ملازم تو ہیں۔۔۔۔ اگر کم ہیں تو میں اور ملازموں کا ارینج کر لیتا ہوں" اسد نے کہا۔

"نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ اس کی کیا ضرورت۔۔۔۔ تھوڑا بہت کام کرنا صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے۔۔۔۔ باڈی موومنٹ۔۔۔۔ دونوں کی صحت کے لیے ضروری ہوتی ہے" مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔ جیسے آپ کی مرضی۔۔۔۔ ناشتہ لگائیے۔۔۔۔ میں آ رہا ہوں" اسد نے بھی مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کمرے سے باہر چلی گئی اور ثناء کے ساتھ مل کر ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ لگانے لگی۔

ثناء نے ریڈ اور اورنج کلر کی چھوٹی سی قمیض کے ساتھ اورنج کلر کا چھوٹا سا دوپٹہ لے رکھا تھا۔ قمیض کا گلا خاصا ڈیپ تھا اور سرخ شلوار کے ساتھ وہ خاصی پرکشش لگ رہی تھی۔ دیکھنے والا ایک نظر اسے چونک کر دیکھتا۔

"آج۔۔۔۔ تم نے بہت شوخ رنگ پہن رکھے ہیں۔۔۔۔ خیر تو ہے۔۔۔۔" مومنہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اچھی لگ رہی ہوں۔۔۔۔ یا۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ یہ بتائیے" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور ٹیبل پر کپ ترتیب سے رکھنے لگی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔۔۔۔ اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں" مومنہ نے ٹوسٹر میں سے سلائس نکالتے ہوئے کہا۔

"اماں۔۔۔۔ خوامخواہ ڈانٹ رہی تھیں کہ ایسے رنگ مت پہنا کرو۔۔۔۔" ثناء منہ بنا کر بولی اور فریج میں سے جیم کی شیشی نکال کر ٹیبل پر رکھی۔

"ثناء۔۔۔۔ مائیں جو کہتی ہیں نا۔۔۔۔ وہ اکثر ٹھیک کہتی ہیں۔ ان کا کہنا مانا کرو۔۔۔۔ ثروت بوا اچھی سمجھدار عورت ہیں۔۔۔۔ وہ ضرور کسی نہ کسی وجہ سے کہہ رہی ہوں گی" مومنہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"کوئی وجہ نہیں۔۔۔۔ اماں کو خوامخواہ مجھ سے چڑ ہے" وہ منہ بنا کر بولی۔

"بری بات۔۔۔۔ ماؤں کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کرتے۔۔۔۔ ماں سے بڑھ کر اولاد کا کوئی خیر خواہ نہیں ہوتا۔۔۔۔ اور مائیں جو کچھ دیکھتی ہیں۔۔۔۔ وہ اولاد کو نظر نہیں آ رہا ہوتا" مومنہ نے اس کا کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے دوپٹہ کو اس کے گریبان پر ٹھیک طرح سے پھیلاتے

ہوئے کہا تو وہ قدرے شرمندہ سی ہو گئی۔

اسد فریش ہو کر نیچے آ گیا۔اس نے yellow شرٹ کے ساتھ آف وائٹ پینٹ پہن رکھی تھی اور اسی شیڈز میں میچنگ ٹائی لگا رکھی تھی۔ اس کی نکھری رنگت، گھنی سونچھیں...... مدہوش آنکھیں...... وہ بہت خوبصورت اور پرکشش لگ رہا تھا..... مومنہ نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔ثناء بھی اس کی طرف متاثر کن نظروں سے دیکھنے لگی۔

"سلام صاحب جی......" ثناء نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام" اسد نے جواب دیا اور ایک دم چونک کر ثناء کی جانب دیکھا۔

"ثناء چائے لے آؤ" مومنہ نے اسد کی نظروں کا محور دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کون ہے......؟" اسد نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ثروت بوا کی بیٹی ہے...... دادو نے اسے میرے کاموں کے لیے appoint کیا ہے" مومنہ نے جواب دیا۔

اسد خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا۔ثناء چائے رکھ کر چلی گئی۔

"دادو کہاں ہیں......؟" اسد نے لاؤنج کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آج ان کی طبیعت ٹھیک نہیں...... میں ان کے کمرے میں گئی تھی تو وہ سو رہی ہیں" مومنہ نے کپ میں چائے ڈال کر اسد کو دیتے ہوئے کہا۔

اسد ناشتہ کر کے دادو کے کمرے میں گیا تو وہ ابھی تک سو رہی تھیں۔

"مومی...... ایک بج رہا ہے اور دادو تو کبھی بھی اتنا نہیں سوتیں" اسد نے تشویش سے کہا اور مومنہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

"دادو...... دادو......" اسد ان کے بیڈ کے پاس صوفے پر بیٹھ کر بولا تو دادو نے آنکھیں کھول دیں۔

"دادو...... کیا ہوا؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا" اسد نے محبت سے پوچھا۔

"بس...... بیٹا...... دل میں کچھ درد سا محسوس ہو رہا ہے" دادو نے نقاہت سے بتایا۔آج وہ پہلے کی طرح تیار بھی نہیں ہوئی تھیں۔ایک ہلکے رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔کوئی زیور اور کوئی میک اپ نہیں کر رکھا تھا۔

"دادو...... ابھی اٹھیں...... میں آپ کو ہاسپٹل لے کر چلتا ہوں" اسد نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں...... بیٹا...... پریشانی کی کوئی بات نہیں" دادو نے کہا

"بالکل پریشانی کی بات ہے...... بس آپ اٹھیں...... مومنہ...... آپ دادو کا گیٹ اپ ٹھیک کریں...... میں ہارٹ اسپیشلسٹ سے ٹائم لیتا ہوں" اور اسد اپنے موبائل پر نمبر ملاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

مومنہ نے دادو کو بستر سے اٹھایا۔

"آپ خیرن بوا کو بلائیں...... انہیں سب کاموں کا پتا ہے" دادو نے کہا۔

"دادو..... ساری زندگی خیرن ہو آپ کے کام کرتی رہی ہیں..... اب مجھے بھی کچھ کرنے دیجئے" مومنہ نے محبت سے دادو کو کہا۔

"جیتی رہیے..... آپ تو ہمارے گھر کا سکون اور خوشی ہیں" دادو نے مسکراتے ہوئے کہا اور مومنہ انہیں سہارا دے کر ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

"میں نے ڈاکٹر سے اپائنمنٹ لے لی ہے..... کیا دادو تیار ہیں؟ اسد نے دادو کے کمرے میں آ کر پوچھا۔

"ہاں....." مومنہ نے دادو کے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے جواب دیا

"میں بھی ساتھ چلتی ہوں" مومنہ نے کہا۔

"ہاں....." اسد نے جواب دیا۔

"میں برقعہ پہن کر آتی ہوں" اور مومنہ برقع پہننے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

دونوں دادو کو لے کر ہارٹ اسپیشلسٹ کے پاس آئے..... ان کے سب ٹیسٹ کرائے ای سی جی اور ایکو وغیرہ چیک کی گئی۔

ان کو بہت مائنر سا اٹیک ہوا ہے..... جس کو یہ برداشت کر گئی ہیں..... لیکن کسی وقت ایک شدید بھی ہو سکتا ہے۔ ان کی کیئر کیجئے اور یہ میڈیسنز ان کو باقاعدگی سے استعمال کرائیں" ڈاکٹر نے اسد کو بتاتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب..... کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟ اسد نے پوچھا۔

"فی الحال تو نہیں..... میڈیسنز باقاعدگی سے دیں اور انہیں ٹینشن وغیرہ سے بچائیں..... ان کا کولیسٹرول لیول بھی بڑھ رہا ہے..... اس لیے چکنائی والی غذاؤں سے ذرا پرہیز کریں۔ انشاءاللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" ڈاکٹر نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"انشاءاللہ میں خود ان کی ہر چیز کا خیال رکھوں گا" اسد نے کہا اور ڈاکٹر سے اگلی چیک اپ ڈیٹ لے کر وہ آ گئے۔

"دادو..... آپ نے کوئی ٹینشن نہیں لینی..... کسی بات پر پریشان نہیں ہونا۔ دادو آپ کو کچھ ہو گیا تو..... میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گا" اسد نے نم آنکھوں سے کہا۔

"ارے بیٹا..... ہمیں کچھ نہیں ہوا..... آپ تو خوامخواہ پریشان ہو رہے ہیں..... اور..... بہو بیگم کو بھی پریشان کر دیا" دادو نے محبت سے مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"دادو..... آپ کیا بات کر رہی ہیں..... ہمارے لیے آپ سب سے اہم ہیں..... ہمارا گھر اور ہماری زندگیاں آپ کے بغیر نامکمل ہیں" مومنہ نے محبت سے دادو کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"ارے..... ارے..... ہماری جان..... آپ ہماری اتنی سی بیماری سے پریشان ہو گئی ہیں..... بھئی..... ہمیں کچھ نہیں ہو گا..... جب ہمارے پاس آپ جیسے محبت کرنے والے بچے ہوں..... اسد بیٹا آپ واقعی بہت خوش قسمت ہیں..... آپ کو مومنہ جیسی نیک سیرت اور محبت کرنے والی بیوی ملی ہیں" دادو نے مومنہ کو محبت سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"دادو یہ آپ کا ہی انتخاب ہیں" اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور ہمیں اپنے انتخاب پر فخر ہے" دادو نے مسکرا کر مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مومنہ...... دادو کے کھانے کے لیے کچھ لے آئیں...... میرا خیال ہے فریش جوس لے آئیں...... ویسے ڈاکٹر نے ڈائٹ چارٹ دیا ہے اب دادو کو اس کے مطابق ڈائٹ دینا آپ کا کام ہے" اسد نے ڈائٹ چارٹ مومنہ کو دیتے ہوئے کہا۔

"آپ فکر نہیں کریں...... دادو کی ڈائٹ کا خیال رکھنا میری ذمہ داری ہے" مومنہ نے ڈائٹ چارٹ پکڑا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

"اسد...... بیٹا...... بہو بیگم کی بہت قدر کرنا...... ایسے نایاب انسان ہر کسی کو کہاں ملتے ہیں...... اور...... اگر ایسے نایاب انسانوں کو اچھے قدردان نہ ملیں تو وہ اپنی خوبیاں اور چمک کھو دیتے ہیں...... نگینوں کی قدر جوہری جانتا ہے...... لوہار کو اس کی کیا پرواہ......" دادو نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو اسد ان کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔

"اسد...... بیٹا...... آپ کو بہو بیگم سے کوئی شکایت تو نہیں......؟ دادو نے قدرے رازداری سے پوچھا۔

"نہیں...... دادو...... مومنہ واقعی بہت اچھی اور قابل تعریف ہیں" اسد نے مومنہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"سب سے بڑی خوبی جانتے ہیں...... ان کی...... کیا ہے؟ دادو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا؟ اسد نے حیرت سے پوچھا

"وہ بچی سوہنی عورت ہیں...... ان کی باتوں اور عمل میں تضاد نہیں...... نہ حسد...... نہ غیبت...... نہ لالچ...... چھوٹے گھر میں بھرا دل اور اعلیٰ ظرف لے کر پیدا ہوئی ہیں...... جب سے وہ ہمارے گھر میں آئی ہیں ہم نے ان کا بہت مشاہدہ کیا ہے...... سوائے ایک بات کے...... ہمیں ان میں کوئی کمزوری نظر نہیں آ رہی" دادو نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیسی کمزوری......؟ اسد نے چونک کر پوچھا۔

"جب بھی...... کسی بات پر پریشان ہوتی ہیں...... تو...... اسے دل کو لگا بیٹھتی ہیں...... اور پھر ایک دم خاموش ہو جاتی ہیں کسی سے بات نہیں کرتیں...... ان کا دل بہت نازک ہے...... اس کی حفاظت کرنا...... ہمارا دل اور اعصاب مضبوط تھے تو اس عمر تک ساتھ دے گئے ہمیں بہو بیگم کے دل کے بارے میں پریشانی ہے" دادو نے کہا۔

"دادو...... کچھ نہیں ہوگا...... ڈونٹ یو وری...... اب آپ مجھے "دلوں میں نہ الجھائیں" اسد نے ہنستے ہوئے کہا۔

مومنہ ٹرے میں جوس لے کر آ گئی اور دادو کے سامنے ٹیبل پر رکھا۔

اسد کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے کان سے لگایا

"یس...... مس فرزین...... سوری آج میں آفس میں نہیں آ سکوں گا...... مائی مدر از سک (میری ماں بیمار ہے)" اسد نے کہا تو دادو کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بیٹا...... آپ آفس جائیے...... یہ کیا بات ہوئی......؟ اتنی چھوٹی سی بیماری کی وجہ سے آپ اپنا آفس مس کر رہے ہیں" دادو نے مصنوعی

خفگی سے کہا۔

"دادو...... میرے لیے دنیا میں آپ سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں...... بس آج میں سارا وقت آپ کے پاس بیٹھوں گا" اسد نے محبت سے دادو کو خود جوس کا گلاس پکڑ کر پلاتے ہوئے کہا۔

"جیتے رہیے...... بیٹا آپ جیسی سعادتمند اولاد پروردگار ہر ماں باپ کو دے...... آپ نے ہمیں کبھی ظہیرالدین کی کمی محسوس نہیں ہونے دی" دادو نے پرنم آنکھوں سے اسد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دادو...... آپ کو آرام کی بہت ضرورت ہے اور اس حالت میں زیادہ باتیں بھی نہیں کرنی چاہئیں...... آپ جوس پی لیں......" اسد نے محبت سے دادو کو جوس پلاتے ہوئے کہا تو دادو نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور تھوڑا سا جوس پی کر اسے گلاس واپس کر دیا۔

"اب آپ آرام کریں...... میں نے میڈیسنز کا ٹائم نوٹ کر لیا ہے...... اس کے مطابق میں اور مومنہ آپ کو خود میڈیسنز کھلائیں گے" اسد نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا اور ان کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔

"بیٹا...... آپ تکلیف نہ کریں...... ہم ٹھیک ہیں...... خود میڈیسنز کھا لیں گے...... آپ اپنے آفس جائیے...... اپنا کام کریں...... ہمارے لیے اپنا وقت ضائع نہ کریں" دادو نے رک رک کر کہا۔

"دادو...... پلیز...... کچھ مت کہیے...... میرے لیے دنیا میں آپ سے زیادہ کچھ بھی اہم نہیں...... نہ وقت...... نہ فیکٹری...... نہ میرا کام...... میں آپ کے پاس بیٹھ کر سکون اور خوشی محسوس کرتا ہوں" اسد نے مسکراتے ہوئے کہا تو دادو کی آنکھوں میں خوشی سے تارے جھلملانے لگے۔ انہوں نے محبت بھری مسکراہٹ سے اسد کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں اسے بے شمار دعائیں دینے لگیں

☆

سیما آپا کئی روز بعد ناظر علی کے گھر آئیں تھیں...... کشور اور ناظر علی انہیں اس محبت اور تپاک سے نہ ملے...... جیسے وہ پہلے ملتے تھے۔ دونوں بہت خاموش تھے اور ان کی آنکھوں میں گویا کئی ہزار شکوے تھے۔ کشور نے ریحانہ کو چائے لانے کو کہا

"علیزہ کہاں ہے......؟ وہ کہیں نظر نہیں آ رہی......؟" سیما آپا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا

کشور نے ناظر علی کی طرف خونخوار نگاہوں سے دیکھا اور گہری سانس لے کر خاموش ہوگئی۔ ناظر علی نے بھی آہ بھری۔

"کیا بات ہے؟ کیا تم لوگ اس سے ناراض ہو...... اور شاکر علی بھی امریکہ جانے سے پہلے تم سے ملنے آئے تو تم لوگوں نے بہت سرد مہری دکھائی...... ناظر علی...... کیا تم لوگوں نے اپنے دل صاف نہیں کیے؟" سیما آپا نے قدرے خفگی سے پوچھا۔

"ریحانہ...... باہر آؤ...... جاؤ علیزہ کو بلا کر لاؤ...... سیما آپا اس سے ملنے آئی ہیں" کشور نے سیما آپا کے جواب میں ریحانہ کو کچن سے بلا کر اسے کہا تو ریحانہ اسے بلانے اس کے کمرے میں چلی گئی۔

سیما آپا کشور کی بات سن کر قدرے حیران بھی ہوئیں مگر خاموش ہوگئیں

"ناظر علی..... شاکر علی جانے سے پہلے بہت افسردہ تھے.....ہمیں تم سے یہ امید نہیں تھی.....اور.....کشور.....تم نے بھی" سیما آپا دونوں سے شکوے کر رہی تھیں کہ علینہ تیزی سے لاؤنج میں داخل ہوئی اس نے کیپریس کے ساتھ سلیولیس ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اس کی آدھی ننگی ٹانگیں اور ننگے بازو..... دوپٹہ یا اسٹول سے مبرا گلا..... چھوٹے بالوں کو ہیر کیچر سے سمیٹنے کی انتہائی بیہودہ کوشش میں وہ انتہائی بیہودہ لگ رہی تھی۔ سیما آپا اسے دیکھ کر ایک دم چونک سی گئیں۔ وہ پہلی بار اسے اس حلیے میں دیکھ رہی تھیں۔

"السلام وعلیکم..... پھوپھو آپ کب آئیں؟"علینہ مسکرا کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔ سیما آپا نے بجھے دل کے ساتھ اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"ابھی.....تھوڑی دیر پہلے..... سیما آپا آہستہ آواز میں بولیں۔ اور انھوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔ اور خاموشی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"کیسی ہو تم.....؟"سیما آپا نے قدرے توقف کے بعد گویا اپنے حواسوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں....." علینہ نے رسما جواب دیا مگر اس کی آواز میں نہ خوشی تھی اور نہ ہی اطمینان۔

کشور اٹھ کر کچن میں چلی گئی اور ناظر علی تو شرم کے مارے نظریں ہی نہیں اٹھا رہے تھے مگر علینہ کو کسی قسم کی کوئی شرم محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بہت پر اعتماد لگ رہی تھی اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے نمبر دیکھ کر اسے کان سے لگایا۔

"ہائے..... تحسین..... کیسی ہو.....؟ ڈونٹ بی سلی یار..... تم نے کیسے assume کر لیا..... میں نہیں آؤں گی..... آئی ایم کمنگ ٹو یو..... اوکے..... بائے" اس نے موبائل آف کیا۔

"پھوپھو..... میں اپنی ایک فرینڈ کی طرف جا رہی ہوں..... ہم لوگ باہر ڈنر کرنے جا رہے ہیں" علینہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور سیما آپا حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

"کیا تم اس وقت اکیلی جا رہی ہو.....؟" سیما آپا نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"ہاں..... اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے پھوپھو؟"علینہ نے مسکرا کر قدرے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"ہمارے خاندان کی بہو، بیٹیاں رات کو اکیلی گھر سے باہر نہیں جاتیں" سیما آپا نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

"سوری..... میں کسی کو اپنے لیے bound نہیں کر سکتی..... اور ویسے بھی مجھے کسی کے ساتھ باہر جانا پسند نہیں" کندھے اچکا کر کہتی ہوئی باہر نکل گئی اور سیما آپا حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔

باہر سے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی آواز سن کر کشور لاؤنج میں آ گئی۔ سیما آپا پھٹی پھٹی نگاہوں سے لاؤنج کے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"کیا ہوا..... آپا..... آپ خاموش کیوں ہیں؟" کشور نے انتہائی معنی خیز انداز میں پوچھا

سیما آپا نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے کشور اور ناظر علی کی جانب دیکھا۔

"ہم بھی اسے دیکھ دیکھ کر یونہی حیران ہوتے رہتے ہیں..... ہمارے مذہبی، پرہیزگار، لائق بیٹے کے لیے آپ نے ایسی لڑکی کا انتخاب کیا..... آپ کے فیصلے نے اس کی زندگی خراب کر دی ہے..... شادی کے دن سے لے کر اب تک وہ اس قدر خاموش اور افسردہ اور دکھی ہے کہ بس بتا

نہیں سکتی ..... ہم اس کو دیکھ کر کڑھتے رہتے ہیں ..... مگر کسی کو کچھ کہہ نہیں سکتے ..... آپا ..... آپ نے انتہائی جلدی میں فیصلہ کر کے ہمارے گھر کا سکون اور ہمارے بیٹے کی زندگی کو برباد کر دیا ہے ..... اتنا کچھ دیکھ کر بھی ہم خاموش رہتے ہیں ..... نہ کچھ کہہ سکتے ہیں ..... اور نہ ہی کچھ کر سکتے ہیں" کشور نے افسردگی سے سیما آپا سے شکایتی لہجے میں کہا۔

"مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا ..... کہ ..... نزہت کی بیٹی ایسی ہو گی ..... پورا خاندان نزہت کی خوبیوں کا اعتراف کرتا ہے" سیما آپا نے آہ بھر کر کہا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں ---- مگر ---- نزہت نے اس کو جنم دیا ---- اس کی تربیت ندرت نے کی ہے ---- جنم دینے اور تربیت کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے ---- علینہ کے خون پر اس کے ماحول کا اثر غالب آ گیا ہے ..... مگر ..... آپا ..... اس سارے قصے میں ---- میرے بچے کی زندگی برباد ہو گئی ہے ..... اتنی اچھی اچھی اور اعلیٰ خاندان کی لڑکیوں کے رشتے موجود تھے مگر ......؟" کشور نے آہ بھر کر قدرے خفگی سے سیما آپا کی طرف دیکھا اور جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

سیما آپا نے کشور کی طرف اور پھر ناظر علی کی طرف بغور دیکھا اور پھر خاموش ہو گئیں جیسے کچھ سوچ رہی ہوں

"کشور ..... بچے جب بھٹک جاتے ہیں تو ماں باپ کیا کرتے ہیں ---- کیا ان کو گھروں سے نکال دیتے ہیں یا پھر ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں؟" سیما آپا نے قدرے توقف کے بعد پوچھا

"کیا مطلب؟ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟" کشور نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے جو میں نے دونوں بچوں کو دیکھے اور جانے بغیر ان کی زندگیوں کا فیصلہ کر دیا ..... ناظر علی اور کشور میں تم دونوں سے بے حد شرمندہ ہوں لیکن یہ سب کچھ انجانے میں ہوا ---- کبھی کبھی انسان دوسروں کی خیر خواہی میں ہی کتنی بڑی بڑی غلطیاں کر جاتا ہے ..... میں قصوروار ضرور ہوں مگر گناہگار نہیں کیونکہ میں نے تو سارے خاندان کی بہتری کی خاطر یہ فیصلہ کیا ..... لیکن اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے ..... ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم اپنے بچوں کا مستقبل کس طرح بہتر بنا سکتے ہیں ..... علینہ کو کس طرح ٹھیک کر سکتے ہیں ..... اس کے خون میں نزہت کے دودھ کا اثر ضرور ہو گا ..... مجھے امید ہے ..... علینہ ضرور راہ راست پر آ جائے گی ..... بس تم لوگ اس سے تھوڑا سا تعاون کرو" سیما آپا نے دونوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپا ..... یہ تعاون نہیں ..... تو ..... اور ..... کیا ہے ..... کہ ہم اسے کچھ کہتے ہی نہیں ہیں ..... وہ جو چاہتی ہے ..... کرتی ہے اور جہاں جاتی ہے ..... جاتی ہے ..... اسے کوئی روک ٹوک نہیں" کشور نے منہ بنا کر کہا۔

"کشور ..... اس طرح بچوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا بھی اچھا نہیں ہوتا ..... بچوں کی جو رہنمائی والدین کر سکتے ہیں ..... کوئی اور نہیں کر سکتا" سیما آپا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپ ہی بتایئے ..... ہم ..... اور کیا کر سکتے ہیں ..... اس کی حرکتوں اور باتوں پر جل بھن کر خاموش رہتے ہیں ..... اس سے زیادہ اور کیا

کریں؟ کشور نے خفگی سے منہ بنا کر جواب دیا

''کشور ..... علینہ کی بجائے سمرا یوں بھٹک جاتی ..... تو ..... پھر تم کیا کرتی؟ سیما آپا نے پوچھا تو کشور نے غصے سے ان کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے سیما آپا کی بات انتہائی بری لگی ہو

''آپا ..... میری اولاد یہ سب کچھ کرتی ..... تو ..... پھر آپ دیکھتی میں کیا کرتی؟ کشور نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''کشور ..... اولاد ..... جہاں اللہ کی نعمت ہے ..... وہاں اس کی بہت بڑی آزمائش بھی ہے ..... کسی کی اولاد کسی کے لیے آزمائش بن جائے ..... کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ..... اس لیے اولاد کے بارے میں بڑے بڑے دعووں سے بچنا چاہیے ..... دعا کرو ..... پروردگار کسی کی بھی اولاد کو اس کے ماں باپ کے لیے آزمائش نہ بنائے'' سیما آپ نے کہا تو کشور خاموش ہوگئی۔

''آپا ..... ٹھیک کہہ رہی ہیں ..... اب وہ ہماری بہو نہیں ..... بیٹی ہے اور ہمیں اسکی بہتری اور ہدایت کے بارے میں سوچنا چاہیے'' ناظر علی نے سیما آپا کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا تو کشور خاموش ہوگئی۔ اور اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

''ناظر علی ..... تم ..... کشور کو سمجھاؤ ..... جب کوئی آزمائش انسان پر آتی ہے ..... تو وہ اکیلے انسان پر نہیں آتی بلکہ اس سے وابستہ سارے لوگوں پر آتی ہے کہ اس مشکل گھڑی میں کون، کس کا، کتنا ساتھ دے رہا ہے ..... علینہ ہماری بچی ہے ..... ہمارا خون ہے ..... سنی کی بیوی ہونے کے ناتے وہ اس گھر کی عزت ہے اور گھر کی عزت کی حفاظت کی جاتی ہے ..... اسے رسوا نہیں کیا جاتا ..... سنی کب آئے گا ..... آج رات میں یہیں رکوں گی اور خود اسے سمجھاؤں گی'' سیما آپا نے کہا تو ناظر علی بھی ان کی بات سن کر خاموش ہوگئے۔

رات کو بارہ بج رہے تھے اور علینہ ابھی تک نہیں لوٹی تھی ..... اور سیما آپا پریشان ہو رہی تھیں۔ سنی بھی ہاسپٹل سے لیٹ آیا تھا اور سب لوگ کھانا کھا کر لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے مگر سیما آپا اندر ہی اندر بے حد مضطرب ہو رہی تھیں۔ انہوں نے تو آج تک اپنی بہو، بیٹیوں کو رات کے وقت اکیلے گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی تھی اور وہ بھی اتنی دیر تک .....

''سنی ..... بیٹا ..... علینہ کو فون کرو ..... وہ کہاں ہے؟ میرا دل گھبرا رہا ہے'' سیما آپا نے پریشان ہو کر کہا تو سنی نے علینہ کا موبائل نمبر ملایا ..... مگر ہر بار وہ کال ریجیکٹ کر دیتی ..... اور ہر بار سنی کے چہرے پر مایوسی کے تاثرات نمایاں ہونے لگتے۔

''کیا ہوا ..... وہ فون پر بات کیوں نہیں کر رہی ..... خدا خیر کرے ..... وہ خیریت سے ہو ..... سیما آپا نے فکرمندی سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

سنی نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور موبائل ٹیبل پر رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد علینہ کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا اور چوکیدار نے گیٹ کھولا اور وہ گاڑی سے اتر کر سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سیما آپا سمیت سب اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ سیما آپا کو بھی یہ دیکھ کر قدرے مایوسی ہوئی۔

''سنی بیٹا ..... جاؤ ..... علینہ کو بلا کر لاؤ .....'' سیما آپا نے کہا۔

''پھوپھو ..... اس وقت وہ نہیں آئے گی'' سنی نے آہ بھر کر مایوس کن لہجے میں جواب دیا۔

"کیوں......؟اس وقت کیوں نہیں آئے گی؟" سیما آپا نے حیرت سے پوچھا تو سنی نے خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔

"ٹھیک ہے......میں خود اسے جا کر دیکھتی ہوں" سیما آپا نے اپنے بھاری بھرکم وجود کو بمشکل اٹھاتے ہوئے کہا

"آ...آپا...آپ کہاں جا رہی ہیں...آپ کیسے اتنی سیڑھیاں چڑھ سکیں گی؟" ظفر علی نے ان کے بازو کو پکڑ کر سہارا دیتے ہوئے کہا۔

"ظفر علی......میری فکر مت کرو......تم لوگوں کو جس آگ میں میں نے جھونکا ہے......اسے مجھے ہی ٹھنڈا کرنا ہے" سیما آپا قدرے پر عزم لہجے میں بولیں اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگیں۔

"پھوپھو...مت جائیں...." سنی نے ان کے قریب آ کر ان کو بازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے......مت روکو...آج میں اس سے بات کر کے رہوں گی" سیما آپا کے لہجے میں خفگی اور پختہ ارادہ تھا۔

"ٹھیک ہے......میں آپ کو......اوپر لے کر جاتا ہوں" اور سنی انہیں اپنے مضبوط ہاتھ کی مضبوط گرفت کا سہارا دے کر اوپر اپنے بیڈروم میں لے گیا۔

علیزہ صوفے پر ٹیک لگائے سگریٹ کے گہرے کش لگا رہی تھی۔ سیما آپا اسے دیکھ کر چونک گئیں۔

"ع...ع...علیزہ...بیٹی...یہ تم کیا کر رہی ہو...؟" حیرت کے مارے سیما آپا کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی

"سگریٹ پی رہی ہوں" وہ سگریٹ کا دھواں منہ سے نکالتے ہوئے بولی اور سیدھی ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

سیما آپا اس کی بے باکی پر دل مسوس کر رہ گئیں......کوئی چیز چھنا کے سے ان کے اندر ٹوٹی۔

"بیٹی......ہمارے خاندان کی......" سیما آپا نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے اور اپنے لہجے کو قدرے نرم کرتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے کی کوشش کی تو وہ تلملا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کے خاندان کی لڑکیاں کیا کرتی ہیں......مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں......" اس کے لہجے میں خفگی، آواز میں ارتعاش اور آنکھوں میں قدرے سرخی تھی......اس کے منہ سے جو بدبو آ رہی تھی اس نے سیما آپا کو چونکا دیا۔

"تم بھی اس خاندان کی عزت ہو......" سیما آپا نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

"میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں......" وہ بازو چھڑا کر سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتی ہوئی واش روم کی طرف چلی گئی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے......سنی سر جھکائے خاموشی سے صوفے پر بیٹھا دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔

"سنی......بیٹا......اسے کیا ہو گیا ہے......؟ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے" سیما آپا نے حیرت سے پوچھا۔

"پھوپھو......علیزہ نے شراب پی رکھی ہے" سنی آہستہ آواز میں بولا۔

"ش......شراب......؟" سیما آپا نے قدرے چیخ مارتے ہوئے کہا اور حیرت سے اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیے۔

"ہاں......وہ شراب پیتی ہے" سنی نے آہ بھر کر کہا۔

سیما آپا دھڑام سے صوفے پر گر گئیں۔ حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں...... وہ گھبرائی ہوئی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں...... انہیں اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہونے لگی...... وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے کبھی سنی کی طرف دیکھتیں تو کبھی کمرے کی در و دیوار کی طرف...... ان کا سر گھومنے لگا تھا۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا جیسے انہیں الیکٹرک شاکس دیے جا رہے ہوں۔

''سنی بیٹا...... مجھے معاف کر دینا...... مجھ سے انجانے میں بہت بھول ہو گئی ہے'' وہ ایک دم ہاتھ جوڑ کر سنی کی طرف دیکھنے لگیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا...... سنی ان کے یوں اچانک رونے پر بوکھلا گیا اور پریشان ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کر سیما آپا کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ ان کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو اس نے اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ کر اپنے لبوں سے لگایا۔

''پلیز...... پھوپھو...... ایسی باتیں مت کریں...... آپ نے تو مجھے اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہا ہے...... آپ جان بوجھ کر کیسے یہ سب کر سکتی تھیں...... شاید یہ سب کچھ میری قسمت میں ہی لکھا تھا جو مجھے مل رہا ہے'' سنی بھی ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ان کے اندر بھی کئی روز سے لاوا پک رہا تھا وہ راستہ دیکھتے ہی ابل پڑا۔ سیما آپا نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور اس کے سر کو چومنے لگیں۔

دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے...... سنی بری طرح سسکیاں بھر رہا تھا۔

واش روم کا دروازہ کھلا اور علینہ کمرے میں داخل ہوئی۔ دونوں کو شدت سے روتے دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔ سنی نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے اور سیما آپا کے قدموں سے اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ سیما آپا نے بھی اپنی چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور بے بسی سے علینہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ علینہ کے چہرے پر حیرت کے تاثرات نمایاں ہوئے۔ اس نے سنی اور سیما آپا کی طرف بغور دیکھا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر ٹیرس پر چلی گئی۔

''سنی بیٹا...... کیا گھر میں علینہ کی اس عادت کے بارے میں...... کوئی اور جانتا ہے؟ سیما آپا نے آہ بھر کر پوچھا۔

''شاید...... نہیں'' سنی نے جواب دیا۔

''بیٹا...... اس بات کے باہر جانے میں ہماری بڑی بدنامی ہے...... کوشش کرنا...... کسی کو اس بات کی بھنک نہ پڑے اور سنی...... تم تو بڑے قابل ڈاکٹر ہو...... تمہارا بہت بڑا اسپتال ہے...... تم علینہ کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرو'' سیما آپا نے قدرے پر امید لہجے میں کہا۔

''پھوپھو...... میں ان مریضوں کا علاج کرتا ہوں جو ٹھیک ہونے کے لیے میرے پاس آتے ہیں...... میں...... علینہ کا علاج کیسے کروں...... وہ تو مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی...... ہم دونوں بس ظاہری طور پر میاں بیوی کے رشتے میں بندھے ہیں...... ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں'' سنی نے آہ بھر کر اپنے دل کا زخم دکھایا تو سیما آپا نے تاسف سے اس کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئیں۔

''بیٹا...... علینہ تمہاری بیوی ہے...... اس کا مرض ڈھونڈ کر تمہیں ہی اس کا علاج کرنا ہے...... اس کی عزت اور بدنامی سے سب سے زیادہ فرق تمہیں پڑے گا...... کسی اور کو نہیں...... دوسرے تو بس تماشا دیکھیں گے...... بیٹا...... ایک کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے...... خدا نے ہدایت کے راستے تو کبھی بھی کسی کے لیے بند نہیں کیے...... اور اگر تمہیں تھوڑی سختی بھی کرنی پڑے تو کرو'' سیما آپا نے محبت سے سمجھایا تو سنی خاموش ہو کر ان کی

جانب دیکھنے لگا۔

"ہاں...... بیٹا...... ہمت کرو...... راستہ مشکل دیکھ کر سفر ادھورا نہیں چھوڑ دیتے" سیما آپا نے ملائمت بھرے لہجے میں اسے سمجھایا۔علیعہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئی اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں......

"سنی بیٹا...... مجھے نیچے چھوڑ آؤ" سیما آپا نے بمشکل اٹھتے ہوئے کہا تو سنی نے ان کے بازو کو سہارا دے کر اٹھایا اور دونوں خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

سیما پھوپھو اور سنی کو روتے دیکھ کر علیعہ کے دل کو دھچکا سا لگا تھا۔

سیما پھوپھو اور سنی کس بات پر اس قدر شدت سے رو رہے تھے کیا اس کی وجہ سے......؟ لیکن اس نے تو کسی کو...... کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔اس نے تو کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی...... پھر...... کیسے......؟ کسی کو اس سے شکایت ہو سکتی ہے؟" علیعہ نے دل میں سوچا اور اپنے آپ کو ہر الزام سے بری الذمہ قرار دیتے ہوئے مطمئن کر دیا...... مگر پھر بھی نجانے کون سی خلش تھی جو اس کے دل میں اضطراب پیدا کر رہی تھی۔رفتہ رفتہ اس کے دل میں اضطراب مزید بڑھنے لگا...... اس نے اپنے بیگ میں سے سگریٹ کی ڈبیا نکالی اور سگریٹ جلا کر اس کے گہرے گہرے کش لگانے لگی۔

سنی سیما آپا کو نیچے بیڈروم میں لٹا کر واپس لوٹا تو علیعہ کو کمرے میں چکر لگاتے اور تیزی سے سگریٹ کے کش لگاتے دیکھ کر قدرے غصے میں اس کی جانب بڑھا اور اس کے ہاتھ سے سگریٹ چھین کر اسے ایش ٹرے میں مسلا

"ہاؤ ڈیئر یو (تمہاری جرأت کیسے ہوئی؟) علیعہ نے غصے سے قدرے چلاتے ہوئے کہا۔

بی...... کوائٹ (خاموش رہو) سنی آہستہ آواز میں دانت پچکچا کر بولا:۔

علیعہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"علیعہ...... اٹس اونچ" سنی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"وہاٹ......؟ علیعہ نے خفگی سے پوچھا۔

"میں تمہیں یوں تباہ ہوتا نہیں دیکھ سکتا" سنی نے اپنے لہجے کو نرم بناتے ہوئے کہا۔

"دس از مائی لائف (یہ میری زندگی ہے) وہ قدرے تلخی سے بولی۔

"اینڈ...... یو...... آر...... مائی لائف...... تو (اور تم میری زندگی بھی ہو) سنی نے اس کے کندھوں کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا تو اس نے چونک کر سنی کی جانب دیکھا۔سنی بھی اس کی جانب بغور دیکھ رہا تھا۔علیعہ کی آنکھوں میں بے یقینی اور بے یقینی کی سی کیفیت تھی۔آج تک زندگی میں کوئی بھی اس کے بارے میں اتنا پوزیسو نہیں ہوا تھا...... وہ بھی نہیں وہ جن سے وہ خود محبت کرتی تھی...... اور وہ بھی نہیں جو اس سے محبت کا دعویٰ کرتے تھے...... وہ اس کے بارے میں کتنا پوزیسو ہو رہا تھا علیعہ نے اپنے جسم کو حرکت دینے کی کوشش کی مگر اسے یوں لگا جیسے وہ بے جان ہو چکی ہو...... سنی نے گہری سانس لی اور اس کے کندھوں پر اپنی گرفت نرم کرتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

علیزہ اپنے نیم مردہ وجود کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی اور سنی کی طرف نظریں چرا کر دیکھنے لگی...... سنی کچھ دیر وہاں رکا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا...... علیزہ پتھرائی نظروں سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔

سیما آپا رات بھر مضطرب رہیں۔ ایک لمحے کے لیے بھی ان کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ سنی اور علیزہ ان کی آنکھوں کے پپوٹوں کے ساتھ بھوت بن کر چپٹ گئے تھے۔ جن سے ان کی آنکھوں کو ایک لمحے کے لیے بھی قرار نہیں مل رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کرتیں تو سگریٹ کے کش لگاتی اور منہ سے دھواں نکالتی علیزہ کا چہرہ انہیں بے سکون کرنے لگتا...... وہ گھبرا کر آنکھیں کھولتیں تو سنی کا سسکتا اور تاچہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا...... انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ اس قدر اضطراب اور بے چینی انہوں نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی مگر نہ تو انہیں نیند آ رہی تھی اور نہ ہی ان کے اندر کا اضطراب کسی طرح کم ہو رہا تھا۔ کبھی وہ ہاتھ جوڑ کر خدا سے معافی مانگنے لگتیں تو کبھی پریشان ہو کر رونا شروع کر دیتیں۔ ساری رات اسی بے قراری کی نذر ہو گئی۔

"سنی بیٹا...... ہسپتال جاتے ہوئے مجھے گھر چھوڑ دینا......" سیما آپا نے سنی کو ڈائننگ ٹیبل پر چائے پیتے دیکھ کر کہا۔

"آپا...... ابھی بھی کیا جلدی ہے...... دو تین دن تو رک جائیں...... اتنے عرصے بعد تو آپ ہمارے گھر آئی ہیں" ناظر علی نے محبت سے کہا

"نہیں...... ناظر علی...... میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں...... میرا گھر چلے جانا ہی بہتر ہے" سیما آپا نے مایوس لہجے میں جواب دیا۔

کیوں...... کیا بات ہے...... خیریت تو ہے نا......؟ کشور نے محبت سے سیما آپا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا

"معلوم نہیں...... بس...... مجھے گھر جانے دو" سیما آپا کے لہجے میں بیزاری اور جھنجلاہٹ تھی۔ کشور ان کی بات سن کر خاموش ہو گئی۔

"چلیں...... پھوپھو......" سنی نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ کر اٹھتے ہوئے کہا تو کشور نے سیما آپا کو سہارا دے کر اٹھایا اور ناظر علی کے ہمراہ انہیں گاڑی تک چھوڑنے آئیں۔

"سنی...... بیٹا...... میں ساری رات نہیں سو پائی......" سیما آپا نے اپنی چھوٹی متورم آنکھوں کو رگڑتے ہوئے کہا۔

"کیوں......؟ سنی نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھی سیما آپا کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ آواز میں پوچھا۔

"اپنے کیے پر پچھتاتی رہی...... تمہارا روتا چہرہ مجھے کسی پل بھی چین نہیں لینے دیتا تھا...... مجھے معاف کر دینا" سیما آپا کی آواز میں بے بسی اور دکھ کا عنصر نمایاں تھا۔

"پھوپھو...... میں جس اذیت سے گزر رہا ہوں...... خدا کے بعد صرف آپ اسے جان پائی ہیں...... میں نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا...... کہ میرے ساتھ یہ سب کچھ ہو گا...... اور...... علیزہ کے ساتھ میں نے بچپن گزارا تھا...... مجھے پورا یقین تھا کہ ہمارا ملاپ خوش آئند ہو گا...... ہماری زندگی اچھی گزرے گی...... مگر...... قدرت انسان کی سب سوچوں اور فیصلوں پر حاوی ہوتی ہے...... وہ اسے ان باتوں اور جذبوں میں آزماتی ہے۔ جنہیں وہ بہت عام اور معمولی سمجھ کر کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا...... میں نے شادی کو بھی اہم مسئلہ نہیں سمجھا۔ نشے کے مریضوں کا علاج کرنا میرے لیے کوئی اہم بات نہ تھی۔ اور اب مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے علیزہ کو ٹھیک کرنا میرے بس سے باہر ہے...... پھوپھو...... علیزہ مجھے بچپن سے ہی اچھی لگتی تھی

لیکن وہ مجھے ناپسند کرے گی اور مجھے کوئی اہمیت نہیں دے گی...... میں نے اس کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا...... میں تو الجھ کر رہ گیا ہوں...... میں اپنے آپ کو کس قدر شکستہ اور بے بس محسوس کرتا ہوں۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں'' سنی کی آواز میں ان کے آنسوؤں کی آمیزش اس کے اندر کی کیفیت کو ظاہر کرنے لگی۔

''خدا...... تم پر رحم کرے اور تمہیں ہمت دے کہ تم اس آزمائش میں سے سرخرو ہو کر نکلو...... صبر اور حوصلے سے سب کچھ برداشت کرنا...... مجھے امید ہے خدا تم پر ضرور اپنا کرم کرے گا...... علینہ ضرور......'' سیما آپا کی زبان کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اور انہوں نے گہری سانس لی۔

''ہاں...... نہیں...... پھوپھو...... کیا ہوگا؟'' سنی نے مایوسی سے کہا۔

''سب اچھا ہوگا...... میں تمہارے لیے دن رات دعائیں کروں گی'' سیما آپا نے اس کے کندھے کو تھپکی دیتے ہوئے کہا اور اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی مگر وہ اندر ہی اندر منتشر ہو چکا تھا کہ پھوپھو کی تسلی اس کی دلجوئی نہ کر سکی اور اس نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہ دی......

سیما آپا کو ان کے گھر ڈراپ کر کے وہ ہاسپٹل پہنچا تو اس کا پی اے حبیب ایک فائل پکڑے اس کے کمرے میں آیا۔

''ڈاکٹر ثقلین...... آج شام آپ کو ایک انٹرنیشنل سیمینار اٹینڈ کرنا ہے۔ صبح سے فون آ رہے ہیں...... میں آپ کو کونٹیکٹ کر رہا تھا مگر آپ کا موبائل آف مل رہا تھا'' حبیب نے جلدی جلدی بتایا۔

''حبیب ان کو فون کر کے بتا دو کہ میں سیمینار میں شرکت نہیں کر سکوں گا'' ڈاکٹر ثقلین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ڈاکٹر ثقلین...... یہ...... یہ آپ کیا کر رہے ہیں...... یہ سیمینار آپ کے کیریئر کے لیے کس قدر اہم ہے۔ کیا اس کا آپ کو اندازہ ہے۔ اور ایسے سیمینار کے منعقد ہونے کا تو آپ کئی سالوں سے انتظار کر رہے تھے اور...... اب......؟'' حبیب نے انتہائی پریشانی سے کہا۔

''ہاں...... وقت...... وقت کی بات ہوتی ہے...... کبھی ہمیں کسی کا انتظار ہوتا ہے اور کبھی...... کسی کو ہمارا...... مگر میں اس میں شرکت نہیں کر سکوں گا'' ڈاکٹر ثقلین نے آہ بھر کر جواب دیا۔

مگر کیوں......؟ آپ کو کیا ہو گیا ہے...... آپ کئی روز سے نہ کسی کانفرنس میں شرکت کر رہے ہیں نہ کسی سیمینار میں...... نہ کوئی لیکچر دے رہے ہیں اور نہ ہی ہاسپٹل سے ریلیٹڈ ایکٹیویٹیز میں انٹرسٹ لے رہے ہیں...... کیا آپ......؟'' حبیب نے معنی خیز انداز میں ڈاکٹر ثقلین کی جانب دیکھتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہاں...... مجھے تھوڑا سا بریک چاہیے'' ڈاکٹر ثقلین نے قطعیت سے جواب دیا تو حبیب نے ان کی طرف حیرت بھری نگاہوں سے بغور دیکھا اور ان کی بات پر بے یقینی کا اظہار کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر ثقلین نے آہ بھری اور ان کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔ دوسروں کا علاج کرنے والا مسیحا اپنے آپ کو بے بس اور لاچار سمجھنے لگا تھا۔ اسے اپنا مرض لاعلاج محسوس ہو رہا تھا۔ جس کیریئر کو بنانے میں وہ دن رات مصروف رہے تھے۔ اپنے ملک اور بیرون ملک نام بنانے میں انتھک محنت کی تھی۔ کوئی کانفرنس اور کوئی سیمینار ان کی شرکت کے بغیر مکمل نہ ہوتا تھا۔ اپنی بے پناہ مصروفیات کو ترک کر کے وہ ان کانفرنسز میں ضرور شرکت کرتے

تھے۔ اور اب شادی کے بعد وہ ذہنی طور پر اس قدر پریشان رہتے تھے کہ ان کا دل کسی کام میں نہیں لگتا تھا۔ مریضوں کا علاج کرتے ہوئے ان کی کیس ہسٹری سنتے ہوئے وہ خود کہیں کھو جاتے۔ بہت سے مریضوں کی ہسٹری انہیں اپنی ہسٹری معلوم ہوتی...... کئی مریضوں میں نشے کی وجوہات لکھتے ہوئے انہیں علینہ بار بار یاد آتی ضرور ان میں سے کوئی وجہ علینہ کو بھی ہو گی۔۔۔ مگر وہ علینہ کی وجوہات جاننے سے قاصر تھے۔۔۔ رفتہ رفتہ ان کی مریضوں میں بھی دلچسپی کم ہونے لگی۔ وہ اکثر اپنے کمرے میں تنہا بیٹھے اپنی سوچوں میں مکمل گم رہتے اور ان کے اسسٹنٹ ڈاکٹرز انہیں دیکھ کر پریشان ہوتے۔

''ڈاکٹر ثقلین۔۔۔۔ میں یہ کیا خبر سن رہا ہوں؟ ڈاکٹر براس قدرے بوکھلائے ہوئے ڈاکٹر ثقلین کے کمرے میں داخل ہوئے ڈاکٹر ثقلین کرسی کی پشت سے سر لگائے چھت کو گھور رہے تھے ڈاکٹر براس کے اچانک کمرے میں داخل ہونے پر بوکھلا گئے اور کرسی پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

''حبیب نے مجھے بتایا ہے کہ آپ سیمینار میں نہیں جا رہے...... کیا آپ نہیں جانتے کہ سیمینار کی تاریخ اور وقت ہمارے کنٹرول اینٹی نارکوٹک بورڈ کے ڈائریکٹرز نے ہم سے پوچھ کر رکھی تھی اور اس وقت میں اہم ملکوں کے ماہرین اس میں شرکت کے لیے آئے ہیں اور اپنے ملک سے نمائندگی آپ کو کرنی ہے۔۔۔۔ ڈاکٹر ثقلین کیا آپ یہ ٹینشن سمجھ رہے ہیں۔۔۔۔ آپ کا، ہمارا ہمارے ہاسپٹل کا اور ہمارے ملک کا کتنا بڑا نقصان ہو گا۔۔۔۔ اگر آپ اس میں شرکت نہیں کریں گے'' ڈاکٹر براس قدرے جذباتی ہو کر بولے۔

''میں سب جانتا ہوں مگر میں نے اس کے لیے کوئی ہوم ورک نہیں کیا۔۔۔ کوئی اسائنمنٹ تک نہیں بنائی۔۔۔ کسی نے ٹاپک پر ریسرچ نہیں کی...... میں سیمینار میں یوں شریک ہو کر اپنا اور اپنے ملک کا امیج خراب نہیں کرنا چاہتا'' ڈاکٹر ثقلین نے صاف گوئی سے بتایا۔

''آپ کو سب کچھ معلوم تھا...... پھر بھی اس کے باوجود آپ نے کوئی تیاری نہیں کی...... ڈاکٹر ثقلین آپ کو کیا ہو گیا ہے...... آپ نے ایسی کوتاہی تو کبھی نہیں کی...... آپ تو بہت محتاط اور vigilant ہیں۔ ہر بات ہر معاملے کو بہت سوچ سمجھ کر پلان کرتے ہیں۔۔۔۔ اور...... اتنے اہم سیمینار کو آپ نے کیسے نظر انداز کر دیا...... آپ کا اس میں شرکت کرنا بہت ضروری ہے......'' ڈاکٹر براس نے قدرے رعب سے کہا۔ وہ ویسے بھی ڈاکٹر ثقلین سے عمر اور تجربے میں بہت سینئر تھے اور ڈاکٹر ثقلین ہمیشہ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ ان کے ساتھ بحث و تکرار نہیں کرتے تھے۔

''پلیز...... ڈاکٹر براس...... آپ چلے جائیے...... میں نہیں جا سکوں گا......'' ڈاکٹر ثقلین نے نظریں جھکا کر آہستہ آواز میں کہا۔

''میں...... میں...... چلا جاؤں......؟ آپ کیا کہہ رہے ہیں...... کیا آپ جانتے ہیں؟ ڈاکٹر براس بوکھلا کر انتہائی حیرت سے اپنی کرسی پر سے اٹھتے ہوئے کہا جیسے انہیں کوئی الیکٹرک شاک لگا ہو۔

''مجھے سمجھنے کی کوشش کریں...... میں اس وقت بہت ڈسٹرب ہوں...... ساری رات سو نہیں سکا...... بلکہ کئی راتوں سے مسلسل جاگ رہا ہوں...... ذہن اس قدر منتشر ہے کہ اپنی ہی کہی ہوئی باتیں بھولنے لگا ہوں...... بار بار انہیں دہراتا ہوں...... سیمینار میں جا کر کوئی ایسا بلنڈر نہیں کرنا چاہتا...... کہ پوری دنیا میں جگ ہنسائی ہو...... سیمینار کا موضوع بہت حساس ہے۔ ملکی و غیر ملکی تنظیمیں اور میڈیا اس سیمینار کو منعقد کرانے میں کتنے ایکٹو ہیں...... یہ تو آپ جانتے ہیں نا...... میں نے اپنے ذہن کو کمپوز کرنے کی بہت کوشش کی...... مگر میں نہیں کر پایا......'' ڈاکٹر ثقلین نے آہ بھر کر کہا اور ان

کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔

''ڈاکٹر ثقلین..... آپ اتنے کمزور کب سے ہو گئے.....؟ آپ کی زبان سے ایسی باتیں میں پہلی بار سن رہا ہوں..... اور مجھے شدید حیرانگی کے ساتھ ساتھ افسوس بھی ہو رہا ہے..... اپنے شعبے میں ملک کا نمبر ون ڈاکٹر کیسی باتیں کر رہا ہے..... آخر مسئلہ کیا ہے.....؟ میں نے آبزرو کیا ہے جب سے آپ کی شادی ہوئی ہے۔ آپ بہت اپ سیٹ ہیں..... کیا ایسی کوئی بات ہے.....؟ ڈاکٹر براس نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

''ڈاکٹر براس..... پلیز سیمینار میں جانے کی تیاری کیجئے..... میں حسیب کو کہتا ہوں..... وہ میرا کچھ میٹریل آپ کو دے دیتا ہے میں ایک critical phase (مشکل دور) سے گزر رہا ہوں..... کسی مناسب وقت پر اس کے بارے میں بات کریں گے'' ڈاکٹر ثقلین نے ٹالنے کے انداز میں کہا تو ڈاکٹر براس چپ ہو گئے اور خاموشی سے ان کے کمرے سے چلے گئے۔

ڈاکٹر ثقلین نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور اپنی انگلیوں کی پوروں سے اپنی کنپٹیوں کو دبانے لگے۔ ان کا سر بری طرح پھٹ رہا تھا۔ انہوں نے اپنے بیگ سے خواب آور گولیوں کی شیشی نکالی اور ایک گولی کھا کر ہاسپٹل کے ایک پرائیویٹ روم میں جا کر اسے اندر سے لاک کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر دل کی بے سکونی اور اندر کا اضطراب انہیں اس قدر بے قرار کر رہا تھا کہ انہوں نے بیگ سے ایک اور گولی نکال کر کھائی اور سونے کی کوشش کی۔ تھوڑی دیر بعد گولیوں نے اپنا اثر دکھایا اور وہ گہری نیند سو گئے.....

''سنی ابھی تک گھر نہیں آیا..... رات کتنی گہری ہو رہی ہے..... میرا دل بہت گھبرا رہا ہے..... ناظر..... اسے فون کر کے پوچھیں کہ وہ کہاں ہے؟ کشور نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں اپنے بیڈ روم کا کلاک دیکھتے ہوئے کہا جو بارہ بجا رہا تھا۔

''اس کا موبائل بند ہے..... اور ہسپتال والوں کو بھی کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے..... آج سارے ڈاکٹر کسی سیمینار میں گئے ہیں مگر سنی سیمینار میں بھی نہیں گیا..... نجانے کہاں ہے؟ میں تو اس کے دوستوں کو بھی فون کر رہا ہوں مگر کسی کو کچھ بھی خبر نہیں'' ناظر علی نے کمرے میں چکر لگاتے ہوئے جواب دیا۔

''ناظر..... کچھ کریں..... سیما آپا کو ہی فون کریں..... وہ صبح ان کو گھر چھوڑنے گیا تھا..... اس نے ضرور انہیں کچھ بتایا ہوگا'' کشور نے اچانک کہا تو ناظر علی نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ جیسے کوئی بات سمجھ میں آ گئی ہو۔ انہوں نے اسی وقت نمبر ملایا۔

''ہیلو..... فواد بیٹا..... آپا کہاں ہیں؟ ناظر علی نے سیما آپا کے بڑے بیٹے سے پوچھا۔

''ہاں..... ہاں خیریت ہے..... تم ذرا آپا سے میری بات کروا دو..... ٹھیک ہے میں ہولڈ کرتا ہوں'' ناظر علی نے کہا۔

''وعلیکم السلام..... خیر تو ہے ناظر علی..... اس وقت..... تم نے فون کیا ہے'' سیما آپا نے گھبرا کر کہا۔

''آپا..... وہ..... بات یہ ہے..... کہ..... سنی..... ابھی تک گھر نہیں آیا..... نہ ہسپتال میں ہے اور نہ ہی کسی دوست کے پاس..... ہم لوگ بہت پریشان ہو رہے ہیں..... آپ کو گھر چھوڑ کر وہ کہاں گیا تھا.....؟ ناظر علی نے رک رک کر کہا۔

''کیا سنی گھر نہیں آیا..... ابھی تک.....؟ آپا نے قدرے گھبرا کر چلاتے ہوئے کہا اور ایک دم ریسیور ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"آپا..... آپا..... کیا ہوا..... ؟ ہیلو..... ہیلو..... آپا..... ؟" ناظر علی نے گھبرا کر سیما آپا کو آوازیں دیں مگر دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ فون بند ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا..... ؟ کشور نے گھبرا کر پوچھا۔

"معلوم نہیں..... آپا..... شاید بے ہوش ہو گئی ہیں..... شاید ریسیور ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے....." ناظر علی نے گھبرا کر جواب دیا۔

"خدا خیر کرے....." کشور نے گھبرا کر اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھے۔

ناظر علی نے دوبارہ فون نمبر ملایا۔ مسلسل رنگ جاتی رہی مگر کسی نے فون نہ اٹھایا..... ہر بیل کے ساتھ ناظر علی کے چہرے پر تشویش اور پریشانی کے تاثرات نمایاں ہوتے رہے۔ وہ سنی کو بھول کر سیما آپا کی فکر میں لگ گئے تھے۔

"ناظر..... ہمیں..... سیما آپا کی طرف چلنا چاہیے..... اللہ کرے وہ خیریت سے ہوں" کشور نے انتہائی فکرمندی سے کہا۔

"ہاں..... میرا بھی یہی خیال ہے....." ناظر علی نے گاڑی کی چابی پکڑتے ہوئے کہا اور دونوں گھر سے باہر نکل گئے۔ نمرا گہری نیند سو رہی تھی اور علینہ کو کسی بات کی کوئی خبر نہ تھی۔

"ہیلو..... ہاں..... فواد بیٹا بولو..... کیا....." ناظر علی نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے فون سنا اور زوردار بریک لگائی۔

"کک..... کک..... کیا ہوا..... ؟ کشور نے بدحواس ہو کر پوچھا

"سیما آپا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے..... اور..... وہ ہاسپٹل میں ہیں..... ان کی حالت سیریس ہے" ناظر علی نے بمشکل کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کشور کی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں۔ ناظر علی بہت مشکل سے ڈرائیونگ کرتے اور ساتھ ساتھ اپنی نم آنکھوں کو پونچھتے رہے۔ کشور بھی سسکیاں بھرتی رہی۔ دونوں خاموش تھے مگر ان کے دل شدت جذبات سے مغموم ہو رہے تھے۔ وہ بمشکل ہاسپٹل پہنچے۔ سیما آپا ICU میں تھیں۔ ان کے دونوں بیٹے، بہوئیں، اور بیٹی داماد سب پریشان اور رنجیدہ کھڑے تھے

"آپا..... کو..... کیا ہوا..... ؟ ناظر علی نے فواد کو گلے لگا کر پوچھا۔

"معلوم نہیں..... آپ کی فون کال کے بعد..... وہ ایک دم گر گئیں..... ماموں آپ نے ان سے کیا پوچھا تھا؟ فواد نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے ناظر علی سے پوچھا۔

"میں نے تو..... سنی کے بارے میں پوچھا تھا..... وہ ابھی تک گھر نہیں آیا..... معلوم نہیں کہاں چلا گیا ہے؟ ناظر علی نے تشویش سے کہا۔

"کیا..... سنی..... ابھی تک گھر نہیں آیا؟ فواد نے انتہائی حیرت سے پوچھا

"نہیں....." ناظر علی نے آہ بھر کر جواب دیا۔

کشور..... سیما آپا کی دونوں بہوئیں اینلا اور سمیرا اور ان کی بیٹی فاخرہ کو تسلیاں دے رہی تھی۔ سب بیٹھ کر دعائیں کرنے میں مصروف تھیں۔

اچانک ایک ادھیڑ عمر ڈاکٹر دو نوجوانوں کے ساتھ ICU سے باہر نکلا۔ سب کے چہروں پر پریشانی و تفکرات کے آثار نمایاں تھے سب

لوگ ڈاکٹروں کی طرف دوڑے

"سوری..... ہم انہیں بچا نہیں سکے..... بہت کوشش کی" سینئر ڈاکٹر نے کہا تو سب لوگ رونے اور چلانے لگے..... ہر طرف کہرام سا مچ گیا۔ تینوں ڈاکٹر وہاں سے چلے گئے۔ نذر علی اور کشور سب کو اپنے ساتھ لگا کر دلاسا دیتے رہے۔ اور سیما آپا کی میت کو گھر لے جانے کا بندوبست کرتے رہے۔ رات بھر میں سب عزیز رشتہ داروں کو اطلاع دے دی گئی تھی۔ جمیلہ آپا اور صدیقہ آپا بھی فوراً ہی پہنچ گئیں تھیں۔ شاکر علی کا امریکہ سے پہنچنا ممکن نہیں تھا مگر وہ بار بار فون کر رہے تھے۔ ندرت بھی آ گئی تھی۔ اگر نہیں آیا تھا تو سنی..... ہر کوئی سنی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ جس کے غم میں سیما آپا اس دنیا سے چلی گئی تھیں۔ اس کو کوئی خبر ہی نہ تھی۔ اگلے روز شام کو سیما آپا کے جنازے کا وقت رکھا گیا اور ساتھ ساتھ سنی کی تلاش بھی جاری رہی۔

سہ پہر ہو رہی تھی جب سنی کی آنکھ کھلی اور وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تو ہسپتال کا عملہ اسے دیکھ کر چونکا۔

"ڈاکٹر ثقلین..... آپ..... کہاں تھے.....؟ ان کے پی اے حبیب نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"میں لاسٹ روم میں سو رہا تھا..... میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی" ڈاکٹر ثقلین نے جواب دیا۔

"اوہ..... مائی گاڈ..... کیا آپ نے روم اندر سے لاک کیا تھا؟ حبیب نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں..... کیوں..... کیا ہوا؟ ڈاکٹر ثقلین نے اپنی سرخ اور متورم آنکھوں کو ملتے ہوئے پوچھا۔

"پلیز..... آپ جلدی سے اپنے گھر فون کریں..... آپ کو شاید معلوم نہیں کہ آپ کتنا سوئے ہیں اور آپ کے گھر والے کس قدر پریشان ہو رہے ہیں؟ حبیب نے کہا تو ڈاکٹر ثقلین نے اپنا آف موبائل آن کیا جو آن ہوتے ہی بجنے لگا۔

"ہیلو..... ہاں..... اوہ..... نو....." ڈاکٹر ثقلین کے چہرے پر ایک دم گہری اداسی اور مایوسی چھانے لگی..... اور ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"کک..... کیا ہوا..... ڈاکٹر ثقلین.....؟ حبیب نے ان کی بدلتی ہوئی افسردہ حالت دیکھ کر پوچھا۔ ڈاکٹر ثقلین نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنی نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے ہاسپٹل سے باہر نکل گئے ان کی گاڑی بھی ورکشاپ میں تھی جس کی وجہ سے کوئی ہاسپٹل میں ان کی موجودگی کے بارے میں نہ جان سکا۔

جنازہ اٹھانے کا وقت ہو رہا تھا جب سنی پہنچا..... سب اس کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور وہ خود بھی شدت غم سے نڈھال ہو رہا تھا..... اس کے اندر یہ غم بیٹھ گیا تھا کہ پھوپھو اس کے غم کی وجہ سے مر گئی ہیں اور سیما آپا اس خوف کو دل میں بسا کر اس دنیا سے چلی گئیں کہ سنی نے گھبرا کر کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا لیا ہو۔ سنی کے آنسو کسی طرح بھی تھم نہیں رہے تھے سب اسے دلاسے دیتے رہے مگر اس کے لیے تمام تسلیاں اور دلاسے فضول تھے۔ اسے بہت پیار کرنے والی ہستی اس سے بچھڑ گئی تھی۔ خاندان بھر کی بزرگ..... سب کے درمیان رنجشیں دور کرنے والی اور سب کو باہم جوڑ کر رکھنے والی سب سے جدا ہو گئی تھی..... سب بہن بھائیوں کی محترم اور سب کی اولادوں کو جی جان سے چاہنے والی نے سب کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

سب آئے تھے..... اور سب دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ سوائے حلیمہ کے..... جو سب سے الگ تھلگ ایک کونے میں خاموش بیٹھی تھی..... اس کی آنکھوں میں اداسی تھی مگر نمی نہیں تھی..... جنازہ اٹھتے ہی وہ اپنی گاڑی لے کر گھر آ گئی تھی۔ سب کی آنکھوں میں اس کے لیے ان گنت سوالات تھے۔ وہ سب کو حیران و پریشان چھوڑ کر چلی آئی تھی۔

☆

سدرہ نے جلدی سے گرم گرم روٹی توے سے اتاری اور پلیٹ میں سالن ڈال کر لاؤنج میں بیٹھی زاہدہ کے آگے رکھا۔

"کیا پکایا ہے.....؟" زاہدہ نے خفگی سے پوچھا۔

"آلو کی بھجیا....." سدرہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

"اٹھا..... اس کو لے جا..... خود کھا اور اپنے پچھلوں کو کھلا..... کنگال کہیں کی..... اپنی غربت کا منحوس سایہ میرے گھر پر بھی ڈال دیا..... کاشف اچھا خاصا کماتا تھا..... گھر میں کسی شے کی کمی نہ تھی..... ہر روز پھل، گوشت، مچھلی..... ہزار نعمتیں آتی تھیں..... اور تو کیا آئی..... سب کچھ ختم ہو گیا..... کچھ نہیں کھانا مجھے....." زاہدہ نے بڑبڑاتے ہوئے سالن کی پلیٹ اٹھا کر فرش پر پھینکی۔ سدرہ حیرت اور افسوس سے کبھی پلیٹ کو دیکھتی تو کبھی زاہدہ کو..... جس کو مرغن اور چٹ پٹے کھانوں کی عادت پڑ چکی تھی اور جس سے معمولی وسادہ غذائیں ہضم نہ ہوتی تھیں۔

"کبھی..... آلو پکا لیتی ہے..... کبھی دہی لے آتی ہے..... کبھی اچار..... کمبخت کہیں کی..... پورے دس دن ہو گئے ہیں..... گوشت کو چکھے ہوئے..... نہ کوئی پھل گھر آیا ہے اور نہ ہی کوئی خرید کر کھاتا....." زاہدہ بڑبڑاتی رہی اور سدرہ فرش سے سالن صاف کرتی رہی۔

"آنے دے کاشف..... اسے صاف صاف بتا دوں گی..... کہ مجھ سے یہ کچھ نہیں کھایا جاتا..... یہی کھانے غریبوں والے کھانے جنہوں نے ساری زندگی دوسروں کے بچے کھچے کھائے ہوں، انہیں کہاں اچھے اور لذیذ کھانے ہضم ہوتے ہیں"

زاہدہ طنزیہ انداز میں بڑبڑا رہی تھی اور سدرہ کی آنکھوں میں بار بار نمی آ رہی تھی..... اس نے آہ بھری اور برتن اٹھا کر کچن میں لے گئی۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو رواں ہو گئے۔

کتنا مشکل ہے..... صراط مستقیم پر چلنا..... اور حرام چھوڑ کر حلال کھانا..... مگر اس نے جو بھی فیصلہ کیا تھا..... اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ سب کی بہتری کا سوچ کر کیا تھا۔

رات گہری ہو گئی تھی اور زاہدہ نے دوپہر سے لے کر اب تک کچھ نہ کھایا تھا اور سدرہ کی بھی صبح کی بھوکی تھی کھانا ویسے کا ویسا ہی پڑا تھا۔

کاشف رات کو دیر سے گھر آیا..... اس کا چہرہ بہت اداس اور اترا ہوا تھا۔

"کھانا لاؤں.....؟" سدرہ نے اسے آتے ہی پوچھا۔

"ہاں..... بڑا قورمہ پلاؤ پکا ہے..... نا..... جو پوچھ رہی ہے" زاہدہ نے بڑبڑا کر کہا تو کاشف نے سدرہ کی طرف دیکھا تو اس نے نظریں جھکا لیں۔

"اماں...... اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے...... جو میسر آئے" کاشف نے آہستہ آواز میں کہا۔

"بولنے لگا...... تو بھی اس کی زبان...... ہم سے ہمارا کھانا پینا تو چھین لیا...... اب کیا رہ گیا ہے...... دو پہر کی بھوکی بیٹھی ہوں...... کمبخت ہر روز سوکھے سڑے آلو بنالاتی ہے۔ کبھی دال تو کبھی سبزی رائتہ...... میں تو بیزار ہوگئی ہوں ایسے کھانوں سے...... سن لے کاشف...... کل سے میرے گھر میں ایسی سوغاتیں نہیں پکیں گی...... ارے زندگی ہے کتنی......؟ دو چار دن کی زندگی میں کھانا پینا بھی ڈھنگ کا نہ ہو...... تو...... لعنت ہے ایسی زندگی پر......" زاہدہ قہر بھری نگاہوں سے سدرہ کو کوسنے لگی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور وہ وہاں سے چلی گئی۔

"اماں...... میری تنخواہ میں ایسا کھانا ہی پک سکتا ہے" کاشف نے نرم لہجے میں کہا۔

"پہلے بھی تو یہی تنخواہ آتی تھی۔ اب اسے کیا ہو گیا ہے۔ سگھڑ کراتی تھوڑی ہوگی ہے کہ ہم عرش سے فرش پر آ گئے ہیں" زاہدہ نے غصے میں کہا تو کاشف کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ اسے اندر ہی اندر شرمندگی ہونے لگی۔ اس کی زبان پر جیسے کسی نے تالا لگا دیا ہو...... اور...... وہ ماں کو یہ بتا نہ پا رہا ہو...... کہ...... ایک تنخواہ کے ساتھ بہت سی تنخواہیں لاتا تھا...... جس کے بارے میں اس نے کبھی پوچھا ہی نہ تھا کہ اتنا پیسہ وہ کہاں سے لاتا ہے...... اور اب اصل تنخواہ اس سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"میں کچھ نہیں جانتی...... کل بکرے کی ران کا گوشت لے کر آنا...... اور مچھلی کھائے بھی بہت دن ہو گئے ہیں...... پھل کھائے ہوئے تو پورے پندرہ دن گزر چکے ہیں...... خدا کی پناہ...... کیسی کمبختی آ گئی ہے...... ہر طرف غربت کا منحوس سایہ چھا گیا ہے" زاہدہ بڑبڑاتے ہوئے لاؤنج سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کاشف انتہائی پریشانی کے عالم میں کمرے میں آیا۔ سدرہ پریشان بیٹھی تھی۔ کاشف خاموشی سے منہ ہاتھ دھو کر اور کپڑے بدل کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

"کاشف کیا بات ہے......؟ آپ بہت پریشان لگ رہے ہیں کھانا لاؤں......؟ سدرہ نے کاشف کے افسردہ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں...... مجھے بھوک نہیں" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا...... آپ کو بھی...... ماں کی طرح یہ کھانا پسند نہیں؟ سدرہ نے تشویش انداز میں پوچھا۔

"نہیں...... مجھے......" کاشف رکا...... اور پھر ہونٹ چبانے لگا۔

"کیا...... کیا ہوا......؟ سدرہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"مجھے Suspend کر دیا گیا ہے" کاشف نے نم آنکھوں اور رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"س...... سسپنڈ...... کیوں......؟ سدرہ نے بمشکل پوچھا۔

"سدرہ...... صراط مستقیم پر چلنا بہت مشکل ہے...... جو لوگ شروع میں ہی یہ راستہ چن لیتے ہیں ان کو تو مسئلے پیش نہیں آتے۔ جتنے ہم

جیسے بھٹکے ہوؤں کو...... پیش آتے ہیں...... ہماری ایمانداری اور بے ایمانی دونوں ہی مشکوک ہو جاتی ہیں...... جب ہم جیسے بے ایمان...... ایماندار بننا چاہتے ہیں تو کوئی ہم پر یقین نہیں کرتا...... ہمارا بدلا ہوا راستہ ہمارے اپنے لیے بہت کٹھن اور مشکل ہو جاتا ہے" کاشف نے آہ بھر کر کہا۔

"مگر...... آپ کو Suspend کیوں کیا گیا......؟ سدرہ ابھی تک اس شش و پنج سے نہیں نکل رہی تھی۔

"پہلے میں افسروں کے تعاون سے بجلی چوری کرتا تھا...... بجلی کی تاریں بیچتا تھا...... رشوت لے کر غلط میٹر ریڈنگ کرتا تھا۔ بجلی کے ناجائز کنکشن دیتا تھا...... اور اس میں سے آدھا حصہ میرے افسروں کو جاتا تھا۔ وہ مجھ سے خوش تھے...... میں جہاں پکڑا جاتا تھا وہ مجھے بچا لیتے تھے...... مگر اب جیسے ہی میں نے راستہ بدلنے کا فیصلہ کیا اور ان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تو انہوں نے مجھے پھنسا دیا...... اور آج مجھے suspend کر دیا گیا ہے......" کاشف نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"کاشف...... اب تو آپ قصوروار نہیں نا؟ سدرہ نے فکرمندی سے پوچھا

"نہیں......" اس نے لمبی سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر گھبرانے کی بات نہیں...... میں آپ کے ساتھ ہوں...... جب تک آپ کی نوکری بحال نہیں ہو جاتی...... میں آپ کے ساتھ مل کر کام کروں گی...... میں آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گی" سدرہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تو کاشف نے محبت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور مسکرانے لگا۔ اس نے سدرہ کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"ٹھیک ہے...... میں اس وقت اپنے آپ کو بہت ٹوٹا پھوٹا اور منتشر محسوس کر رہا تھا...... تمہاری باتوں نے میری ہمت بندھا دی ہے" کاشف نے محبت سے کہا۔

"کاشف...... اب اگر ساری دنیا بھی آپ کی ایمانداری پر شک کرے تو میں کبھی نہیں کروں گی...... میں آپ کی پہلے سے بھی زیادہ عزت کروں گی" سدرہ نے بھی محبت سے جواب دیا۔

"مگر اماں کا کیا کروں......؟ انہیں تو کھانے کو گوشت اور پھل چاہیے" کاشف نے فکرمندی سے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں...... میں نے ڈاکٹر کی فیس بچا کر رکھی ہے۔ آپ ان پیسوں سے کل گوشت اور پھل لے آنا" سدرہ نے کہا۔

"نہیں...... نہیں...... تمہارا چیک اپ زیادہ ضروری ہے...... اس حالت میں تمہاری صحت کو یوں نظر انداز کرنا ٹھیک نہیں" کاشف نے کہا۔

"انشاءاللہ سب ٹھیک ہوگا...... اللہ ہماری نیتوں کو جانتا ہے" سدرہ نے مسکرا کر کہا اور الماری میں سے پیسے نکال کر کاشف کے سامنے رکھے۔

"سدرہ...... میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ خدا نے مجھے تم جیسی نیک سیرت اور ایماندار بیوی دی ہے" کاشف نے فخریہ انداز میں کہا۔

"ہاں...... بالکل...... شکر تو آپ کو ادا کرتے رہنا چاہیے......" سدرہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو کاشف بھی مسکرانے لگا۔

"کھانا لاؤں......؟" سدرہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا

"کیا تم نے کھایا ہے......؟ کاشف نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا

"نہیں......" سدرہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"کیا کہا......؟ تم نے کھانا نہیں کھایا......سدرہ تم جانتی نہیں کہ......" کاشف نے فکرمندی سے کہا۔

"سب جانتی ہوں......مگر......کیسے کھالیتی......جب تک میں ذہنی طور پر مطمئن نہ ہوتی......کاشف......میں آج سارا دن بہت پریشان رہی ہوں......" سدرہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"جلدی سے کھانا لاؤ......" کاشف نے کہا تو سدرہ کچن میں چلی گئی اور جلدی سے سالن گرم کیا اور تازہ روٹیاں بنا کر لائی دونوں بیٹھ کر کھانے لگے۔

"واہ......بہت مزے کے آلو پکے ہیں" کاشف نے تعریف کی۔

"قورمے کا مزا دے رہے ہیں نا......" سدرہ نے شرارتاً مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں......ہاں......بلکہ پلاؤ اور حلوے کا بھی مزا دے رہے ہیں" کاشف نے ہنستے ہوئے کہا تو سدرہ بھی کھلکھلا کر ہنسنے لگی

"سدرہ......تم نے مجھے ذہنی طور پر بہت سکون دیا ہے۔ تھینک یو ویری مچ" کاشف نے کھانا ختم کر کے سدرہ کی جانب مشکورانہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا تو سدرہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور کاشف نے اطمینان سے آنکھیں بند کر لیں۔

☆

زاہدہ نے کئی روز بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا۔ سدرہ نے بکرے کے گوشت کو خوب اچھی طرح بھون کر ڈونگا اس کے سامنے رکھا تھا اور وہ اکیلی ہی اسے چٹ کر گئی تھی۔ نہ کاشف کا خیال رکھا نہ سدرہ کا......زاہدہ کو کھانے پینے کا ایسا لالچ اور طمع تھی جو کبھی ختم نہ ہوتی تھی۔ جو کھانا پیٹ بھر کر کھاتی......باقی کا نکال کر اسے شام یا اگلے روز کیلیے سنبھال کر رکھ دیتی۔ کھانے پینے کی تھوڑی تھوڑی چیزوں پر بڑبڑاتی رہتی......کوئی چیز کم ہو جاتی تو سارا دن اس کے بارے میں بولتی رہتی......سدرہ اس کی ان حرکتوں پر جلتی کڑھتی رہتی......اور......کاشف کو اوپر کی کمائی کی عادت بھی زاہدہ نے ہی ڈالی تھی۔ وہ جب بھی تنخواہ گھر لاتا تو زاہدہ اٹھا کر پیسے اس کے سامنے پھینکتی۔

"اتنے سے پیسوں سے گھر کا خرچہ کہاں سے چلے گا......؟ کالونی میں فلاں کا بیٹا اتنی کمائی کرتا ہے......فلاں کا شوہر اتنا کماتا ہے کہ گھر والے عیش کرتے ہیں......تو کیوں نہیں کماتا......؟

زاہدہ ان تمام لوگوں کے نام گنواتی جو رشوت لینے اور نمبر دو کام کر کے حرام کمانے میں ماہر سمجھے جاتے تھے۔ کاشف کا شعور ابھی اتنا پختہ نہیں ہوا تھا......اس کے روابط آفس کے ان لوگوں سے بڑھنے لگے جو ایسے کاموں کے ماہر تھے......اور ایسے افسروں سے تعلقات بڑھنے لگے جو رشوت کو حرام نہیں بلکہ اپنا جائز حق سمجھ کر بڑے رعب سے اسے مانگتے تھے۔ ان میں سے اکثریت بھاری بھرکم جسموں اور مردہ سوچ کے ساتھ اعلیٰ حکومتی کرسیوں پر بیٹھے عوام کا خون چوسنے میں مصروف تھے......رفتہ رفتہ کاشف ان کا خاص کارندہ بنتا گیا......شروع شروع میں ایسی کمائی سے اس کے اندر عجیب سا احساس پیدا ہوتا تھا۔ جیسے کوئی چور یا چرائی ہوئی چیز کو کھانے میں بہت محتاط ہوتا ہے مگر جلدی جلدی کھا کر اسے ہضم نہیں ہوتی۔ اسی

طرح لوگوں سے ناحق پیسے لے کر اس کے اندر عجیب سی بے اطمینانی پیدا ہوتی تھی مگر رفتہ رفتہ اس کے جسم کے صاف خون میں حرام کی آمیزش ہونے لگی اور اس کمائی کی خباثت نے اس کی متحرک روح کو خوابیدہ اور سست کرنا شروع کر دیا کہ اس کے شعور نے اچھائی اور برائی...... جائز و ناجائز کا سوال کرنا ہی چھوڑ دیا...... وہ حرام کی خباثت پر مطمئن ہونے لگا۔ وہ جیبیں بھر بھر کر نوٹ گھر لاتا تو زاہدہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا۔ وہ اس کی اس کمائی میں اور برکت کی دعا کرتی۔ اور اس دعا کی برکت کا اثر وہ روز بروز بڑھتی ہوئی کمائی میں دیکھتا۔

سدرہ کے احساس دلانے پر وہ چونک گیا تھا۔ سدرہ نے پہلی بار میں ہی جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسے قطعی احساس نہ تھا کہ سدرہ بالکل مختلف ذہنیت اور سوچ کی لڑکی ہوگی۔ اس کی ماں بہنیں انتہائی لالچی اور کھانے پینے کی شوقین تھیں۔ انہیں حلال و حرام کی نہ کوئی تمیز تھی اور نہ ہی کوئی غرض...... ہر کھانے کی چیز حلال ہوتی ہے اس لیے وہ ہر چیز کو چٹ کرنا اپنا حق سمجھتیں...... کھانا کھا کر ان کے جسم انتہائی بھدے اور موٹے ہو گئے تھے مگر ان کو کوئی پرواہ نہ تھی۔ نہ ٹھنڈے گرم کی تمیز تھی جو ملتا بے تحاشہ کھایا جاتا...... اس سے بھی معدے گڑبڑ ہو جاتے تو کبھی بی پی ہائی ہو جاتا...... زاہدہ کے معدے میں ہر وقت جلن رہتی مگر وہ مرغن اور چٹ پٹے کھانوں سے باز نہ آتی۔ سدرہ ان کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتی مگر خاموش رہتی۔

سدرہ اپنے موقف پر چٹان کی طرح ڈٹی رہی تھی کہ وہ کاشف کی حرام کی کمائی سے ایک نوالہ بھی نہیں کھائے گی۔ اور کاشف کے لیے فرار کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ سدرہ کی باتوں میں وزن تھا...... کیونکہ وہ قرآن و حدیث کے پیمانے میں تول کر بیان کی گئی تھیں۔ اللہ اور اس کے نبیؐ کے احکامات کے سامنے اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا سوائے سدرہ کی بات ماننے کے...... اور اس کی بات ماننے ہی سب سے پہلا عتاب نوکری سے معطلی کی صورت میں اس پر نازل ہوا تھا...... وہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے ساتھ بھی ایسا ہوگا۔ وہ تھا تو لائن مین...... مگر اندر کھاتے افسر بھی وہی کرتے تھے جو وہ کہتا تھا۔ اس کی پلاننگ کو سراہتے تھے وہ دونمبر کاموں میں ماہر تھا۔ کس طرح...... اور کہاں سے...... زیادہ سے زیادہ پیسہ آ سکتا ہے اسے سب طریقے آتے تھے اور وہ اپنی پلاننگ میں کبھی ناکام نہ ہوا تھا۔ بڑے بڑے سرمایہ کاروں...... اور فیکٹریوں و کارخانوں کے مالکان سے کس کس طرح پیسہ بٹورا جا سکتا ہے۔ اسے سب خبر تھی...... ایسے شخص کا توبہ کر کے راستہ بدلنا جہاں خود اس کے لیے نقصان کا باعث تھا وہاں تمام اعلیٰ افسران کے لیے بھی بہت خطرے کا باعث تھا...... اگر وہ کسی کیس میں ملوث ہوتا تھا تو ان کا نام آنا بھی ضروری تھا۔ اس لیے اسے اسپیشل میٹنگ کر کے سمجھایا...... جب وہ نہ مانا تو اسے معطل کر دیا گیا...... وہ خاموشی سے ان کے آفس سے باہر نکل گیا۔

گھر کے مالی حالات دن بدن خراب ہو رہے تھے۔ وہ بہت سوچ سوچ کر ذکیہ آپا کی طرف گئی۔ وہ بے حد پریشان تھی۔ ذکیہ آپا اور مریم اسے بہت محبت سے ملیں۔ مریم فوراً اس کے لیے کھانا لے آئی۔

''سدرہ بیٹی...... آج کیسے آنا ہوا......؟ ذکیہ آپا نے محبت سے اسے پوچھا۔

''آپا جی...... میں بہت مشکل میں ہوں۔ اللہ نے مجھے بہت سخت آزمائش میں ڈال دیا ہے...... اور...... اس مشکل گھڑی میں مجھے آپ کے سوا کوئی اور نظر نہیں آیا...... جس کے پاس میں رہنمائی اور سکون کے لیے جا سکوں'' سدرہ نے آہ بھر کر کہا اور ذکیہ آپا کو ساری بات تفصیلاً بتا دی۔

''ماشاءاللہ...... تم نے بڑا اچھا فیصلہ کیا...... گو...... کہ یہ بہت مشکل فیصلہ ہے مگر اس میں اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ بہت سے

لوگ قرآن پڑھتے ہیں۔ احکامات کو سنتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے...... اور بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے دلوں کو پروردگار اپنی رحمت سے مخصوص کر دیتا ہے وہ صرف سچائی کو قبول کرتے ہیں اور سچائی کے لیے جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے...... انشاء اللہ یہ مشکل وقت بھی گزر جائے گا۔ بس تم ثابت قدم رہنا...... میں اور مریم تمہارے لیے کوشش کریں گے کہ کوئی ٹیوشن مل جائیں" ذکیہ آپا نے اسے محبت سے سمجھایا۔

اسی لمحے مریم کمرے میں چائے کی ٹرے لے کر داخل ہوئی۔

"سدرہ باجی...... کیا آپ کو ٹیوشن چاہئیں؟ مریم نے پوچھا

"ہاں......" سدرہ نے جواب دیا۔

"ایک منٹ ٹھہریے......" اور مریم نے کمرے سے باہر جا کر اپنے موبائل سے اپنی کسی دوست کا نمبر ملایا...... اور اس سے باتیں کرنے لگی۔

"سدرہ باجی آپ کا کام ہو گیا ہے...... آپ کے گھر کے پاس میری دوست کے بھائی اکیڈمی چلا رہے ہیں...... میں آپ کو ایڈریس لکھ دیتی ہوں۔ کل آپ وہاں چلی جائیں۔ انشاء اللہ آپ کو ضرور جاب مل جائے گی" مریم نے ایک کاغذ پر ایڈریس لکھ کر اسے پکڑایا۔

"بہت شکریہ...... آپ لوگوں نے ہمیشہ میری مدد کی ہے" سدرہ کی آنکھیں تشکر کے احساس سے نم ہونے لگیں۔

"ارے...... بچی...... ایسے نہیں کہتے...... میں نے تمہیں ہمیشہ مومنہ اور مریم جیسا سمجھا ہے۔ اس گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں...... جب چاہو آؤ......" ذکیہ آپا نے مسکرا کر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ رونے لگی۔

"آپا جی...... آج میں بہت پریشان تھی...... یہاں آ کر مجھے بہت حوصلہ ملا ہے" سدرہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہر پریشانی اور مصیبت اللہ کی طرف سے آتی ہے...... بس اللہ اسے سہنے کا حوصلہ و ہمت دے۔" ذکیہ آپا نے کہا۔

"اب میں چلتی ہوں...... کاشف پریشان ہو رہے ہوں گے" سدرہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم اپنی اماں سے ملنے نہیں جاؤ گی؟" ذکیہ آپا نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں" اس نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں......؟" ذکیہ آپا نے چونک کر پوچھا

"پچھلی بار اماں نے مجھے بے عزت کیا تھا اور کہا تھا کہ دوبارہ ان کے گھر نہ آؤں......" سدرہ نے شرمندگی سے بتایا

"ارے...... ماں باپ سے بھی کوئی ناراضگی ہوتی ہے...... مائیں تو دن میں کتنی بار بچوں کو ڈانٹتی ہیں...... کیا اس کا مطلب ہے کہ ان سے قطع تعلق کر لی جائے...... بیٹا...... یہی تو سچے رشتے ہوتے ہیں۔ ماں باپ اور اولاد کا...... تم ضرور ماں سے مل کر جانا...... اس نے پہلے ہی زندگی میں بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ تمہاری وجہ سے اور پریشان ہو گی...... اب تو تم خود ماں بننے والی ہو۔ ان جذبات اور احساسات کو سمجھو...... جو ماں اولاد کے لیے اپنے دل میں رکھتی ہے" ذکیہ آپا نے اسے محبت سے سمجھایا تو وہ ان کی باتیں سن کر خاموش ہو گئی۔

"ٹھیک ہے...... میں ان سے ملتی جاتی ہوں" سدرہ نے جواب دیا۔

"مجھے تم سے یہی توقع تھی...... اماں کو میرا سلام کہنا...... جاؤ...... فی امان اللہ" ذکیہ آپا نے اس کا سر منہ چوم کر اسے رخصت کیا۔

وہ گھر پہنچی تو شام ہو رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو کوئی دروازہ ہی نہیں کھول رہا تھا۔ وہ حیران ہو رہی تھی کہ ان کے گھر کا دروازہ بھی بند نہیں ہوتا تھا...... اور اب کوئی اسے کھول ہی نہیں رہا تھا۔

"کون...... کون ہے...... راشد گھر پر نہیں" منی نے بہت دیر سے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"منی...... میں ہوں...... دروازہ کھولو......" سدرہ نے کہا

"کہانا...... راشد گھر پر نہیں...... جاؤ یہاں سے" منی نے گھبرا کر جواب دیا۔

"منی...... میں سدرہ ہوں...... دروازہ کھولو...... تجھے کیا ہو گیا ہے......؟ سدرہ نے اونچی آواز میں کہا تو منی نے دروازے کی سوراخوں میں سے دیکھنے کی کوشش کی۔ باہر اندھیرا ہو رہا تھا اور اسے کچھ صاف دکھائی نہ دے رہا تھا۔

"منی...... دروازہ کھول...... میں سدرہ ہوں" سدرہ پھر غصے میں بولی تو منی نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا۔ سدرہ اندر داخل ہوئی اور حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ منی قدرے گھبرائی ہوئی تھی اور اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔

"ک...... کیا...... ہوا تجھے......؟ اور تو دروازہ کیوں نہیں کھول رہی تھی؟ سدرہ نے حیرت سے اسے اپنے ساتھ لگا کر پوچھا تو منی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیا ہوا...... کچھ بتاؤ تو سہی" سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

منی نے جلدی سے دروازے کو کنڈی لگائی اور اس کے ساتھ کمرے میں چلی گئی۔

"تو اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہے......؟ سدرہ نے حیرت سے پوچھا جواب میں منی سسکنے لگی۔

"کیا ڈر گئی تھی......؟ سدرہ نے اسے پیار سے پوچھا

"ہاں......" منی نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"کس سے......؟ سدرہ نے حیرت سے سوال کیا

"اپنے آپ سے...... مجھے ہر وقت اپنے آپ سے ڈر لگا رہتا ہے" منی نے جواب دیا۔

"کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو...... اور اماں کہاں ہے......؟" سدرہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا

"کوٹھی والوں کے گھر فوتگی ہو گئی ہے۔ ان کے بہت مہمان آئے ہیں...... اس لیے اماں چار پانچ دنوں سے دیر سے گھر آتی ہے" منی نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اور...... راشد...... کہاں ہے......؟ کیا کرتا ہے وہ......؟" سدرہ نے پوچھا

"آپا...... راشد شراب پیتا ہے" منی نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا

"کیا......کیا......؟ وہ راشد......شراب......؟" سدرہ نے ایک دم بدحواس ہو کر پوچھا جیسے اسے منی کی بات پر یقین نہ آ رہا ہو۔

"راشد......ہر روز شراب پی کر گھر آتا ہے......اور......پھر......اماں......کو......؟" منی سسکنے لگی۔

"اماں......کو......کیا......؟ بتا......وہ کیا کرتا ہے......؟" سدرہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"وہ......اماں کو مارتا ہے......" منی نے روتے ہوئے بتایا۔

"اماں......کو......؟ کیا راشد......اماں پر ہاتھ اٹھاتا ہے؟" سدرہ نے حیرت سے آنکھیں کھول کر پوچھا۔

"ہاں......" منی بلک بلک کر رونے لگی

"وہ اماں کو مارتا ہے۔ جس نے......؟ جو......اس کے لیے......؟" سدرہ آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل کر اور بڑی ہو گئیں تھیں۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے مسلسل منی کو گھور رہی تھی۔

"آپا......وہ ہر وقت آوارہ لڑکوں کے ساتھ پھرتا ہے......اماں اسے منع کرتی ہے تو وہ اماں کو مارتا ہے......" منی نے بتایا تو سدرہ جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اپنا جو غم لے کر آئی تھی وہ اسے بھول گئی تھی......اس کا کلیجہ پھٹنے کو تھا۔

"آپا......چپ کرو......ہم تو اب اس کے عادی ہو گئے ہیں......ہر بات ہمارے گھر میں یہی کچھ ہوتا ہے......محلے والے پہلے تو سمجھانے آتے تھے اب وہ بھی نہیں آتے......راشد ہر ایک سے لڑ پڑتا ہے......آپا......وہ مجھے اور اماں کو گالیاں بھی دیتا ہے......آپا تو اس کے گھر آنے سے پہلے یہاں سے چلی جا......" منی نے ڈرتے ڈرتے کہا تو سدرہ نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر رونے لگی۔

"آپا......حوصلہ کر......ٹھہر میں تیرے لیے پانی لاتی ہوں" منی باہر سے پانی کا گلاس لینے چلی گئی۔

کوئی دروازہ زور زور سے کھٹکھٹانے لگا......منی بدحواس ہو کر گلاس کچن میں چھوڑ کر سدرہ کے پاس کمرے میں آ گئی

"آپا......وہ......پھر آیا ہو گا......؟" منی نے گھبرا کر کہا۔

"کون......راشد......؟" سدرہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں......وہ......میں باہر نہیں جاؤں گی......آپا مجھے کہیں چھپا دو" منی نے گھبرا کر کہا۔

"ٹھہرو......میں دیکھتی ہوں......" سدرہ نے باہر جاتے ہوئے کہا۔

"آپا......دروازہ مت کھولنا......" منی زیر لب بڑبڑائی۔

"کون ہے......؟" سدرہ نے بلند آواز میں پوچھا۔

"دروازہ کھول......" رشیدہ نے باہر سے آواز لگائی تو سدرہ نے دروازہ کھولا۔ رشیدہ اس کے سامنے کھڑی تھی بہت کمزور......بوڑھی......اداس آنکھیں......اترا ہوا جھریوں زدہ چہرہ......گندے کپڑے......اسے ماں کو دیکھ کر رونا آ گیا۔

"سلام اماں......" سدرہ ماں کے گلے لگ کر بولی۔

"تو کب آئی......؟" رشیدہ نے اس کے سر پہ بے دلی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا

"تھوڑی دیر ہوئی ہے......" سدرہ نے جواب دیا۔

"منی کہاں ہے......" رشیدہ نے پوچھا۔

"اندر ہے......" سدرہ نے جواب دیا۔

"منی......ارے......منی......باہر آ......" رشیدہ نے آواز لگائی۔ منی جلدی سے کمرے سے باہر آ گئی۔

"یہ پکڑ......اس میں دیگ کے چاول ہیں۔ آج مرغ پلاؤ بنا تھا۔ تمہارے اور راشد کے لیے لائی ہوں......یہ تو کھائے گی نہیں......"

اماں نے سدرہ کی طرف دیکھ کر قدرے طنزیہ لہجے میں کہا تو سدرہ نے خاموشی سے نظریں ہٹائیں۔

"سن......مرغ کی دو چار بوٹیاں راشد کے لیے رکھ دینا۔ باقی تم کھالو......میں کھا آئی ہوں" رشیدہ نے کہا تو سدرہ حیرت سے ماں کی طرف دیکھنے لگی جو اب بھی راشد سے پہلے جتنی محبت کرتی تھی......جس کی محبت میں ذرا بھر کمی نہ آئی تھی۔ کیا ماں کی محبت ایسی ہی شدید اور اتنی ہی بے لوث ہوتی ہے جس کے راستے میں کوئی منفی جذبہ حائل نہیں ہوتا......دنیا کی کوئی شے اور کوئی بھی بڑی سے بڑی بات ماں کو اپنی اولاد سے محبت کرنے سے نہیں روک سکتی" سدرہ حیرت سے ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

"اماں......تو راشد کو بوٹیاں کھلا......تاکہ وہ مجھے اور مارے" منی منہ بنا کر بولی۔

"بکواس نہ کر......وہ بچہ ہے......نا سمجھ ہے......پاگل پنے میں مجھے ماں نہیں سمجھتا......تو کیا میں بھی اسے بیٹا نہ سمجھوں......ٹھیک ہو جائے گا......بے وقوف ہے" رشیدہ کے لہجے میں پھر پہلے جیسی محبت اور اس کی چھاپ محسوس ہونے لگی۔ سدرہ حیرت سے ماں کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

"اماں......تیرا بڑا حوصلہ ہے......تو کیسی ماں ہے......؟ میں تجھے نہیں سمجھ سکی" سدرہ نے آہ بھر کر سوچا۔

سدرہ کا موبائل بجنے لگا......اس نے موبائل دیکھا۔ کاشف کا نمبر تھا۔

"کاشف......میں اماں کی طرف ہوں......بس آپ ادھر ہی آ جائیے" سدرہ نے موبائل بند کر کے منی اور ماں کی طرف دیکھا۔

"کاشف آ رہے ہیں......اب میں چلتی ہوں......" سدرہ نے کہا تو اماں نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ جیسے نہ اس کے آنے سے اور نہ ہی جانے سے اسے کوئی فرق پڑتا تھا۔ اماں چارپائی پر لیٹ گئی۔ سدرہ نے کمرے میں جا کر چادر اوڑھی اور دکھی نگاہوں سے منی کی طرف دیکھا اور اسے پیار کیا

"اپنا خیال رکھنا......اور سن گھر سے باہر جاتے ہوئے چادر اچھی طرح اوڑھ کر جایا کرو......اب تم بچی نہیں......" سدرہ نے اس کے گلے میں جھولتے ہوئے چھوٹے سے دوپٹے کو دیکھ کر کہا تو منی نے سر جھکا دیا۔

"اگر کوئی مسئلہ ہو تو ذکیہ آپا کے ہاں چلی جایا کرو......میں اماں سے زیادہ آپا پر اعتبار کرتی ہوں......وہ بہت اچھی ہیں" سدرہ نے اسے سمجھایا۔

باہر کاشف کی موٹر سائیکل کا ہارن سنائی دیا اور وہ گھر سے باہر چلی گئی۔ اماں آنکھیں بند کیے لیٹی رہی......سدرہ کا دل کرچی کرچی ہو رہا

تھا۔ وہ اپنا غم ہلکا کرنے آئی تھی دکھوں کا بوجھ سینے میں چھپائے جارہی تھی۔

"پھوپھو ٹھیک ہے نا......" کاشف نے بائیک چلاتے ہوئے پوچھا

"ہاں......"

"اور...... راشد آج کل کیا کر رہا ہے؟" کاشف نے پھر پوچھا۔

"کچھ نہیں......" اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"سدرہ...... راشد کی یاری دوستی اچھے لڑکوں کے ساتھ نہیں اس کو سمجھانا تھا" کاشف نے پھر کہا۔

مگر سدرہ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش بیٹھی رہی۔ کاشف بھی خاموش ہو گیا۔

سدرہ گھر پہنچی تو زاہدہ غصے میں بھری بیٹھی تھی...... اس نے شام سے کچھ نہیں کھایا تھا اور بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو رہی تھی۔

سدرہ نے جوتا اتارا اور جلدی سے ہاتھ دھو کر روٹی بنانے چلی گئی۔

صبح وہ آدھا کلو چکن کا سالن بنا کر گئی تھی اور مطمئن تھی کہ شام کو آ کر روٹیاں بنالے گی۔ اس نے ہنڈیا کھول کر دیکھی تو سارا سالن غائب تھا۔

وہ خالی پڑی تھی...... وہ حیرانگی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ کبھی فریج کھول کر دیکھتی کبھی مائیکرو ویو......

"وہ...... ہنڈیا میں سالن رکھا تھا......" اس نے ڈرتے ڈرتے زاہدہ سے پوچھا۔

"دیگ پکا کر گئی تھی...... جو ختم نہیں ہونا تھا...... مجھے بھوک لگی تو کھالیا......" زاہدہ نے منہ بنا کر کہا۔

سدرہ پریشان ہو گئی اور کاشف کی طرف دیکھنے لگی۔

"فریج میں کل کا کوئی سالن ہوگا...... وہی گرم کر کے لے آؤ" کاشف نے کہا۔

"واہ...... بیٹا...... اچھی کہی...... کوا چلا ہنس کی چال...... اپنی چال بھی بھول گیا...... وہ تو بچا کھچا کھانے والی تھی...... تو بھی اس کے ساتھ مل کر ویسی ہی بولی بولنے لگا ہے...... تجھ میں بھی ویسی ہی عادتیں آ رہی ہیں...... میں تو ہرگز نہ کھاؤں گی...... چاہے بھوک سے مر جاؤں" زاہدہ غصے سے چلاتے ہوئے بولی۔ سدرہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں اور اس نے کاشف کی طرف بے بسی سے دیکھا۔

"امی...... انسان کو کھانے پینے کے علاوہ بھی سوچنا چاہیے" کاشف خفگی سے بولا۔

"لو...... اب تم میرے کھانے پینے کو بھی نظر لگانے لگے۔ اس سے پہلے تو تم ایسی باتیں نہیں کرتے تھے...... اس لڑکی نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ بھوکے گھر سے لڑکی بیاہ لاؤ...... تو اس کی نظریں ہی نہیں بھرتیں...... کتنا تجھے سمجھایا تھا...... اچھے خاصے کھاتے پیتے گھروں کے رشتے موجود تھے مگر تجھے تو اسی کا خبط تھا...... لے اب بھگت...... گھر بھر میں کیسی نحوست پھیلائی ہے۔ اس نے...... کہ...... ہم تو کھانے پینے سے بھی رہ گئے" زاہدہ نے خوب کوسنے دیتے ہوئے کہا

"امی...... اب بس بھی کرو...... سدرہ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ اب مجھے اتنا ہی کرنا ہے۔ جتنا میری جیب میں ہوگا...... پتا نہیں اب تنخواہ کی

ملتی ہے یا نہیں" کاشف نے مایوسی سے کہا۔

"کیا مطلب......؟ کیا ہوا تیری نوکری کو......؟" زاہدہ نے چونک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں......" وہ غصے میں کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا۔

"تو بتا سدرہ......کیا ہوا اس کی نوکری کو......؟" زاہدہ نے سدرہ سے بارعب انداز میں پوچھا۔

"معلوم نہیں......" وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"تجھے سب معلوم ہے......بڑی گھنی ہے تو......بتا......ورنہ......" اور اگلے ہی لمحے زاہدہ نے تڑاخ سے تھپڑ سدرہ کے چہرے پر مارا۔ سدرہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ تیورا کر پاس پڑی کرسی پر گر گئی۔

"بول......کیا ہوا......اس کی نوکری کو......؟" زاہدہ نے پھر ہاتھ اٹھایا۔

"وہ......suspend ہو گئے ہیں" سدرہ بمشکل بولی۔

"ہائے......میں......مر جاؤں" زاہدہ نے اپنے سینے پر ہاتھ مارنے شروع کر دیے

"ارے......کلموہی جب سے تو آئی ہے......میرا گھر برباد ہو رہا ہے۔ ارے......تو کیسی سبز قدم ہے جو میرے گھر میں نحوست ڈال رہی ہے۔ کمبخت......کب جان چھوڑے گی" زاہدہ اسے غصے سے گالیاں دینے لگی اور وہ روتی ہوئی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"کیا ہوا......؟ کیا امی نے کچھ کہا ہے......؟" کاشف نے پریشانی سے پوچھا۔

"نہیں......" اور سدرہ منہ پھیر کر بیڈ پر لیٹ گئی۔

"سدرہ......بتاؤ......کیا بات ہوئی ہے......؟" کاشف نے اس کے اوپر جھکتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں......اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کاشف نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگایا اور اسے تسلیاں دینے لگا۔

"میری ہمت بندھاتے بندھاتے......خود ہمت ہارنے لگی ہو......" کاشف نے محبت سے اس کے سر کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"میں نے ہمت نہیں ہاری......مگر......؟" وہ پھر سسکنے لگی

"پھر کیوں رو رہی ہو......؟

"یہ امید نہیں تھی......کہ زندگی میں مجھے اتنا کچھ تلخ دیکھنے کے لیے ملے گا......کاشف......نہ ماں کے گھر سکون ملا......اور نہ ہی یہاں......کیا میں اتنی بری ہوں کہ مجھے یہ سب کچھ سہنا پڑ رہا ہے" سدرہ نے سسکتے ہوئے کہا۔

"کس نے کہا......کہ......تم بری ہو......تم بہت اچھی ہو......بہت نیک انسان ہو......تم جیسی عورتیں بہت کم ہیں......اور جانتی ہو......جن عورتوں کے شوہر دل سے ان کی عزت اور تعریف کرتے ہیں......وہ عورتیں جنتی ہوتی ہیں" کاشف نے مسکرا کر کہا تو وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرانے لگی۔"

"وہ...... جو...... بیویوں کی ان کے سامنے تعریفیں کرتے ہیں؟ سدرہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں...... جو ان کی غیر موجودگی میں ان کی تعریفیں کرتے ہیں...... جیسا کہ میں" کاشف نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرادی۔ اور پرسکون ہو کر لیٹ گئی۔

☆

دادو اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔ مومنہ اور مریم لاؤنج میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ جب اسد بلیک کلر کے تھری پیس سوٹ میں ملبوس سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آیا۔ وہ بہت گریس فل اور پرکشش لگ رہا تھا۔ اس نے مریم اور مومنہ کی جانب دیکھا

"السلام علیکم اسد بھائی...... "مریم نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا اور اپنے سر پر اوڑھے دوپٹے کو درست کیا۔

"وعلیکم السلام...... آپ کب آئیں؟ اسد نے مسکرا کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے ایک گھنٹہ ہو چکا ہے...... "مریم نے جواب دیا۔

"آپ بیٹھیں...... باتیں کریں...... مجھے ایک میٹنگ میں جانا ہے...... ورنہ میں رک جاتا" اسد نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے...... نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں...... آپ جائیے "مریم نے کہا

"آپ شام تک ادھر ہی رک جانا...... ڈنر باہر کریں گے" اسد نے مسکرا کر مومنہ اور مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں اسد بھائی...... امی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں...... میں تو آپی کی خیریت پوچھنے آئی ہوں...... امی ان کے بارے میں بہت فکر مند رہتی ہیں۔ اس لیے مجھے بھیجا ہے" مریم نے جلدی جلدی کہا۔

"امی کو میرا اسلام کہنا...... اب میں چلتا ہوں...... خدا حافظ" اسد کہہ کر باہر نکل گیا اور مریم اسے جاتے ہوئے دیکھ کر قدرے مرعوب انداز میں بولی۔

"آپی...... آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کو اسد بھائی جیسا شوہر ملا۔ ہینڈسم، سمارٹ...... ویل آف...... ویل گرومڈ...... ساری خوبیاں تو ہیں ان میں" مریم رشک کرتے ہوئے بولی۔

"مریم...... ضروری نہیں کہ جو چیز دیکھنے میں اچھی لگے...... وہ واقعی ہی اچھی ہو...... "مومنہ نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

"چلیں...... کوئی بات نہیں وہ چیز زیادہ نہیں...... کچھ نہ کچھ تو اچھی ہو گی نا" مریم نے اپنی ہی لے میں جواب دیا تو مومنہ خاموش ہو گئی۔

شاہ چائے لوازمات کے ساتھ ٹرالی میں سجائے ان کے پاس لے آئی۔ شاہ نے سبز اور سرخ بڑے بڑے پھولوں والا سوٹ پہن رکھا تھا۔ انتہائی ٹائٹ قمیض کے ساتھ چھوٹا سا چھوٹا سا دوپٹہ، ناک میں موتیوں کی تار...... کاجل سے بھری آنکھیں اور گہرے خمدار ابرو...... چھن چھن کرتی چوڑیاں...... انگوٹھیاں کانٹے...... وہ تو سجی سجائی ایکٹرس لگ رہی تھی۔

"آپی...... یہ کون ہے؟ مریم نے شاہ کی طرف بغور دیکھ کر سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"میری ملازمہ ہے.....ثروت بوا کی بیٹی" مومنہ نے جواب دیا۔

"آپی..... یہ ملازمہ کہاں سے لگتی ہے۔اس کا تو فیشن ہی بہت عجیب ہے..... یوں..... جیسے کسی پنجابی فلم کی ہیروئن ہو" مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابھی بچی ہے.....سولہ سترہ سال کی ہے.....اتنی سمجھدار نہیں.....تم سناؤ۔امی کی طبیعت کیسی ہے.....؟ مومنہ نے پوچھا۔

"انہیں تو بس آپ کی فکر رہتی ہے۔آپی.....انہوں نے بے بی کے لیے اتنے زیادہ کپڑے بھی سی لیے ہیں.....چھوٹے چھوٹے سویٹرز، ٹوپیاں اور بیڈ سیٹ بھی بنائے ہیں" مریم نے خوش ہو کر بتایا۔

"امی کو کہنا تھا.....کیوں یہ سب کر رہی ہیں.....ایک روز میں شاپنگ ہو جائے گی.....ویسے اسد بھی بہت ایکسائٹڈ ہیں.....ہر روز مجھے شاپنگ کے لیے کہتے ہیں.....مگر میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی" مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں.....؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"اسد یوں شاپنگ کراتے ہیں۔جیسے کوئی کنٹینر بھر رہے ہو۔بے تحاشا چیزیں خریدتے جاتے ہیں.....وہ بھی.....جن کی ضرورت نہیں ہوتی.....شاپنگ میں بہت پیسا اڑاتے ہیں.....میں دادو کے ساتھ جاؤں گی" مومنہ نے اپنی ہی لے میں کہا تو مریم حسرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپی.....آپ واقعی بہت خوش نصیب ہیں.....اسد بھائی جیسا اچھا انسان دنیا میں کوئی اور ہو.....ہی.....نہیں سکتا وہ آپ سے واقعی بہت محبت کرتے ہیں" مریم نے کہا اور چائے پینے لگی۔

"ہاں.....یہ تو ہے.....اس میں شک نہیں" مومنہ نے چائے پیتے ہوئے جواب دیا۔

"امیر بندہ ہو.....اور.....وہ بھی کھلے دل کا.....تو مزا ہی آجاتا ہے.....امیر مگر کنجوس لوگ تو مجھے زہر لگتے ہیں....." مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا.....اللہ کرے تمہیں بھی کوئی رچ جنٹس (امیر ترین) ملے" مومنہ نے شرارتی لہجے میں مسکرا کر کہا۔

"ہاں.....اسد بھائی جیسا" اس نے خوش ہو کر پرامید لہجے میں کہا مومنہ اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی۔

"تم چائے پیو.....یہ کیک بھی لو" مومنہ نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"آپی.....امی آج کل میرے لیے زور شور سے رشتہ تلاش کر رہی ہیں.....کل بھی صفیہ خالہ کو بلایا تھا اور وہ دو تین رشتے بتا رہی تھی.....مگر سب معمولی تنخواہ دار.....آپ امی کو سمجھا دیجئے.....میں نے اسد بھائی جیسے کسی امیر بندے سے شادی کرنی ہے.....امی کے گھر تنگدستی دیکھی ہے شوہر کے گھر تو کوئی خوشحالی دیکھوں.....ہر وقت پیسے گن گن کر خرچ کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا.....پرس میں اتنے نوٹ ہونے چاہئیں کہ گننے کی ضرورت ہی نہ پڑے" مریم نے مسکرا کر کہا۔

"مریم...... یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو...... پہلے تو تمہاری ایسی سوچ نہیں تھی......" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آپی...... پہلے ایسا کوئی ایکسپوژر بھی تو نہیں ہوا تھا...... آپ کی اتنے امیر گھر میں شادی ہوئی ہے...... وارے نیارے ہو گئے ہیں...... محلے والے کتنے مرعوب ہو گئے ہیں۔ ہر طرف آپ کی باتیں ہوتی ہیں...... ظاہر ہے دولت میں اتنی کشش ہوتی ہے لوگ خود بخود کھنچے چلے آتے ہیں" مریم نے جلدی جلدی کہا تو مومنہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگیں۔

"مریم...... تم کیا پانا چاہتی ہو......؟ دولت یا اچھا انسان؟" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آپی دولت کسے بری لگتی ہے...... اور ہم نے دولت کی کمی کی وجہ سے ہی کتنی محرومیاں اور پریشانیاں دیکھی ہیں...... میں امیر اور اچھا انسان دونوں چاہتی ہوں" مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خدا کرے...... تمہیں ویسا ہی ملے...... جیسا تم چاہتی ہو" مومنہ نے دعائیہ انداز میں کہا۔

"چھوٹی بیگم...... کھانے میں آپ کیا لیں گی......؟ اماں پوچھ رہی ہے؟" شازی نے چائے کی ٹرالی میں برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔

"خیرن بوا کہاں ہیں؟" مومنہ نے پوچھا

"بڑی بیگم صاحبہ کے پاس" شازی نے جواب دیا۔

"ثروت بوا کو بولو...... قورمہ، پلاؤ اور سویٹ ڈش بنا لیں...... اور سنو...... اور وہ کے لیے بھی کچھ بنا لیں" مومنہ نے کہا تو شازی ٹرالی لے کر اندر چلی گئی۔

"امی...... کو...... تمہارے رشتے کی کیا جلدی پڑی ہے۔ پہلے تم ایم ایس سی تو مکمل کر لو" مومنہ نے قدرے جھنجلا کر پوچھا۔

"آپی...... امی کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی ہے...... بی پی ہر وقت ہائی رہتا ہے...... شاید اس لیے وہ میری شادی جلدی کرنا چاہتی ہیں...... میں تو خود چاہتی ہوں کہ پہلے تعلیم مکمل ہو جائے...... مگر...... امی...... سمجھتی ہی نہیں" مریم نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"تم فکر نہ کرو...... میں کچھ روز تک گھر آؤں گی اور امی سے بات کروں گی" مومنہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

دوپہر کا کھانا کھا کر مریم کو ڈرائیور گھر ڈراپ کرنے چلا گیا اور مومنہ اپنے بیڈ روم میں آ گئی...... بیڈ پر لیٹتے ہی وہ سو گئی۔

☆

اسد اپنے آفس میں بہت بزی رہنے لگا تھا۔ اسے ناروے کی ایک کنسائنمنٹ کے سلسلے میں رات گئے تک آفس میں بیٹھنا پڑتا تھا۔ مل میں اسپیشل قسم کا سوتی کپڑا تیار ہو رہا تھا۔ جس کی تیاری کے لیے وہاں سے ماہرین کی ایک ٹیم آئی تھی اور ان کی زیر نگرانی سارا پروجیکٹ مکمل ہو رہا تھا۔ دو ٹیکسٹائل انجینئرز اور ایک ٹیکسٹائل ڈیزائنر پر مشتمل ٹیم ہر اسٹیپ پر کپڑے کی کوالٹی کو چیک کرتی تھی۔ آفس سے ملحقہ ڈائننگ روم میں سب اسد کے ساتھ مل کر لنچ اور ڈنر کرتے...... اور ہر کھانے کیساتھ وہ وائٹ وائن اور وہسکی پیتے۔ اسد بھی ان دنوں بہت زیادہ پینے لگا تھا۔ کام کے دوران پیتے ہوئے وہ اپنے آپ کو بہت ایکٹو اور فریش محسوس کرتا۔ سب لوگوں نے مل کر ایک ماہ کے اندر پروجیکٹ مکمل کرنا تھا۔ اس لیے دن رات وہ کام میں بزی تھے اور اسد ان کے کام کرنے کی رفتار اور ہمت دیکھ کر دل ہی دل میں ان کا معترف ہوتا جاتا۔ ڈیوڈ...... میک...... اور ہیری کا تعلق آئرلینڈ سے

تھا...... اور تینوں اپنے اپنے شعبوں میں انتہائی مہارت رکھتے تھے۔ اسد خود بھی ان سے بہت کچھ سیکھ رہا تھا۔

اسد کو اس بزنس ڈیل سے کروڑوں کا فائدہ ہوا تھا...... ٹیم واپس جا رہی تھی...... مگر وہ لوگ جانے سے پہلے اس کی فیملی سے ملنا چاہ رہے تھے۔ خصوصی طور پر جیزی مومنہ سے ملنے کے لیے بہت ایکسائٹڈ ہو رہی تھی۔ جیزی 27 سالہ، ینگ سمارٹ کیوٹ سی لڑکی تھی اور ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں کمال مہارت رکھتی تھی۔ اسد نے مومنہ سے ان کے گھر آنے کے بارے میں پوچھا تو مومنہ خفا ہو گئی۔

''آپ بزنس کو آفس تک ہی رکھیے...... گھر میں کسی کو بلانے کی کیا ضرورت ہے؟'' مومنہ نے منہ بنا کر کہا۔

''مومنہ...... وہ سب میرے بہت اچھے دوست ہیں اور جیزی از ویری نائس...... آپ اس سے مل کر خوش ہوں گی......'' اسد نے کہا۔

''اسد...... پلیز...... آپ کو معلوم بھی ہے کہ میں پردہ کرتی ہوں اور غیر مردوں کے سامنے نہیں جاتی...... پھر بھی آپ مجھے ایسا کرنے کو کہہ رہے ہیں'' مومنہ نے حیرت سے پوچھا

''کم آن مومنہ...... ڈونٹ بی سو ریجڈ (اتنی تنگ نظر نہ ہو) آپ کے پردہ کرنے یا نہ کرنے سے ان کی morality پر کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اپنے ذہن اور سوچ کو وسیع کریں...... انسانوں سے انسان بن کر ملیں۔ اپنے آپ کو موسٹ Goddess مت بنائیں یہ زندگی ہے اور زندگی کو اتنا ریجڈ بن کر نہیں گزارا جا سکتا'' اسد بھی خفگی سے بولا۔

مومنہ اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی اور کچھ سوچنے لگی۔

''آپ کیا چاہتے ہیں......؟'' مومنہ نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

''آپ ان لوگوں سے مل لیں...... یہ میری عزت کا معاملہ ہے اب میں ان کو یہ کہہ کر کیسے روک سکتا ہوں کہ میری بیوی پردہ کرتی ہے اور وہ ان کے سامنے نہیں آ سکتی...... یہ کتنا Ridiculous (مضحکہ خیز) لگے گا'' اسد نے اپنے لہجے کو نرم کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے...... میں سلام کے لیے ڈرائنگ روم سے باہر آ جاؤں گی جیزی باہر میرے پاس آ کر بیٹھ سکتی ہے'' مومنہ نے کہا۔

''او کے...... او کے......'' اسد نے مسکرا کر کہا۔

''وہ لوگ کب آئیں گے؟'' مومنہ نے پوچھا۔

''ایک دو روز میں...... پلیز اسپیشل قسم کی ڈشز کھانے میں بنوانا'' اسد نے کہا تو مومنہ خاموش ہو گئی۔

جب سے دادو کے ہارٹ کو پرابلم ہوئی تھی۔ وہ زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی گزارتی تھیں۔ خیرن بوا ہر وقت ان کے ساتھ ساتھ رہتیں۔ مومنہ خود ان کی میڈیسنز اور خوراک کا خیال رکھتی۔ انہیں صبح و شام واک کرواتی۔ اسد ان کو ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے لے کر جاتا لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ اپنا وقت بہت بے دلی اور مایوسی سے گزار رہی تھیں۔ ان جیسی باہمت، شان و شوکت والی خاتون سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی تھی مگر نجانے کیوں وہ کسی بے سکونی کا شکار تھیں۔ مومنہ جب بھی پوچھتی تو وہ جواب میں خاموش رہ جاتیں کبھی کبھی مومنہ کو شک ہونے لگتا جیسے دادو کو اسد کے بارے میں کچھ معلوم ہو گیا ہو مگر وہ ظاہر نہ کر رہی ہوں...... وہ اپنے آپ سے الجھی رہتیں...... ان کی آنکھوں میں اداسی اور نمی

سے مومنہ اکثر پریشان ہو جاتی۔

مومنہ صبح سے تیاریوں میں مصروف تھی اور انتہائی پر تکلف ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مومنہ نے شاہ کے ساتھ مل کر ہر چیز بہت اہتمام و قرینے سے سجائی تھی۔ ڈرائنگ روم سے ملحقہ ڈائننگ روم میں خوبصورت اور نفیس کراکری و کٹلری ارینج کی گئی تھی۔ مہمان ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ ڈیوڈ اور میک درمیانی عمروں کے دراز قد خوبصورت آدمی تھے۔ دونوں نے شلوار قمیض پہن رکھی تھیں جو اسد نے خصوصی طور پر انہیں گفٹ کیں تھیں۔ اور وہ انھیں انتہائی عجیب لگ رہی تھیں مگر وہ انھیں پہن کر بہت خوش لگ رہے تھے۔ ہیزی نے بھی شلوار قمیض کے ساتھ بڑا سا دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا تھا جو بار بار گرتا ہوا اس کے پاؤں میں آ جاتا اور وہ اچانک خیال آنے پر اسے اٹھا کر جلدی سے گلے میں ڈال لیتی۔

دادو بہت دنوں بعد اہتمام سے تیار ہوئی تھیں۔ سلک کی ہلکے سبز رنگ کی ساڑھی کے ساتھ پرل کی جیولری پہنے وہ پہلے کی طرح ہی گریس فل لگ رہی تھیں۔ اسد نے مہمان سے ان کا تعارف کرایا۔

دادو نے محبت سے سب کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے پاس کچھ دیر کے لیے بیٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد مومنہ آ گئی۔ اس نے سر سے لے کر پاؤں تک چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس کا چہرہ بمشکل نظر آ رہا تھا۔

"مائی وائف...... مومنہ اسد" اس نے دروازے میں سے داخل ہوتی ہوئی مومنہ کو دیکھ کر کہا۔ تینوں اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور مودبانہ انداز میں سر ہلایا...... مومنہ نے بھی ہیلو ہائے کی اور تھوڑی دیر بیٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ ڈنر تیار تھا۔ اسد، ڈیوڈ، میک اور ہیزی مل کر ڈنر کرتے رہے۔ اسد نے ان کے لیے اسپیشل ڈرنک منگوائی تھی اور سب لوگ کھانے کے ساتھ خوب انجوائے کر رہے تھے۔ اس دوران کوئی بھی ڈائننگ روم میں نہ آیا۔

تھوڑی تھوڑی وائن گلاسز میں تھی...... جنہیں دیکھ کر خیرن بوا اور ثروت بری طرح چونکی تھیں...... خیرن بوا تو بار بار گلاسوں کو گھور رہی تھی۔"

"بوا...... مجھے پہلے بھی ایک دو بار شک پڑا تھا...... کہ اسد میاں......؟" ثروت برتن سمیٹتے ہوئے رک کر خیرن بوا کی طرف دیکھنے لگی۔

"نہیں نہیں...... تمہیں وہم ہوا ہوگا...... اسد میاں ایسے نہیں ہو سکتے...... اس خاندان کی پشتوں میں سے کسی نے اس حرام شے کو ہاتھ نہیں لگایا...... اسد میاں...... کیسے......؟ نہیں نہیں میرا دل نہیں مانتا...... اری آج کل ویسے بھی تو نت نئے جوس آ گئے ہیں...... یہ میرا اور تمہارا وہم ہے...... ان گلاسوں کو اچھی طرح دھو ڈالو...... اور...... سنو...... اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا...... خاندان کی عزت کا معاملہ ہے...... ہمارے زمانے میں ایسے لوگوں کے سائے سے بھی دور بھاگا جاتا تھا...... خدا کی پناہ...... اللہ معاف کرے...... ہمارے بزرگ کہا کرتے تھے۔

کہ شراب پینے والا کالا منہ ہو کر اللہ سے ملے گا۔ اس کی زبان سینے میں ہوگی اور اس سے پیپ اور خون بہتا ہوگا"

اللہ...... توبہ استغفار...... اللہ معاف کرے" بوا نے سرگوشی کرتے ہوئے ثروت کو بتایا اور اپنے کانوں کو ہاتھ لگانے لگی۔

"بوا...... میں نے تو سوچ لیا ہے کہ اپنی شاہ کو اب یہاں نہ آنے دوں گی...... ارے شرابیوں کا کیا پتا ہوتا ہے...... کیا سے کیا کر جائیں...... شہ بابا...... نہ...... ہم غریبوں کے پاس تو عزت ہی سب کچھ ہوتی ہے اور اگر اس کو بھی خطرہ ہو...... تو...... نہ...... بوا...... نہ" ثروت انتہائی خوفزدہ ہو کر بولی۔

"اری بے وقوف مت بن...... برسوں سے اس خاندان کا نمک کھایا ہے۔ ان کی غلامی کی ہے۔ ہم ان کے حکم کو نہ مانیں یہ کبھی ہو نہیں

سکتا..... بڑی بیگم صاحب پوچھیں گی..... تو کیا کہوں گی کہ شاہ کو کیوں نہیں لا رہی..... ثروت..... عقل کے ناخن لو' خیرن بوا نے قدرے خفگی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

"بوا..... جو مرضی کہہ لو..... اب میں اپنی شاہ کو یہاں نہیں آنے دوں گی" ثروت نے قطعیت سے کہا تو خیرن بوا خاموش ہوگئی۔

"میرا دل تو نہیں چاہ رہا کہ ان گلاسوں کو دھونے کو..... ثروت بڑبڑاتے ہوئے بولی تو خیرن بوا خاموشی سے کچن سے باہر نکل گئی۔

"اسد اپنے کمرے میں آیا تو مومنہ نے اس کی طرف دیکھ کر گہری آہ بھری۔

"تھینک یو..... مومی..... میرے فرینڈز آپ کی بہت تعریفیں کر رہے تھے....." اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مومنہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"ڈو یو نو وہ کیا کہہ رہی تھی؟ اسد نے مسکرا کر کہا۔

مومنہ نے خاموش مگر استفہامیہ نگاہوں سے اسد کی جانب دیکھا

"آئی ایم لکی ٹو ہیو سچ اے کیوٹ وائف (میں خوش قسمت ہوں جسے اتنی پیاری بیوی ملی) اسد نے مدہوش نظروں سے مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مومنہ خاموشی سے اس کے پاس سے اٹھ گئی۔ اسد نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"کیا آپ کو مہمانوں کا آنا اچھا نہیں لگا؟ اسد نے اس کے نازک ہاتھ کو اپنے چہرے کے گرد پھیرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو اچھی طرح معلوم ہے..... مجھے کیا اچھا نہیں لگا" مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

"کم آن..... مومی..... لیو دس ٹاپک..... پلیز..... اس کو ایشو مت بناؤ..... ایک ڈرنک کی خاطر میرے اور اپنے موڈ خراب مت کرو..... آج خود پی کر دیکھو..... دیکھو..... اور بتاؤ اس میں کیا برائی ہے.....؟ اسد مدہوشی میں اٹھا اور میز کی بوتل نکال کر اس کا پیگ بنا کر مومنہ کی طرف بڑھایا۔ مومنہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسد کی جانب دیکھتی رہی۔

"یہ..... یہ..... پی کر دیکھو..... پھر بتاؤ" اسد نے گلاس اس کی جانب بڑھایا۔ مومنہ غصے سے کانپنے لگی اور گلاس پکڑ کر زور سے واش روم کی طرف پھینکا۔

"آج..... یہ نوبت بھی آگئی ہے..... اسد..... یہ برائی ہے اس میں کہ آپ کے اندر سے اچھائی برائی کا احساس ہی ختم ہو گیا ہے..... آج آپ اپنے ہاتھوں سے اپنی بیوی کو شراب پینے پر مجبور کر رہے ہیں..... کل کو کیا ہوگا؟ مومنہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آئی..... آئی..... ایم سوری..... میرا یہ مطلب نہیں تھا..... میں تو صرف taste کرانا چاہ رہا تھا۔" اسد بدحواس ہو کر بولا۔

"اگر آپ اپنی حواس میں ہوتے تو ایسا کبھی نہ کہتے....." مومنہ روتے ہوئے بولی۔

"اس میں برائی کیا ہے.....؟ کیا برائی ہے.....؟ بھلا کیا برائی ہوسکتی ہے؟ اسد خود ہی بڑبڑانے لگا اور اپنے آپ سے سوال کر کے الجھنے لگا۔

مومنہ نے بے بسی سے اسد کی جانب دیکھا۔اس لمحے وہ کوئی احمق، دیوانہ اور پاگل لگ رہا تھا جو اپنے آپ سے ہی بولتا چلا جاتا ہے اور جسے کسی کی خبر نہیں ہوتی......

مومنہ اس کی طرف دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اسد جیسا ویل گرومڈ، ڈیسنٹ انسان اس لمحے کس قدر بے وقوف اور احمق لگ رہا تھا اور اسے کسی بھی قسم کا کوئی شعور نہ تھا۔مومنہ کا دل پھٹنے لگا تھا۔وہ اٹھ کر واش روم میں چلی گئی اور گلاس کی کرچیاں اٹھا کر ڈسٹ بن میں ڈالنے لگی۔کئی کرچیاں اس کے ہاتھ میں چبھ گئیں اور اس کے ہاتھوں سے خون رسنے لگا۔مگر جو خون اس کے دل سے رس رہا تھا اس کی چبھن اور تکلیف کہیں زیادہ تھی جو وہ اپنے ہاتھوں میں محسوس کر رہی تھی۔وہ واش روم سے باہر نکلی تو اسد صوفے پر ہی سو رہا تھا۔وہ مسلسل اس کے چہرے کی جانب دیکھتی رہی اور پھر مسلسل آنسو بہاتی رہی۔

فجر کی نماز کے بعد وہ سب سے پہلے دادو کو دوا کے بعد ناشتہ کراتی تھی۔اور ان کے پاس ہی بیٹھی رہتی تھی جب تک اسد بیدار نہیں ہو جاتا تھا اور اسد کو ناشتہ دے کر پھر وہ اپنے بیڈ روم میں آ کر سوتی تھی۔خیرن بوا اور ثروت صبح سویرے ہی آ جاتی تھیں جب کہ شادو گیارہ بجے آتی تھی۔وہ دادو کو ناشتہ کرا کے ان کے پاس بیٹھی تھی۔دادو بہت خاموش تھیں۔

"دادو......کیا بات ہے......؟میں دیکھ رہی ہوں آپ بہت خاموش رہنے لگی ہیں کیا بات ہے؟"مومنہ نے محبت سے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں......بہو بیگم......آپ کو وہم ہو رہا ہے۔بس دل یونہی اداس اور پریشان رہتا ہے"دادو نے بےزاری سے کہا۔

"دادو......یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ دل کیوں اداس اور پریشان رہتا ہے......کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی"مومنہ نے پوچھا۔

"بہو بیگم......اداسی تو آپ کی آنکھوں میں بھی ہے"دادو نے اس کی آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تو مومنہ نے جلدی سے آنکھیں جھکا لیں اور نجانے کہاں سے آنسو اس کی آنکھوں سے چھلکنے لگے۔

"بہو بیگم......یہ کیا ہے......؟ان آنسوؤں کا کیا مطلب ہے......؟خدا کے لیے کچھ ایسی بات مت بتانا......جسے ہمارا دل برداشت نہ کر سکے......سب ٹھیک تو ہے نا......اسد بیٹا آپ سے......؟دادو نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"سب ٹھیک ہے......بس آپ کو اداس دیکھ کر میں پریشان ہو جاتی ہوں"مومنہ نے ان سے لپٹتے ہوئے کہا۔

"خدا آپ کو زندگی کی ساری خوشیاں دے......آپ ہم سے سگی اولاد جیسی محبت کرتی ہیں......ہم آپ کے شکر گزار ہیں"دادو نے محبت سے اس کا گال سہلاتے ہوئے کہا۔

"دادو......پلیز......آپ پہلے جیسی زندگی گزاریں......ہنستی مسکراتی خوش باش......پرسکون......اور کلرفل"مومنہ جان بوجھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو دادو اس کی بات سن کر مسکرا دی۔

"کوشش کروں گی......"دادو نے محبت سے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"اب آپ جاکر خود بھی ناشتہ کرلیں..... ہر وقت ہماری ہی دیکھ بھال میں لگی رہتی ہیں" دادو نے کہا تو وہ چیزیں سمیٹ کر کچن میں آ گئی۔

"ثروت بوا..... آج ثنا نہیں آئی.....؟" مومنہ نے کچن میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا جو عموماً اس وقت کچن میں ہوتی تھی۔

"آپ تشریف رکھیں۔۔۔ میں ناشتہ بنا دیتی ہوں" ثروت بوا نے کہا۔

"ثنا کیوں نہیں آئی؟" مومنہ نے پھر پوچھا۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں" ثروت نے جلدی سے جواب دیا۔

مومنہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی اور ثروت ناشتہ لے آئی۔۔۔ تھوڑی دیر بعد اسد بھی آ گیا۔ اس کی آنکھیں قدرے سرخ ہو رہی تھیں اور چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔

"آپ ناشتے میں کیا لیں گے؟" مومنہ نے اسد کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ بس چائے کا ایک کپ..... سر بہت بوجھل ہو رہا ہے" اسد نے اپنی آنکھوں کو بار بار کھول کر اور بند کرتے ہوئے کہا۔

"ثروت بوا۔۔۔ چائے لے آئیے" مومنہ نے کہا ثروت ٹرے میں چائے لے آئی۔ اس نے اسد کی طرف عجیب، مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔

"سلام صاحب جی۔۔۔" ثروت نے چائے کی ٹرے رکھی اور جلدی سے وہاں سے چلی گئی مومنہ کو اس کا یوں دیکھنا بہت عجیب لگا۔ اس نے اسد کو چائے کپ میں ڈال کر دی اور اسد جلدی سے چائے پینے لگا۔ مومنہ خاموشی سے بیٹھی رہی۔

"دادو..... کیسی ہیں؟" اسد نے پوچھا

"ٹھیک ہیں..... سو رہی ہیں۔۔۔" مومنہ جواب دے کر خاموش ہو گئی

"کیا آپ..... ناراض ہیں؟" اسد نے سرگوشی کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

"مومی..... آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں..... اور مجھ سے کیوں ناراض ہیں..... آئی ڈونٹ ریممبر (مجھے یاد نہیں) وہ دماغ پر زور ڈالتے ہوئے بولا۔

"اس وقت آپ سینس میں نہیں تھے" مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

"کیا..... میں نے کچھ ایسا کہہ دیا..... کہ آپ ناراض ہو گئیں..... آئی ایم سوری..... رئیلی سوری" اسد نے مومنہ کے ہاتھوں پر اپنے اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہر بار سوری.....؟" مومنہ نے نم آنکھوں کے ساتھ کہا تو اسد چونک گیا اور مومنہ نے اپنے ہاتھوں کو اس کے ہاتھوں کے نیچے سے نکال لیا۔ اسد کو شدید شرمندگی کا احساس ہونے لگا اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ وہ خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کر باہر چلا گیا۔ مومنہ نے

گہری سانس لی اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

لاؤنج میں رکھے فون کی بیل بجنے لگی۔ مومنہ نے بڑھ کر فون اٹھایا۔ دوسری جانب مریم تھی۔

"آپی..... آپ کہاں ہیں؟ کب سے آپ کے موبائل پر فون کر رہی ہوں آپ فون ہی نہیں اٹھا رہیں....."

"وہ اوپر کمرے میں ہی ہے اور میں نیچے ہوں..... خیریت تو ہے؟ مومنہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"ہاں..... ہاں..... امی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں..... آپ کو یاد کر رہی ہیں کیا آپ آج آ ئیں گی؟ مریم نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے..... میں تھوڑی دیر بعد آؤں گی..... ڈرائیور کو فون کر کے بلانا پڑے گا..... وہ اسد کو آفس چھوڑنے گیا ہے" مومنہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے..... ہم انتظار کر رہے ہیں" مریم نے کہا اور فون بند کر دیا۔

"ثروت بوا..... آپ شاہ کو بلا لائیں..... مجھے اپنی امی کی طرف جانا ہے" مومنہ نے کچن میں آ کر ثروت بوا سے کہا جو برتن دھونے میں مصروف تھی۔ ثروت نے چونک کر مومنہ کی طرف دیکھا اور خاموشی سے ہونٹ چبانے لگی جیسے کسی مخمصے کا شکار ہو۔

"کیا بات ہے..... ثروت بوا..... کیا کوئی مسئلہ ہے؟" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"چھوٹی بیگم..... ہم غریب لوگوں کے پاس صرف عزت ہی ہوتی ہے..... اگر ہم اپنی عزت کی بھی حفاظت نہ کر سکیں تو یہ زندگی کس کام کی.....؟ ثروت بوا نے گول مول جواب دیا۔

"کیا مطلب.....؟ مومنہ نے چونک کر پوچھا۔

"چھوٹی بیگم..... ہم آپ کے نمک خوار ہیں..... ہم آپ کے لیے جان تو دے سکتے ہیں..... مگر عزت نہیں" ثروت نے آہستہ آواز میں کہا

"آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں..... مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا آپ واضح انداز میں بات کریں" مومنہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"شاہ اب یہاں نہیں آئے گی....." ثروت نے قطعیت سے کہا۔

"کیوں.....؟ مومنہ نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"چھوٹی بیگم..... جس گھر میں لوگ حرام پینا شروع کر دیتے ہیں..... ان کی آنکھوں میں نہ اپنوں کے لیے عزت رہتی ہے نہ دوسروں کے لیے..... آپ میرا مطلب سمجھ گئی ہوں گی" ثروت نے گہری سانس لے کر کہا۔ مومنہ کو یوں لگا جیسے ثروت بوا نے اس کے چہرے پر سر عام طمانچہ مارا ہو.....اور اس کے قدموں تلے سے زمین کھسک گئی ہو شرمندگی کے احساس سے اس کے کانوں کی لوئیں تک سرخ ہو گئیں اور اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ اسے قطعی اندازہ نہ تھا کہ اسد کی شراب نوشی کی بھنک بیڈروم کے بند کمرے سے نکل کر گھر کے کونے کھدروں میں بھی سر عام گردش کرنے لگے گی۔ وہ تو اس راز کو اپنے سینے میں چھپائے اندر ہی اندر تلملاتی رہتی تھی اور اسے پتا بھی نہ چلا اور یہ راز خود بخود افشا ہو گیا۔ وہ ملازمین جو ان کو کبھی اپنے ہم پلہ سمجھنے سے بھی ڈرتے تھے۔ آج وہ ان سے زیادہ عزت دار ہو گئے تھے۔ آج ان کی عزتوں کو اونچی شان وشوکت اور اعلیٰ خاندان کے باعزت مکینوں سے ڈر لگ رہا تھا۔ مومنہ کا دل چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے

میں لوٹ آئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کا دل اتنا کرچی کرچی ہو رہا تھا کہ اس سے سنبھالا نہ جا رہا تھا۔ وہ بری طرح سسکنے لگی...... نجانے کیوں اس کے اندر بہت سے وہم اور وسوسے سر اٹھانے لگے تھے۔ کہ اب اس خاندان کی عزت اور نام و ناموس خطرے میں ہے...... کبھی دادو کا محترم چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا تو کبھی دادو کے کمرے میں لگی ان کے شوہر، سسر اور بیٹوں کے پورٹریٹس اس کو رلانے لگے۔

وہ کتنی دیر روتی رہی۔ اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ اس کے موبائل پر بار بار مریم کی کال آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر واش روم میں چلی گئی اور اچھی طرح اپنی متورم آنکھوں کو دھونے لگی مگر آنکھوں کی سرخی کسی طرح کم نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے بہت مشکل سے اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کی اور تیار ہو کر ڈرائیور کو فون کیا۔

وہ گھر پہنچی تو ذکیہ آپا اور مریم شدت سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ ذکیہ بہت محبت سے اسے ملی۔ مریم کچن میں چلی گئی اور ذکیہ اسے کمرے میں لے آئی۔

''اتنی دیر لگا دی...... کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں'' ذکیہ نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... بس طبیعت ٹھیک نہیں تھی...... '' مومنہ نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا ہوا طبیعت کو...... تم مریم کو بتا دیتی تو میں تمہیں آنے سے منع کر دیتی'' ذکیہ نے بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہوں'' مومنہ نے مایوسی سے جواب دیا۔

''میری بھی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی...... مریم کے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔ اچھے نیک شریف لوگ ہیں۔ لڑکا ایک کمپنی میں ملازم ہے۔ مگر وہ زیادہ کھاتے پیتے لوگ نہیں...... مریم مانتی نہیں...... اسے تو تمہارے سسرال جیسے اچھے اور امیر لوگ چاہئیں...... میں تو سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں کہ ہر ایک کا اپنا نصیب ہوتا ہے...... اللہ نے جو جس کے نصیب میں لکھا ہے اسے مل کر رہتا ہے...... تمہارے نصیب میں اسد تھا...... تو...... اللہ نے خود ہی راستے بنائے...... ہمارے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا...... اب صفیہ جتنے بھی رشتے لائی ہے ان میں سے کوئی بھی تمہارے سسرال جیسا نہیں...... اور وہ خود بھی کہتی ہے کہ ایسے نایاب رشتے لاکھوں میں کسی ایک کو ملتے ہیں...... مومنہ خوش قسمت تھی...... جسے وہ لوگ مل گئے'' ذکیہ نے کہا تو مومنہ نے ماں کی بات سن کر گہری سانس لی۔

''لڑکا کیسا ہے......؟ مومنہ نے قدرے توقف کے بعد پوچھا

''بہت نیک اور شریف ہے۔ پانچ وقت کا نمازی، پرہیزگار ہے۔ بی۔ اے پاس ہے۔ ملازمت پیشہ ہے۔ ظاہر ہے اسد کے ہم پلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ شکل و صورت بھی ٹھیک ہے...... صرف ایک بیوہ ماں ہے۔ گھر کی کوئی زیادہ ذمہ داری بھی نہیں'' ذکیہ نے بتایا

''تو...... پھر آپ انہیں ہاں کہہ دیں'' مومنہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو خود یہ رشتہ بہت پسند آیا ہے لیکن مریم کو تو اسد جیسا لڑکا چاہیے...... تمہیں میں نے اس لیے بلایا ہے کہ اسد سے بات کرو...... ہو سکتا ہے اس کا کوئی دوست بھی اس جیسا ہو اور مریم کی بھی خواہش پوری ہو جائے'' ذکیہ نے قدرے ملامت سے کہا۔

"مریم نادان ہے..... اسے سمجھ نہیں" مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

"اس سے کہہ لینے میں کیا حرج ہے؟ ذکیہ نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"اسے کیا کہوں..... کہ..... وہ اپنے جیسا لڑکا میری بہن کے لیے بتائے.....؟ مومنہ نے قدرے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"بیٹا..... بات کرنے میں کیا جاتا ہے؟ ذکیہ نے کہا۔

"امی..... کبھی آپ نے مجھ سے پوچھا کہ اسد کیسا ہے؟ مومنہ نے نم آنکھوں سے الفاظ چبا چبا کر کہا۔

"کیا مطلب.....؟ کیسا ہے..... وہ.....؟ ذکیہ نے گھبرا کر پوچھا

"وہ بہت اچھا انسان ہے..... امیر ہے..... محبت کرنے والا ہے..... میرا بہت خیال رکھتا ہے..... دوسروں کا خیال رکھنے والا ہے..... مگر.....؟ مومنہ کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

"مگر..... کیا.....؟ ذکیہ نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے پوچھا

"مگر..... وہ..... شراب پیتا ہے" مومنہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آ..... وہ....." ذکیہ نے ہلکی سے چیخ مار کر اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھے اور خوف وحیرت سے مومنہ کی طرف دیکھنے لگی..... اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا پوچھے..... کیا کہے..... وہ کتنی ہی دیر اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

"تم نے پہلے کبھی نہیں بتایا.....؟ ذکیہ نے آہ بھر کر پوچھا۔

"آج بھی نہ بتاتی..... اگر..... آپ اس جیسا دوسرا داماد ڈھونڈنے پر اصرار نہ کرتیں" مومنہ نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کب سے پی رہا ہے.....؟ کیا شادی سے پہلے.....؟ ذکیہ نے پوچھا

"ہاں..... شاید"

"کیا سلوت آپا کو معلوم ہے؟ ذکیہ نے حیرت سے پوچھا

"شاید نہیں....." مومنہ نے جواب دیا۔

"کیا تم نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی؟ ذکیہ نے پوچھا

"بہت کوشش کی ہے..... مگر وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ اس کے پینے میں کوئی برائی ہے" مومنہ نے جواب دیا۔

"جس کو اللہ کے نبیؐ نے ام الخبائث (تمام برائیوں کی جڑ) کہہ کر حرام کہا ہے۔ اس میں کیسے برائی نہیں ہو سکتی..... یہ تو ایسی برائی ہے..... جو رفتہ رفتہ تمام برائیوں کا دروازہ کھولتی ہے اور اللہ کے نبی پاک کا فرمان ہے۔

"تمام برائیاں ایک گھر میں جمع ہیں۔ اس کی کنجی زنا اور کنجی شراب ہے"

ہر شرابی ضرور زانی بھی ہوتا ہے جس نے کیا زنا وہ ہوا..... اور جو شخص زنا کو برا نہ سمجھے تو اس سے کسی عورت کی بھی عزت محفوظ نہیں

رہتی...... چاہے وہ گھر کی ہو...... یا...... باہر کی" ذکیہ نے روتے ہوئے کہا تو مومنہ کو ثروت کے الفاظ یاد آنے لگے۔ جو وہ اس سے مکمل کر نہیں کہہ سکی تھی...... مگر اس کے دل میں بھی وہی بات تھی جو ذکیہ اسے کہہ رہی تھی......

"اسد...... ایسا نہیں...... وہ دوسری عورتوں کو ایسی نگاہ سے نہیں دیکھتا" مومنہ نے ماں کی اس بات کو دل میں برا مانتے ہوئے اسد کا دفاع کرنا چاہا۔

"آج نہیں...... تو...... کل کو وہ یہ سب ضرور کرے گا...... ہم نے بھی زمانہ دیکھا ہے...... برائی دیکھ کر آنکھیں بند کرلیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ برائی کو سنا اور محسوس نہیں کیا...... ایسے شخص سے کچھ بھی ہوسکتا ہے...... میں اب مریم کو تمہارے گھر نہیں بھیجوں گی" ذکیہ نے اپنی ہی رَو میں کہا تو مومنہ نے چونک کر ماں کی جانب دیکھا اس وقت ثروت یا اور اس کی اپنی ماں کی سوچ میں ذرا بھر فرق نہ تھا۔ دونوں اپنی عزتوں کو اس کے گھر میں غیر محفوظ سمجھ رہی تھیں...... دونوں اس کی خیر خواہ تھیں مگر اس پر اعتبار نہیں کر رہی تھیں...... دونوں کو اس کے شوہر سے خطرہ تھا اور دونوں ہی عزتیں اس سے بچانا چاہتی تھیں۔ مومنہ ثروت کی باتوں سے پہلے ہی دکھی ہو کر آئی تھی اور اب اپنی ماں سے بھی ایسی ہی باتیں سن کر وہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔

"ہم باز آئے...... ایسے امیر زادوں کے رشتوں سے...... جنہیں نہ اللہ کے حکموں کی پرواہ ہے اور نہ ہی اپنی اور گھر والوں کی عزت کا لحاظ" ذکیہ نے منہ بنا کر کہا۔

مومنہ نے چونک کر ماں کی جانب معنی خیز انداز میں دیکھا۔

"مومنہ...... نجانے کیوں اس رشتے کو قبول کرتے ہوئے میرا دل ڈرتا تھا...... ایسی بے چینی اور بے قراری تھی کہ دل کو سکون نہیں ملتا تھا۔ صرف تمہاری پسندیدگی دیکھ کر میں نے ہاں کہہ دی۔ ذکیہ نے اپنی جانب سے اس کا ذہن صاف کرتے ہوئے کہا تو مومنہ خاموش ہوگئی اور کسی شکست خوردہ پنچھی کی طرح اس کی جانب بے بسی سے دیکھنے لگی مریم اس کے لئے کھانا لے کر آئی تو دونوں کو آنکھیں صاف کرتے ہوئے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

"کیا ہوا......؟ آپ دونوں کیوں رو رہی ہیں؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

مومنہ ذکیہ کی طرف اور ذکیہ مومنہ کی طرف دیکھنے لگیں

"مجھے معلوم ہے آپ لوگ میرے رشتے کی بات کر کے رو رہی ہوں گی...... اس کے علاوہ رونے کی اور کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی...... اسد بھائی جیسے زبردست، ڈیشنگ ویل آف انسان کے ساتھ بھلا کون خوش نہیں رہ سکتا" مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مریم...... چیزوں کو ظاہری طور پر دیکھنا چھوڑ دو...... تمہیں کیا معلوم کہ کوئی انسان اندر سے کیا ہو سکتا ہے؟ مومنہ نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

"آپی...... انسان اندر سے جو کچھ ہوتا ہے...... وہ بھی نظر آ جاتا ہے اور ہمیں تو آج تک ان میں کوئی برائی نظر نہیں آئی" مریم نے کہا تو مومنہ اور ذکیہ نے ایک دوسرے کی طرف بغور دیکھا

"مریم......امی نے جو رشتہ بتایا ہے......وہ مجھے معقول لگ رہا ہے......میرے خیال میں......تمہارے لیے یہ بہت مناسب ہے" مومنہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپی......کیسے معقول ہے۔ نہ آپ جیسا گھر......نہ گاڑی......نہ پیسہ......" مریم نے تلخی سے جواب دیا۔

"مریم......تم ہر بات میں مجھے اور اسد کو معیار کیوں بنا رہی ہو؟" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آپی......جب آپ کو سب کچھ مل سکتا ہے......تو......مجھے کیوں نہیں؟" مریم نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

"مریم......دنیا کے سارے انسانوں کو ایک جیسی چیزیں نہیں ملتیں اور جو ملتی ہیں ان میں بھی کہیں نہ کہیں کوئی کمی ضرور ہوتی ہے" مومنہ نے نرمی سے سمجھایا۔

"آپی......آپ یوں کہیے......کہ......آپ نہیں چاہتی کہ میں آپ کے ہم پلہ ہوں......میں بھی ایسے خوش رہوں جیسے آپ......میں بھی ایسے عیش کروں......جیسے آپ کرتی ہیں" مریم نے خفگی سے شکایتی لہجے میں کہا تو ذکیہ اور مومنہ کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ وہ دونوں اس کے خیالات سن کر حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"کیا تم مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہو......؟ میں کیوں نہیں چاہوں گی کہ میری بہن کو بہت اچھا اور خوشحال سسرال ملے......؟ میں تمہاری خوشیاں دیکھ کر کیوں خوش نہیں ہوں گی......مریم......تم نے ایسا سوچا بھی کیوں......؟ مجھے یہ سب سن کر بے حد دکھ ہو رہا ہے" مومنہ نے نم آنکھوں سے مریم کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تو مریم نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"آئی ایم سوری......" مریم نے آہستہ آواز میں کہا۔

"مریم......ضروری نہیں کہ ہر دکھائی دینے والا منظر قریب جا کر دیکھنے میں بھی ویسا ہی خوبصورت نظر آئے......ہم تمہارے اپنے ہیں......تم ہمارا خون ہو......تم ہماری جان ہو......تم ہماری خوشی ہو......تم مسکراؤ گی تو ہم مسکرائیں گے......تمہاری آنکھوں میں آنسو ہمیں بھی بے سکون کر دیں گے......اس لیے ایسی تمام سوچوں کو ذہن سے نکال دو......اور ہمارے فیصلے کو دل سے قبول کر لو......کہ......ہم نے تمہاری بہتری کے لیے ہی یہ فیصلہ قبول کیا ہے......تم خوش رہو گی......ایک نیک اور شریف انسان دوسروں کے لیے کبھی اذیت کا باعث نہیں بنتا......وہ شخص تمہیں خوش رکھے گا" مومنہ نے محبت سے اسے سمجھایا تو مریم اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔ ذکیہ کی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں اور اس نے اٹھ کر دونوں کو محبت سے گلے لگایا اور انہیں پیار کرنے لگی۔ ہر ایک کے دل میں جو درد پنہاں تھا۔ وہ انہیں بہت محسوس ہو رہا تھا مگر وہ ایک دوسرے سے نہیں کہہ رہی تھیں۔

شام ہو رہی تھی جب ڈرائیور مومنہ کو لینے آیا اور وہ جیسے ہی گھر سے باہر نکلی۔ محلے کی تمام چھتوں اور کھڑکیوں سے عورتوں نے جھانک جھانک کر اسے دیکھا اور اس کے اچھے نصیب کو دیکھ کر اپنی بیٹیوں کے لیے بھی ایسی ہی تمنا کی۔ مومنہ نے ان کی رشک بھری نگاہوں کو دیکھ کر گہری سانس لی اور اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔

وہ گھر پہنچی تو ہر طرف عجیب سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اتنی گہری خاموشی سے اسے وحشت ہونے لگی۔ دادو اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی آرام کر

رہی تھیں۔ خیرن بوا کچن میں مصروف تھیں۔ لاؤنج میں بہت کم لائٹیں آن تھیں۔ ماحول میں رچی بسی افسردگی اس کے دل کو دہلانے لگی۔

خیرن بوا اسے دیکھ کر لاؤنج میں آ گئیں اور ساری لائٹیں آن کیں۔

"خیرن بوا...... شام ہوتے ہی ساری لائٹیں آن کر دیا کریں۔ ورنہ......" وہ گہری سانس لے کر بولی اور پھر خاموش ہو گئی

"بڑی بیگم صاحبہ آپ کے بارے میں پوچھ رہی تھیں......" خیرن بوا نے بتایا

"کیوں......؟ ان کی طبیعت تو ٹھیک رہی؟" مومنہ نے گھبرا کر پوچھا

"معلوم نہیں...... مگر ان کے دل کو کچھ بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی...... دوائیں تو میں نے دے دیں...... اور...... وہ سو بھی گئیں...... مگر چھوٹی بہو...... ایک بات کہوں...... یوں لگ رہا ہے جیسے اس گھر سے خوشیاں اور برکت کہیں گم ہو رہی ہے...... عجیب سی بے کلی سی پھیل رہی ہے۔ نجانے کیا ہو رہا ہے......؟" خیرن بوا نے کہا تو مومنہ ان کی بات سن کر چونکی اور حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

یہی بات وہ اپنے دل میں کئی روز سے محسوس کر رہی تھی۔ گھر کی روح میں نجانے کہاں سے خباثت اور کراہت کا احساس پیدا ہو رہا تھا۔ اسے بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ گل جیسے خوبصورت گھر میں بے اطمینانی اور بے قراری پیدا ہو رہی تھی۔

مومنہ خیرن بوا کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئی...... اسے خاموش دیکھ کر خیرن بوا بھی خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔ مومنہ خالی خالی نظروں سے گھر کے در و دیوار کو دیکھنے لگی۔

ہر برے عمل سے صرف انسان کی ہی نہیں...... گھر کی روح بھی متاثر ہوتی ہے۔ جیسے ایک انسان کی روح دوسرے کی روح پر اثر انداز ہوتی ہے۔ کہیں اسد کے برے کاموں کی خباثت میرے بچے کی روح پر اثر انداز نہ ہو جائے کہیں اس کی روح میں بھی بے اطمینانی اور بے سکونی نہ بھر جائے...... کہیں وہ بھی......؟

نہیں...... میں ایسا نہیں ہونے دوں گی...... میں اپنے پاک جسم میں جنم لینے والے وجود کو پاک رکھوں گی...... میں اسد کے سائے سے بھی اس کو دور رکھوں گی......

مگر...... کیسے......؟ میں اسد کو کیسے روک سکوں گی...... وہ تو اس کا باپ ہے...... اور اس کے وجود پر اس کا بھی حق ہے...... اور اس حق کو کون چھین سکتا ہے...... میں کیا کروں......؟ وہ اپنے آپ سے الجھنے لگی...... عجیب و غریب سوچیں اس کے ذہن کو منتشر کرنے لگیں۔ وہ مزید الجھنوں کا شکار ہونے لگی۔ عجیب و غریب وہم، وسوسے اور اندیشے اس کے سکون کو تہہ و بالا کرنے لگے۔ اسکی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ بیڈ پر لیٹ کر در و دیوار کو گھورنے لگی...... ہر دیوار سے اسے وحشت اور کراہت محسوس ہو رہی تھی۔

اسد کی گاڑی پورچ میں آ کر رکی...... اور وہ تھوڑی دیر بعد اوپر کمرے میں آیا۔ وہ قدرے فریش لگ رہا تھا۔ اس کا موڈ بھی خوشگوار تھا۔ وہ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔

"سوئی...... مائی سویٹ ہارٹ...... آئی ایم ویری ہیپی...... چلو باہر ڈنر پر چلتے ہیں......" وہ مومنہ کے قریب آ کر بولا۔ مومنہ نے حیرت

سے اس کی جانب دیکھا۔

"مجھے لگتا ہے...... آج کل خدا مجھ پر بہت مہربان ہے...... آج میں نے ایک اور کونٹریکٹ سائن کیا ہے۔ کروڑوں کا بزنس ملے گا......

تھینک گاڈ......" وہ انتہائی خوشی سے بولا تو مومنہ نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"آپ خوش نہیں ہوئیں......؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"بہت خوش ہوں" مومنہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"یہ سب آپ کی وجہ سے ہے۔ یو آر ویری لکی ٹو می (آپ میرے لیے بہت خوش قسمت ہیں) شادی کے بعد میرا بزنس بہت

Flourish (ترقی) کر رہا ہے...... آئی لو یو سو مچ" اسد وارفتگی میں اس کی جانب بڑھا اور اسے اپنی بانہوں میں لینا چاہا مگر مومنہ نے قدرے نرمی

سے اس کے بازو اپنے کندھے سے ہٹائے...... جیسے وہ لاشعوری طور پر اس کے وجود کی خباثت کا اثر اپنے بچے کی روح پر پڑنے سے روک رہی ہو۔

"کیا ہوا......؟ کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں......؟ اس نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"تو...... پھر...... اس بدلے ہوئے رویے کا کیا مطلب ہے؟ اسد نے قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں...... بس...... میں آج بہت اپ سیٹ ہوں......" مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

"اپ سیٹ......؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا" اسد نے ایکدم پریشان ہو کر پوچھا؟

"ہاں...... طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"پھر...... کیا بات ہے......؟ آپ ادھر بیٹھیں...... میرے پاس...... پلیز مومنہ مجھ سے اپنی ہر پریشانی اور ٹینشن شیئر کیا کریں...... میں

ہوں نا آپ کے پاس...... اینڈ یو...... آئی کانٹ سی یو سیڈ (اور آپ جانتی ہیں میں آپ کو اداس نہیں دیکھ سکتا۔) مومنہ آئی لو یو سو مچ......" وہ اسے

اپنے قریب صوفے پر بٹھا کر انتہائی محبت سے یوں بولا جیسے کوئی باپ اپنے بچے کو پاس بٹھا کر محبت سے اس کی پریشانی کی وجہ پوچھتا ہے۔" مومنہ

نے گہری سانس لی اور اسد کی طرف دیکھنے لگی۔

"پلیز...... مجھے بتایئے...... آپ کو کیا پریشانی ہے؟ اسد نے محبت سے اس کے کندھوں پر اپنا مضبوط بازو پھیلا کر اسے اپنے ساتھ لگاتے

ہوئے کہا۔

"امی...... نے آج مجھے گھر بلایا تھا...... انہوں نے مریم کے لیے ایک رشتہ پسند کیا ہے۔" مومنہ نے کہا۔

"نائس...... اٹس اے گڈ نیوز" (یہ اچھی خبر ہے) اسد مسکرا کر بولا۔

"مگر......؟ مومنہ کچھ کہتے ہوئے رکی"۔

"مگر...... کیا......؟ کیا کوئی فنانشل پرابلم ہے؟ مومنہ آپ امی کو بتا دیں کہ مریم کی شادی کی وہ بالکل فکر نہ کریں۔ ساری payments

میں کروں گا...... مریم میری بھی تو بہن ہے نا۔" اسد نے محبت سے کہا تو مومنہ نے چونک کر اسد کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

"کیا کوئی پریشانی تھی......؟ اسد نے پوچھا۔

"نہیں......" مومنہ نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"پھر...... کیا بات ہے؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"مریم آپ جیسے ویل آف شخص سے شادی کرنا چاہتی ہے...... اور...... امی کے نزدیک اس شخص کا نیک شریف اور پاکباز ہونا زیادہ اہم ہے...... انہوں نے مریم کے لیے جو لڑکا پسند کیا ہے وہ مڈل کلاس سے ہے مگر بہت شریف ہے...... مریم اس کے لیے نہیں مانتی"۔ مومنہ نے قدرے تفصیل سے بتایا۔

مریم از رائٹ...... زندگی اس نے گزارنی ہے...... وہ بہتر جانتی ہے کہ وہ کس طرح کے شخص کے ساتھ اچھی زندگی گزار سکتی ہے...... آنٹی کو فورس نہیں کرنا چاہیے۔" اسد نے سنجیدگی سے کہا۔

"چاہے وہ امیر شخص ڈرنک بھی کرتا ہو؟" مومنہ نے حیرت سے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"مومنہ...... پلیز...... آپ ہر بات میں ڈرنک کا ذکر کیوں کرتی ہیں۔ اتنی معمولی سی بات کو آپ ہر پرابلم کے ساتھ جوڑ دیتی ہیں۔ آپ خود ہی بتایئے...... میرے ڈرنک کرنے سے آپ کو کیا پرابلم ہے...... کیا میں آپ کے رائٹس پورے نہیں کرتا......؟

"کیا میرے گھر میں آپ کو کوئی تکلیف ہے؟"

کیا میں آپ کو کہیں آنے جانے سے روکتا ہوں؟

کیا میں نے کبھی آپ کو ہرٹ کیا ہے؟

کیا میں آپ کی عزت نہیں کرتا......؟

کیا میں آپ سے محبت نہیں کرتا......؟

کیا میں نے آپ کو کبھی کسی شے کی کمی ہونے دی ہے؟

پھر...... ہر بار ڈرنک کیوں مسئلہ بن جاتی ہے...... آپ کو میں کہیں نظر نہیں آتا...... صرف میرا ڈرنک کرنا نظر آتا ہے اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ مجھ سے بیزار بھی ہو رہی ہیں۔ میں جب بھی آپ کو چھونے کی کوشش کرتا ہوں...... آپ مجھ سے جان چھڑانا چاہتی ہیں...... یہ محبت کم ہوتی جا رہی ہے...... آپ صرف میرے ساتھ رشتہ نبھا رہی ہیں...... اور ایسا کرنا شاید آپ کی مجبوری ہے۔" اسد نے قدرے جذباتی ہو کر دو ٹوک الفاظ میں کہا تو مومنہ حیران رہ گئی۔ اسد نے اس سے پہلے کبھی بھی اس لب و لہجے میں اس سے بات نہ کی تھی...... اور آج وہ یوں بول رہا تھا جیسے کئی روز کے بعد اسے موقع ملا ہو اور اس کے اندر کا آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ اس کا موڈ بھی آف ہو گیا تھا اور اس کا لہجہ بھی تلخ ہو گیا تھا...... یوں لگ رہا تھا جیسے اسے مومنہ پر بہت غصہ ہو اور جس کا اظہار وہ یوں بول کر کر رہا ہو۔

"مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں...... آپ بہت اچھے انسان ہیں آپ میں سب خوبیاں ہیں...... مگر جو برائی آپ میں ہے وہ برائیوں کی جڑ ہے...... یہ میں نہیں کہتی...... اللہ کے رسول کا فرمان ہے...... اسی لیے ڈرتی ہوں کہ آپ کی ساری خوبیوں کو یہ برائی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ اور...... میں آپ کو ایسا ہوتے نہیں دیکھ سکتی...... اس لیے ڈرتی ہوں...... اسد...... میں آپ سے کتنی محبت کرتی ہوں...... شاید آپ کو اس کا اندازہ نہیں...... اور میری محبت کبھی یہ برداشت نہیں کر سکے گی کہ......" مومنہ اس کی طرف دیکھ کر سسکنے لگی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"یہ...... صرف آپ کا وہم ہے...... اندیشے ہیں اور کچھ بھی نہیں...... پورا عرب اور ویسٹ ڈرنک کر رہا ہے...... سب خوشحال ہیں...... کسی کو کوئی پرابلم نہیں۔ آپ خواہ مخواہ الجھ رہی ہیں۔" اسد نے اپنا لہجہ نرم کرتے ہوئے کہا۔

"عرب خوشحال ہیں تو کسی اور وجہ سے...... ویسٹ ترقی کر رہا ہے تو اور باتوں کی وجہ سے...... اگر یہ بات میرے وہم اور اندیشوں کی ہوتی تو میں اسے فوراً جھٹلا دیتی...... مگر اللہ کے نبی کا فرمان کیسے جھٹلا دوں...... جن کی ہر بات میں سچ ہے...... اسد کیا آپ ان کے کسی فرمان کو جھٹلا سکتے ہیں؟ مومنہ نے اسد کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو اسد بوکھلا گیا اور اس کی طرف دیکھ کر ایکدم خاموش ہو گیا جیسے اس کے پاس کہنے کو نہ کوئی لفظ رہا ہو...... اور...... نہ ہی کوئی بات وہ خاموشی سے اپنا ہونٹ کاٹنے لگا۔

"کبھی کبھی انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ گناہوں کی دلدل میں پھنس جاتا ہے...... اور پھر اس کے لئے واپسی یا فرار کا کوئی راستہ بھی نہیں رہتا......" مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

"میرا وعدہ ہے...... ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" اسد نے اس کو اپنے بازوؤں میں بھر کر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"اور اگر ایسا کچھ ہو گیا...... تو...... مومنہ زندہ نہیں رہے گی۔"

مومنہ اس کے سینے کے ساتھ لگ کر سسکتی ہوئی بولی۔

اور مومنہ کو میں کبھی مرنے نہیں دوں گا...... وہ زندہ رہے گی...... صرف میرے لیے۔" اسد نے محبت سے اس کی پیشانی پر لب رکھتے ہوئے کہا تو مومنہ روتی ہوئی زیر لب مسکرا دی۔

☆

"ڈاکٹر ثقلین میں یوتھ کے لیے آپ کا خاص انٹرسٹ...... اور محبت دیکھ کر آپ کے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا...... ورنہ میرے پاس بھی اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں ہیں...... میں آج چاہوں تو اپنا ہسپتال اسٹیبلش کر سکتا ہوں...... مگر میں نے اس وقت یہی سوچا کہ آپ نوجوان ہیں۔ آپ قوم کے نوجوانوں کا مستقبل سنوارنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ آپ نوجوانوں کی زندگیاں بچانے میں مصروف عمل ہیں...... میری عمر علم اور تجربے سے اگر آپ کے مشن کو مدد مل سکتی ہے تو مجھے ضرور آپ کا ساتھ دینا چاہیے...... اور ہم لوگوں کو اکٹھے کام کرتے ہوئے پانچ سال ہو گئے ہیں...... ہم نے بہت مشکل کیسز کو بہت اچھی طرح ہینڈل کیا۔ زندگی کی آخری اسٹیج تک پہنچے ہوئے مریضوں کو بھی ٹھیک کیا...... اب کیا ایسا مسئلہ ہو گیا ہے کہ آپ نے ہمت ہار دی ہے...... آپ اپنے کیس کو خود ہی ہینڈل نہیں کر رہے...... مجھے آپ کو دیکھ کر بہت پریشانی ہو رہی ہے...... آپ بہت ٹیلنٹڈ، ویل گرومڈ اور بہت اچھے انسان ہیں...... آپ کو کیا ہو گیا ہے...... کہ آپ کی اپنی ذات بکھر رہی ہے...... آپ کے کیریئر کو نقصان پہنچ رہا ہے اور آپ کی صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی...... کیا آپ Tranquilizers استعمال کرنا شروع ہو گئے ہیں؟

ڈاکٹر براس نے موقع دیکھ کر ہاسپٹل میں ڈاکٹر ثقلین کے کمرے میں ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں...... بس یونہی بے چینی سی رہتی ہے۔"

ڈاکٹر ثقلین نے گہری سانس لے کر ٹالنے کے انداز میں کہا۔

"ڈاکٹر ثقلین...... میری عمر اور تجربہ آپ سے زیادہ ہے...... آپ میرے بھائیوں کی طرح ہیں...... میں بھی آپ کے پروفیشن سے تعلق رکھتا ہوں...... اور پانچ سال آپ کے ساتھ کام کرنے کے بعد آپ کو بہت اچھی طرح جان گیا ہوں...... دن رات مشین کی طرح کام کرنے والا شخص...... صبح اندرون ملک تو شام کو بیرون ملک سفر کرنے والا کبھی نہ تھکنے والا شخص کیسے یونہی بے چین ہو کر اپنا سارا کچھ خود ہی ختم کرنے لگا ہے...... ڈاکٹر ثقلین...... آپ مجھے حقیقت بتائیے...... اس وقت میں ڈاکٹر ہوں اور آپ مریض...... اور دنیا کی کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ ڈاکٹر بیمار نہیں ہو سکتا یا اسے کسی مسیحا کی ضرورت نہیں پڑ سکتی...... ڈاکٹر بھی انسان ہوتا ہے اور اتنا ہی حساس...... جتنا کہ دوسرے لوگ ہوتے ہیں پلیز مجھے اپنے اضطراب اور بے چینی کی وجہ بتائیں۔" ڈاکٹر براس نے بہت محبت سے ڈاکٹر ثقلین کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا تو ڈاکٹر ثقلین کی آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے۔ وہ ڈاکٹر براس کی جانب دیکھنے لگے۔

"پلیز...... ہمت کیجئے...... یہ تو میں جانتا ہوں کہ مسئلہ واقعی بہت سیریس قسم کا ہو گا جو آپ کے اعصاب پر سوار ہے...... ورنہ آپ جیسا مضبوط اعصاب کا شخص عام مسئلوں سے نہیں گھبرا سکتا...... پلیز ٹرسٹ می۔" ڈاکٹر براس نے محبت سے کہا۔

ڈاکٹر ثقلین نے کچھ کہنا چاہا...... پھر رک گئے...... ان کے ہونٹ کپکپانے لگے...... یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی زبان ان کا ساتھ نہ دے رہی ہو...... وہ پریشانی میں ہونٹ چبانے لگے۔

"پلیز...... ڈاکٹر ثقلین۔" ڈاکٹر براس نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا بتاؤں......؟ اور...... کہاں سے شروع کروں؟" ڈاکٹر ثقلین نے آہ بھر کر کہا۔

"وہیں سے...... جہاں سے مسئلے کا آغاز ہوا ہے۔" ڈاکٹر براس نے جواب دیا۔

ڈاکٹر ثقلین کچھ دیر خاموش رہے۔۔۔ جیسے اپنی سوچوں کو ترتیب دے رہے ہوں۔۔۔ ذہن کو کمپوز کر رہے ہوں۔۔۔ اور پھر آہستہ آہستہ علیزہ کے بارے میں بتانے لگے......

ڈاکٹر براس خاموشی سے ساری باتیں سنتے رہے۔

"میں بہت الجھ کر رہ گیا ہوں۔۔۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں؟" ڈاکٹر ثقلین نے آہ بھر کر کہا۔

"اور...... آپ ہمت ہار گئے...... مریض کا علاج کیے بغیر......؟" ڈاکٹر براس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہی تو ممکن نہیں...... شی از ناٹ ریڈی ٹو لسن ٹو می (وہ مجھے سننا نہیں چاہتی) شی از الرجک ٹو می (اسے تو مجھ سے الرجک ہے) ڈاکٹر ثقلین نے قدرے بے بسی سے کہا۔

"ڈاکٹر ثقلین! آپ کیوں بھول رہے ہیں کہ شروع میں ہر نشے کا مریض ایسے ہی ری ایکٹ کرتا ہے...... نہ وہ ہم سے علاج کرانا چاہتے ہیں اور نہ ہی ہم پر ٹرسٹ کرتے ہیں۔۔۔ کتنی مشکل سے ہم ان کو کنٹرول میں کرتے ہیں...... اور وہ بھی تب...... جب ہم ان کی مکمل کیس ہسٹری جان لیتے ہیں۔۔۔ ان کے گھر والوں سے ان کی عادات، مزاج اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں اچھی طرح انفارمیشن لے لیتے ہیں۔۔۔ جب ہم ان پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم ان کے دوست ہیں تب وہ ہم پر ٹرسٹ کرتے ہیں۔ تب ہماری باتیں مانتے ہیں...... اور آپ کو تو اپنی وائف کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں...... جن سے آپ پندرہ سالوں کے بعد ملے ہیں......" ڈاکٹر براس نے کہا تو ڈاکٹر ثقلین نے انہیں چونک کر یوں دیکھا جیسے ان سے کوئی اہم پوائنٹ مس ہو گیا ہو۔۔۔ اور جس کو وہ جانتے بھی ہوں مگر جس کی طرف دھیان نہ دیا ہو۔

"اس میں آپ کی بھی غلطی نہیں...... دراصل آپ اپنی میرڈ لائف کا آغاز روایتی سوچ کے مطابق محبت اور چاہت سے کرنا چاہ رہے تھے مگر وہ آغاز بالکل مختلف unporedictable انداز میں ہوا ہے...... اور اوپر تلے تین چار چیزیں اکٹھی ہو گئیں۔

وہ آپ سے محبت نہیں کرتیں...... وہ ڈرنک کرتی ہیں...... سموکنگ کرتی ہیں...... اور نیوڈ ڈریس پہنتی ہیں...... آپ کی morality اور ویلیوز ان سے بالکل مختلف ہیں...... ان سب باتوں سے ہر نارمل شخص ضرور اپ سیٹ ہوگا اور آپ کا اپ سیٹ ہونا بھی نیچرل ہے...... مگر اس ایشو کو ایز اٹ از چھوڑ کر اپنے آپ کو...... اور اپنے کیریئر کو خطرے میں ڈالنا کہاں کی عقلمندی ہے۔" ڈاکٹر براس نے قدرے شفقت سے سمجھایا۔

"ان سب باتوں کی کوئی justification نہیں پاتا۔" ڈاکٹر ثقلین نے آہ بھر کر کہا۔

"کم آن ڈاکٹر ثقلین...... لیو وہاٹ از لائف......

It is name of long intricate factual crevts.

(یہ لمبے، پیچیدہ، حقیقی واقعات کا نام ہے)

کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ کوئی صبح ویسی ہی طلوع ہوئی ہو..... جیسی آپ رات کو سوچ کر سوئے تھے..... کیا برون آپ کو اپنی سوچ اور پلاننگ سے مختلف events اور باتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا..... زندگی ایسا Phenomenon ہے۔ جس میں آپ ہیں بھی اور نہیں بھی..... یہ آپ کو Elevate (بلند) بھی کرتی ہے اور (نفی) بھی..... کبھی آپ کی سوچوں کے مطابق سب چلتا ہے اور کبھی یکدم ساری سچوئشن بدل جاتی ہے۔ آپ کسی Justification کی بات کر رہے ہیں.....؟ لائف از اے بگ ٹرائل (زندگی بہت بڑی آزمائش ہے) اور یہ کسی کو کوئی Justification نہیں دیتی..... یہ آپ کے جوش و جذبے سوچوں اور اعصاب کو تھکا دیتی ہے..... مگر کسی بھی بات کی کوئی Justification نہیں دیتی.....'' ڈاکٹر براس نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''میں شدید ڈپریشن کا شکار ہو رہا ہوں۔'' ڈاکٹر ثقلین نے کہا۔

''آپ اسی لیے ڈپریشن کا شکار ہو رہے ہیں کہ آپ نے لوگوں کے ساتھ mishaps ہوتے دیکھے ہیں اور جب آپ کے اپنے ساتھ ایسا ہوا تو آپ اس کے لئے کوئی Justification نہیں پا سکے..... یہی بات ہے نا.....؟'' ڈاکٹر براس نے پوچھا۔

''ہاں..... شاید'' ڈاکٹر ثقلین نے آہ بھر کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

''شاید نہیں..... یقیناً..... مسئلہ یہ ہے کہ جب دوسروں کے ساتھ mishaps ہوتے ہیں تو ہم انہیں تسلیاں دیتے ہیں اور انہیں بہادری سے مشکل وقت اور آزمائش کا سامنا کرنے کو کہتے ہیں مگر جب ہمارے اپنے ساتھ کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے تو اس کے لئے Justification نہ پا کر ڈسٹرب ہو جاتے ہیں..... پلیز آپ اس Nutshell سے نکلیں اور آپ کی وائف کو جو بھی پرابلمز ہیں ان کی وجوہات جاننے کی کوشش کریں..... ہمت مت ہاریں..... پوری پلاننگ سے اس مسئلے کو حل کریں..... ڈاکٹر ثقلین انسان کے لیے دوسروں سے لڑنا آسان ہوتا ہے مگر سب سے بڑا چیلنج اس کے لئے اپنی ذات ہوتی ہے..... یہ کیس آپ کے لیے آپ کی زندگی کا سب سے بڑا چیلنج ہے..... اب اس کو کس طرح tackle (حل) کرنا ہے اس کو آپ بہتر جانتے ہیں۔ بٹ ڈونٹ لوز یور ہارٹ (لیکن اپنا دل نہ چھوٹا کریں) آئی ایم وِد یو..... (میں آپ کے ساتھ ہوں) پلیز اسٹیپ فارورڈ (پلیز آگے بڑھیں) ڈاکٹر براس نے پُر امید انداز میں اسے تھپکی دی اور اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑے ہوئے ''تھینک یو ویری مچ'' ڈاکٹر ثقلین نے قدرے مسکراتے ہوئے پر امید لہجے میں کہا۔ ان کے چہرے پر اب پہلے جیسا اضطراب نہیں تھا۔

''بیسٹ آف لک۔'' ڈاکٹر براس نے انہیں گلے سے لگاتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد ڈاکٹر ثقلین گہری سوچوں میں ڈوب گئے اور مختلف گفتگو کی کڑیاں آپس میں ملانے لگے۔ وہ جو پہلے ہمت ہار کر بیٹھے تھے اور زندگی کا منفی و تاریک پہلو سوچ سوچ کر ذہن کو تھکا رہے تھے اب پازیٹو سوچتے ہوئے اور پلاننگ کرتے ہوئے ذہن اس قدر ایکٹو اور مستعد ہو گیا کہ وہ خود بھی حیران رہ گئے۔ ذہن اب کئی سمتیں سوچ رہا تھا۔ کئی الجھی ہوئی باتوں کو آپس میں ملانے کی پلاننگ کر رہا تھا اور سوچتے سوچتے وہ بہت دور نکل گئے..... پندرہ سال پہلے والی علیزہ کے گھر..... اس کے ہمراہ لڑتے جھگڑتے ہوئے، سائیکل چلاتے ہوئے، آئس کریم کھاتے ہوئے..... وہ زیرِ لب مسکرانے لگے۔ ماضی کی یادوں کے دریچے اندر ہی اندر کھلنے لگے۔ باتوں سے باتیں اور واقعات سے واقعات ماضی

پرت پرت کھلنے لگا...... نزہت چچی کا مسکراتا ہوا، محبت بھرا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ وہ کس قدر محبت کرنے والی، نیک اور پارسا عورت تھیں...... اور...... علینہ......؟ اس نے گہری سانس لی۔

"سیما پھوپھو...... ان کی باتیں...... ان کی محبتیں...... اور ان کا اس کے لئے دکھی ہونا...... اور اس کے غم میں اپنی جان دینا...... سب اس کو دکھی کرنے لگا...... اور وہ سوچوں کے بھنور میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس سے پہلے کہ میرا حال تلخ ماضی بن کر میرے لیے کسی اذیت کا باعث بنے۔ مجھے اس کو تاریکی میں گم ہونے سے بچانا ہوگا...... مجھے اپنی پوری کوشش کرنی ہوگی...... تاکہ وہ مستقبل میں میرے لیے آزمائش نہ بن سکے۔" ڈاکٹر ثقلین نے سوچا اور اپنے حال کو بچانے کی پلاننگ کرنے لگے۔

یونیورسٹی میں حالیہ سیلاب سے متاثرین کے لیے فنڈز اکٹھے کیے جا رہے تھے۔ اسٹوڈنٹس نے ایک فن فیئر کا بھی اہتمام کیا تھا اور عزا چیرٹی کے اس کام میں آگے آگے تھی۔ اس نے سب گھر والوں سے خوب پیسے اکٹھے کیے تھے اور وہ اسی مقصد کے لئے علینہ کے کمرے میں گئی تھی۔ علینہ کی جب سے شادی ہوئی تھی۔ بہت کم عزا اور اس کا آمنا سامنا ہوا تھا اگر کبھی ہوتا بھی تو علینہ اسے لفٹ نہ کراتی۔ پاس سے گزر جاتی مگر کبھی ہیلو ہائے بھی نہ کرتی ویسے بھی وہ بہت کم اپنے کمرے سے باہر نکلتی تھی۔ ریحانہ اوپر اس کے کمرے میں کھانا پہنچا آتی تھی۔ اس کے عادات اور اس کے وجود سے سب گھر والے سخت تنگ تھے مگر خاموش تھے۔ شاید کسی معجزے کے منتظر تھے۔ جو علینہ کو بدل دے۔ ورنہ علینہ سے سب بہت مایوس ہو چکے تھے۔ رفتہ رفتہ اس کی باتوں اور حرکتوں کے بارے میں سارے خاندان میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تھیں اور ایسی باتیں سن کر ندرت بہت خوش ہوتی...... اور اندر ہی اندر اسے پختہ یقین ہو گیا تھا کہ صرف چند روز میں علینہ طلاق کا پروانہ ہاتھ میں لیے واپس آ جائے گی۔ تب وہ شاکر علی کو اکڑ کر بتائے گی کہ اس کے خاندان والے کس قدر ذلیل لوگ ہیں۔ جنھوں نے اس کا بدلہ اس کی بیٹی سے لیا اور ندرت پر جو الزامات لگائے جاتے تھے وہ سب بے بنیاد تھے۔ وہ اپنی پلاننگ کرنے میں مصروف تھی اور اس مقصد کے لیے اس نے سیما آپا کی بہو انیلا کو ساتھ ملایا ہوا تھا جو ندرت کی طرح ہی مکار تھی اور ہر وقت سسرال کی خامیوں اور برائیوں پر نظر رکھتی تھی۔ ندرت چپکے چپکے انیلا کو فون کرتی اور اس سے ساری خبریں لیتی۔ کون کیا کر رہا ہے......؟ کیا باتیں ہو رہی ہیں......؟ کون کس کے خلاف ہے......؟ ہر وقت دونوں کسی نہ کسی محاذ پر جانے کے لیے تیار رہتیں...... اور انیلا کمال ہوشیاری سے عزا سے گھر کی باتیں پوچھتی رہتی۔ عزا اتنی ہوشیار نہ تھی جو انیلا کی چالاکیوں کو سمجھ سکتی۔ وہ علینہ کی مصروفیات اور اس کے رویے کے بارے میں انیلا کو سب کچھ بتاتی رہتی اور انیلا سب باتیں مزے لے لے کر ندرت کو بتاتی...... اور...... دونوں کشور و ناصر علی کے گھر کی بے سکونی پر خوش ہوتیں۔

عزا...... علینہ کے کمرے میں گئی تو وہ بیڈ پر ایک میگزین پھیلائے اسے پڑھنے میں مصروف تھی اور ساتھ ساتھ سگریٹ بھی پی رہی تھی۔ عزا کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے چونک کر علینہ کی جانب دیکھا اور پھر سگریٹ کی جانب...... اس کی زبان سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

"کیا اس سے پہلے کسی لڑکی کو سگریٹ پیتے نہیں دیکھا؟" علینہ نے اس کی گھورتی آنکھوں سے خائف ہو کر کہا۔

"عزا نے بمشکل تھوک نگلی اور اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"کس لیے آئی ہو؟"علیزہ نے قدرے تلخی سے پوچھا۔

"وہ...... یونیورسٹی میں فنڈ ریزنگ ہو رہی ہے...... اس لئے...... آپ سے فنڈ لینے آئی ہوں۔" عزا نے رک رک کر کہا۔

"علیزہ بیڈ سے اٹھی اور اپنی وارڈ روب کھولی۔ چیزیں ادھر ادھر کر کے دیکھنے لگی۔ عزا کی نظریں علیزہ پر ہی تھیں جو وارڈ روب میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ اچانک عزا کی نظر وہسکی کی ایک بوتل پر پڑی تو حیرت سے اس کی آنکھیں پتھرا گئیں......

عزا نے پھر بغور جھانکنے کی کوشش کی...... وہ تین اور بوتلیں دیکھ کر چونک گئی۔ اس کی سانس رکنے لگی وہ دم بخود علیزہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ لو......" علیزہ ایک چھوٹے سے پرس میں سے پانچ ہزار کا نوٹ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔ عزا گویا سکتے میں تھی۔ وہ نوٹ کو نہیں بلکہ وارڈ روب کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا......؟ وہاں کیا دیکھ رہی ہو؟"علیزہ نے وارڈ روب کو اس کی آنکھوں کا محور بنے دیکھ کر پوچھا۔

"عزا نے اس کی جانب دیکھا اور گہری سانس لی۔

"تھینک یو......" اس نے نوٹ پکڑا اور خاموش قدموں سے نیچے آ گئی۔ اس کا رنگ فق ہو رہا تھا اور چہرے پر عجیب سی اداسی چھائی تھی۔ آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ آواز میں کپکپاہٹ سی تھی۔ "تمہیں کیا ہوا ہے......؟" کشور نے عزا کو یوں پریشان دیکھ کر پوچھا۔

"ک...... ک...... کچھ نہیں۔" وہ بمشکل بولی۔

"کیا علیزہ نے کچھ کہا ہے؟" کشور نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو...... پھر...... یہ سب کیا ہے......؟ اپنی حالت دیکھو یوں لگ رہا ہے جیسے کسی بھوت یا چڑیل کو دیکھ لیا ہو۔" کشور نے خفگی سے کہا۔

"ممی...... وہ...... علیزہ......؟" وہ بمشکل بولی۔

"ہاں...... ہاں...... کیا ہوا ہے......؟" کشور نے حیرت سے پوچھا۔

"ممی...... وہ...... ڈرنک بھی کرتی ہے...... اور...... سموکنگ بھی" عزا نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہائے...... میں مر گئی۔" کشور نے اپنا سینہ پیٹتے ہوئے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"یا اللہ! یہ تو ہمارے ساتھ کیا کر رہا ہے؟ کس بات کا بدلہ لے رہا ہے...... ہم نے کونسا گناہ کیا ہے...... جو اس لڑکی کی صورت میں ہم کو بھگتنا پڑ رہا ہے......

آج ناظر اور نبی آتے ہیں...... تو آج میں یہ رشتہ ختم کر کے رہوں گی...... ایسی بہو تو پورے خاندان میں بدنامی کا باعث ہے...... ہم مزید بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے...... اس کے ننگے جسم کو تو برداشت کیا مگر اب اس کی اس کھلی بے حیائی کو ہرگز بھی نہیں۔" کشور غصے میں بڑبڑاتی رہی اور عزا اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ اسقدر حواس باختہ ہو رہی تھی کہ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے اور کس سے کوئی بات کہے......؟ اس نے

نادانستہ طور پر انیلا کا نمبر ملایا اور انتہائی بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے ساری بات سنائی۔ وہ بھی مزے لے لے کر ہر بات پر حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے چیخ سی بلند کرتی اور کشور کی کہی ہوئی باتوں میں ہاں میں ہاں ملاتی جواسے عزا سنا رہی تھی۔

"بھابھی...... کوئی پتا نہیں...... شام تک طلاق ہو ہی جائے۔" عزا نے قدرے سادگی سے اور انتہائی فکر مندی سے انیلا کو بتایا۔

"ہاں...... تو...... ایسی بہو کو اتنے دنوں تک گھر میں رکھنا کشور آنٹی کا ہی حوصلہ ہے...... ہمارے خاندان میں ایسی لڑکی کسی کی ہوتی تو ماں باپ نے خود ہی اسے گولی سے اڑا دیا تھا۔ اس میں آپ لوگ بالکل ہی بے قصور ہیں...... علینہ بے حد بہت تنگ چڑھی...... یاد ہے اماں جان کی ڈیتھ پر بھی سب سے الگ تھلگ بیٹھی رہی۔ کسی سے نہ کوئی بات کی...... نہ کوئی افسوس۔ اور جنازہ اٹھتے ہی چلی گئی...... فارمیلٹی پوری کرنے آئی تھی...... اماں جان نے خواہ مخواہ یہ رشتہ کرا کے آپ لوگوں کو پھنسا دیا...... اور مجھے زیادہ ترس تو سنی بھائی پر آتا ہے...... کیسے خاموشی سے سب کچھ برداشت کر رہے ہیں...... بیچارے۔"

انیلا نے انتہائی تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بھابھی...... پتا نہیں اب کیا ہوگا...... ؟ سچ میرا دل تو بے حد گھبرا رہا ہے...... آپ دعا کریں نا۔" عزا نے گھبرا کر کہا۔

"تو...... بھلا...... میں کیا دعا کروں...... ؟ کیا یہ دعا کروں...... کہ علینہ کو طلاق نہ ہو اور اس کا گھر بچ جائے...... تو...... عزا...... اب اس طلاق کو کوئی نہیں روک سکتا...... یہ ہو کر ہی رہے گی، اور اچھا ہے...... روز روز کے رونے سے ایک باری رو لیا جائے کشور آنٹی کو یہ فیصلہ بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا...... خواہ مخواہ میں اتنا انتظار کیا۔" انیلا نے کہا تو عزا خاموش ہو گئی اور فون بند کر دیا۔

"عزا سے بات کرنے کے بعد انیلا بار بار ندرت کا نمبر ملاتی رہی مگر ہر بار یہی جواب ملتا کہ وہ ڈرائنگ روم میں کسی مہمان کے پاس بیٹھی ہیں...... بعد میں بات کریں گی۔ انیلا کو یہ جواب سن کر سخت الجھن ہونے لگی تھی۔ ایسی مصالحے دار چٹپٹی خبر سنا کر وہ ندرت کے ترش ریمارکس سن کر بھی لطف اندوز ہونا چاہتی تھی مگر ندرت کا فون پر نہ آنا اور اس سے بات نہ کرنا اس کی بے قراری میں اضافہ کرنے لگا تھا۔

ڈاکٹر ثقلین رات کو کافی دیر سے گھر آئے تو کشور اور ناظر علی ان کے شدت سے منتظر تھے۔ کشور نے رو رو کر اپنی آنکھیں سرخ کر لیں تھیں اور ناظر علی کے چہرے پر انتہائی افسردگی اور تھکن کے آثار تھے۔ دونوں نے چپکے سے ڈاکٹر ثقلین کو اپنے کمرے میں بلایا۔

"ممی آپ کو کیا ہوا ہے...... ؟ آپ انتہائی پریشان لگ رہی ہیں۔" ڈاکٹر ثقلین نے کشور کی طرف دیکھ کر انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"سنی بیٹا...... آج ہمیں جو خبر ملی ہے اس نے تو ہمارے دلوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے...... ہم پر تو کوئی آفت ہی نازل ہونے والی ہے۔"

کشور نے انتہائی تاسف سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"کیوں...... کیا ہو گیا ہے؟ ڈاکٹر ثقلین نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"کیا تمہیں واقعی کچھ معلوم نہیں...... یا پھر ہم سے چھپاتے رہے ہو؟ کشور نے قدرے خفگی سے پوچھا۔

"کیا مطلب...... ؟ آپ کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں؟

"علیزہ شراب اور سگریٹ بھی پیتی ہے...... اتنی بڑی بات...... ہمارے گھر میں سرعام حرام شے پی جا رہی ہے...... وہ ہمارے گھر کی پاکیزہ فضا کو برباد کر رہی ہے...... اور ہمیں خبر ہی نہیں اور تم نے بھی ہم سے یہ سب کچھ چھپایا۔" کشور نے غصے سے کہا۔ بتا کر کیا کرتا؟

"ہم اسے اسی وقت طلاق دے کر اس گھر سے رخصت کر دیتے کشور غصے سے بولی۔

"اور یہ میں نہیں چاہتا تھا...... کہ اتنے برسوں کی صلح کے بعد پھر خاندان میں رنجشیں بڑھتیں اور خاندان پھر سے بکھر جاتا۔" اس نے کہا۔

"اور میرا گھر...... میرے گھر کا سکون...... میرے گھر کی عزت خاک میں مل رہی ہے...... کیا اس کی کوئی اہمیت نہیں؟ کشور نے کہا۔

"ممی...... اب آپ کیا چاہتی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اس کو ابھی اور اسی وقت طلاق دے کر اس گھر سے فارغ کرو...... ہمیں قربانی کا بکرا بننے کا کوئی شوق نہیں...... میں اب اس کا ناپاک وجود اس کی گندی حرکتیں اس گھر میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔" کشور نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"ممی...... مجھے کچھ روز کا وقت دیجئے...... مجھے اس کو ٹھیک کرنے کی ایک کوشش کر لینے دیجئے۔" ڈاکٹر ثقلین نے کہا۔

"نہیں...... بالکل بھی نہیں۔" کشور نے واضح انداز میں انکار کیا۔

"پلیز...... ممی......" ڈاکٹر ثقلین نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"کشور...... کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟ گھر ٹوٹ تو لمحوں میں جاتے ہیں...... مگر بننے میں بہت وقت لیتے ہیں۔" ناظر علی نے کشور کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اس کا گھر بنا ہی کہاں ہے......؟ وہ نہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھتی ہے اور نہ ہم میں سے کسی کو اپنا...... پھر اسے گھر کے ٹوٹنے کی کیا فکر ہوگی۔" کشور نے غصے سے کہا۔

"پھر...... بھی...... کشور...... ہمیں سنی کو ایک موقع دینا چاہیے تاکہ کل کو یہ ہم سے کوئی شکوہ نہ کرے کہ ہم نے اس کا گھر برباد کیا تھا۔" ناظر علی نے سنی کی طرف دیکھ کر کہا تو کشور کے دل کو بھی یہ بات لگی...... وہ کچھ سوچنا شروع ہو گئی۔

"ٹھیک ہے...... لیکن ایک دو ماہ سے زیادہ وقت میں تمہیں نہیں دوں گی۔" کشور نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"تھینک یو...... ویری مچ۔" اس نے مسکرا کر کہا اور اپنا بریف کیس اٹھا کر اپنے بیڈروم میں چلا گیا۔ علیزہ بیڈ پر ٹیک لگائے ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس کے ہاتھ میں ریموٹ تھا اور وہ تیزی سے چینلز چینج کرنے میں مصروف تھی۔ اس نے ڈاکٹر ثقلین کے کمرے میں آنے کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

"السلام علیکم۔" ڈاکٹر ثقلین نے اس کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے سلام کا کوئی جواب نہ دیا اور ٹی وی کی طرف دیکھتی رہی۔

"کیسی ہیں آپ......؟" ڈاکٹر ثقلین نے قدرے محبت سے پوچھا۔

"اس نے پھر کوئی جواب نہ دیا اور بیڈ پر سے اٹھ کر کہیں جانے لگی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں..... یہ دیکھیے میں آپ کے لیے کیا لایا ہوں؟" ڈاکٹر ثقلین نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کہا تو اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور غصے سے ڈاکٹر ثقلین کی جانب دیکھنے لگی۔

ڈاکٹر ثقلین نے اپنے بریف کیس میں سے اس کی ماں کی ایک بڑی سی فریم میں لگی تصویر نکال کر اسے دکھائی۔

علینہ حیرت سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔

"اس تصویر کو کمرے کی اسی دیوار پر لگا دیجیے..... جہاں پر آپ کی نظروں کے سامنے رہیں..... سنا ہے نزہت چچی بہت نیک عورت تھیں..... خاندان میں ان کی بہت عزت تھی..... اور یہ بھی سنا ہے کہ بہت اچھی، مومن عورت تھیں..... ان کی دعائیں پوری ہوتی تھیں..... بہت محبت کرنے والی شفیق خاتون تھیں۔"

ڈاکٹر ثقلین تصویر کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے نزہت چچی کی تعریفیں کرتے رہے اور علینہ کے چہرے پر مختلف رنگ آتے جاتے رہے۔ وہ بغور سنتی رہی۔ اس کی نظریں مسلسل ماں کی تصویر پر تھیں۔

"دیکھیے..... کیسی نورانیت ہے ان کے چہرے پر..... ویسی ہی..... جو نیک..... سچے اور پُرخلوص لوگوں کے چہروں پر ہوتی ہے..... سچ کہتے ہیں۔ انسان کا ایمان اس کے چہرے سے جھلکتا ہے۔"

"کس قدر خوبصورت، روشن پیشانی ہے....." ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا تو علینہ نے انتہائی غور اور حیرت سے ماں کی پیشانی کو یوں دیکھا جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔

"اللہ کے پیارے رسولؐ کا فرمان ہے نا..... کہ میرے لیے ایمان کے بعد سب سے بڑا تحفہ نیک عورت ہے..... اور اس بات میں کتنی حقیقت ہے..... نیک عورت اپنے پاک وجود اور اچھی سوچ سے اپنے گھر کو ہی نہیں..... بہت سے گھروں کو منور کرتی ہے..... اپنے شوہر، اولاد، سسرال اور بہت سے لوگوں کے لیے وہ سکون کا باعث بنتی ہے..... نزہت چچی کو فوت ہوئے اٹھارہ سال ہو گئے ہیں۔ مگر وہ اپنی اچھائی اور نیک نامی کی وجہ سے آج بھی سب کے دلوں میں زندہ ہیں..... اور جانتی ہیں..... میری اور آپ کی شادی بھی ان کی وجہ سے ہی ہوئی ہے..... اس لیے میں ان کی تصویر اپنے کمرے میں لگانا چاہتا ہوں تا کہ....."

"تا کہ..... آپ ان کی صورت میں مجھے آئینہ دکھاتے رہیں..... مجھے میری ماں کے سامنے شرمندہ کرتے رہیں..... مجھے احساس دلاتے رہیں کہ..... اتنی نیک عورت کی بیٹی مجھ جیسی ہو سکتی ہے۔" وہ ایکدم بپھر کر بولی اور ماں کی تصویر پکڑ کر پھوٹ کر رونے لگی۔

ڈاکٹر ثقلین ایکدم حیران رہ گئے..... وہ ٹھیک کہہ رہی تھی..... وہ جو پلاننگ کر کے آئے تھے۔ وہ اس کی تہہ تک پہنچ گئی تھی..... وہ ایکدم بوکھلا گئے..... ان کا پلان بری طرح پٹ گیا تھا۔

"علینہ..... پلیز..... ایسا مت کہیں..... میں آپ کو بھلا کیوں شرمندہ کروں گا.....؟" ڈاکٹر ثقلین نے اپنے چت مہرے کو پھر سے کھڑا کرنے کی کوشش کی۔

"میں..... سب جانتی ہوں..... سب لوگ مجھے جن نظروں سے دیکھتے ہیں..... اس کا کیا مطلب ہے.....؟ سب کو میں بری لگتی ہوں..... سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں....." وہ تصویر کو اپنے چہرے کے ساتھ لگا کر بولی۔

"کوئی نفرت نہیں کرتا..... میں..... آپ سے محبت کرتا ہوں..... بہت محبت۔" ڈاکٹر ثقلین نے اسے اپنے ساتھ لگا کر کہا تو وہ بری طرح سسکنے لگی۔

"مگر..... میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔" وہ ایکدم کہہ کر پیچھے ہٹ گئی۔

"کیوں.....؟" ڈاکٹر ثقلین کو پھر ایک جھٹکا لگا۔

"معلوم نہیں۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"کیا آپ مجھے ناپسند کرتی ہیں؟" ڈاکٹر ثقلین نے قدرے سنجیدگی سے نرم لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا میں بہت برا ہوں.....؟"

"نہیں۔" اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

"تو..... پھر..... محبت نہ کرنے کی کوئی وجہ تو ہوگی؟" ڈاکٹر ثقلین نے پرسکون لہجے میں اس کے کندھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"میں بچپن سے ہی آپ کو....." وہ آہستہ آواز میں بولی اور..... "میں بچپن سے ہی آپ کو پسند کرتا تھا۔" ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھنے لگی۔

ایک لمحے کے لیے چونکی اور پھر چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔

"علیزہ..... محبت کرنے کے لیے وجہ کا ہونا ضروری نہیں مگر محبت نہ کرنے کے لیے وجہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے..... تاکہ محبت کرنے والے کو معلوم تو ہو..... کہ..... اس سے ان وجوہات کی بنا پر محبت نہیں کی جا رہی..... ہو سکتا ہے..... وجوہات جاننے کے بعد وہ ان تمام باتوں کو ختم کردے اور پھر محبت کے قابل بن جائے۔" ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے گہری سانس لی اور اس کی طرف پشت کر کے دیوار کی جانب دیکھنے لگی اور اس پر ماں کی تصویر لگانے کی کوشش کی لیکن قدرے اونچا تھا۔ ڈاکٹر ثقلین نے پیچھے سے آ کر تصویر کو اپنے ہاتھوں سے بلند کر کے دیوار پر لگا دیا۔

"دیوار کا انتخاب اچھا ہے..... آتے جاتے نزہت چچی ہم پر نظر رکھیں گی۔" ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر بھی ہلکا سا تبسم پھیلا۔

"ٹھیک گاڈ..... آپ مسکرائیں تو..... یہ سب چچی کی نظر کرم ہے..... دیکھیے تصویر لگاتے ہی کمرے کا ماحول بدلنے لگا ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے کہا تو علیزہ پھر ایکدم سنجیدہ ہو گئی اور وہاں سے پیچھے ہٹ گئی۔

"ممی بتاتی ہیں کہ زہت چچی ہمیشہ سفید چادر سر پر اوڑھے رکھتی تھیں......اس تصویر میں بھی انہوں نے سفید چادر اوڑھ رکھی ہے......اور کتنی پاکیزہ لگ رہی ہیں۔" ڈاکٹر ثقلین نے کہا۔

"آپ مجھے کیوں یہ realize (احساس دلا) کرا رہے ہیں کہ ممی چادر اوڑھتی تھیں۔۔۔۔ میں نہیں۔۔۔ مما پاکیزہ تھیں کیونکہ وہ فل ڈریسز پہنتی تھیں اور میں نیوڈ ڈریس پہنتی ہوں۔ لیکن جب میں چادر اوڑھتی تھی......تو تب سب لوگ مجھے تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ کالج کے لڑکے لڑکیاں مجھ پر ہنستے تھے......میں سارا دن کالج میں سر پر چادر اوڑھے پھرتی تھی تو سب کتنا مذاق اڑاتے تھے اور جب میں نے وہ گیٹ اپ بدلا اور ماڈرن ڈریسز پہنے تو پھر سب کو پرابلم شروع ہوگئی۔۔۔ آئی ڈونٹ نو......کہ سب کو مجھ سے کیا پرابلم ہے۔ ہر کوئی مجھ سے ناراض ہے۔۔۔ ہر کوئی مجھ پر ہی تنقید کرتا ہے۔ علیزہ ایکدم غصے سے پھٹ پڑی اور ڈاکٹر ثقلین نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور حیرت سے دیکھتے رہ گئے۔

"علیزہ......کیا آپ چادر اوڑھتی تھیں......؟

"ہاں......" اس نے غصے سے جواب دیا۔

"اور کلاس فیلوز کے tease کرنے پر آپ نے چادر اوڑھنی چھوڑ دی۔۔۔؟

"ہاں۔"

"اور پھر آپ نے ایسے ماڈرن ڈریسز پہننا شروع کر دیے۔" ڈاکٹر ثقلین نے اس کی سلیولیس شرٹ اور جینز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں......" اس نے قدرے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"آپ اپنی پہچان اور شخصیت لوگوں کے کہنے میں آ کر بدلتی رہیں آپ کی اپنی پرسنالٹی کہاں ہے؟ آپ خود کیا ہیں؟ اور کہاں ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے پوچھا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"علیزہ......آپ کہاں ہیں......؟ آپ کون ہیں......؟ اور کس کلاس سے تعلق رکھتی ہیں......؟ آپ کی ویلیوز کیا ہیں؟ کیا آپ یہ سب جانتی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے نرمی سے مگر اس کے بازوؤں کو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

"آئی ایم نتھنگ (میں کچھ نہیں ہوں) آئی ایم ایمپٹی (میں خالی ہوں) آئی ایم زیرو......آئی ایم......آئی ایم ناٹ۔" اور وہ پھر سسکنے لگی۔

"کیا آپ ایسی باتیں سوچتی رہتی ہیں......؟ اور کون آپ کو یہ سب کچھ کہتا ہے......؟ کیا یہ آپ کی اپنی assumption (خیالات) ہیں۔

علیزہ......آپ اسقدر نیگٹو کیوں سوچتی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے اسے اپنے پاس صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا اور اس کے بکھرے بالوں کو محبت سے سنوارنے لگا۔

"آئی......لو......وہاٹ......آئی ایم؟ (میں جانتی ہوں۔ میں کیا ہوں) اس نے آہ بھر کر کہا اور اپنے آنسو پونچھے۔

"وہی......جو آپ نے بتایا ہے......علیزہ......یو آر رانگ......ٹوٹلی رانگ......آئی ٹیل یو......کہ آپ کیا ہیں......؟

"یو آر ویری اسپیشل ٹو می...... ویری انٹیلی جنٹ...... اینڈ آئی ایم رائٹ ان مائی آبزرویشن (آپ بہت ذہین ہیں اور میری آبزرویشن ٹھیک ہے) ڈاکٹر ثقلین نے کہا تو علیزہ کی آنکھوں میں جگنو سے چمکے...... مگر اگلے لمحے وہ پھر اداس ہو گئی...... اس کا چہرہ پھر مرجھا گیا۔

"کیا ہوا...؟" ڈاکٹر ثقلین نے محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"آئی ڈونٹ ٹرسٹ اینی ون (مجھے کسی پر اعتبار نہیں) وہ گہری سانس لے کر بولی اور اس کی آنکھیں پھر آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

"علیزہ...... آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا ہوگا......" ڈاکٹر ثقلین نے مضبوط لہجے میں کہا...... تو...... علیزہ نے چونک کر استفہامیہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔

"آئی ایم یور ہسبنڈ...... اینڈ یو نو واٹ از ہسبنڈ...؟" ڈاکٹر ثقلین نے کہا۔

"Yes-a fake person-who deceives his wife and loves other.

(ہاں...... جو اپنی بیوی کو دھوکا دیتا ہے اور کسی دوسری سے محبت کرتا ہے)

وہ ہونٹ چبا کر بولی اور اپنی ماں کی تصویر کی طرف بغور دیکھنے لگی۔

"ہر شوہر شاکر چچا کی طرح نہیں ہوتا...... میں صرف اور صرف آپ سے محبت کرتا ہوں۔" ڈاکٹر ثقلین نے کہا تو اس نے خاموشی سے ان کی جانب دیکھا اور گہری سانس لی۔

اچانک ڈاکٹر ثقلین کا موبائل بجنے لگا...... انہوں نے نمبر دیکھا۔

"یس...... ڈاکٹر ہیئر...... " اور وہ بات کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ علیزہ...... ماں کی تصویر کے سامنے کھڑی ہو کر اس کی جانب بغور دیکھنے لگی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آج سے قبل اس نے ماں کو ایسی نظروں سے کبھی نہ دیکھا ہو...... وہ تو بہت چھوٹی تھی جب اس کی ماں فوت ہو گئی تھی اور اس کے حافظے میں موجود ماں کی تصویر قدرے دھندلا بھی گئی تھی...... اس نے تو اپنے تخیل میں...... ماں کی اور تصویر بنا رکھی تھی جو فریم میں لگی اس تصویر سے قدرے مختلف تھی۔

اس کے تخیل میں سمائی...... ماں کی تصویر میں وہ باتیں نہیں تھیں جو نئی اسے بتا رہا تھا...... اور نہ ہی کبھی اس نے ان باتوں کے بارے میں سوچا تھا۔

مما کی سفید چادر سے ڈھکا سر...... روشن پیشانی...... چمکتی ہوئی آنکھیں...... چہرے سے جھلکتا نور...... ایمانداری...... پاکیزگی...... تقدس...... مما...... واقعی ویسی تھیں...... جیسا کہ نئی اسے بتا رہا تھا۔

ویسی نہیں...... جیسا وہ انہیں سوچتی تھی...... وہ مما کے بارے میں جب بھی سوچتی تھی تو ان سے شکوے ہی کرتی تھی اور ویسی ہی باتیں کہتی تھیں جو ندرت نے اس کے اور علی کے ذہنوں میں ان کی ماں کے خلاف بٹھائی تھیں...... کہ وہ ان کے باپ سے ہر وقت جھگڑتی رہتی تھی...... ہر وقت غصے میں رہتی تھی اور بچوں کا خیال نہیں رکھتی تھی۔ ماں کی زندگی میں بھی ندرت ان کا خیال رکھتی تھی۔ اس لیے علیزہ کے دل میں ماں کے لیے بھی نرم

گوشہ اور وہ محبت نہ پیدا ہو سکی جو وہ اب محسوس کر رہی تھی...... اور وہ بھی ثنی کے جتلانے پر اور اس کے احساس دلانے پر...... وہ مسلسل تصویر کی طرف دیکھتی جا رہی تھی اور روتی جا رہی تھی۔

"سوری... مما......" وہ دیوار پر لگی تصویر کے ساتھ یوں لگی کہ اس کا سر ماں کے سینے کے ساتھ لگ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس لمحے اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ ماں کی آغوش میں ہو اور وہ محبت سے اس کا سر سہلا رہی ہو۔ اک انوکھا احساس، اک عجیب سی سرشاری اور محبت کا پُرلطف لمس اس کے وجود میں سرایت کرنے لگا۔ رات کو ڈاکٹر ثقلین کافی دیر سے اپنے بیڈ روم میں آئے تو علینہ بیڈ پر سو رہی تھی...... وہ اس کی جانب دیکھنے لگے۔ میں اس وقت تک تمہارے پاس نہیں آؤں گا جب تک تمہارے دل میں میرے لیے محبت پیدا نہ ہو جائے...... اور وہ دن بہت جلد آئے گا...... جب تم محبت سے مجھے اپنے پاس بلاؤ گی۔ ڈاکٹر ثقلین نے پر امید ہو کر سوچا اور مسکراتے ہوئے اسٹڈی روم میں چلے گئے۔

"اگلے روز علینہ کافی دیر سے بیدار ہوئی تو ڈاکٹر ثقلین ہاسپٹل جا چکے تھے مگر اب وہ پہلے سے قدرے مطمئن اور پُرسکون تھے انہیں یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ علینہ جلد ہی راہ راست پر آ جائے گی۔

علینہ نے اپنا موبائل دیکھا۔ اس پر ثمین کی کالز تھیں۔ اس نے ثمین کا نمبر ملایا مگر اس کا سیل آف تھا۔ اس نے گھر کے نمبر پر ملایا تو کوئی بھی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ وہ بہت پریشان ہونے لگی اور اس نے خود ثمین کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے وارڈ روب سے بلیک کیپری اور سلیولیس شرٹ بلاؤز پہن کر واش روم سے نکلی تو نادانستہ اس کی نظریں ماں کی تصویر کی جانب اٹھ گئیں جو چادر اوڑھے انتہائی حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں...... جیسے اس سے سوال کر رہی ہوں۔

"علینہ...... یہ تم نے کیا پہن لیا ہے......؟ کیا مسلمان لڑکیاں ایسے لباس پہنتی ہیں؟

"علینہ نے جلدی سے چہرہ دوسری جانب یوں پھیرا...... جیسے ماں سے نظریں چرا رہی ہو...... اس کے چہرے پر پسینہ سا آنے لگا۔ یہ میرا وہم ہے...... بھلا...... مما کو میرے ان ڈریسز سے کیا کام ہے اور مما کونسا زندہ ہیں جو ان کو میرا یہ ڈریس نظر آئے گا...... آئی ایم اے بگ فول اینڈ اسٹوپڈ۔" اس نے اپنا سر جھٹکا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر میک اپ کرنے لگی...... مگر گاہے بگاہے اس کی نظریں تصویر پر پڑ جاتیں...... اور اسے یوں لگتا جیسے مما اسے حیرانگی سے دیکھ رہی ہوں اور خفا بھی ہو رہی ہوں...... علینہ عجیب سی الجھن کا شکار ہونے لگی تھی۔ اس کے دل کے اندر شدید احساس زیاں اور کسی غلط کام سے پیدا ہونے والی کشمکش اسے بہت بے قرار کر رہی تھی۔ اس نے اپنے سراپے کی طرف بھرپور نظر دوڑائی...... اس کے جسم کا ہر حصہ نمایاں طور پر ننگا اور نمایاں ہو رہا تھا۔ اسے خود بھی کچھ احساس نہ ہوا...... مگر اس نے اپنی سوچ کو جھٹک دیا۔

"میں خواہ مخواہ پاگل ہو رہی ہوں...... اس نے اپنی سوچوں کو جھٹکا اور لپ اسٹک کو ٹشو پیپر سے صاف کر کے دوسری شیڈ کی ڈارک لپ اسٹک لگائی۔ لپ اسٹک لگاتے ہوئے اس کی نظر اپنے پیچھے لگی تصویر پر پڑی جو ڈریسنگ کے آئینے میں واضح طور پر نظر آ رہی تھی اور علینہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ماں اس کے پیچھے کھڑی ہو کر اسے خفگی سے دیکھ رہی ہو۔ وہ ان نظروں سے خائف ہونے لگی اور جھنجھلا کر تصویر کو اتارنا چاہا مگر تصویر میں ماں کے چہرے پر پھیلی ہلکی سی مسکراہٹ سے وہ چونک گئی...... اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ماں اس کی اس حرکت پر مسکرا رہی ہو اور اس

لمحے اسے...... اس مسکراہٹ میں اپنے لیے طنز محسوس ہونے لگا۔ اس نے جھنجھلا کر تصویر کی جانب دیکھا اور جونہی اسے اتارنے لگی تو اسے مسکراہٹ کا زاویہ بدلا ہوا محسوس ہونے لگا۔

اسے یوں لگا جیسے ماں اسے محبت سے مسکرا کر دیکھ رہی ہو۔۔۔اب اس کی مسکراہٹ میں اس کے لئے طنز نہیں تھا۔ پُرخلوص پیار تھا۔۔۔۔ وہ تصویر اتارتے ہوئے رک گئی۔ اور پھر دیر تک تصویر کی جانب دیکھتی رہی۔ اسے نجانے کیا ہوا کہ اس نے وارڈ روب کھولی اور اس میں سے جینز نکالی...... اور اس کے ساتھ ایک ٹی شرٹ اور قدرے بڑا سا اسٹول نکالا۔ دوبارہ کپڑے چینج کیے۔ اسٹول کو اپنے کندھوں پر پھیلایا تصویر کی جانب ایک نظر دیکھا تو ماں کی مسکراتی آنکھوں کو دیکھ کر اس نے گہری سانس لی اور بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"ناظر علی اور کشور نے اسے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ آج اس کا لباس اسقدر قابل اعتراض نہ تھا جتنا کہ پہلے ہوا کرتا تھا دونوں کے چہروں پر سکون کا سایہ سا لہرا گیا۔

وہ تمکین کے گھر پہنچی تو تمکین گہری نیند سو رہی تھی۔ آج اس کے ڈیڈی بھی گھر پر تھے اور ممی بھی۔ وہ علینہ کو یوں اچانک دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دونوں لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"ہیلو آنٹی۔۔۔ تمکین کہاں ہے۔۔۔؟ اس نے مجھے کال کیا تھا۔۔۔ مگر میں اس کی کال اٹینڈ نہ کر سکی۔" علینہ نے کہا۔

"وہ سو رہی ہے۔۔۔ آج اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" اس کی ممی نے جواب دیا۔

"کیوں...... کیا ہوا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تمکین کے والدین نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئے۔ ان کے چہروں پر پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔

"علینہ باری باری ان کے چہروں کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

"اس کے Liver میں پرابلم ہو گئی ہے۔" اس کی ممی نے آہ بھر کر کہا۔

"کیا پرابلم......؟ اور...... کب......؟" علینہ نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گی...... ڈونٹ یو وری۔" تمکین کے ڈیڈی جلدی سے بولے تو اس کی ممی کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔

"آؤ...... بیٹا...... چائے پیو...... آپ بتاؤ...... آجکل کیا کر رہی ہو......؟

اسٹڈیز...... کر...... یا کچھ اور......؟ جواد صاحب نے جلدی سے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی اور اس سے اس کے بارے میں پوچھنے لگے۔

"میری شادی ہو گئی ہے......" علینہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"نائس...... اٹس اے گڈ نیوز...... وہاٹ از یور ہسبینڈ؟" جواد صاحب نے پوچھا۔

"ڈاکٹر ہیں۔"

"کیا نام ہے ان کا......؟" اس کے ڈیڈی نے پوچھا۔

''ڈاکٹر ثقلین......'' اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''ڈاکٹر ثقلین......وہی جو ڈرگز ایڈکٹڈ نوجوانوں کے لیے ہاسپٹل بنا رہے ہیں......انٹرنیشنلی فیس پرسنالٹی۔'' جواد صاحب نے پوچھا۔

''یس۔۔۔'' اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

''ونڈرفل...... اٹس ریئلی اے گڈ نیوز...... یو آر لکی...... ڈاکٹر ثقلین از این ایکسیلنٹ ڈاکٹر...... اینڈ ویری نائس مین...... ویری انٹیلیجنٹ......میں نے اکثر ان کے کالمز اور ریسرچ رپورٹس نیوز پیپرز میں پڑھی ہیں اور میں تو ان سے بہت متاثر ہوں۔

ان کو میرا سلام کہیے گا۔۔۔اور میں کسی وقت ان سے ملنے آؤں گا۔'' ثقلین کے ڈیڈی نے ڈاکٹر ثقلین کی تعریفوں کے پل باندھنے شروع کر دیے۔۔۔اور علیزہ کے اندر خوشی کے احساسات کے ساتھ اک اطمینان سا بھی پیدا ہونے لگا۔ وہ جو ڈاکٹر ثقلین کو کچھ نہیں سمجھتی تھی اب ان کی تعریفیں سن کر چونک گئی تھی......اسے ان کی تعریف سننا اچھا لگ رہا تھا۔

''ہماری این جی اوز کو بھی وہ کافی سپورٹ کرتے ہیں۔۔۔ میری ایک دو بار میٹنگز میں ان سے ملاقات ہوئی ہے......ویری سمارٹ مین۔۔۔کیا وہ آپ کے کزن ہیں؟'' ثقلین کی ممی نے بھی دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔۔۔وہ میرے تایا ابا کے بیٹے ہیں۔'' علیزہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

''اس لیے۔۔۔'' مسز جواد نے علیزہ کی طرف بغور دیکھتے ہوئے اچانک کہا تو علیزہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ان کی آنکھوں میں اس کے لیے قدرے حیرانگی کے ساتھ ساتھ حقارت بھی ہو......جیسے وہ اسے ڈاکٹر ثقلین کے ہم پلہ نہ سمجھتی ہوں۔

''مسز ثقلین......آج ہم آپ سے ڈاکٹر ثقلین کے ریفرنس سے مل کر بہت خوش ہوئے ہیں......'' جواد صاحب نے انتہائی خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تو وہ دھیمے سے مسکرا دی۔

''آنٹی ثقلین......کب؟'' اس نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

''ابھی کچھ معلوم نہیں......نجانے کب اُٹھتی ہے؟'' مسز جواد نے جواب دیا ''ٹھیک ہے میں اب چلتی ہوں......پھر آؤں گی۔'' علیزہ نے بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''اوکے......'' مسز جواد نے اس سے ملتے ہوئے کہا اور لاؤنج سے باہر نکل گئی۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سارا راستہ اس کے کانوں میں ثقلین کے ڈیڈی کے الفاظ گونجتے رہے۔ وہ ڈاکٹر ثقلین کا نام کس قدر عزت سے لے رہے تھے......اور اس کی ممی علیزہ کو بالکل بھی ان کے قابل نہیں سمجھ رہی تھی......اور اس نے کبھی ڈاکٹر ثقلین کو کچھ سمجھا ہی نہیں تھا...... وہ کیا ہیں......؟ کیا کرتے ہیں......؟ کتنے مشہور ہیں......؟ کتنے قابل ہیں......؟ اسے نہ ان سے سروکار تھا نہ ان کی کسی بات سے......اور نہ ہی کسی خوبی سے......مگر......اب......ثقلین کے ڈیڈی کی باتوں نے اس کے دل پر بہت گہرا اثر کیا تھا......اور......وہ ویسے بھی کانوں کی کچی رہی تھی جو کوئی بھی اسے کچھ کہتا وہ فوراً اس پر یقین کر لیتی......اور اس کی رائے فوراً بدل جاتی......اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسی طرح گزارا تھا جس طرح لوگ اس سے کہتے تھے......اس کی اپنی سوچ......نہ تو اتنی پختہ تھی اور نہ ہی

ویلیوز اتنی اسٹرونگ کہ وہ اپنی سوچ اور اپنے آپ کو منوانے کے لیے ثابت قدمی سے کھڑی ہو جاتی۔ اس کے دل میں ڈاکٹر تمکین کے لیے نرم گوشہ پیدا ہونے لگا۔ ڈاکٹر تمکین کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ زیر لب مسکرانے لگی۔

عزا کے موبائل پر بار بار انیلا کا فون آ رہا تھا...... عزا کچن میں ریحانہ کے ساتھ مل کر شام کی چائے بنانے میں مصروف تھی۔ موبائل کی آواز سن کر وہ جلدی سے اپنے کمرے میں آئی۔

''السلام علیکم...... بھابھی۔'' وہ قدرے ہانپتے ہوئے بولی۔

''عزا...... کہاں رہ گئی تھی...... کب سے فون کر رہی ہوں...... تم اٹھا ہی نہیں رہی...... سنا ڈینی اور علینہ میں طلاق ہو گئی...... سچ...... میں تو یہ جاننے کے لیے بے تاب ہو رہی ہوں۔'' انیلا نے قدرے تجسس لہجے میں پوچھا۔

''ارے...... نہیں...... سنی بھائی نے مما سے تھوڑا سا ٹائم مانگا ہے۔'' عزا نے صاف گوئی سے بتایا۔

''او...... بھلا...... ٹائم لے کر کیا کرے گا...... آج نہیں تو کل...... طلاق تو ہونی ہی ہے...... علینہ نے کہاں سدھرنا ہے اور سنی کب تک اسے برداشت کرے گا...... '' انیلا نے منہ بنا کر کہا۔

''بس...... مما...... پاپا نے ان کو ٹائم دے دیا ہے۔'' عزا نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے...... اگر کوئی اور گڑ بڑ ہوئی تو مجھے فون کر کے بتا دینا۔

ندرت بھائی کو بتانا ہوتا ہے...... وہ بچاری علینہ کے غم میں ہر وقت پریشان رہتی ہیں۔'' انیلا نے کہا اور فون بند کر دیا۔

عزا فون سن کر کمرے سے باہر نکلی تو ریحانہ چائے لاؤنج میں سجا کر لے آئی تھی۔ ناصر علی اور کشور چائے پینے میں مصروف تھے۔

''کس کا فون تھا......؟'' کشور نے حیرت سے پوچھا۔

''انیلا بھابھی کا......'' عزا نے جواب دیا۔

''کیا کہہ رہی تھی......؟

''سنی بھائی اور علینہ کے بارے میں پوچھ رہی تھی...... کہ ان کی طلاق ہوئی یا نہیں۔'' عزا نے صاف گوئی سے بتا دیا۔

''کشور اور ناصر علی نے انتہائی حیرت سے چونک کر عزا کی طرف دیکھا۔

''کیوں...... اس کو کیا مسئلہ ہے...... یہ ہمارے گھر کی پرابلم ہے اور انیلا کون ہوتی ہے یہ خبریں رکھنے والی...... اور اس کو کس نے یہ ساری باتیں بتائیں؟'' کشور ایک ہی سانس میں غصے سے بولنے لگی۔

''وہ...... مما...... اس روز مجھ سے پوچھ رہی تھیں تو میں نے بتایا تھا......'' عزا نے ڈرتے ہوئے مگر صاف گوئی سے بتا دیا۔

''عزا...... عزا...... تمہیں میں کیسے سمجھاؤں...... گھر کی باتیں مت کسی کو بتایا کرو...... مگر تمہیں سمجھ نہیں آتی...... اور تم جانتی ہو...... وہ کیا کرتی ہے......؟ وہ ساری باتیں ندرت کو بتاتی ہے اور وہ دونوں مل کر ہمارے گھر کا تماشا دیکھنا چاہتی ہیں...... نجانے تمہیں کب سمجھ آئے گی؟'' کشور نے

غصے سے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"سوری......مما......" عزا نے آہستہ آواز میں کہا۔

"بیٹا۔۔ایسے مت کیا کرو۔۔گھر میں ہزار باتیں اور ہزار مسئلے ہو جاتے ہیں۔اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ایک ایک بات کی رپورٹ دوسروں کو دی جائے......لوگ دوسروں کی کمزوریوں پر ہنستے ہیں......بہت کم لوگ دوسروں کے مسئلے حل کرتے ہیں......" ناظر علی نے عزا کو نرمی سے سمجھایا۔

"آئی ایم سوری" وہ شرمندگی سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔۔۔آئندہ ایسا مت کرنا۔۔۔اب چائے پیو۔" ناظر علی نے محبت سے اسے سمجھایا تو وہ چائے پینے لگی۔

"علینہ اپنے کمرے میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی اور قدرے مسرور بھی تھی۔اس کے ذہن میں ثقلین کے ڈیڈی کی باتوں کی بازگشت جاری تھی۔وہ ٹی وی دیکھتے ہوئے بار بار مسکرا رہی تھی۔ڈاکٹر ثقلین پر اسے پیار آنے لگا تھا۔وہ ان کی آمد کی شدت سے منتظر تھی۔کافی دیر سے ڈاکٹر ثقلین اس کے کمرے میں آئے۔وہ بلیک پینٹ اور ٹی پنک شرٹ میں کافی ڈیسنٹ لگ رہے تھے یا پھر علینہ کا آج انہیں دیکھنے کا زاویہ بدل گیا تھا وہ آج اسے پہلی بار اچھے لگ رہے تھے۔ان کے چہرے پر بھی قدرے طمانیت تھی۔علینہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا اور اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی اور چہرے پر سرخی سی دوڑ گئی۔

"کیسی ہیں آپ۔۔۔؟ ڈاکٹر ثقلین نے محبت سے اس کے قریب آ کر پوچھا۔

"ٹھیک ہوں......" اس نے نظریں جھکا کر قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"علینہ......علینہ میں یہ کچھ کتابیں اور آرٹیکلز آپ کے لیے لایا ہوں......آپ فارغ وقت میں ان کو پڑھا کریں،بہت معلوماتی اور انٹرسٹنگ ہیں۔" ڈاکٹر ثقلین نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے ایک بڑا سا لفافہ نکال کر دیا جس میں کافی زیادہ کتابیں اور میگزینز تھے۔علینہ نے لفافہ پکڑ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

کیا آپ نے کھانا کھایا ہے......؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"ہاں......" اس نے مثبت میں سر ہلایا۔

"علینہ......پلیز......نیچے جا کر مما......پاپا کے پاس بیٹھا کریں......مسلسل اس کمرے کے اندر......اپنی سوچوں میں گم اپنے آپ سے باتیں کر کر کے آپ بیمار ہو جائیں گی۔" ڈاکٹر ثقلین نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی اور کوئی جواب نہ دیا۔وہ کچھ کہنا بھی چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پا رہی تھی۔ڈاکٹر ثقلین کچھ دیر اس کی جانب دیکھتے رہے اور پھر اٹھ کر واش روم میں چلے گئے اور ڈریس چینج کر کے اسٹڈی روم میں چلے گئے جہاں وہ کام کرنے کے بعد سوتے تھے۔علینہ کا دل چاہ رہا تھا کہ آج وہ انہیں کسی طرح اسٹڈی میں جانے سے روک لے۔وہ ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کریں......آج وہ ان کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔انہیں اپنے دل کی کیفیت بتانا چاہتی تھی......مگر وہ کچھ نہ کہہ سکی اور نہ ہی انہیں روک سکی۔

ڈاکٹر ثقلین کو اسٹڈی میں گئے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا تھا اور علینہ اپنے آپ سے الجھنے میں مصروف تھی۔وہ شدید کشمکش کا شکار ہو

رہی تھی۔ آج وہ اپنے آپ پر قابو نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کے دل میں ایک عجیب سی بے چینی اور بے قراری پیدا ہو رہی تھی۔ جو اسے کسی پل بھی سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔

"کیا وہ ڈاکٹر ثقلین سے محبت کرنے لگی ہے؟ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

"شاید...... ہاں...... شاید...... نہیں...... شاید...... معلوم نہیں۔" اس نے جھنجھلا کر سوچا مگر دل پھر سے بے قرار ہونے لگا۔ وہ اٹھ کر اسٹڈی روم میں چلی گئی۔ ڈاکٹر ثقلین کمپیوٹر پر کچھ کام کرنے میں مصروف تھے...... علینہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر اضطراب اور آنکھوں میں بے چینی تھی۔ ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"علینہ...... آپ......؟ ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے پوچھا جو شاید پہلی بار ان کے پیچھے اسٹڈی روم میں آئی تھی۔

علینہ ان کی جانب دیکھ کر بوکھلا گئی۔

"خیریت تو ہے۔ کیا بات ہے؟" ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"ک...... کچھ نہیں......" اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا...... کچھ دیر کھڑی رہی اور پھر وہاں سے چلی گئی۔ ڈاکٹر ثقلین زیر لب مسکرانے لگے۔

علینہ کو عجیب سا اور پریشان ہونے لگا۔ اس کا اندر بہت زیادہ مضطرب اور بے چین ہونے لگا۔ وہ کمرے میں چکر لگاتی رہی اور پھر وارڈ روب میں سے بیئر کی بوتل نکالی اور اس کا جام بنا کر صوفے پر بیٹھ کر جیسے ہی پینے لگی۔ اس کی نظر ماں کی تصویر پر پڑی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ماں اس کی اس حرکت پر اس سے ناراض ہو رہی ہوں اور قدرے خفگی سے دیکھ رہی ہوں۔ علینہ نے نظریں چرائیں اور پھر جام کو ہونٹوں سے لگانے کی کوشش کی تو نادانستہ پھر اس کی نظریں تصویر پر پڑیں اسے یوں لگا جیسے ماں اسے انتہائی غصے سے گھور رہی ہو...... اس نے جام واپس رکھ دیا اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئی۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا اور دل اضطراب سے بے قرار و بے چین ہو رہا تھا۔ اس کا دل، دماغ اور جسم بری طرح مضطرب ہو رہے تھے...... اور ماں سے نظریں ملاتے ہوئے اس کی روح میں بھی بے چینی بھر رہی تھی۔ اس نے انتہائی مضطرب ہو کر تصویر کی جانب دیکھا کر کے جام ہونٹوں سے لگایا اور جیسے ہی ایک دو گھونٹ لیے اسے بیئر انتہائی بدمزہ اور کڑوی لگی۔

"یہ ایسی تو نہیں تھی...... آج میں نے اس میں کیا مکس کر دیا ہے۔"

وہ خود ہی بڑبڑائی اور کراہت سے جام کی جانب دیکھنے لگی۔ اس نے پھر پینے کی کوشش کی اور پھر اسے ایسا ہی محسوس ہوا۔ اس نے غصے میں آ کر بیئر واش روم میں لگے بیسن میں گرا دی۔ اور جیسے ہی وہاں سے باہر نکلی تو پھر اس کی نظریں ماں کی تصویر پر جا پڑیں۔

"علینہ...... بہت بری بات۔" اسے یوں محسوس ہوا...... جیسے اس کی ماں نے تصویر میں ہی سرگوشی کی ہو اور اس سرگوشی کی بازگشت اسے کمرے میں سنائی دینے لگی...... وہ اور بے چین ہونے لگی۔

"علینہ...... بہت بری بات۔" آواز کی بازگشت اس کے دماغ پر ہتھوڑوں کی مانند برسنے لگی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی اور

اندر کا ڈپریشن...... غم وغصہ...... اور اضطراب آنسوؤں کی صورت میں باہر نکلنے لگا۔

اس نے تصویر کی جانب بے بسی سے دیکھا اور بستر پر اوندھے منہ لیٹ کر بلکنے لگی...... آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ بہہ کر بستر میں جذب ہو رہے تھے۔ اس نے اچانک اپنے بالوں میں لطیف سا لمس محسوس کیا۔ اس نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ ڈاکٹر ثقلین محبت سے اس کے اوپر جھکے ہوئے تھے۔ اسے یقین نہ آیا اور وہ پھر رونے لگی۔

''آئی ایم ہیئر...... ودیو...... ڈیئر'' ڈاکٹر ثقلین نے سرگوشی کی۔ علیزہ نے پھر ان کی جانب دیکھا اور ان کے گلے لگ کر رونے لگی۔

''آئی لو یو سو مچ...... آئی لو یو......'' وہ وارفتگی میں بڑبڑانے لگی...... اسے کسی لمس کا احساس نہ ہوا...... اس نے چونک کر دیکھا...... وہاں کوئی نہ تھا...... وہ تکیے کے ساتھ لپٹ کر رو رہی تھی...... اس نے غصے سے تکیہ اٹھا کر زور سے کارپٹ پر پھینکا اور بیڈ پر بیٹھ کر رونے لگی۔ اس کا ڈپریشن مزید بڑھنے لگا تھا...... اور اس کی ماں حیرت سے اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

☆

سدرہ نے کمزور اور بیمار بیٹے کو جنم دیا تھا۔ جس میں خون کی کمی تو تھی ہی...... وہ یرقان کا بھی بری طرح شکار تھا...... سدرہ نے اس کی پیدائش تک انتہائی ہمت سے محنت مزدوری کی تھی۔ رات گئے تک وہ لوگوں کے کپڑے سیتی، بُنتی، سوئیٹر بُنا کرتی۔ گھر کا خرچہ چلانے کے علاوہ جو تھوڑی بہت رقم جمع کی تھی وہ بچے کے پیدا ہونے اور ہسپتال میں اس کی دوائیوں پر خرچ ہو گئی تھی۔ انتہائی تنگدستی کا دور شروع ہو گیا تھا۔ سدرہ میں ابھی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ بیٹھ کر سلائی کا کام کرتی...... اور کاشف کو تو کئی ماہ سے تنخواہ ہی نہیں مل رہی تھی۔ وہ اپنی طرف سے بہت ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کرتا مگر یوں لگ رہا تھا جیسے قدرت بھی ان کے ساتھ ناراض ہو گئی ہو...... ایک دو دوستوں سے اس نے ادھار مانگا۔ انہوں نے وعدے تو کیے مگر کسی نے کچھ نہ دیا۔

سدرہ بیٹے کو لے کر کبھی کسی حکیم کے پاس جاتی کبھی کسی ہومیوپیتھک ڈاکٹر کے پاس...... کیوں کہ اس کے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ وہ اسے کسی اسپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتی۔ بچے کی بگڑتی حالت دیکھ کر زاہدہ ہر وقت سدرہ کو کوسنے دیتی رہتی...... زاہدہ کو تو قدرت نے ایک اور موقع فراہم کر دیا تھا جس سے وہ بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی اور ہر وقت...... ہر پل اسے کوستی رہتی۔

''کاشف...... تو نے دیکھ لیا بھوک کا نتیجہ...... ایسا مریل اور بیمار بچہ پیدا کیا ہے اس نے...... بیٹا کھایا پیا ہی کام آتا ہے۔ اگر ٹھیک طرح سے کھاتی پیتی...... تو آج بچہ صحت مند اور تندرست ہوتا۔''

زاہدہ نے غصے میں کاشف کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''اماں...... جتنا وہ کھا سکتی تھی...... اس نے کھایا تو ہے...... اب قدرت کی طرف سے ہی ذیشان ایسا پیدا ہوا ہے...... تو وہ کیا کرے۔''

''کاشف نے جھنجھلا کر کہا۔

''بس کرو بے...... بیوی کی طرفداریاں کرنا...... آج یہ دن...... جو ہم دیکھ رہے ہیں نا...... یہ سب اس کی وجہ سے ہے...... ایسی منحوس آئی

ہے کہ میرے گھر سے رحمتیں برکتیں..... رزق کی ریل پیل ہی ختم ہو گئی ہے..... اتنا خبط تھا حلال کی کمائی کھانے کا..... تو بچہ پیدا کرنے کے بعد کھاتی..... اب بچے کے اندر جو کمی ہے وہ کیسے پوری ہوگی..... اب لگاؤ ڈاکٹروں اور حکیموں کے پاس چکر.....“۔

زاہدہ نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے کہا تو کاشف خاموش ہو گیا اور اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔ جہاں سدرہ بیڈ پر بیٹھی زاہدہ کی ساری گفتگو سن رہی تھی اور بہت افسردہ ہو رہی تھی۔

”اب کیسی طبیعت ہے اس کی؟ کاشف نے آہ بھر کر کہا اور دونوں خاموش ہو گئے جیسے کہنے کے لئے ان کے پاس کچھ نہ ہو۔

”میں نے ایک دوست سے ادھار پیسے مانگے تو ہیں..... اگر مل گئے تو اسے کسی اچھے سے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔“

کاشف نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

”جاب کا کچھ بنا.....؟ سدرہ نے پوچھا۔

”نہیں.....“ اس نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

”افسر کیا کہتے ہیں.....؟

”دی..... ان کی ایک بات..... کہ ان کا ساتھ دوں..... تو آج ہی بحال کروا دیں گے۔“ کاشف نے جواب دیا اور خاموش ہو گیا سدرہ بھی خاموش ہو گئی اور اس کے چہرے پر مایوسی پھیلنے لگی آپ فکر نہ کریں..... اللہ..... مسبب الاسباب ہے۔ وہ ہماری نیتوں کو جانتا ہے۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔“ سدرہ نے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ مگر اس کے لہجے کی کمزوری اس کے اندر پھیلی مایوسی اور پریشانی کا پتا دے رہی تھی۔ کاشف نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اسے معطل ہوئے چھ ماہ گزر گئے تھے اور وہ ابھی تک سدرہ کی تسلیوں اور دلاسوں پر چل رہا تھا۔ شروع شروع میں تو یہ دلاسے اور تسلیاں اس کی ہمت بندھاتے رہے مگر اب وہ اسے محض کھوکھلے الفاظ لگتے تھے اور وہ الفاظ اس کی کوئی ضرورت پوری نہیں کر رہے تھے..... وہ پہلے سدرہ کی تسلیوں پر مطمئن ہو جاتا تھا..... پُر امید ہو جاتا تھا اور اب مزید مایوسی کا شکار ہونے لگا تھا بلکہ بعض اوقات سدرہ کو محسوس ہونے لگتا جیسے وہ اس کی باتوں سے جھنجھلانے لگا ہو..... وہ اپنے اندر نہ تو پختہ شعور رکھتا تھا اور نہ ہی یقین کامل اس لئے متزلزل اور مضطرب رہتا..... زاہدہ کی باتوں سے جنم لینے والے اندیشے اور وسوسے اسے مزید کمزور کرنے لگتے۔ چھ ماہ کے اندر اس نے جو تنگدستی مایوسی اور پریشانی دیکھی تھی اس نے اسے اندر سے مضبوط نہیں بلکہ بہت کھوکھلا کر دیا تھا کوئی بھی ایسی بات مثبت انداز میں نہیں ہوتی تھی جو سدرہ کی باتوں پر اس کا یقین پختہ کرتی..... سدرہ جو بھی کہتی تھی..... ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ اندر سے ڈگمگانے لگا تھا۔

”جوں جوں رات گہری ہونے لگی۔ ذیشان کے بخار اور قے میں اضافہ ہونے لگا۔ اس کی حالت بہت خراب ہونے لگی۔ سدرہ اسے دیکھ کر رونا شروع ہو گئی۔ کاشف بھی گھبرا گیا۔

”سدرہ اٹھو..... اسے ہسپتال لے کر چلتے ہیں..... مجھ سے اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی۔“ کاشف نے انتہائی پریشانی سے کہا۔

”مگر..... کاشف..... میرے پاس کوئی بھی پیسہ نہیں۔“ سدرہ نے فکرمندی سے جواب دیا۔

"میں ابھی اپنا موبائل بیچ کر آتا ہوں..... اتنی دیر میں تم تیار ہو جاؤ۔" کاشف موبائل ہاتھ میں پکڑ کر باہر نکلا تو زاہدہ اپنے کمرے سے باہر نکلی۔

"کاشف..... تو..... اس وقت کہاں جا رہا ہے؟ زاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اماں..... ذیشان کی حالت بڑی خراب ہے..... اسے ہسپتال لے کر جا رہا ہوں۔" کاشف نے نم آنکھوں سے جواب دیا۔

"کیا..... کوئی پیسہ ہے۔ تیرے پاس؟ زاہدہ نے پوچھا۔

"نہیں..... اپنا موبائل بیچنے جا رہا ہوں۔" کاشف نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"واہ..... بیٹا..... اب نوبت یہاں آ گئی ہے..... تیری نصیبوں والی بیگم صاحبہ اب گھر کی ایک ایک چیز بکوائے گی..... بس..... بہت میں نے برداشت کر لیا..... خبردار تو نے آئندہ اس کی کوئی بات سنی۔ ٹھہر میں نے کچھ پیسے سنبھال کر رکھے ہیں..... وہ لاتی ہوں..... بچے کا اس سے علاج کرا لے....." زاہدہ اپنے کمرے میں گئی اور پانچ ہزار روپے لا کر اسے پکڑائے کاشف چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو نے بہت من مانی کر لی..... بہت اس کی باتیں مان لیں..... نتیجہ رسوائی۔ بے روزگاری اور تنگدستی کے علاوہ کیا نکلا ہے۔ جا بچے کو لے جا....." زاہدہ نے کہا تو کاشف کی آنکھیں ماں کے لیے تشکر کے احساس سے بھرنے لگیں۔

"اماں..... تو....." کاشف کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

"بس..... بس..... اب..... جا....." زاہدہ نے کہا تو کاشف سدرہ اور ذیشان کو لے کر ہسپتال چلا گیا۔ رات بھر وہ ICU میں رہا ڈاکٹر اور نرسیں اسے تھوڑی تھوڑی دیر بعد چیک کرتے رہے۔ دن ہوتے ہی اس کی حالت کچھ بہتر ہو گئی اور دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ رات بھر جاگنے سے ان کی آنکھیں سرخ اور طبیعت بوجھل ہو رہی تھی۔ مگر ذیشان کی طبیعت کا سن کر وہ خوش ہو گئے۔ دو دن ہاسپٹل میں رہنے کے بعد وہ بچے کو لے کر آ گئے۔ ذیشان پہلے سے بہت بہتر تھا۔

"میں بھی سوچتا ہوں..... پیسہ کتنی بڑی ضرورت ہے.....؟ جیب میں نہ ہو تو انسان کتنی مار کھاتا ہے..... کتنا ذلیل و خوار ہوتا ہے..... یہ مجھے اب اندازہ ہو رہا ہے۔" کاشف نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے نم آنکھوں سے کہا۔

"ہاں..... پیسہ..... اللہ کی بہت بڑی نعمت اور عطا ہے..... اسی لیے وہ اسے فضول خرچی میں اڑانے سے منع کرتا ہے۔" سدرہ نے جواب دیا۔

"اب وہ دن گئے..... جب ہم فضول خرچ ہوا کرتے تھے..... اب تو پانچ روپے خرچ کرنے سے پہلے پانچ بار سوچتا ہوں۔" کاشف نے آہ بھر کر مایوسی سے کہا۔

"کاشف..... محنت اور حلال کی کمائی سے کمایا ہوا پیسہ اسی طرح سوچ سمجھ کر خرچ کیا جاتا ہے۔ دیکھیں نا اس میں کتنی بڑی حکمت ہے کہ جب انسان محنت سے کمایا ہوا پیسہ سوچ سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو خود بخود فضول خرچی اور نمود و نمائش سے بچ جاتا ہے اور معاشرے میں زیادہ خرابیاں نمود و

نمائش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ سدرہ نے کہا تو کاشف کے چہرے پر بیزاری کے تاثرات نمایاں ہونے لگے مگر اس نے سدرہ کو کوئی جواب نہ دیا اور منہ پھیر کر سو گیا۔

چھٹی کا دن تھا۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ کاشف اور سدرہ کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھے۔ بہت دنوں بعد ذیشان کی طبیعت سنبھلی تھی اور دونوں نے سکون کا سانس لیا تھا...... ورنہ پورے ایک ماہ سے وہ ڈاکٹروں اور حکیموں کے پاس جا جا کر تھک گئے تھے نہ کھانے کی ہوش تھی اور نہ آرام کرنے کی فرصت۔ اب ذیشان قدرے بہتر ہوا تو انہیں بھوک نے بھی ستانا شروع کر دیا اور دونوں نے مل کر بریانی بنانے کا پروگرام بنایا۔ دونوں قدرے خوش تھے۔

باہر ڈور بیل بجی...... تو زاہدہ نے جا کر دروازہ کھولا۔ ایک ویل ڈریسڈ شخص جو حلیے سے تعلیم یافتہ اور امیر دکھائی دے رہا تھا اپنی بڑی سی سفید کار سے باہر کھڑا تھا۔

"کون......؟" زاہدہ نے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔

"میں بیدار صدیقی ہوں...... کاشف علی کا گھر یہی ہے۔" آدمی نے پوچھا۔

"جی ہاں......" زاہدہ نے حیرت سے جواب دیا۔

"میں ان کے آفس سے آیا ہوں۔ کیا وہ گھر پر ہیں؟" آدمی نے پوچھا۔

"جی...... اندر آ جائیے۔" زاہدہ نے جواب دیا اور اس شخص کو ڈرائنگ روم میں لے جا کر بٹھایا اور آ کر کاشف کو اطلاع دی کاشف چونک سا گیا۔

"بیدار صاحب...... اور...... یہاں......؟" کاشف نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"ہاں...... اور میں نے ان کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے...... سدرہ گلاس میں بوتل ڈال...... کوئی بڑا افسر ہی لگتا ہے......" زاہدہ نے قدرے مرعوب انداز میں کہا تو سدرہ نے فریج میں سے پیپسی نکال کر ایک گلاس میں ڈالی۔

کاشف ڈرائنگ روم میں بیدار صدیقی کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

"سر...... آپ نے کیسے تکلف کیا؟" کاشف نے حیرانگی سے پوچھا۔

"کاشف...... جو بات یہاں ہو سکتی ہے۔ وہ آفس میں نہیں ہو سکتی تھی...... کاشف تم سے مجھے اپنے بچوں جیسی محبت ہے...... اور مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارا بچہ بیمار ہے...... یقین مانو...... یہ خبر سن کر میں رہ نہیں پایا...... اور فوراً تمہاری طرف آ گیا۔" بیدار صدیقی نے قدرے محبت جتلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے...... سر...... اب وہ کافی بہتر ہے۔" کاشف نے بتایا۔

خدا اس کو صحت اور زندگی دے...... لیکن...... کاشف زندگی میں صحت کو بحال رکھنے کے لیے اچھی خوراک بہت ضرورت ہے...... اور

آجکل تو بچے استقدر ڈیمانڈنگ ہیں کہ پوچھو مت...... ہر بچے کو luxurious لائف اسٹائل (عیش و عشرت والی طرزِ زندگی) چاہیے۔

تعلیم بہت مہنگی ہے......اور دوسری ضروریات زندگی بہت مہنگی ہیں......اور ہم لوگ بھی تو اپنے بچوں کی خاطر سب کچھ کرنے پر مجبور ہیں جو شاید دل سے ہم بھی نہیں چاہتے...... تمہارے بچے کو بھی سب کچھ چاہیے...... اچھی زندگی...... اچھی تعلیم اور ہر سہولت...... جب والدین اپنی اولاد کو یہ سب کچھ نہیں دے سکتے تو بچے احساس محرومی کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ والدین کا یہ فرض ہے کہ وہ اولاد کو یہ سب کچھ مہیا کریں...... اس لئے کاشف میں تمہیں سمجھانے آیا ہوں کہ اپنی ضد چھوڑ دو...... اور پہلے کی طرح کام کرو...... میں خود تمہاری نوکری بحال کراؤں گا اور اچھے طریقوں سے جو بھی تمہارے dues (ادائیگی) ہیں وہ سب تمہیں دلاؤں گا۔"

بیدار صدیقی نے کہا...... تو اسی لمحے زاہدہ پیپسی کا گلاس ٹرے میں لیے اندر داخل ہوئی۔ وہ باہر کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ کاشف گہری سوچوں میں گم خاموش بیٹھا تھا۔ زاہدہ نے گلاس ٹیبل پر رکھا۔

"ماں جی آپ ہی کاشف کو سمجھایئے...... آجکل کونسا زمانہ ہے...... پرانی باتوں اور روایات سے چمٹے رہنے کا...... آجکل زندگی استقدر مشکل ہو گئی ہے کہ اس کو مناسب انداز سے گزارنا...... گویا...... کوئی چوٹی سر کرنے کے برابر ہے...... نجانے اسے کیا ہو گیا ہے...... اچھا خاصا کام کر رہا تھا۔" بیدار صدیقی نے زاہدہ سے کہا تو وہ کاشف کی جانب دیکھنے لگی۔ "یہ وہی کرے گا...... جو آپ کہیں گے۔" زاہدہ نے فیصلہ کن انداز میں کاشف کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو کاشف نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔

"یہی تو میں اس کو سمجھا رہا ہوں۔" بیدار صدیقی قدرے خوش ہو کر بولا۔

"اس نے بہت اپنی من مانیاں کر لیں...... اب وہی کچھ کرے گا جو میں اسے کہوں گی...... آپ مہربانی کر کے اس کی نوکری بحال کرائیں۔ ہمیں آپ کی عزت کا پاس ہے۔ اب یہ آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرے گا۔" زاہدہ نے دوٹوک انداز میں کہا تو بیدار صدیقی خوش ہو گیا۔

"آپ بہت سمجھدار خاتون ہیں...... بہت زمانہ شناس ہیں...... اس لیے میرا دل چاہتا تھا کہ میں گھر آ کر کاشف کو سمجھاؤں...... آپ کا بہت شکریہ کہ آپ میری بات سمجھ گئی ہیں۔ امید ہے کاشف کو بھی یہ بات سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ ہم لوگ اس کے دشمن نہیں...... اس کے اصلی خیر خواہ ہیں۔" بیدار صدیقی نے پیپسی پیتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں...... کیوں نہیں...... بیناداں ہے...... خواہ مخواہ لوگوں کی باتوں میں آ کر بھٹک گیا...... اب تو اس کی عقل بھی ٹھکانے آ گئی ہو گی اور ہوش بھی۔" زاہدہ نے جواب دیا۔

"بہت شکریہ...... اب میں چلتا ہوں۔" بیدار صدیقی نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا تو کاشف اور زاہدہ بھی اس کے ہمراہ اٹھے۔

"شاباش...... اب اپنے ذہن کو ہر فکر اور بوجھ سے آزاد کر دو...... بالکل مطمئن ہو جاؤ...... سب...... کام ٹھیک ہو جائیں گے۔" بیدار صدیقی نے کاشف کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا اور تپاک سے اسے مل کر...... زاہدہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"اماں...... یہ تو نے کیا کیا......؟ تو نہیں جانتی...... ہمارے واپڈا آفس میں ساری بے ایمانیاں...... چوریاں اور دو نمبر کام کروانے میں یہ بندہ ماہر ہے اور تو نے مجھے اس کے حوالے کر دیا...... میری اتنے مہینوں کی اکڑ...... اور ثابت قدمی پر تو نے پانی پھیر دیا...... میں جو اس کی بات سننے

کو تیار نہیں تھا...... آج تو نے مجھے اس کے سامنے بے بس کر دیا۔" کاشف نے قدرے غصے سے کہا۔

"بس...... کر...... کہاں کی اکڑ...... اور کہاں کی ثابت قدمی...... کل اتنا مجبور اور بے بس ہو گیا کہ اپنا موبائل بیچنے جا رہا تھا...... میں تم لوگوں کو بہت دیکھتی رہی ہوں...... پورے چھ ماہ میں حلال کی روٹیاں کھا کر تم لوگوں نے جو تیر مارا ہے نا...... وہ مجھے دکھا دو...... بیمار اور مریل بچہ پیدا کیا ہے...... یہ ہے اس کا کمال......؟ بڑا آیا باتیں بنانے والا۔ تیرا دماغ اس نے ہی خراب کیا ہے۔ اچھا خاصا ہمارا گھر چل رہا تھا...... نجانے کیسے تو اس کی باتوں میں آ گیا۔ بڑی آئی کسی ملا کی اولاد۔

ماں لوگوں کا بچا کھچا سمیٹنے میں لگی رہتی ہے...... اور بیگم صاحبہ حلال کی کمائی کے چکروں میں پڑی ہیں...... خبردار آئندہ تو نے اس کی کوئی بات سنی اور مانی...... اس کی ماں کر جو تحفہ مجھے ملنا تھا وہی ہمارے لیے کافی ہے۔" زاہدہ نے غصے سے کہا تو کاشف خاموش ہو گیا اور بوجھل قدموں سے باہر نکل گیا۔ سدرہ نے بریانی لگا کر بڑے اہتمام سے رائتے اور سلاد کے ساتھ ٹیبل پر سجائی تھی۔ مگر کاشف نے ایک نوالہ بھی نہیں کھایا تھا۔ وہ پلیٹ اپنے آگے رکھے چمچ سے چاولوں کو ادھر ادھر کرتا رہا۔ سدرہ بغور اس کی جانب دیکھتی رہی۔ البتہ زاہدہ خوب ڈٹ کر کھا رہی تھی۔ سدرہ زاہدہ کی موجودگی میں اس سے کچھ بھی نہیں پوچھ سکتی تھی۔ وہ بس کاشف کی جانب دیکھتی رہی۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا......" وہ پلیٹ چھوڑ کر کمرے میں چلا گیا۔

سدرہ نے برتن سمیٹے اور اس کے پیچھے کمرے میں چلی آئی۔

"کاشف کیا بات ہے...... اچانک آپ کو کیا ہو گیا ہے......؟ آپ تو اچھے خاصے تھے...... اور وہ کون شخص تھا...... کیا کہہ کر گیا ہے کہ آپ یوں پریشان ہو گئے ہیں۔" سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"بیدار صدیقی...... میرے باس...... مجھے پھر سے اپنے ساتھ بے ایمانی میں ملانے کے لئے آئے تھے۔" کاشف نے آہ بھر کر کہا۔

"پھر...... آپ نے کیا فیصلہ کیا......؟" سدرہ نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"کاشف اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا اور نظریں چرانے لگا۔

"کاشف میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔" سدرہ نے غصے سے کہا۔

"اماں نے ان کو ہاں کہہ دی......" کاشف نظریں جھکا کر بولا۔

"ہاں......؟ کس بات کی ہاں......؟" سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ان کے ساتھ کام کرنے کی۔" کاشف نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"کیا...... کیا......؟ کیا آپ پھر ان کے ساتھ وہی پرانے کام کریں گے۔ وہی بے ایمانیاں...... وہی بجلی کی چوریاں اور...... گھر میں پھر سے حرام کی کمائی آئے گی......" سدرہ نے غصے سے لرزتی آواز سے کہا تو کاشف نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

☆

"کاشف..... اگر آپ نے بھی یہ کچھ کرنا تھا..... تو پھر کیا ضرورت تھی اتنے ماہ Suspend رہنے کی..... آپ اندر سے اتنے کمزور ہو سکتے ہیں۔ مجھے قطعی یقین نہیں تھا۔ میں تو آزمائش کے آخری لمحے تک آپ کا ساتھ نبھانے کو تیار تھی..... اور..... آپ نے چند قدم چل کر ہی ہمت ہار دی اور اسی پرانے راستے پر لوٹ گئے..... "سدرہ نے نم آنکھوں سے کہا اور اس کے لہجے میں بلا کی شکستگی تھی۔

"میں..... کیا کروں..... میں مجبور ہوں..... اور ذیشان کی حالت تم نے دیکھی تھی نا..... میں اپنے بچے کو ساری خوشیاں دینا چاہتا ہوں..... میں اسے کسی بھی شے سے محروم نہیں دیکھ سکتا۔"

کاشف نے سوئے ہوئے ذیشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"حرام کی کمائی کھلا کر..... اس کے خون میں گندگی بھر کر..... اور اس کی معصوم روح کو ناپاک کر کے آپ اسے کونسی خوشی دینا چاہتے ہیں؟" سدرہ نے غصے سے کہا۔

"بس کرو..... سدرہ..... ان چھ ماہ میں حلال کمانے کی جو کوشش کی ہے..... اس سے کیا ملا.....؟ سوائے تنگدستی اور ضلالت کے۔" کاشف بھی غصے سے بولا۔

"اور اتنے سال حرام کی کمائی کھا کر آپ نے کیا کیا.....؟ سوائے اپنے پیٹ پالنے اور گھروں میں ہر وقت خوف سے ڈر سہم کر رہتے ہوئے..... "سدرہ نے درشت لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے..... کم از کم کھانے پینے کو تو ملتا تھا نا۔" کاشف غصے سے بولا۔

"بس..... زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا ہی ہے..... اور کچھ نہیں۔" سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"دنیا کا ہر کام پیسے سے ہوتا ہے..... "کاشف نے جواب دیا۔

"اللہ نے انسان کو صرف پیسہ کمانے اور پیٹ بھرنے کے لیے تو دنیا میں نہیں بھیجا۔" سدرہ نے منمنا کر تلخی سے کہا۔

اللہ..... اللہ..... اللہ..... ہر بات میں اللہ کو مت لایا کرو۔" کاشف نے انتہائی غصے سے کہا۔

"اللہ کو کیسے نہ لاؤں..... جو کہتا ہے تمہارا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا..... ملنا جلنا..... سونا اور آرام کرنا بھی میرے لیے ہونا چاہیے۔ کیسے نہ لاؤں..... جو کہتا ہے..... تمہیں میں نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور کاشف حرام کی کمائی کھا کر اور حرام کی کمائی سے لباس پہن کر وہ اپنی عبادت بھی قبول نہیں کرتا....." سدرہ نے بھی غصے سے جواب دیا۔

"زیادہ بڑبڑ نہ کر..... بڑی دیر سے تیری بک بک سن رہی ہوں..... ہم نے جو کرنا ہے وہ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے..... تو نے جو کرنا ہے..... وہ کر کے دکھا..... یہاں رہنا ہے تو چپ کر کے رہ..... اب کسی معاملے میں تیرا دخل ہمیں منظور نہیں..... نہیں رہنا..... تو جا..... اپنی ماں کے گھر دفعہ ہو جا..... ویسے بھی تو نے آ کر ہمارے کونسے لعیب سنوار دیے ہیں..... کنگال کر کے رکھ دیا ہے۔" زاہدہ ایکدم کمرے میں آ کر بولنے لگی جو کافی دیر سے باہر بیٹھی دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ کاشف اور سدرہ کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ سدرہ اس کی باتیں سن کر رونے لگی۔

"خبردار..... جو..... یہ آنسو یہاں بہائے..... اپنے رونے کی نحوست اپنی ماں کے گھر جا کر ڈال..... میرے گھر کی خوشیوں کو تو نے ہی ڈسا ہے۔" زاہدہ نے غصے سے کہا۔

"اماں اب بس کر۔" کاشف نے زاہدہ کو یوں مشتعل دیکھ کر کہا۔

"تو..... بس کر..... میں نے ہی تجھے ڈھیل دے رکھی تھی اور بڑا اچھا اس کا نتیجہ دیکھ لیا..... خبردار..... جواب تو اس کی باتوں میں آیا۔" زاہدہ نے غصے سے کاشف کو بھی ڈانٹا اور وہ خاموش ہو کر بے بسی سے سدرہ کی طرف دیکھنے لگا۔ زاہدہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"سدرہ..... پلیز چپ کر جاؤ۔" کاشف نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"مگر وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

"تمہیں پتا تو ہے..... اماں غصے کی تیز ہے..... مگر....." کاشف نے آہ بھر کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں اب یہاں ہرگز نہیں رہوں گی۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"پلیز..... سدرہ..... ایسا مت کرنا..... اماں کا غصہ جلدی ٹھنڈا ہو جائیگا۔" کاشف نے اسے دلاسا دینے کی کوشش کی۔

"میں آپ کے گھر حرام کی کمائی کھانے نہیں آئی..... میرے ہاتھوں میں ابھی اتنی جان ہے کہ میں حلال کی روزی کما کر اپنے بیٹے کو بھی پال سکتی ہوں..... اور..... کاشف میں اس کے پاک اور معصوم وجود کے اندر حرام کی کمائی سے خریدا ہوا دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں جانے دوں گی....." سدرہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"کیا تم..... میرے بچے کو مجھ سے جدا کر دو گی.....؟ نہیں..... سدرہ....." کاشف نے گھبرا کر کہا۔

"اس کی بہتری کے لیے آپ سے جدائی ضروری ہے..... جب چاہے آ کر مل لینا..... لیکن میرا اب اس گھر سے کوئی تعلق نہیں۔ سدرہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"اور..... مجھ سے؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے....." اس نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا اور اٹھ کر اپنا سامان الماری میں سے نکالنے لگی۔

"سدرہ..... پلیز..... سمجھنے کی کوشش کرو..... میں بہت مجبور ہوں۔" کاشف نے بے بسی سے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"آپ مجبور نہیں..... آپ کمزور ہیں۔ آپ کے اندر کا انسان بہت کمزور ہے..... وہ تیز ہوا کے جھونکے برداشت نہیں کر سکا تو آندھیوں کا سامنا کیسے کرے گا..... اور میں نے جب سے آنکھ کھولی ہے۔ تند و تیز ہواؤں کے تھپیڑے سہ رہی ہوں..... مجھ میں ہمت ہے کہ آندھی میں بھی چل سکوں اور لو میں بھی۔" سدرہ نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا تو کاشف نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھنے لگا۔

صبح کاشف بہت بے دلی اور مایوسی سے دفتر چلا گیا..... وہ سدرہ اور ذیشان کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ سدرہ نے اس سے کچھ بھی نہ کہا اور نہ ہی اس کے پاس سدرہ کو کچھ کہنے کے لیے تھا۔ کاشف کے جانے کے بعد سدرہ نے ذیشان کو لیا اور گھر سے باہر جانے لگی۔

زاہدہ نے غصے سے بھری نگاہوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھا۔

"اگر طلاق لینی ہوگی تو بتا دینا..... تیرے گھر پہنچ جائے گی۔"

زاہدہ نے ترش لہجے میں کہا تو سدرہ نے آہ بھر کر نم آنکھوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھا اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔

"رشیدہ اور منی کام پر جانے کی تیاری کر رہیں تھیں جب سدرہ بیگ اٹھائے ماں کے گھر پہنچی..... رشیدہ نے حیرت سے بچے اور بیگ کی جانب دیکھا۔

"تو..... سویرے سویرے کہاں سے آ گئی ہے؟ اور یہ بیگ کیوں لائی ہے؟" رشیدہ نے قدرے غصے سے پوچھا۔

"کیوں..... میں یہاں آ کر نہیں رہ سکتی۔؟ سدرہ نے پوچھا تو رشیدہ خاموش ہو گئی۔

"آپا..... کیوں نہیں..... یہ تیرا بھی تو گھر ہے..... اور تیرا بیٹا کتنا پیارا ہے؟ کاشف بھائی کہاں ہیں؟ وہ نہیں آئے؟" منی نے ذیشان کو اٹھا کر کندھے سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں..... وہ دفتر گئے ہیں۔" سدرہ نے جواب دیا۔

"تو کتنے دنوں کے لیے یہاں آئی ہے؟ رشیدہ نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"معلوم نہیں۔" سدرہ نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا۔

"کہیں تو زاہدہ سے لڑ جھگڑ کر تو نہیں آ گئی..... تو ہے ہی ایسی..... کسی کے ساتھ رہ ہی نہیں سکتی..... اپنے آپ کو بڑا کچھ سمجھتی ہو گی نا..... اور وہ بھی زاہدہ ہے..... اپنے سامنے چڑی کو پر مارتے نہیں دیکھ سکتی..... تو کیا شے ہے؟ رشیدہ خود ہی بڑبڑاتی رہی۔

"آپا..... چادر اتار..... میں تیرے لیے چائے لاتی ہوں۔" منی نے محبت سے کہا اور کچن میں جانے لگی۔

"اے منی..... جلدی کر کام میں دیر ہو رہی ہے اور جہاں بھی دیر سے جائیں..... لوگ منہ بنانے لگتے ہیں۔" رشیدہ نے خفگی سے کہا۔

منی..... تو..... جا..... میں خود چائے بنا لوں گی۔" سدرہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے آپا..... اب ہم چلتے ہیں..... ذیشان کا خیال رکھنا۔" منی نے محبت سے ذیشان کا ماتھا چومتے ہوئے کہا جو گہری نیند سو رہا تھا۔

"چل..... چل..... جلدی کر..... اب چونچلے چھوڑ..... یہ ادھر ہی ہے۔ کونسا آج ہی چلا جائے گا۔" رشیدہ نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا تو سدرہ نے گہری سانس لے کر ماں کی جانب دیکھا اور ذیشان کو بستر پر لٹا دیا۔

دونوں کام پر جا چکی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اب اسے کیا کرنا ہوگا..... رشیدہ کی تلخ باتوں اور لہجے سے وہ بہت مایوس ہو گئی تھی۔ اسے امید تھی کہ وہ اسے دیکھ کر وہ اسے محبت سے گلے لگائے گی مگر نجانے اس کے اندر اس کے لئے کون سی نفرت تھی جو کسی طرح کم ہونے پر ہی نہیں آتی تھی۔

نجانے وہ کیسی ماں تھی.....؟ جس نے کبھی اسے محبت سے اپنے ساتھ نہیں لگایا تھا اور وہ کیسی بیٹی تھی..... جس کے دل میں اپنے لیے نہ جگہ

بنا پائی تھی اور نہ محبت پیدا کر سکی تھی۔ دونوں کے درمیان عجیب سا رشتہ تھا...... نہ محبت تھی...... نہ چاہت تھی اور نہ ہی کسی قسم کا لحاظ...... صرف نام کا رشتہ تھا۔ احساسات وجذبات سے عاری۔ وہ اتنا خشک...... ویران اور بنجر کیوں تھا...... یہ اسے خود بھی کبھی معلوم نہیں ہو سکا تھا۔

سدرہ ذیشان کو گود میں اٹھائے زکیہ آپا کے ہاں پہنچی تو انہوں نے بھرپور طریقے سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اسے گلے سے لگایا اور بچے کو بہت پیار کیا۔ مریم یونیورسٹی گئی تھی اور آپا گھر پر اکیلی تھی۔

''میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' زکیہ آپا نے محبت سے کہا۔

''نہیں آپا جی...... میں ابھی چائے پی کر آئی ہوں......'' سدرہ نے کہا۔

''لیکن کچھ تو میٹھا ہونا چاہیے...... تم بچے کو پہلی بار ہمارے گھر لے کر آئی ہو۔'' اور وہ پلیٹ میں میٹھے بسکٹ ڈال کر لے آئیں اور سناؤ...... اس کا باپ کیسا ہے؟'' زکیہ آپا نے پوچھا۔

''آپا جی...... میں اسے اور اس کے گھر کو چھوڑ آئی ہوں۔'' سدرہ نے قدرے افسردہ لہجے میں کہا۔

''کیوں......؟'' انہوں نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

اور سدرہ نے انہیں ساری تفصیل سنائی۔ وہ خاموشی سے سنتی رہیں۔

''پروردگار کا تم پر بڑا خاص کرم ہے کہ اس نے تمہارے دل کو حق کا علمبردار بنایا ہے اور تمہیں اتنی ہمت، طاقت اور حوصلہ دیا ہے کہ تم اپنے موقف پر ڈٹی رہی ہو...... ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں...... صرف وہی جن پر پروردگار خاص طور پر مہربان ہوتا ہے۔''

زکیہ آپا نے اسے محبت سے سمجھایا۔

آپا جی...... یہ آزمائش بہت کٹھن ہے...... جو ظاہری طور پر لوگوں کی نظر میں کچھ بھی نہیں...... ہر سننے والا مجھے ہی قصوروار ٹھہرائے گا...... کہ اتنی معمولی سی بات پر میں نے اپنا شوہر اور گھر چھوڑ دیا۔ لیکن حقیقت میں یہ کتنا تکلیف دہ تھا۔ یہ میں ہی جانتی ہوں...... میں اپنی اس ذہنی اور روحانی اذیت کے بارے میں کس کس کو بتاؤں'' سدرہ نے آزردہ ہو کر کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

''بیٹی...... کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں...... وہ جو اوپر ہے نا...... وہ سب کچھ جانتا ہے...... وہ دلوں میں جنم لینے والے وسوسوں اور اندیشوں تک سے واقف ہوتا ہے...... تو...... کیا وہ انسان کی اتنی بڑی آزمائش کو نہیں جان پائے گا...... تم فکر نہیں کرو...... اپنے دل کو مضبوط رکھو اور یہ یقین کامل رکھو کہ وہ سب سے بڑا قدردان ہے...... اگر وہ انسان کو آزماتا ہے تو اسے نوازتا بھی ضرور ہے اس لئے اپنے فیصلے پر مطمئن ہو جاؤ...... انشاءاللہ وہ تمہارے لیے خود سارے راستے کھولے گا۔ اور تمہارے لیے کٹھن منزل کو آسان بنائے گا۔'' زکیہ آپا نے اسے بھرپور انداز میں تسلی دی تو اس کا دل مطمئن ہونے لگا۔

''آپا جی...... مجھے سلائی کے لیے کپڑے اور ٹیوشن کے لیے بچے بھجوا دیا کریں۔ میں اماں پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔'' سدرہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... کیوں نہیں...... مریم آتی ہے تو میں اس سے بات کرتی ہوں...... اور...... میں یہ بھی چاہوں گی کہ تم اپنی تعلیم کو بڑھاؤ...... پرائیویٹ بی اے کرلو...... عورت کے لیے اگر مشکل وقت میں کوئی چیز کام آتی ہے تو وہ صرف اس کی تعلیمی ڈگریاں ہیں جو اسے کبھی دھوکا نہیں دیتیں......" زکیہ آپا نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

میں تو خود ایم اے تک پڑھنا چاہتی تھی مگر حالات ایسے ہو گئے کہ میں مزید نہ پڑھ سکی...... لیکن اب کوشش کروں گی۔" سدرہ نے جواب دیا۔

"اور سنو...... کسی بھی شے اور روپے پیسے کی ضرورت ہو...... تو تم بالکل بھی مت ہچکچانا...... یہ تمہارا اپنا گھر ہے اور اس گھر کے دروازے ہمیشہ تم پر کھلے ہیں۔" زکیہ آپا نے محبت سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"اب میں چلتی ہوں۔" سدرہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"ایک منٹ ٹھہرو......" زکیہ آپا کمرے میں چلی گئیں اور دو سو روپے لا کر بچے کو دیے۔

"یہ نانو کے گھر پہلی بار آیا ہے نا...... ایسے تھوڑا جانے دوں گی...... اور...... میں جلدی ہی اس کے کپڑے بھی سی کر بھیجوں گی۔" زکیہ آپا نے محبت سے زیشان کو چومتے ہوئے کہا اور محبت سے دونوں کو رخصت کیا۔

رات گہری ہو رہی تھی مگر راشد ابھی تک گھر نہیں آیا تھا اور سدرہ اس کے لیے پریشان ہو رہی تھی۔ پچھلی رات بھی وہ گھر نہیں آیا تھا۔

"ممی...... راشد کل سے گھر نہیں آیا۔ کہاں ہوتا ہے؟ سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آپا...... اس کا کچھ پتا نہیں ہوتا...... اب تو کئی کئی روز گھر نہیں آتا اور اچھا ہے نہ ہی آئے۔ جب بھی آتا ہے۔ لڑائی مار کٹائی کرتا ہے۔" ممی نے آہستہ آواز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اچانک بند دروازے کے اوپر سے پھلانگ کر راشد صحن میں کودا...... تو ممی اور سدرہ بھاگ کر کمرے سے باہر نکلیں وہ صحن میں کھڑا تھا۔

"راشد...... یہ...... تو کیسے گھر آیا ہے؟ سدرہ نے حیرت سے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

آ گئی...... تو...... لڑائیاں کرنے کو...... کیوں آئی ہے یہاں...... بول کیوں آئی ہے یہاں......؟ اس کی آواز قدرے بھاری اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں...... اور اس کے منہ سے گندی بدبو آ رہی تھی۔

"راشد...... کیا تو نے شراب پی رکھی ہے؟" سدرہ نے اس کا بازو غصے سے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں...... پی رکھی ہے...... تجھے کیا تکلیف ہے...... تیرے پیسوں سے تھوڑی پی ہے۔" راشد نے اپنا بازو چھڑا کر سدرہ کو دھکا دیتے ہوئے کہا تو وہ اس کی حرکت پر چونک گئی۔

"اے ممی...... اماں کہاں ہے؟ راشد نے غصے سے ممی سے پوچھا۔

"اندر سو رہی ہے......" ممی نے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اندر چلا گیا۔

"اماں...... تیرے پاس کتنے پیسے ہیں......؟ جلدی سے نکال۔ مجھے بڑی ضرورت ہے۔" راشد نے ماں کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''م...... میرے پاس کوئی پیسے نہیں...... ابھی تنخواہ ہی نہیں ملی۔'' راشدہ نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو...... ہر بار یہی کہتی ہے...... تو بڑی جھوٹی ہے۔'' راشد نے کہا تو سدرہ نے چونک کر راشد کی جانب دیکھا جو ماں کو جھوٹی کہہ رہا تھا۔

''شرم کر بے حیا...... ماں کو جھوٹی بول رہا ہے۔'' سدرہ نے غصے سے راشد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جھوٹی کو...... جھوٹی نہ کہوں تو اور کیا کہوں...... اور سن تیری اماں چور بھی ہے۔ کوٹھی والوں کے گھر سے چیزیں چرا کر بھی لاتی ہے...... اور تیری اماں مکار بھی ہے۔ کیوں اماں ہے نا تو یہ سب کچھ۔'' راشد نے بھرپور قہقہہ لگا کر کہا۔

''تھوڑی سی شرم کر...... کچھ تو اس کے بڑھاپے کا خیال کر...... اگر وہ کچھ چرا کر لاتی تھی تو تیرے لیے...... اس نے جتنے بھی جھوٹ بولے تو صرف تیرے لیے...... اور تو آج یہ بکواس کر رہا ہے۔'' سدرہ ماں کی حمایت میں بولی۔

''لگتا ہے...... اماں سے تیری صلح ہو گئی ہے......'' راشد نے ہنستے ہوئے کہا۔ تو سدرہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

''چل اماں...... جلدی کر...... نکال پیسے...... میں بڑی جلدی میں ہوں۔'' راشد نے ماں کے سر سے چادر کھینچتے ہوئے کہا۔

تو سدرہ کو غصہ آ گیا اس نے آگے بڑھ کر ایک زوردار تھپڑ راشد کو لگایا۔

''تیری یہ جرأت...... کہ بوڑھی ماں کے سر سے چادر کھینچ رہا ہے۔'' سدرہ نے غصے سے کہا۔

''راشد نے غصے سے ماں کو زوردار تھپڑ لگایا۔ رشیدہ تیورا کر چارپائی پر گر گئی۔

''اب بول...... کیا کرے گی تو......؟ راشد نے غصے سے سدرہ کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔ سدرہ نے پاس پڑا وائپر اٹھا کر اس کی کمر میں مارا۔

''آج میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' سدرہ نے غصے سے کہا۔

''خبردار...... تو کون ہوتی ہے...... میرے بیٹے پر ہاتھ اٹھانے والی۔ میں تیرے ٹکڑے کر دوں گی...... اگر تو نے بھائی کو ہاتھ بھی لگایا۔'' رشیدہ غرا کر بولی اور سدرہ کو خونخوار نظروں سے دیکھنے لگی۔ سدرہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ خاموش کھڑی دونوں کو دیکھتی رہی۔

راشد...... تیرے سر کی قسم...... آج میرے پاس پیسے نہیں۔

''رشیدہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''اماں...... مجھے تجھ پر اعتبار نہیں...... تو بڑے جھوٹ بولتی ہے...... نکال پیسے ورنہ......'' راشد نے ماں کی چٹیا کھینچتے ہوئے کہا۔

''ہائے...... مر گئی...... چھوڑ دے میرے بالوں کو۔'' رشیدہ چلائی۔

''پیسے نکال...... ورنہ تجھے چٹیا سے گھسیٹتا ہوا باہر لے جاؤں گا۔'' راشد نے پھر ماں کی چٹیا کو زور سے کھینچا...... تو وہ درد سے بلبلانے لگی راشد کی آنکھوں میں گویا خون اترا ہوا تھا اور اس لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ سدرہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے جلدی سے پرس میں سے ذکیہ آپا کے دیئے ہوئے دو سو روپے نکال کر انہیں راشد کی جانب پھینکا۔

''چھوڑ اماں کو...... اور دفعہ ہو جا یہاں سے۔'' سدرہ نے غصے سے کہا تو راشد نے ماں کی چٹیا چھوڑ کر جلدی سے دو سو روپے پکڑے اور

مسکراتا ہوا دیوار کود کر گھر سے باہر چلا گیا......رشیدہ نے زمین پر گری اپنی چادر اٹھائی اور بالوں پر ہاتھ پھیر کر چارپائی پر لیٹ گئی۔ سدرہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ماں کی جانب دیکھتی رہی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"یہ جب بھی گھر آتا ہے......یہی کچھ کرتا ہے۔ اس نے تو ہماری زندگی عذاب میں ڈال رکھی ہے۔" منی بڑبڑاتے ہوئے بولی۔

"اور......اماں......؟ کیا اماں ہر رات یہی کچھ سہتی ہے......اتنی بے عزتی......اتنی ذلت......اپنی اولاد کے ہاتھوں۔" سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آپا......یہ تو کچھ بھی نہیں......وہ تو اماں کو ڈنڈوں سے بھی پیٹتا ہے اور ٹھڈے بھی مارتا ہے......مگر اماں اسے کچھ نہیں کہتی۔"

منی نے بتایا تو سدرہ نے انتہائی حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ "اتنا سب کچھ۔" سدرہ بڑبڑائی۔

"آپا......راشد بہت بگڑ گیا ہے۔" منی نے آہ بھر کر کہا۔

کہاں رہتا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ اماں نے پتا کرایا۔

"نہیں......" منی نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں کل ہی اس کا پتا کرواتی ہوں......" سدرہ نے کہا اور افسردگی سے ماں کی جانب دیکھا۔ جس کے جھریوں زدہ چہرے پر دکھ کی لکیریں اور تاثرات واضح طور پر نمایاں تھے۔

"اماں......تو نے کیا کمایا......؟ اس اولاد کی خاطر دنیا بھی برباد کی اور آخرت بھی......جوانی بھی اور بڑھاپا بھی......اپنی ایمانداری اور نیک نامی کو داغدار کر لیا......تجھے کیا فائدہ ہوا؟

سدرہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہ سسکنے لگی......مگر اماں بے خبر سو رہی تھی۔ سدرہ کو ساری رات نیند نہ آئی اور وہ پریشانی سے کروٹیں بدلتی رہی۔

اماں نے اپنی محنت اور حق حلال کی کمائی میں حرام کی تھوڑی سی مقدار ملا کر اپنی ساری محنت پر پانی پھیر دیا ہے اور راشد جس قدر خباثت پر اتر آیا ہے......وہ حرام شے پینے کا نتیجہ ہے۔ اور......اماں کس قدر بدنصیب عورت ہے......جس کی محبت میں اپنی عاقبت خراب کر لی۔ وہ اس کی دنیا بھی برباد کرنے پر تلا ہے......خدا ایسی اولاد کسی کو نہ دے۔" سدرہ کی آنکھوں سے آنسو تکیے میں جذب ہونے لگے اور وہ اپنے وجود کے ساتھ لپٹے ننھے ذیشان کو خوف اور محبت کی نظروں سے دیکھنے لگی......اس کے دل میں ڈراونے اندیشے جنم لینے لگے۔

"میں......تجھے ایسا کوئی نوالہ نہیں کھلاؤں گی......جو تم سے تمہارے اندر کی معصومیت اور شرافت چھین لے۔" سدرہ نے سہم کر اسے اپنے سینے کے ساتھ چمٹا لیا اور اسے یوں پیار کرنے لگی......جیسے اسے چھیننے کی کوشش کر رہا ہو اور وہ اسے اپنے مضبوط بازو میں جکڑ کر بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"صبح منی اور رشیدہ کام پر جانے کی تیاری کر رہی تھیں جب دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی۔ رشیدہ نے دروازہ کھولا تو سامنے

ایک اونچا لمبا صحت مند نوجوان کھڑا مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔ وہ حلیے سے ہی قدرے آوارہ لگ رہا تھا۔

"خالہ..... راشد تھانے میں بند ہے..... جا کر اسے چھڑا لے۔" لڑکے نے کہا۔

"ہائے..... میں..... مر گئی..... ک..... کون..... اسے پکڑ کر لے گیا؟ رشیدہ نے ایک دم سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"لے..... کوئی نہیں گیا..... پولیس اسے پکڑ کر لے گئی ہے۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"کیوں.....؟ رشیدہ نے کپکپاتی آواز کے ساتھ پوچھا۔

"رات کو ڈکیتی کی واردات میں پکڑا گیا ہے....." لڑکے نے بتایا۔

"ڈ ک..... ڈکیتی..... نہیں..... میرا راشد ایسا نہیں کر سکتا۔" رشیدہ گھبرا کر بولی۔

"لو..... بھلا..... کر کیوں نہیں سکتا..... موقع واردات سے پکڑا گیا ہے..... ڈاکہ ڈالتے ہوئے..... پولیس نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔" لڑکے نے کہا۔

"تو..... کون ہے۔" رشیدہ نے اس سے پوچھا۔

"میں اس کا یار بیلی سلطان ہوں..... تو..... کہتی ہے تو میں اسے چھڑا لاتا ہوں۔" سلطان نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... ہاں..... خدا تیرا بھلا کرے..... خدا تجھے لمبی زندگی دے..... خدا۔"

رشیدہ اسے دعائیں دینے میں مصروف تھی جب اچانک منی نے پیچھے سے آ کر آواز دی۔

"اماں..... کون ہے؟ منی نے پوچھا اور اس کی نظر سلطان پر پڑی۔ وہ ایکدم گھبرا کر اندر بھاگی..... سلطان زیر لب مسکرانے لگا۔

"خالہ..... تیرے کہنے پہ اسے چھڑا کر لاتا ہوں۔" سلطان نے مسکراتے ہوئے اندر کی جانب جھانک کر کہا اور چلا گیا۔

آپا..... وہ..... وہ آیا ہے۔" منی نے گھبرا کر کہا۔ اس کا رنگ فق ہو رہا تھا۔

"کون..... اور تو اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہے؟ سدرہ نے اسے حواس باختہ دیکھ کر کہا۔

"وہ بہت برا انسان ہے..... وہ جو باہر آیا ہے۔" منی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چپ کر..... وہ تو اس وقت فرشتہ بن کر آیا ہے۔ راشد کو پولیس سے چھڑانے گیا ہے..... اور ہمارا کون ہے..... جو اس مشکل وقت میں ہمارا ساتھ دے۔" رشیدہ نے روتے ہوئے کہا۔

"کیا..... راشد کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے..... اور..... کیوں.....؟

سدرہ کے چہرے پر ایکدم پریشانی اور خوف کے تاثرات نمودار ہوئے۔

"پتا نہیں..... کمبختوں نے میرے بچے کو کس ڈکیتی میں پھنسا دیا ہے..... وہ..... ہرگز ایسا نہیں۔" رشیدہ نے بین کرتے ہوئے کہا۔

"ڈکیتی..... اور..... راشد.....؟ سدرہ نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... سب جھوٹ ہے..... بہتان ہے..... میرا بیٹا کبھی بھی ایسا نہیں ہوسکتا..... میں نے اسے حق حلال کی کمائی کھلائی ہے...... میں نے اس کو اپنی محنت اور خون پسینے کی کمائی پر پالا ہے...... وہ..... ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔" رشیدہ بین کرنے لگی اور سدرہ حیرت سے ماں کا منہ دیکھنے لگی۔

"اماں..... تو..... پھر جھوٹ بول رہی ہے۔"

"تو نے اسے کیا کیا کھلایا ہے..... شاید تجھے خود بھی یاد نہیں۔ جسے تو حلال سمجھتی تھی وہ حرام تھا...... اور جسے تو جائز سمجھتی تھی...... وہ ناجائز تھا...... اماں تجھ سے کتنی بڑی غلطی ہوگئی ہے اور تجھے پھر بھی سمجھ نہیں آئی۔" سدرہ حیرت سے ماں کی طرف دیکھنے لگی اور اس کی حیرت زدہ کھلی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

☆

مومنہ اور زکیہ آپا معیز کے گھر سے ہو کر آئی تھیں اور انہیں معیز اور اس کی ماں بہت اچھی لگی تھیں۔ مریم کا دل بجھا بجھا افسردہ تھا۔ وہ مومنہ اور زکیہ کے قائل کرنے پر کسی حد تک مان گئی تھی مگر اس کا دل قدرے بجھا بجھا سا تھا۔

"مریم..... تم بہت خوش قسمت ہو..... معیز بہت اچھا لڑکا ہے۔ خوبصورت سمارٹ، ویل گروملڈ، شریف اور مذہبی پرہیزگار..... یہ دیکھو..... میں اس کی تصویر لائی ہوں۔" مومنہ نے اپنے پرس میں سے تصویر نکال کر مریم کو دکھائی۔

"یہ دیکھو..... معیز ویسا ہی ہے..... نا..... جیسا تم نے سوچ رکھا ہے..... مومنہ نے معیز کی تصویر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ مریم نے ایک ٹک تصویر کی جانب دیکھا تو زیر لب مسکرا دی۔

"مریم..... معیز میں سب کچھ ہے۔ وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا...... رہی بات دولت کی...... تو وہ عورت کے نصیب سے مرد کو ملتی ہے ہو سکتا ہے تمہارے نصیب سے معیز کو قدرت اتنا نواز دے کہ ہم سب تم پر رشک کرنے لگیں..... صرف دولت کی کمی کی وجہ سے یہ رشتہ ٹھکرانا انتہائی نامناسب بات ہے۔" مومنہ نے مریم کو محبت سے سمجھایا۔

"اور آج کل کے زمانے میں مرد کا شریف اور نیک ہونا سب سے بڑی خوش نصیبی ہے...... وہ عورت بہت خوش نصیب ہوتی ہے جسے اچھا، نیک مرد ملتا ہے...... مریم تم بہت خوش قسمت ہو۔" زکیہ نے محبت سے مریم کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

تو مریم نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔

"مریم...... اب تم اپنی رائے بتا دو...... اگر اب بھی تم نہیں چاہتی تو پھر ہم اس رشتہ سے انکار کر دیں گے۔" مومنہ نے استفہامیہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے...... تم ایک دو دن میں فیصلہ کرلو...... ہم تمہیں کسی بات کے لیے فورس نہیں کرتے...... شادی کا فیصلہ تمہارا اپنا ہونا چاہیے لیکن کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ہر بات کے اچھے اور برے ہر پہلو پر اچھی طرح غور و فکر کر لینا...... دنیا کا کوئی انسان دوسرے سے کبھی بھی نہیں ملتا...... اسد جیسا کوئی دوسرا اس دنیا میں نہیں ہوسکتا اور نہ ہی معیز...... مریم اور مومنہ جیسا...... سب اپنی اپنی خصوصیات اور قسمتیں لے کر پیدا ہوئے ہیں...... اس

لئے ایک انسان میں نہ دوسرے کا عکس ڈھونڈا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس جیسی کوئی شکل۔ مومنہ نے نرمی سے اسے سمجھایا تو وہ خاموش ہوگئی۔

''اب میں چلتی ہوں...... دادو کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں...... اور اسد بھی گھر پہ نہیں...... وہ بزنس ٹور کے سلسلے میں فرانس، جرمنی اور امریکہ گئے ہیں۔'' مومنہ نے موبائل پر ڈرائیور کا نمبر ملاتے ہوئے کہا۔

''اور اسد بیٹا...... کب آئے گا؟'' زکیہ نے پوچھا۔

''ایک دو روز تک...... اور...... مجھے دادو کے چیک اپ کے سلسلے میں ہاسپٹل بھی جانا ہے۔'' مومنہ نے بتایا۔

''اللہ سلوت آپا کو صحت و تندرستی دے۔ ان جیسی خاتون کا وجود تو دنیا والوں کے لئے باعث رحمت ہے۔'' زکیہ آپا نے کہا۔

''ہاں...... وہ واقعی تعریف کے قابل ہیں...... میں نے کبھی انہیں غصے میں نہیں دیکھا اور نہ کسی ملازم کو ڈانٹتے ہوئے دیکھا ہے۔ کبھی کبھی غلط کام پر مجھے غصہ آجاتا ہے مگر دادو ہرگز ناراض نہیں ہوتیں...... ان کے مزاج میں اتنا تحمل، ٹھہراؤ اور پیار ہے۔ کہ میں اکثر ان پر رشک کرتی ہوں۔'' مومنہ نے دادو کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''واقعی...... وہ ایسی ہی ہیں...... تعریف کے قابل...... احترام کے قابل۔''

زکیہ آپا نے بھی مسکراتے ہوئے ان کی تعریف کی۔

تھوڑی دیر بعد ڈرائیور آگیا اور مومنہ چلی گئی۔

مریم رات کو تنہائی میں معیز کی تصویر سامنے رکھے اس پر غور و خوض کرتی رہی۔ اس کے سرخ و سفید چہرے پر چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔ خوبصورت بڑی بڑی براؤن آنکھیں، لمبی خمدار نکیلی ناک، براؤن بال، وہ تصویر میں اچھا خاصا ہینڈسم اور سمارٹ لگ رہا تھا۔ ظاہراً اس میں کوئی ایسی برائی نظر نہ آرہی تھی جس کو بنیاد بنا کر وہ اس رشتے سے انکار کر دیتی۔ مگر اس کا آئیڈیل تو اسد تھا۔ خوبصورت، سمارٹ، ویل گرومڈ، ویل ایجوکیٹڈ اور 'امیر'...... نجانے کیوں مریم مومنہ کی دولت اور اس کی شان و شوکت سے اتنی مرعوب ہوگئی تھی کہ حیثیت میں مومنہ سے کم کسی طرح بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ معیز میں سب کچھ تھا مگر وہ اتنا امیر نہیں تھا جتنا کہ اسد......

اور صفیہ خالہ بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ اسد جیسا جوڑ تو لاکھوں میں کسی ایک کو نصیب ہوتا ہے اور مومنہ کس قدر خوش نصیب تھی کہ اسے ایسا رشتہ نصیب ہوا تھا...... اور وہ کتنی بدنصیب تھی جس کے لئے ایک بھی ایسا رشتہ نہیں آیا تھا۔ اس کے اندر شدید احساس کمتری پیدا ہونے لگا...... مگر وہ اس بات کو بنیاد بنا کر اس رشتے سے انکار نہ کر سکی اور کس امید پر انکار کرتی...... اس بات کی کیا گارنٹی تھی کہ اس کے لئے اسد جیسا رشتہ بھی آئے گا......

زکیہ آپا نے بھی اسے بہت قائل کیا تھا اور اس نے معیز سے شادی کے لئے 'ہاں' کہہ دی تھی...... اور...... منگنی کی سادہ سی رسم کے ساتھ ہی ٹھیک ایک ماہ بعد نکاح کی تاریخ رکھ لی گئی...... منگنی پر مریم کی ساس ایک کامدار سوٹ کے ساتھ سونے کی پتلی سی انگوٹھی لائی تھیں اور جسے دیکھ کر مریم کا دل کٹتا کٹتا تھا۔ اسے مومنہ کی ڈائمنڈ کی رنگ یاد آنے لگی جو سلوت آپا نے رشتہ طے کرتے ہی اسے پہنائی تھی اور منگنی کی رسم کس قدر شان و شوکت سے کی تھی......

وہ ایک ایک لمحہ اور وہ چیزیں اس کی آنکھوں میں ریت بھرنے لگیں اور وہ مزید افسردہ ہونے لگی...... وہ اپنی قسمت سے مایوس نظر آنے لگی۔

اسد آفس ٹور سے واپس لوٹا تو ہونے والے بے بی کے لیے ڈھیروں کپڑے کھلونے اور چیزیں لے کر آیا۔ مومنہ حیرانگی سے انہیں دیکھتی رہی۔

"یہ دیکھیں...... یہ Doll کتنی خوبصورت ہے...... اور یہ گڑیا ماؤس ہوی...... میرا تو دل چاہ رہا تھا۔ بچوں کی ساری چیزیں خرید لوں...... مگر آپ کے ڈر سے نہیں لیں...... کہ آپ ناراض ہوں گی۔" اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... تو اتنی ڈھیر چیزیں خریدنے کا کیا فائدہ ہے؟ بچے کونسا ہر وقت ان کے ساتھ کھیلتے ہیں۔" مومنہ نے جواب دیا۔

"بچے نہ سہی...... ان کے مما پاپا تو کھیل سکتے ہیں نا۔" اسد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اسد...... آپ کو ابھی تک کھلونوں کا شوق ہے۔" مومنہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"یس...... آئی ایم اے کڈ تو (ہاں میں بھی بچہ ہوں) اسد نے مسکراتے ہوئے کہا تو مومنہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"واو وکا......" اسد نے کھلکھلاتے ہوئے کہا تو مومنہ بھی ہنس دی۔

"اور...... یہ آپ کے لیے......" اسد نے انتہائی خوبصورت وائٹ گولڈ کا سیٹ اس کے سامنے کیا تو اس نے ہاتھ میں پکڑ کر اسے دیکھا۔

"تھینک یو......" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اور آپ اپنے لیے کیا لائے ہیں؟" مومنہ نے تجسس انداز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں...... اپنے لیے کیا لانا؟...... سب کچھ تو ہے۔" اسد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اور اس بیگ میں کیا ہے......؟" مومنہ نے اس کے پاس رکھے چھوٹے سے بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ک...... کچھ نہیں...... ایک دو فرینڈز کے لیے گفٹس ہیں۔" اور اسد نے جلدی سے اٹھا کر اسے اپنی الماری میں رکھ دیا۔ مومنہ کے لیے اس کے لہجے کی گھبراہٹ میں بہت تعجب تھا۔

"دادو کی طبیعت کیسی ہے......؟" اسد نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہیں...... میں انہیں چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھی...... ایوری تھنگ از نارمل...... لیکن جانے کیوں دادو ہر وقت ڈپریشن میں رہتی ہیں...... بہت اداس اور کھوئی کھوئی......

"اسد آپ نے ایک بات نوٹ کی ہے......" مومنہ نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا......؟" اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"ہمارے گھر کی فضا میں کتنی اداسی اور ویرانی سی محسوس ہونے لگی ہے۔" مومنہ نے کہا۔

"ارے نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں...... یہ آپ کا وہم ہے...... مجھے تو کبھی بھی ایسا محسوس نہیں ہوا ہے۔" اسد نے جواب دیا۔

"اسد...... کچھ ہے...... اور مجھے اس ویرانی اور افسردگی سے خوف آتا ہے۔ عجیب سی وحشت اور کراہت محسوس ہوتی ہے۔" مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں......اور کیا ہو سکتا ہے......؟امپاسبل......اچھا آپ ہی بتائیں......یہ سب کیا ہے اور آپ کو کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے؟" اسد نے انتہائی سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔

"معلوم نہیں---لیکن مجھے یوں لگتا ہے---جیسے......" وہ کچھ کہتے کہتے رکی۔

"جیسے......؟ کیا......جیسے......؟" اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"جیسے......" وہ پھر ہونٹ چبانے لگی۔

"کیا......بھئی......؟" اسد نے جھنجلا کر پوچھا۔

"جیسے آپ کے ڈارنک کرنے سے گھر کی فضا بوجھل ہو رہی ہو۔" مومنہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"کیا......کیا کہا......؟ وہاٹ نان سنس (کیا بے وقوفی ہے) کیا آپ کی اس بات میں کوئی لاجک (منطق) ہو سکتی ہے......نمور......نمور......آپ کو Mania (خبط) ہو گیا ہے۔ یو آر اے نوبل......(آپ نیک ہیں) اونلی یو آر اے ورچوئس (صرف آپ ہی پاکباز ہیں) اور کوئی نہیں......آئی ایم سک آف یور نان سنس ٹاک (میں تمہاری بیوقوف باتوں سے تنگ آ گیا ہوں) انف ٹو یو......اب آئندہ آپ نے ایسی باتیں کیں تو پھر مجھ سے......" وہ بمشکل اپنے آپ کو کنٹرول کرتے ہوئے بولا اور انتہائی غصے میں مومنہ کی جانب دیکھا۔ وہ اس قدر مشتعل ہو گیا تھا کہ مومنہ حیران رہ گئی......اس طرح کے غصے میں اس نے اسد کو آج تک نہیں دیکھا تھا اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں اور وہ شعلہ برساتی نگاہوں سے مومنہ کی جانب دیکھنے لگا۔ مومنہ کو خوف سا آنے لگا۔ اتنا aggressive (مشتعل) اس نے آج سے پہلے اسد کو کبھی نہیں دیکھا تھا......وہ خاموشی سے ہونٹ چبانے لگی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہو......اس نے اسد کو......کوئی بہت غلط اور ناقابل معافی بات کہہ دی ہو......جس کا اس نے اتنا برا مان لیا ہو......مگر وہ اندر سے جانتی تھی کہ اس نے کوئی غلط بات نہیں کی تھی اس لئے اس نے اسد سے معافی نہ مانگی بلکہ خاموش رہی۔

اسد غصے سے واش روم میں چلا گیا......اور وہ پریشان بیٹھی رہی۔

"مومنہ......اپلیک ٹراؤزرز اور نئی شرٹ پکڑاؤ" اسد نے واش روم سے اسے آواز دی اور مومنہ اس کی الماری کھول کر ہینگر سے اس کے کپڑے نکالنے لگی۔ کپڑے نکالتے ہوئے اس کی نظر اس بیگ پر پڑی جو اسد نے تھوڑی دیر پہلے الماری میں رکھا تھا۔ اس کے دل میں وسوسہ سا پیدا ہوا اور اسنے بیگ کھول کر اس میں ہاتھ ڈالا۔ اور اگلے ہی لمحے اس کی حیرت کی انتہائی نہ رہی۔ امپورٹڈ وائن کی باٹلز اس میں پڑی تھیں۔ مومنہ کو شدید دھچکا لگا۔ اسد نے اس سے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا اور اب وہ اس سے جھوٹ بھی بولنے لگا تھا۔

"مومنہ......پلیز......میرے کپڑے۔" اسد نے پھر آواز دی تو مومنہ نے بڑبڑا کر الماری بند کر دی اور اسے جا کر کپڑے پکڑا دیے۔ مومنہ کا دماغ بری طرح گھوم رہا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ مگر اس کی نظریں الماری پر ہی تھیں۔ اسد واش روم سے باہر نکلا تو بہت نکھرا نکھرا اور سمارٹ لگ رہا تھا۔ اس نے گم صم مومنہ کی جانب دیکھا۔

"آر...... یو...... آل رائٹ (کیا تم ٹھیک ہو؟) اسد نے پوچھا۔

"ہاں...... ہاں......" اس نے آہستہ آواز میں کچھ کر بثبت میں سر ہلایا۔

"مریم کا کیا ڈیسائیڈ کیا ہے؟ اسد نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی انگیجمنٹ (منگنی) کر دی ہے۔ایک ماہ بعد شادی ہے۔" مومنہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"اسی کے ساتھ...... جو کسی کمپنی میں جاب کرتا ہے۔" اسد کے لہجے میں قدرے طنز تھا۔

"ہاں......"

"یہ بہت اسٹوپڈ فیصلہ ہے...... وہ بولا۔

"اسٹوپڈ...... کیوں......؟

"بھئی...... ایک لڑکی کے لیے آپ اس کی چوائس کے مطابق شوہر نہیں ڈھونڈتے اور اس پر اپنی مرضی امپوز (مسلط) کرتے ہیں تو یہ اسٹوپڈ فیصلہ نہیں...... تو...... اور کیا ہے؟ وہ قدرے خفگی سے بولا۔

"مریم نادان ہے...... اسے کیا معلوم کہ خوبصورت اور چمکتی چیزیں کبھی کبھی سونا نہیں ہوتیں۔" مومنہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟ اسد نے برش ٹیبل پر رکھ کر قدرے چونک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" مومنہ نے منہ پھیر کر جواب دیا۔

"مومنہ...... میں آبزرو کر رہا ہوں...... آپ مجھے ڈس گریس (بے عزت) کرنے لگی ہیں اور انسلٹ کرنے لگی ہیں...... میں ایسا attitude (رویہ) برداشت نہیں کر سکتا...... پلیز...... اس سے پہلے کہ...... وہ انتہائی غصے میں بولا۔وہ پھر ایک دم مشتعل ہو گیا تھا۔

"اسد...... اس سے پہلے...... آپ بھی تو کبھی اتنے ہائپر نہیں ہوئے تھے۔" مومنہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"یس...... ہاں...... ہاں مجھے معلوم ہے...... میں ہائپر ہونے لگا ہوں۔مگر آپ مجھے ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہیں...... آپ مجھے tease (تنگ) کرتی ہیں...... بہت irritate کرتی ہیں......" وہ غصے سے بولا۔

"کس لیے...... کرتی ہوں...... آپ جانتے ہیں۔" مومنہ نے جواب دیا۔

"اور میں آپ کو بار بار کہتا ہوں...... اٹس ناٹ اے بگ پرابلم (یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں) اٹس ناٹ این اِشو (یہ کوئی مسئلہ نہیں) پھر بھی آپ...... اپنے آپ کو چینج نہیں کرتیں...... آخر آپ کے ساتھ پرابلم کیا ہے؟ اسد ایک دم غصے سے جھنجھلا کر بولا۔

مومنہ خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی رہی اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں...... اسد کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔

"آئی ایم سوری...... میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا...... پلیز ٹرائے ٹو انڈرسٹینڈ می (مجھے سمجھنے کی کوشش کریں)

ادھر بیٹھیں...... میرے پاس......" اس نے اسے اپنے پاس صوفے پر بٹھایا۔

"دیکھیں...... مومنہ......زندگی میں اور بہت سے ایشوز اور پرابلمز ہیں۔ ہمیں ان کو Solve(حل) کرنے کی کوشش کرنی چاہیے...... نہ کہ ایسے چھوٹے چھوٹے پرابلم کو...... اور یہ ہر انسان کی پرسنل (ذاتی) باتیں ہوتی ہیں...... اور ہر ایک کو رائٹ ہے کہ اسے جو چیز پسند ہے...... جو اسے اچھی لگتی ہے۔۔۔ جو اسے خوش کرتی ہے۔۔۔ وہ اسے کرے۔۔۔ اتنی تو اس کو لبرٹی (آزادی) ملنی چاہیے نا۔" اسد نے نرمی سے سمجھایا۔

"ہاں...... اور میں اس کے خلاف نہیں...... میں تو صرف اس کے خلاف ہوں جو صحت کو بھی خراب کرتی ہے اخلاق کو بھی اور روح کو بھی۔" مومنہ نے بھی نرمی سے جواب دیا۔

"دیکھیں۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہوا۔۔۔ اور نہ ہی ہوگا......" اسد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سمجھایا۔

"اسد...... میں اسی بات سے تو ڈرتی ہوں کہ ایسا کچھ ہونے لگا ہے۔" مومنہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب......؟" اسد نے چونک کر پوچھا۔

"آپ نے مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا نا......؟" مومنہ نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔" اسد نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"لیکن اب۔۔۔؟" مومنہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔

"آپ کا خیال ہے کہ میں آپ سے جھوٹ بولنے لگا ہوں؟" اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"اسد...... الماری میں بیگ کے اندر جو کچھ ہے...... وہ میں نے دیکھ لیا ہے۔" مومنہ نے آہ بھر کر کہا تو اسد بڑبڑا گیا۔

"اوہ...... وہ......؟ وہ میں نے اسی لیے نہیں بتایا تھا کہ آپ پھر ناراض ہو جائیں گی۔" اسد نے کھسیا کر جواب دیا۔

"کیا وہ جھوٹ نہیں تھا......؟" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آئی ڈونٹ تھنک سو (میرا خیال ہے نہیں)۔" اس نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

"ڈرنک کرنے سے آہستہ آہستہ یونہی انسان کی سوچ اور Morality (اخلاقیات) میں فرق آنے لگتا ہے۔ وہ اپنی ہر غلط بات کو صحیح سمجھتا ہے۔ اور اس کے لئے Justisication دیتا ہے۔" مومنہ نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"مومنہ...... اٹس تو مچ ناؤ...... بہتر ہے آپ میری پرسنل باتوں میں انٹرفیئر (مداخلت) نہ کریں۔" اسد نے بھی قطعیت سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

مومنہ حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی...... اسد میں کتنا زیادہ فرق آ گیا تھا۔ وہ بہت بدل گیا تھا اور رفتہ رفتہ بدل رہا تھا۔ وہ جو ہمیشہ...... مومنہ سے دھیمے اور محبت بھرے لہجے میں بات کرنے کا عادی تھا۔ اب بات بات پر مشتعل ہونے لگا تھا۔ وہ جو اس کی عزت کرتے نہ تھکتا تھا اب اس سے متنفر ہونے لگا تھا۔ وہ جو اس کے دلائل پر اکثر خاموش ہو جاتا تھا اب بانہر ہو کر بحثیں کرنے لگا تھا...... وہ اپنی غلط باتوں کو صحیح جاننے لگا تھا...... وہ جھوٹ بولنے لگا تھا اور اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو اپنے لیے خوشی اور سکون کا باعث سمجھنے لگا تھا اور اس پر کبھی نادم بھی نا ہوا کرتا تھا...... اب اس

کے اندر شرمندگی کا احساس بھی ختم ہو رہا تھا...... وہ کس قدر تیزی سے بدل رہا تھا۔ گندی شے کی خباثت اس کی روح کی پاکیزگی کو آہستہ آہستہ ختم کر رہی تھی اور مومنہ انہی باتوں سے ڈر لگی تھی۔ اسے یہی وسوسے اور اندیشے ہر وقت اندر ہی اندر مضطرب رکھتے تھے کہ کہیں اسد جیسا اچھا انسان گناہوں اور گندگی کی دلدل میں نہ اتر جائے......اور اسے احساس بھی نہ ہو......

”ہر شرابی......زانی بھی ہوتا ہے۔“ اس کی ماں کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے۔

”نہیں......ایسا کبھی نہیں ہوگا......اسد یہ نہیں کر سکتا...... مجھے اس پر پورا یقین ہے۔“ اس نے اپنے اندر کے وسوسے کو دبایا۔

”کہیں اسد......؟“ ایک دم اس کا ذہن حتمی سوچنے لگا۔

”نہیں......نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا۔“ اس نے خود ہی تردید کی۔

”اس نے کبھی جھوٹ بھی تو نہیں بولا تھا......اور وہ کبھی یوں aggressivo بھی نہیں ہوا تھا......اور......اب وہ جھوٹ بھی بولنے لگا ہے اور......نہیں......میرا دل نہیں مانتا......یا خدایا! اسد کو ہدایت دے......اس کو صراط مستقیم پر چلا......اس کی زندگی اور روح کو ہر طرح کے گناہوں سے بچا۔ میں تیرے آگے ہاتھ جوڑ کر التجا کرتی ہوں۔“ اور مومنہ اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر خدا کے حضور التجا کرنے لگی......اس کے حضور گڑگڑا کر اسد کے لیے ہدایت مانگنے لگی۔

میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں......میری محبت کو میرے لیے آزمائش مت بنا......میں اس کو یوں بکھرتا اور برباد ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتی......اس کو بچا لے......اس پر کرم کر دے۔“ مومنہ صوفے پر بیٹھی بیٹھی خدا کے حضور رو رو کر گڑگڑانے لگی۔

دادو کو مریم کی شادی کی خبر ملی تھی تو وہ جان کر بے حد خوش ہوئیں تھیں۔ انہوں نے دس بہترین کامدار سوٹ، سونے کا انتہائی نفیس سیٹ اور دو لاکھ روپے مریم کو تحفے میں دیے تھے اور اسد کو خاص ہدایت کی تھی کہ شادی کے سارے اخراجات وہ خود برداشت کرے۔ زکیہ آپا بہت منع کرتی رہیں مگر مومنہ نے انہیں دادو کا حکم سنا کر خاموش کر دیا۔

مریم اور معیز کی شادی مقامی ہوٹل میں انتہائی احسن طریقے سے سرانجام پائی تھی۔ مریم بہت خوبصورت لگ رہی تھی اور معیز بھی بہت سمارٹ لگ رہا تھا۔ دونوں کو ہر کوئی رشک بھری نگاہوں سے دیکھتا۔ اسد کو بھی معیز بہت پسند آیا تھا......مگر وہ بہت سادگی سے آئے اور زیادہ نمود و نمائش کا مظاہرہ نہ کیا۔ حق مہر کی رقم بھی دس ہزار مقرر کی گئی جسے سن کر مریم کا دل بری طرح بجھ گیا......اسے اپنی اہمیت اور کم مائیگی کا احساس دلانے لگا۔

وہ معیز کے پانچ مرلے کے چھوٹے سے گھر میں بیاہ کر آئی تو پرانی چھتیں اور خستہ حال دیواریں دیکھ کر اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اس کا بیڈروم بھی انتہائی پرانا کمرہ تھا اور اس میں سجا اس کا مہنگا اور شاندار فرنیچر انتہائی بھدا لگ رہا تھا۔ وہ حیرت اور حسرت سے در و دیوار کو دیکھتی رہی اور خون کے آنسو پیتی رہی۔

معیز کمرے میں آیا تو بے حد خوش تھا......اور اس نے اسی خوشی میں اپنی جیب سے سرخ ڈبیا نکال کر سونے کی انگوٹھی اسے پہنائی اور انتہائی خوشی سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ منتظر تھا کہ وہ اس کی انگوٹھی کی تعریف کرے گی مگر وہ خاموش رہی۔ ”آپ کو انگوٹھی کیسی لگی......؟“ معیز نے مسکرا کر پوچھا۔

"اچھی ہے۔" اور مریم نے انگلی سے اتار کر اسے ڈبیا میں واپس رکھ دی۔

"آپ نے اتار کیوں دی......؟" معیز نے حیرت سے پوچھا۔

"بہت قیمتی ہے نا......خاص موقعوں پر پہنوں گی۔" مریم نے اپنے اندر کا طنز چھپا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو ویری مچ......کیا اس کا ڈیزائن آپ کو پسند آیا......؟ میں نے اپنی چوائس کا بنوایا ہے۔" معیز نے انگوٹھی اپنے ہاتھ میں پکڑ کر محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"بہت اچھا ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تو وہ مسکرانے لگا......اور اس کی مسکراہٹ دیکھ کر مریم کے دل پر نشتر چلنے لگے۔

"اتنی چھوٹی سوچ اور بات پر خوش ہونے والا شخص زندگی میں کس حد تک آگے جا سکتا ہے۔ مجھے اس کا اندازہ ہو گیا ہے۔"

اس نے مایوسی سے سوچا اور اس کا دل ڈوبنے لگا۔

معیز اپنی محبت کے پھول اس کے حضور پیش کرتا رہا......اس کی بھرپور پذیرائی کرتا رہا مگر وہ نہ تو اس کی محبت سے سرشار ہوتی رہی اور نہ ہی اس کی پذیرائی سے مسرور......معیز اسے اپنے سے بہت دور کھڑا نظر آتا رہا......اور اسے بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کبھی بھی ایک دوسرے سے باغ و بہار کی طرح نہ مل سکیں گے۔ وہ محبت اور چاہت......دونوں کے دلوں میں جنم لینی چاہیے تھی......وہ مریم کے دل میں مفقود تھی......مریم کے دل میں معیز کے لیے تمام لطیف جذبے اور نرم و میٹھے احساسات سرد پڑ گئے تھے۔ جن کے بغیر یہ رشتہ مکمل نہیں ہوتا......اور ساری زندگی تشنگی کا احساس دونوں کے دلوں کو اندر ہی اندر مضطرب رکھتا ہے۔

"معیز......بس ٹھیک تھا......اس میں کچھ بھی ایسا خاص نہیں تھا......جس سے مریم کا دل خوش ہوتا اور وہ معیز پر اپنی چاہت کے خزانے نچھاور کرتی......اس کی نظر میں معیز کی نہ کوئی حیثیت تھی۔ نہ اہمیت اور نہ ہی کوئی وقعت......اور اس کا تعین اس نے شادی کی پہلی رات ہی کر لیا تھا۔

"میں کبھی بھی مومنہ آپی کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی......اس شخص میں وہ Guts ہی نہیں کہ وہ کبھی اسد بھائی جیسا بن سکے......یہ معمولی سوچ کا معمولی انسان ہے......" اس نے آہ بھر کر سوچا......اور معیز اس پر قربان ہوتا جا رہا تھا......وہ اس کو ہر طرح سے خوش کرنا چاہتا تھا۔ وہ بات کرتی تو وہ دامن پھیلائے اس کے الفاظ سمیٹنے کی کوشش کرتا......وہ کسی بات پر ہلکا سا بھی مسکراتی تو اس کا دل خوشی سے مچلنے لگتا وہ اپنے تمام جذبوں اور چاہتوں کو پوری شدت کے ساتھ اس پر لٹا رہا تھا......اور وہ یوں اظہار کر رہی تھی جیسے اسے کسی کی بھی ضرورت نہ تھی......نہ معیز کی محبت کی......اور نہ ہی اس کی چاہت کی......

وہ شادی کے بعد ماں کے گھر آئی تو بہت خاموش تھی......اور زکیہ آپا کا دل وسوسوں کا شکار ہو رہا تھا......مومنہ بھی وہیں تھی۔ وہ بھی مریم کو یوں خاموش دیکھ کر بہت مضطرب ہو رہی تھی۔ البتہ معیز بہت خوش تھا۔ وہ مومنہ اور زکیہ کے ساتھ بہت مہذب انداز میں گفتگو کرتا۔ ہر نماز مسجد میں ادا کرنے جاتا تو زکیہ آپا اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتیں۔

"ماشاءاللہ......کس قدر نیک بچہ ہے......نمازی......پرہیزگار......مومنہ تم نے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کیسا نور ہے......" زکیہ آپا نے

انتہائی خوشی سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"ہاں...... معیز واقعی بہت اچھا ہے۔" مومنہ نے بھی تعریف کی۔ مریم خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

"مریم...... کیا بات ہے؟ تم بہت خاموش ہو...... معیز تمہارے ساتھ ٹھیک ہے نا۔" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں......" اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"پھر تمہاری آنکھوں میں اتنی اداسی کیوں ہے؟"

"آپکا وہم ہے...... ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"مریم پلیز...... جو بھی بات تمہیں پریشان کر رہی ہے...... مجھے بتاؤ......" مومنہ نے اس کا ہاتھ محبت سے پکڑتے ہوئے کہا۔

"آپ کیا کریں گی؟" مریم نے سونی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں...... میں تمہاری پریشانی دور کرنے کی کوشش کروں گی۔ مومنہ نے محبت سے جواب دیا۔

"آپ کچھ نہیں کر سکتیں۔" مریم نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ تم سوچتی ہو--- ہو سکتا ہے--- میں کچھ---" مومنہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"آپ کچھ بھی نہیں کر سکتیں...... کوئی بھی کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔" وہ قدرے بیزاری سے بولی۔

"مریم...... شادی کے شروع میں ہی اتنی اداسی...... اتنی بے زاری...... اچھی بات نہیں...... پلیز اپنے آپ کو سمجھاؤ......" مومنہ نے نرمی سے کہا۔

"اب تو ساری زندگی اپنے آپ کو سمجھانے میں ہی گزرے گی......" اس نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"کیا تمہیں معیز سے کوئی شکایت ہے؟ مومنہ نے کریدنا چاہا۔

"مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں۔" مریم نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ نہ تم کچھ بتا رہی ہو...... اور نہ ہمیں کچھ سمجھ آ رہا ہے...... یہ سب کیا ہے......؟ تم جانتی ہو...... کہ تمہاری ذرا سی پریشانی...... اور اداسی ہمیں کس قدر بے چین کر دیتی ہے...... پھر بھی تم یوں محسوس کر رہی ہو۔" مومنہ نے پریشانی سے کہا۔

"کسی کو...... کسی کی پریشانی سے کچھ نہیں ہوتا...... یہ سب کہنے کی باتیں ہیں...... اس لیے آپ بھی پریشان ہونا چھوڑ دیں۔"

"مریم نے اداس لہجے میں کہا اور اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ مومنہ اس کی باتیں سن کر بے حد پریشان ہو گئی تھی...... وہ کچھ بتا نہیں رہی تھی۔ مگر وہ بہت مضطرب تھی...... اس کا دل بے حد بے چین اداس اور پریشان تھا...... اور...... اس کی آنکھیں اس دکھ کی غماز تھیں۔ مریم خوش نہیں تھی...... مومنہ کو اس بات کا پکا یقین ہو گیا تھا اور اس بات نے اسے بے حد پریشان کر دیا تھا...... اسے وہ دن یاد آنے لگے جب وہ شادی کے بعد پہلی

مضطرب تھی مگر اس کے اضطراب کی وجہ اسد کی ڈرنک کی عادت تھی۔ لیکن معیز جیسا نیک شخص کبھی ڈرنک نہیں کر سکتا...... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا...... کیا اسد کو دیکھ کر کوئی سوچ سکتا تھا کہ وہ بھی ڈرنک کر سکتا ہے...... مگر اس کی حقیقت میں جانتی ہوں...... کہیں معیز بھی ایسا تو نہیں...... نہیں...... نہیں...... وہ کبھی ڈرنک نہیں کر سکتا...... اور میں مریم سے بھی یہ بات نہیں پوچھ سکتی...... اف میں کیا سوچ رہی ہوں۔" اس نے اپنی سوچوں کو جھٹکا...... اور خود ہی اپنی باتوں کی تردید کی...... مگر مریم کو یوں پریشان دیکھ کر وہ خود بہت پریشان ہو گئی تھی۔ اس کا دل بجھ گیا تھا۔

ہم دونوں بہنوں کے نصیب کیسے ہیں...... ظاہری کچھ نظر آتے ہیں اور اندر سے کچھ اور...... ظاہری طور پر خوش اور مطمئن...... اور اندرونی طور پر مضطرب و بے قرار......" مومنہ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے جنہیں اس نے جلدی سے صاف کیا کہ کہیں کوئی اور نہیں دیکھ نہ لے۔

"مریم دو دن بعد سب کو اداس اور افسردہ چھوڑ کر معیز کے ساتھ چلی گئی...... مومنہ اور زکیہ آپا بھی اس کے جانے کے بعد بہت پریشان ہوئیں۔

"مومنہ...... کیا تم نے ایک بات پر غور کیا ہے......؟ زکیہ آپا نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"کیا......؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"مریم خوش نہیں لگتی...... بہت اداس ہے اس کی آنکھوں میں...... جیسے وہ کہیں الجھ گئی ہے...... کھوئی کھوئی سی لگتی ہے" زکیہ آپا نے اداس لہجے میں کہا۔

"نہیں...... امی...... یہ آپ کا وہم ہے...... مریم نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بہت خوش ہے اور معیز بہت اچھا ہے...... اس کا بہت خیال رکھتا ہے۔" مومنہ نے جلدی سے بتایا۔

"کیا واقعی مریم نے تم سے یہ سب کہا ہے؟ زکیہ آپا نے بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں...... ہاں......" مومنہ نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"تم کہتی ہو...... تو...... مان لیتی ہوں...... ورنہ میرا دل نہیں مانتا" زکیہ آپا نے افسردگی سے جواب دیا اور یکدم خاموش ہو گئیں۔

"مومنہ کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے چونک کر نمبر دیکھا تو گھبرا سی گئی۔ دادو کا موبائل نمبر تھا۔ جب بھی وہ میکے آئی ہوتی...... تو...... دادو نے اسے کبھی بھی فون نہیں کیا تھا...... اور آج اچانک۔

"جی...... دادو......" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بہو بیگم...... گھر جلدی پہنچیں...... اسد بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے ہم ڈرائیور کو بھیج رہے ہیں...... آپ ان کے ساتھ آ جائیں...... ہم بہت پریشان ہیں۔" دادو نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں...... میں...... آ رہی ہوں...... اور اسد کہاں ہیں؟ مومنہ نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاسپٹل میں...... جلدی پہنچیں...... ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" دادو نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

مومنہ انتہائی پریشان ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا اور اس کے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔

"کیا ہوا...... تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں لگ رہی ہو؟" زکیہ آپا نے بھی پریشانی سے پوچھا۔

"امی...... اسد کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ ہاسپٹل میں ہیں۔" مومنہ نے پریشانی سے بتایا۔

"خدا...... خیر کرے......" زکیہ آپا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

مومنہ کی جان پر بن گئی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی اور اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ اندر باہر بے چینی میں چکر لگا رہی تھی اور ڈرائیور کا انتظار کر رہی تھی۔ اسد کا موبائل نمبر ملاتی تو اس کا موبائل بند ملتا۔ تو وہ اور پریشان ہو جاتی تھوڑی دیر بعد ڈرائیور آ گیا اور وہ اس کے ساتھ ہاسپٹل چلی گئی۔ دادو بھی وہیں تھیں۔

"دادو...... اسد......" وہ بمشکل بول پائی اور ان کے گلے لگ کر رونے لگی حوصلہ کریں...... بہو بیگم...... اب وہ ٹھیک ہیں...... ڈاکٹر نے ہمیں ابھی بتایا ہے۔" دادو نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن ایکسیڈنٹ کیسے ہوا......؟ اور کہاں ہوا......؟ کیا اسد نے آپ کو فون کیا تھا......؟ وہ روتے ہوئے بولی۔

"نہیں...... ہمیں تو ہاسپٹل سے فون کیا تھا...... اور یہ نہیں معلوم کہ کیسے ہوا......؟" دادو نے جواب دیا۔

ایک ڈاکٹر ICU سے باہر نکلا تو مومنہ بے صبری سے اس کی جانب بڑھی۔ اس نے نقاب سے اپنے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا۔

ڈاکٹر صاحب...... میرے مسبنڈ اسد ظہیر الدین اب کیسے ہیں......؟ مومنہ بے تابی سے پوچھا۔

"جی از فائن...... ہم نے ان کے سارے ٹسٹ لے لیے ہیں...... ہمیں ڈر تھا کہ سر میں جو چوٹیں لگی ہیں...... وہ زیادہ سیریس نہ ہوں آپ دعا کریں...... ان کی رپورٹس ٹھیک آ جائیں۔" ڈاکٹر نے نرمی سے کہا۔

"کیا ان کو سر میں زیادہ چوٹیں آئی ہیں؟ مومنہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہاں......" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"مگر...... یہ ایکسیڈنٹ کیسے ہو گیا...... اسد تو بہت محتاط ڈرائیونگ کرتے ہیں۔" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے...... انہوں نے ڈرنک کر رکھی تھی...... اور غالباً سامنے سے آنے والا ٹرک اچانک دیکھ کر وہ کنٹرول نہیں کر پائے...... لیکن آپ خدا کا شکر کریں کہ وہ معجزانہ طور پر بچ گئے ہیں ورنہ اس قدر سیریس ایکسیڈنٹ میں ان کا بچنا مشکل تھا۔" ڈاکٹر نے کہا تو مومنہ نے گھبرا کر کچھ فاصلے پر کھڑی دادو کی جانب دیکھا جو دونوں کو گفتگو کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ مومنہ کو ڈر سا لگنے لگا کہ کہیں دادو نے ڈاکٹر کی ڈرنک کرنے والی بات سن نہ لی ہو۔

"آپ دعا کریں...... انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ڈاکٹر اسے تسلی دے کر چلا گیا اور مومنہ پریشان ہو کر دادو کے پاس آ گئی۔ دادو کے چہرے پر انتہائی پریشانی کے تاثرات تھے۔

"بہو بیگم...... ہم نے اسد بیٹے کے بارے میں جو کچھ سنا ہے کیا وہ سچ ہے؟ دادو نے انتہائی حیرت سے پوچھا تو مومنہ نے خاموشی سے

نظریں جھکالیں۔

"بتایئے بہو بیگم...... کیا اسد؟ دادو نے گھبرا کر پوچھا تو مومنہ رونا شروع ہوگئی۔

"اتنی بڑی بات--- آپ نے ہمیں بتائی ہی نہیں۔" دادو نے بھی نم آنکھوں سے کہا۔

کیا بتاتی......؟ مومنہ نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"اتنی بڑی بات...... ہمارے خاندان کے لیے یہ کتنی رسوائی کی بات ہے ہمارے خاندان کی عزت تو ہمارے بزرگوں کی نیک نامی شرافت اور پرہیزگاری کی وجہ سے تھی۔ لوگ ہمارے خاندان کی شرافت کی قسمیں کھاتے تھے --- اور اسد---؟ اس کا مطلب ہے ہماری تربیت میں کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ یعنی کہ ہم گنہگار ہیں۔" دادو نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے انتہائی مایوسی سے کہا۔

"نہیں...... دادو...... اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں...... نجانے کیسے؟ مومنہ نے ان کا ہاتھ تھام کر انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"ہم کیسے گنہگار نہیں --- اولاد کی اچھائیوں اور برائیوں کے ذمہ دار والدین ہوتے ہیں--- کیسے ہم سے یہ کوتاہی ہوگئی---؟ کیسے--- شاید انجانے میں اتنی بڑی بھول ہوگئی۔" دادو نے سسکتے ہوئے کہا۔

"دادو---- پلیز---- آپ غم نہ کریں---- وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" مومنہ نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"بہو بیگم--- ہم اپنے شوہر اور بیٹے کو کیا منہ دکھائیں گے --- کہ ہم ان کی اولاد کو صراط مستقیم پر نہ چلا سکے--- ہم انہیں اللہ کے احکامات نہ بتلا سکے...... بہو بیگم--- ہم سے کتنی بڑی غلطی ہوگئی...... ہم نے تو اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ انہیں اچھا مسلمان بناسکیں...... پھر یہ کیسے ہو گیا...... ہمیں پتا ہی نہیں چلا......" دادو آہستہ آہستہ مایوسی سے بولیں اور آنسو ان کی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

"دادو...... پلیز--- آپ ایسا مت سوچیں...... یہ اللہ کی طرف سے ہماری آزمائش بھی تو ہوسکتی ہے۔" مومنہ نے بھی روتے ہوئے کہا۔

"معلوم نہیں...... کیا ہے...... مگر ہم بکھر رہے ہیں...... ہمارا دل اب ٹوٹ رہا ہے۔" دادو نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"دادو...... پلیز...... آپ ایسی مایوسی کی باتیں مت کریں...... آپ ہمت ہار دیں گی تو مجھے کون حوصلہ دے گا...... دادو...... ہمیں اسد کو بچانا ہے...... اور ہمیں آپ کے ساتھ کی...... آپ کی محبت اور دعاؤں کی ضرورت ہے۔" مومنہ نے ان کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہا جو بالکل ڈھیلے پڑ گئے تھے اور ان کے اندر کی توڑ پھوڑ سے بے جان ہو رہے تھے۔

"دادو نے اس کی جانب دیکھا...... اور ایک لمحے کو ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔

"ہاں...... دادو...... ہم مل کر اسد کی یہ برائی ختم کریں گے...... اسد بہت اچھے انسان ہیں...... نجانے کیسے اس بری عادت کا شکار ہو گئے۔" مومنہ نے پر امید لہجے میں کہا۔

"بہو بیگم...... یہ بری عادت نہیں گناہ کی بات ہے...... اور گناہ انسان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں...... دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔" دادو نے پریشانی سے کہا۔

"آپ فکر نہیں کریں..... سب ٹھیک ہو جائے گا..... بس آپ یہ دعا کریں کہ اللہ ان کو صحت دے اور ان کی رپورٹس ٹھیک آ ئیں۔" مومنہ نے پر امید لہجے میں دادو کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔تو دادو نے نم آنکھوں کے ساتھ زیر لب مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

"ہماری تو ساری دعائیں ہی آپ لوگوں کے لیے ہیں....." دادو نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی اور دونوں مل کر اسد کی صحت یابی کے لیے دعائیں کرنے لگیں۔ اگلے روز اسد کی رپورٹس آ گئیں تھیں۔ سب کچھ نارمل تھا.....اور وہ بھی ہوش میں تھا۔ چند روز بعد اسے ہاسپٹل سے چھٹی مل گئی.....دادو نے گھر آتے ہی سات بکروں کا صدقہ دیا.....گھر قرآن خوانی کی محفل کرائی گئی۔یتیم خانوں میں نیاز بانٹی گئی۔ مسجدوں میں پیسے بھیجے گئے۔درگاہوں پر نذرانے بھیجے گئے۔ اسد کو خدا نے دوبارہ زندگی دی تھی.....اور وہ خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھک رہیں تھیں.....مومنہ اور دادو نے نوافل ادا کیے.....مگر اسد کو دیکھتے ہی دادو خاموش ہو جاتیں.....ان کی آنکھیں غمناک ہونے لگتیں اور ان کے چہرے پر عجیب طرح کی افسردگی سی چھا جاتی۔

مومنہ کی اپنی حالت بھی بہت خراب تھی مگر وہ دن رات اسد کی خدمت میں لگی رہتی.....اس کی دوائیوں اور خوراک کا بہت خیال رکھتی.....اس سے اٹھنا بیٹھنا محال ہو رہا تھا مگر اسد کی خدمت میں وہ ذرا سی بھی کوتاہی نہ کرتی۔

وہ اسد کے لیے سوپ بنانے کچن میں آئی تھی اور بہت مشکل سے چل پھر رہی تھی۔خیرن بوا اور ثروت بھی اس کی مدد کر رہیں تھیں۔خیرن بوا کو اس کی حالت دیکھ کر بہت ترس آ رہا تھا۔وہ سوپ ٹرے میں رکھے اوپر لے جانے لگی تو خیرن بوا نے آگے بڑھ کر ٹرے پکڑ لی۔

"چھوٹی بیگم.....بہت ہو گیا.....اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ آپ اس حالت میں کچن میں آئیں.....آپ کو نیچے آنے کی بالکل ضرورت نہیں.....میں خود اوپر آ جایا کروں گی ہم آپ کے پرانے نمک خوار ہیں.....ہم نے آپ کے ساتھ اچھے وقت گزارے ہیں اور اب مشکل وقت میں ہم آپ کا ساتھ نہ دیں تو ہم سے بڑھ کر نمک حرام اور کون ہو گا۔" خیرن بوا نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے ثروت بوا کی طرف دیکھا تو اس نے شرمندگی سے سر نیچے کر لیا۔

خیرن بوا ٹرے اٹھا کر اوپر لے گئی اور مومنہ بھی آہستہ آہستہ اوپر چلی گئی۔

"بہت شکریہ.....خیران بوا.....ٹرے یہاں رکھ دیں۔" مومنہ نے کمرے میں جا کر خیرن بوا کو ٹرے اپنے سامنے ٹیبل پر رکھنے کو کہا۔اسد تکیے کے سہارے بیٹھا تھا۔

"سلام صاحب جی....." خیرن بوا نے کہا۔

"وعلیکم سلام.....بوا کیسی ہیں آپ؟ اسد نے مسکرا کر پوچھا۔

"کرم ہے.....مولا کا.....آپ کی صحت کے لیے دن رات دعائیں کرتے ہیں۔" خیرن بوا نے دونوں ہاتھ اٹھا کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت شکریہ.....بوا.....آپ لوگوں کی دعائیں کام آ گئیں اور اللہ نے بچا لیا۔" اسد نے مسکرا کر کہا اور اپنے والٹ میں سے دو ہزار نکال

کر خیرن بوا کو پکڑا دیے۔

"نہیں صاحب جی...... رہنے دیں۔" خیرن بوا نے واپس کرتے ہوئے کہا۔

"رکھ لیجیے۔" اسد نے کہا۔

"شکریہ......" خیرن بوا مسکرا کر بولیں اور دروازے کی جانب جانے لگی۔

"بوا...... سنیے......" اسد نے پیچھے سے آواز دی۔

"جی...صاحب جی" بوا نے چونک کر پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ ثروت بوا کو بھی دے دیں۔" اسد نے دو ہزار خیرن بوا کو پکڑا دیے۔

"جی...... بہت بہتر۔" بوا مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی۔

ثروت کھانا بنانے میں مصروف تھی اور اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے۔

"یہ لے پکڑ...... اسد میاں نے تجھے یہ دو ہزار بھیجے ہیں۔" خیرن بوا نے دو ہزار روپے ثروت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کس بات کے...؟" ثروت نے چونک کر پوچھا۔

"اپنی صحت یابی کی خوشی میں...... مجھے بھی دیے ہیں اور تجھے بھی۔" خیرن بوا نے اسے پیسے پکڑا دیے۔

"ثروت...... ویسے یہ کوئی اچھی بات نہیں...... کہ بڑی بیگم صاحبہ چھوٹی بیگم صاحبہ اور اسد میاں ہم لوگوں کا اتنا خیال رکھیں اور ہم اپنی غرض کے بندے بنے رہیں......" خیرن بوا نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"کیا مطلب......؟" ثروت نے حیرت سے پوچھا۔

"میں پوچھتی ہوں...... شاہ کو گھر میں بٹھا کر تو کون سا تیر مار رہی ہے...... یا...... وہ کون سے تیرے کام سنوار رہی ہے جو تو اسے یہاں نہیں آنے دیتی...... سارا دن گھر میں چارپائی توڑتی رہتی ہے کمبخت" خیرن بوا نے غصے سے کہا۔

"آپ بہتر جانتی ہیں کہ میں اسے یہاں کیوں نہیں آنے دیتی...... میرے اندر خوف ہے...... ہر وقت مجھے اسد میاں سے ڈر لگتا ہے۔" ثروت نے آہستہ آواز میں کہا۔

"بے وقوف مت بن...... خواہ مخواہ ان پر شک مت کیا کر...... ان جیسے اچھے اور شریف انسان پر ایسے الزام لگا رہی ہے...... کیوں نمک حرامی کر رہی ہے...... ثروت ابھی بھی سمجھ جا اور چھوٹی بیگم کی حالت پر رحم کھا...... بیماری سے ایک قدم اٹھانا بھی مشکل ہو رہا ہے...... شاہ آ جائے گی تو کم از کم چھوٹے موٹے کام کر دے گی...... بڑی بیگم صاحبہ ہر روز مجھ سے شاہ کے بارے میں پوچھتی ہیں اور میں بہانے بناتی ہوں...... ثروت کل سے اس کو یہاں آنے دے...... ارے یہ بھرا پڑا گھر ہے...... وہ سارا وقت ہماری نظروں کے سامنے رہے گی۔ جانے تجھے کس بات کا ڈر ہے؟" خیرن بوا نے قدرے خفگی سے کہا تو ثروت خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

"چھوٹی بیگم کی حالت دیکھ کر مجھے بھی ترس آتا ہے..... مگر......" ثروت پھر الجھنے لگی۔

"اگر..... مگر..... چھوڑ..... اور کل سے شاد کو اپنے ساتھ لا..... اگر تجھے زیادہ خوف ہے تو اس پر کڑی نظر رکھنا..... کچھ نہیں ہوگا...... برسوں سے اس گھر میں رہ رہے ہیں..... اللہ کا بڑا کرم رہا ہے۔" خیرن بوا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تو ثروت خاموش ہوگئی۔

"اب میں بڑی بیگم صاحبہ کے پاس جا رہی ہوں..... ان کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں۔" خیرن بوا کہہ کر کچن سے باہر نکل گئی اور ثروت اپنے اندر کے وسوسوں اور اندیشوں سے الجھنے لگی کبھی پرامید ہو کر ان کو جھٹلاتی تو کبھی شراب کے گلاس دھونے کا منظر یاد کر کے پریشان ہونے لگتی۔

شاد اگلے ہی روز کام پر آ گئی۔ وہ پہلے سے زیادہ نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ جسم بھی قدرے بھرا بھرا لگ رہا تھا اس کے فیشن اور چھن چھن کرتی چوڑیوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں لگے کاجل کی خوبصورتی میں اور نکھار آ گیا..... گہرے، کھلتے ہوئے رنگوں کے پرنٹ اور جاذب نظر ہو گئے تھے مومنہ نے اسے دیکھا تو حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔

"چھوٹی بیگم..... آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تو اس لیے اسے کچھ روز کے لیے لائی ہوں۔" ثروت بوا نے مومنہ سے کہا۔

"شکریہ..... بوا..... کہ آپ نے میرا اتنا خیال رکھا..... واقعی آج کل میں بہت تکلیف میں ہوں......" مومنہ نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"اب آپ آرام کریں..... جس چیز کی ضرورت ہوگی..... شاد پہنچا دے گی۔ ثروت بوا نے کہا تو مومنہ شکریہ ادا کرتی ہوئی اوپر چلی گئی۔

اسد کی طبیعت کافی سنبھل گئی تھی اور اس نے دوبارہ آفس جانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے بہت اہم پراجیکٹس پینڈنگ میں تھے..... اس لیے اس کا آفس میں جانا اور کام کی نگرانی کرنا بہت ضروری تھا۔ وہ رات کو تھکا ہارا آتا تو ضرور ڈرنک کرتا..... اور مومنہ پریشانی و مایوسی سے اسے دیکھتی رہتی۔

"اسد پلیز اب تو اسے چھوڑ دیں۔" مومنہ نے پریشانی سے کہا۔

"اب.....؟ کیوں اب کیا ہو گیا ہے؟" اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"کیا آپ کو نہیں معلوم..... صرف چند دن رہ گئے ہیں۔" مومنہ کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"میرے ڈرنک کرنے سے اسے کیا فرق پڑے گا۔؟" مومنہ نے آ ابھر کر پوچھا۔

"پڑنا تو نہیں چاہیے۔" اسد نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت فرق پڑتا ہے..... آپ سے وابستہ لوگ کتنے ہرٹ ہوتے ہیں..... شاید آپ کو معلوم نہیں۔" مومنہ نے مایوسی سے کہا۔

"کس کو فرق پڑتا ہے؟ آپ کو.....؟" اسد نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں..... دادو..... کو" مومنہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"وہاٹ.....؟ دادو..... کو.....؟ دادو کو کس نے بتایا.....؟ یقیناً آپ نے ہی بتایا ہوگا......" وہ ایکدم مشتعل ہونے لگا "نہیں..... ڈاکٹر نے بتایا تھا۔ آپ کے ایکسیڈنٹ کی وجہ بتائی تھی......" مومنہ نے جواب دیا۔

"اسٹوپڈ..... نان سنس مین۔" اسد قدرے چلاتے ہوئے بولا اور مومنہ حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"دادو..... یہ سن کر کتنا ہرٹ ہوئی ہیں..... آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔" مومنہ نے دکھی لہجے میں اسے بتایا۔

"آئی ڈونٹ انڈرسٹینڈ (مجھے سمجھ میں نہیں آتا) کہ اس میں ہرٹ ہونے والی کونسی بات ہے...... یقیناً آپ نے دادو کو اس کے بارے میں الٹی باتیں بتائی ہوں گی۔" اسد نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"کیا......؟ کیا.....؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......؟ کیا آپ جانتے ہیں......کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......؟" مومنہ یکدم غصے سے بولی۔

اسد نے منہ دوسری جانب پھیر دیا۔

"آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں...... آج تک آپ نے مجھ پر شک نہیں کیا اور آج...... اوہ...... مائی گاڈ......" مومنہ اپنے سر کو پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی...... اس کا سر غصے سے پھٹنے لگا...... اس کا چہرہ یکدم سرخ ہونے لگا...... اس کی طبیعت خراب ہونے لگی اسد یکدم گھبرا گیا۔

"آئی ایم سوری...... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اسد گھبرا کر بولا مگر مومنہ کا بی پی بہت ہائی ہو گیا تھا اور اس کی طبیعت بہت بگڑنے لگی تھی۔ اسد نے جلدی سے ایمبولینس منگوائی اور اسے ہاسپٹل لے جایا گیا۔ زکیہ اور مریم کو فوراً اطلاع کی گئی وہ بھی ہاسپٹل پہنچ گئیں۔ دادو اور خیرن بوا بھی ان کے ساتھ تھیں۔ اسے ICU میں لے جایا گیا۔ ڈاکٹرز اور نرسیں ادھر ادھر بھاگتے رہے اور ان کی گھبراہٹ دیکھ کر اسد مزید پریشان ہونے لگا۔ اسے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔ مومنہ کی اس حالت کا وہی ذمہ دار تھا...... ورنہ سب کچھ نارمل جا رہا تھا۔ وہ پرسکون لہجے میں باتیں کر رہی تھی اور مومنہ کی حالت اس کے چلانے اور اس پر الزام لگانے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اسے اپنی غلطی اور گناہ کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں اور وہ دل ہی دل میں خدا سے مومنہ کی زندگی کے لیے دعائیں کر رہا تھا۔

"مبارک ہو...... اللہ نے آپ کو بیٹی دی ہے۔" ایک نرس نے اسد کے قریب آ کر کہا۔

"بیٹی......" وہ خوش ہو کر بولا۔

"ہاں...... بہت کیوٹ ہے......" نرس مسکرائی۔

"اور...... مومنہ کیسی ہیں؟" اسد نے جلدی سے پوچھا۔

"ٹھیک ہیں...... اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے......" نرس نے کہا۔

"کیا میں ان سے مل سکتا ہوں؟" اسد نے پوچھا۔

"نہیں...... ابھی وہ ہوش میں نہیں۔" نرس کہہ کر چلی گئی اور دادو اور زکیہ آپا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

بچی لا کر دادو کی گود میں ڈالی گئی تو فرط جذبات سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ اس پر سے ہزار ہزار کے نوٹ وار کر خیرن بوا کو پکڑاتی رہیں۔

"خدا کرے...... یہ مومنہ جیسی ہی ہو...... نیک...... صابر...... اور تحمل مزاج۔" دادو نے بچی کا ماتھا چوم کر اسے دعا دیتے ہوئے کہا۔

"اور اسد بھائی کی کونسی خوبیاں اس میں ہوں......؟" مریم نے مسکرا کر شرارتی لہجے میں پوچھا۔ تو...... دادو نے اسد کی طرف بھرپور نگاہوں سے دیکھا اور خاموش ہو گئیں...... اسد ان کی نظروں سے گھبرا گیا...... اور اسے اپنے اندر شدید احساس زیاں محسوس ہونے لگا۔

☆

تگین کی طبیعت بہت زیادہ خراب رہنے لگی تھی..... مسٹر اینڈ مسز جواد اسے پاگلوں کی طرح مختلف ہاسپٹلز اور ڈاکٹروں کے پاس لے کر جا رہے تھے.....اور ہر ایک کی جانب سے مایوس کن جواب ملتا تھا..... جواد صاحب ڈاکٹر تفلین کے پاس بھی مشورے کے لیے گئے تھے۔ ڈاکٹر تفلین اور ڈاکٹر براس نے اپنی پوری ٹیم کے ساتھ تگین کی تمام میڈیکل رپورٹس کا بھرپور جائزہ لیا تھا اور ان کا جواب بھی کوئی تسلی بخش نہیں تھا۔

''ڈاکٹر تفلین..... اگر میں تگین کو امریکہ..... انگلینڈ یا کسی بھی ایسے ملک میں لے جاؤں جہاں جدید طریقہ علاج، میڈیسنز یا آپریشن سے اس کی صحت یابی ممکن ہو..... تو میں وہاں جانے کو تیار ہوں..... پلیز..... مجھے گائیڈ کیجئے..... میں اپنی بیٹی کو بچانے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔'' جواد صاحب نے قدرے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''سوری..... ان کا علاج کہیں بھی ممکن نہیں..... اگر ہاسپٹل میں (ممکن) ہوتا تو ہم خود ایسے ہاسپٹل سے رابطہ کرتے..... مگر.....'' ڈاکٹر تفلین نے مایوسی سے جواب دیا۔

''مگر..... کیوں.....؟ آخر کوئی تو وجہ بتایے.....؟ کوئی بھی وجہ نہیں بتاتا۔'' جواد صاحب جھنجلا کر بولے۔

''دراصل..... قدرت نے انسان کے جسم کا نظام اسقدر پیچیدہ اور حساس بنایا ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے..... قدرت نے ان کے Digertive systen (نظام ہضم) کو بہت حیران کن بنایا ہے..... یہ ایک مخصوص مقدار میں چیزوں کو ناخالص حالت میں قبول کرسکتا ہے پہلے تو یہ نظام خود ہی ان impurities (ناخالص چیزوں) کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے جب وہ مقدار حد سے بڑھنے لگتی ہے تو پھر یہ بیمار ہو جاتا ہے اور جب احتیاط وعلاج نہ کیا جائے تو یہ نظام Damage ہو جاتا ہے۔ تگین نے بہت چھوٹی عمر میں ڈرنک کرنا شروع کی۔ شاید یہ آپ کے نالج (علم) میں ہے یا نہیں..... پھر ان کو کسی نے روکا بھی نہیں..... اور اس کے بعد ایک انتہائی ارینجمنٹ (غیر محتاط) کام یہ کیا کہ وہ وسکی کے ساتھ دوسری مختلف قسم کی وائنز مکس کر کے ڈرنک کرتی رہیں..... ان کا معدہ اور جگر پہلے ہی خراب تھا۔ ایسی مکسڈ شراب میں الکوحل کی مقدار بہت زیادہ بڑھنے سے ان کا جگر بری طرح Damage ہو گیا ہے..... اس میں کینسر پھیل چکا ہے اور اس کو remove (ختم) کرنا ناممکن ہے'' ڈاکٹر براس نے تفصیل سے انہیں بتایا۔

''کینسر.....'' جواد احمد حیرت سے چلائے۔

''اور یہ بہت زیادہ پھیل چکا ہے.....'' ڈاکٹر براس نے آہ بھر کر کہا۔

''اوہ..... گاڈ.....'' جواد احمد نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر کے انہیں شدت سے دبایا جیسے وہ اپنے اندر کی دکھی کیفیت کا اظہار کر رہے ہوں۔

''شراب ہمیشہ صحت کو برباد کرتی ہے..... جلدی یا بدیر..... لیکن اس کے اثرات ہمیشہ بیماری کی صورت میں ظاہر ہو کر رہتے ہیں..... نجانے کیوں لوگ اس اہم بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔'' ڈاکٹر براس نے کہا۔

''میں کیا کروں.....؟ کیا میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے اسے مرتا ہوا دیکھوں..... آئی کانٹ ڈو دیٹ (میں یہ نہیں کرسکتا) آئی کانٹ..... آئی

کانٹ۔" جواد احمد بری طرح سسکنے لگے۔

"ہم ہر ممکن طریقے سے ان کی زندگی کو ان کی ڈیتھ تک smooth (آسان) بنانے کی کوشش کریں گے۔"

ڈاکٹر براس نے ان کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

ڈیتھ...... ڈاکٹر آپ کیسے ڈیتھ کی بات کر رہے ہیں؟ میری بیٹی مر جائے گی...... نو...... نو...... میں اسے مرنے نہیں دوں گا......" جواد احمد قدرے جذباتی ہو کر چلانے لگے۔

"یہ حقیقت ہے...... تکین کے پاس بہت کم وقت ہے اور آپ کو یہ وقت بہت حوصلے اور صبر سے برداشت کرنا ہے اور یہ وقت یہ بہت اذیت میں گزارے گی۔ مگر ہم کوشش کریں گے کہ...... وہ......" ڈاکٹر ثقلین نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"امپاسبل...... میں اسے اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا ہوا کیسے دیکھوں گا...... نہیں...... میں ایسا نہیں کر سکتا...... نیور...... نیور۔" جواد احمد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

"پلیز...... حوصلہ کریں...... ہم سب بے بس ہیں...... اگر کسی طرح بھی تکین کا علاج ممکن ہوتا تو ہم ضرور کرتے...... مگر وہ ہمارے پاس بیماری کی آخری اسٹیج میں لائی گئی ہیں...... ہم کچھ نہیں کر سکتے۔" ڈاکٹر براس نے انہیں محبت سے اپنے ساتھ لگا کر سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں کیسے اسے مرتا ہوا دیکھ سکوں گا...... شی از ویری بریلینٹ اینڈ جینئس (وہ بہت لائق اور ذہین ہے اور) وہ پھر سسکنے لگے۔

"کاش آپ اس کی ایکٹو یٹیز اینڈ ہیبٹس (سرگرمیوں اور عادتوں) پر نظر رکھتے تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔"

ڈاکٹر براس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"یس...... اٹس مائی فالٹ (ہاں...... یہ میری غلطی ہے) میں نے اسے اسی طرح کی لبرٹی دی تھی...... اور پھر میں اور میری وائف بھی اس کے سامنے اکثر ڈرنک کرتے تھے...... یس اٹ از مائی فالٹ...... فالٹ (ہاں یہ میری ہی غلطی ہے...... بہت بڑی غلطی) جواد احمد رومال سے آنسو پونچھ کر انتہائی دکھ بھرے لہجے میں بولے۔

"انسان کا یہی المیہ ہے...... چیزوں کے ظاہری پہلوؤں سے متاثر ہو کر اس کی حقیقت کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے...... ڈاکٹر ثقلین اسی لیے میگزینز اور اخبارات میں تمام intoxicated (نشہ آور) اشیاء کی برائیوں اور ان سے جنم لینے والی بیماریوں کے بارے میں لکھتے رہتے ہیں تا کہ لوگوں کو awareness (معلومات) ہو مگر...... لوگ جان بوجھ کر حقائق کو نظر انداز کرتے ہیں اور جب ذہنی و جسمانی طور پر بالکل مفلوج اور بیمار ہو جاتے ہیں...... تب روتے اور افسوس کرتے ہیں۔" ڈاکٹر براس نے نرم لہجے میں کہا۔

"جواد احمد نے شرمندگی سے سر جھکا لیا...... اور آہ بھرتے ہوئے اٹھے تھینک یو ویری مچ......" جواد احمد نے دونوں کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"ہمت اور حوصلے سے کام لیجیے...... لائف از ویری ان سرٹن (زندگی بہت غیر یقینی ہے) کسی بھی لمحے کسی کے ساتھ کیا کچھ ہو جائے......

کسی کو معلوم نہیں ہوتا...... انسان کو ہر بات کے لیے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار رکھنا چاہیے۔" ڈاکٹر براس نے جواد احمد کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ بہت اچھے انسان ہیں...... دوسروں کے دکھوں کو محسوس کرنے والے...... ان کا علاج کرنے والے...... گاڈ بلیس یو آل (اللہ آپ سب پر رحم کرے)۔" جواد احمد نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"گاڈ بلیس یو ٹو۔" (اللہ آپ پر بھی رحم کرے) ڈاکٹر ثقلین نے کہا۔

"تھینک یو...... اینڈ پلیز انفارم یور وائف اباؤٹ ثمین (شکریہ...... اور...... پلیز اپنی بیوی کو ثمین کے بارے میں بتا دینا) جواد احمد نے کہا تو ڈاکٹر ثقلین نے انتہائی حیرت سے چونک کر جواد احمد کی جانب دیکھا۔

"بوتھ آر کلوز فرینڈز (دونوں گہری دوستیں ہیں) جواد احمد نے ڈاکٹر ثقلین کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھتے ہوئے کہا۔

"آئی...... سی" ڈاکٹر ثقلین نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"او کے...... بائے...... جواد احمد دونوں سے ہاتھ ملا کر اور انہیں خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئے۔

"آپ کی وائف اب کیسی ہیں؟ جواد احمد کے جانے کے بعد ڈاکٹر براس نے ڈاکٹر ثقلین سے پوچھا۔

"شی از امپروونگ (وہ بہتر ہو رہی ہیں) ڈاکٹر ثقلین نے جواب دیا۔

"نائس...... ڈاکٹر براس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تھینکس...... فار یور سپورٹ (آپ کے تعاون کا شکریہ) ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دیے۔

"علینہ میں کافی تبدیلی آ گئی تھی۔ لباس کے بارے میں وہ قدرے محتاط ہو گئی تھی...... ہر لباس پہننے سے پہلے اس کے بارے میں کچھ دیر کے لیے ضرور سوچتی اور پھر دیوار پر لگی ماں کی تصویر کی جانب دیکھتی...... ماں کے چہرے پر مسکراہٹ اسے اچھی لگتی تو وہ لباس پہن لیتی ورنہ کوئی اور پہنتی...... جب سے تصویر اس کے کمرے میں لگی تھی ایک عجیب سا احساس اس کے اندر پیدا ہونے لگا تھا۔ اسے ہر وقت اپنے ساتھ اپنی ماں کی موجودگی کا احساس بہت محتاط رکھنے لگا تھا۔ کبھی وہ جان بوجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش بھی کرتی تو اس کے دل کے اندر کہیں اضطراب پیدا ہونے لگتا۔ اسے کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا جیسے اس کے کمرے میں ماں کی تصویر نہ لگی ہو بلکہ وہ خود موجود ہوں اور ان کے وجود سے محبت اور پیار کی نرم گرم شعاعیں کمرے کے ماحول کو خوشگوار بنا رہی ہوں۔ اسے زندگی کا احساس ہونے لگتا...... اچانک محبت کا احساس ہونے لگتا اور محبت کی اس فضا میں وہ اپنے آپ کو قدرے پرسکون محسوس کرنے لگتی۔ برسوں سے جو اضطراب اور ڈپریشن اس کے اندر آگ بھڑکا تا رہتا تھا اب وہ قدرے کم ہونے لگا تھا...... ڈاکٹر ثقلین کے بارے میں بھی اس کی سوچ کچھ کچھ بدلنے لگی تھی۔ وہ ڈاکٹر ثقلین کا لایا ہوا لٹریچر پڑھنے میں مصروف تھی جب ڈاکٹر ثقلین کمرے میں داخل ہوئے اور اسے پڑھتا دیکھ کر مسکرانے لگے۔ اس نے جلدی سے سب کچھ فولڈ کر کے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ دیا۔

"کیسا لگا...... یہ لٹریچر...... اس میں لیٹسٹ ریسرچ پیپرز بھی ہیں جو انٹرنیشنل میگزینز میں شائع ہونے والے ہیں۔ اس میں ان کی فوٹو

سلیبٹ بھی ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں نے ابھی پڑھے نہیں۔" اس نے قدرے لاپروائی سے جواب دیا۔

"اوکے...... ٹائم ملے تو ضرور پڑھنا......" ڈاکٹر ثقلین نے کہا اور ایک ٹک اس کی جانب دیکھا۔ اس نے بلیو جینز کے ساتھ سلیولیس وائٹ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

"علینہ...... آپ سے ایک بات کہوں......" ڈاکٹر ثقلین نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"علینہ نے ان کی جانب دیکھا اور منہ دوسری جانب پھیر دیا۔

انسان کی ڈریسنگ سے اس کی اندر کی شخصیت کا پتا چلتا ہے...... اس کی سوچ...... اور......" ڈاکٹر ثقلین نے مزید کچھ کہنا چاہا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں یہ کہ میری ڈریسنگ...... میری طرح immoral ہے...... میری کوئی ویلیوز اور کوئی ایتھکس (اخلاقیات) نہیں......" علینہ قدرے چلاتے ہوئے بولی۔

"آئی نیور مین اٹ (میرا ابھی بھی یہ مطلب نہیں) ڈاکٹر ثقلین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں جب سے یہاں آئی ہوں۔ ہر کوئی مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہے کہ مجھ سے زیادہ vulgar (بیہودہ) اس گھر میں اور کوئی نہیں۔" وہ ایکدم غصے سے مشتعل ہو کر بولی۔

"پلیز...... علینہ...... ایسی کوئی بات نہیں...... کول ڈاؤن۔ پلیز۔"

ڈاکٹر ثقلین نے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

"آئی ایم مس فٹ ہیئر (میں یہاں مس فٹ ہوں) اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دینے لگی۔

"یو...... آر...... ناٹ...... ایٹ آل (تم ہرگز نہیں ہو) اور ڈاکٹر ثقلین نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگایا اور وہ پہلی بار ان کے گلے لگ کر رونے لگی۔ انہوں نے محبت سے اپنا رومال نکال کر اسکے آنسو پونچھے۔

"محبت کرنے والے کسی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتے۔ آئی لو یو سو مچ (میں تم سے محبت کرتا ہوں) اور انہوں نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا تو وہ بھی زیر لب مسکرا دی۔

"وٹس اٹ...... یو...... آپ کی سمائل (مسکراہٹ) بہت سویٹ ہے...... لائیک یو (آپ کی طرح)۔" ڈاکٹر ثقلین نے محبت سے کہا تو اس نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی سی تھی۔ ایسی محبت اور ایسی پذیرائی۔ تو آج تک کسی نے اس کی نہیں کی تھی...... بھی...... سلمان...... اویس...... اور...... اسد نے تو بالکل ہی اس کو کسی قابل نہیں سمجھا تھا اور ڈاکٹر ثقلین کی اتنی پذیرائی اس کے دل میں شکوک پیدا کرنے لگی۔

"کیا...... یہ ظاہری طور پر میرے سامنے...... ایسے الفاظ استعمال کر رہے ہیں...... مجھے خوش فہمی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں...... کہیں یہ مجھے

خوبصورت لفظوں میں الجھا کر...... مجھے خوش فہمیوں میں مبتلا کر کے وہی کچھ تو نہیں کرنا چاہتے جو سب نے میرے ساتھ کیا...... مجھے بیوقوف بنایا اور میں محبت کی پیاسی، محبت کی متلاشی ان کی باتوں کے سحر میں کھو کر اپنی حقیقت بھی کھو بیٹھی...... اس نے اچانک دکھ سے سوچا...... اور ڈاکٹر ثقلین کی جانب دیکھا جو اپنے بریف کیس میں سے کچھ فائلز نکال کر دیکھ رہے تھے۔

"علیزہ از نان سینس...... اس سے محبت تو نہیں...... البتہ نفرت کیا جا سکتا ہے۔" جمی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے اور اس کی آنکھوں کے گوشوں کو نم کرنے لگے۔

"یار۔۔۔ شی از اسٹوپڈ۔۔۔ اس سے بس ایک بار آئی لو یو کہو۔۔۔ تو پھر جیسے چاہو ایکسپلائٹ کرو...... شی از کریزی۔" سلمان نے جمی کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

علیزہ کا دل بری طرح چلا یا اور اس کی آنکھوں میں نم پانی کی مقدار بڑھنے لگی...... اس نے گہری سانس لی۔

"علیزہ...... مجھے تم سے کبھی محبت ہو ہی نہیں سکتی...... البتہ ترس ضرور آتا ہے...... کہ کوئی تم سے زیادہ دیر محبت نہیں کر سکتا...... کیونکہ تم بہت cynic (چڑچڑی) اور موڈی ہو...... تم سے اچھی بات کے جواب میں اچھی نہیں البتہ انتہائی بری بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔۔۔ اینڈ یو۔۔۔ لڑکیوں کی ایسی habits (عادتیں) انہیں لڑکوں میں ان پاپولر کر دیتی ہیں۔۔۔ اور وہ ان کی نظر میں زیرو بن جاتی ہیں۔۔۔ جیسا کہ تم۔۔۔" (اولیس کی باتیں اس کے ذہن میں گونجنے لگیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ ڈاکٹر ثقلین نے اپنا بریف کیس بند کر کے اچانک اس کی جانب دیکھا تو چونک گئے۔

"علیزہ...... کیا ہوا...... آپ کو......؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے بدحواس ہو کر پوچھا اور اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ کر اس کے کندھوں پر اپنا بازو رکھ کر اسے ساتھ لگایا آپ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں۔ سب جھوٹ بولتے ہیں سب دھوکے باز ہیں۔ محبت کے نام پر دھوکہ" وہ ایکدم ہائپر ہو گئی اور ڈاکٹر ثقلین کا بازو غصے سے پیچھے ہٹایا۔ علیزہ کا لہجہ قدرے ہتک آمیز تھا۔ ڈاکٹر ثقلین حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔

"یہ...... آپ کس لہجے میں بات کر رہی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین بمشکل غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"آئی نو ویل (میں خوب جانتی ہوں) یو آر اے بگ فراڈ بہت بڑا دھوکہ ہیں...... آپ" وہ غصے سے بولی۔

"اگلے ہی لمحے ڈاکٹر ثقلین نے تڑاخ سے ایک تھپڑ اس کے چہرے پر مارا وہ گھوم کر رہ گئی۔

"یہ تھپڑ میں نے آپ کو ہوش دلانے کے لیے مارا ہے...... نجانے آپ کہاں گم ہیں اور کیا نان سینس بول رہی ہیں...... بی ان یور سینسز (اپنے حواسوں میں رہو)" ڈاکٹر ثقلین نے لہجے کو نرم کرتے ہوئے اس کو سمجھایا تو وہ خاموش اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔ اسے نہ تو ایسے تھپڑ کی امید تھی اور نہ ہی ایسے رویے کی۔

"آپ مجھ پر اور میری محبت پر اعتبار کیوں نہیں کرتیں؟ آپ کو کیا اندیشے اور وسوسے ہیں......؟ کیا بات ہے کہ آپ ایک دم موڈی اور ہائپر ہو جاتی ہیں؟

آپ کے اندر کونسی گتھیاں ہیں جو آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں کرنے دیتیں اور آپ میرے قریب آ کر پھر دور چلی جاتی ہیں..... علینہ پلیز..... مجھ پر اور میری محبت پر اعتبار کرو..... آئی ایم یور ہسبینڈ۔" ڈاکٹر ثقلین نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے باور کرانے کی کوشش کی۔

"آئی کانٹ ٹرسٹ (میں اعتبار نہیں کر سکتی) اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیوں اعتبار نہیں کر سکتی.....؟ کیا آپ مجھ پر اعتبار نہیں کر سکتیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے انتہائی حیرت سے پوچھا کسی پر بھی نہیں..... اپنے آپ پر بھی نہیں۔" وہ آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگی۔

ڈاکٹر ثقلین حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔ وہ اس وقت بالکل مختلف پر سنالٹی تھی۔ وہ ایک گھنٹہ پہلے والی علینہ نہیں تھی اور آدھا گھنٹہ پہلے والی علینہ بھی نہیں تھی۔ اب وہ بالکل مختلف تھی۔ نارمل انسان سے جنونی اور جنونی سے نفسیاتی..... اس کے اندر نجانے کتنی پرسنالٹیز جمع ہو گئیں تھیں اور ڈاکٹر ثقلین کے لیے یہ انتہائی غیر متوقع اور حیرت کی بات تھی۔ وہ اسے دیکھ کر گہری سوچ میں ڈوب گئے اور خاموش نگاہوں سے مسلسل اس کی جانب دیکھنے لگے۔ وہ خلا میں کہیں گھور رہی تھی اور اس کے ذہن میں بھی، سلمان اور اویس کی باتوں کی بازگشت..... ان کی تمسخرانہ جملے اور ان کی طنزیہ باتیں اس کے چہرے کے تاثرات کو بری طرح متاثر کر رہی تھیں۔

"آج ثقلین کے والد میرے پاس آئے تھے..... ثقلین بہت بیمار ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے جان بوجھ کر اس کی توجہ ہٹانے کے لیے کہا تو اس نے چونک کر ڈاکٹر ثقلین کی جانب دیکھا۔

"ثقلین..... کیا ہوا ثقلین کو.....؟ وہ تو بالکل ٹھیک تھی۔" علینہ نے ایکدم چونک کر پوچھا۔

"وہ بہت بیمار ہے..... اسے liver cancer (جگر کا سرطان) ہے" ڈاکٹر ثقلین نے آہستہ آہستہ سے بتایا۔

liver cancer وہ حیرت سے بڑبڑانے لگی..... جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو..... اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئیں تھیں۔

"ہاں..... اور..... کینسر بھی آخری اسٹیج پر ہے..... آئی مین کسی بھی وقت ڈیتھ ہو سکتی ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے انتہائی سنجیدگی سے آہستہ آہستہ سے بتایا۔

"ڈیتھ.....؟ اس نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"ہاں....." ڈاکٹر ثقلین نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ثقلین کی ڈیتھ..... نو..... نو..... نیور..... یہ کبھی نہیں ہو سکتا یہ جھوٹ ہے..... اسے کیسے کینسر ہو سکتا ہے..... امپاسبل (ناممکن) وہ خود ہی بڑبڑانے لگی۔

"بہت زیادہ ڈرنک کرنے سے..... اسے کینسر ہوا ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔

"ڈرنک سے....." اس نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں......"

"میں نہیں مانتی...... بہت سے لوگ ڈرنک کرتے ہیں...... سب زندہ ہیں...... سب چلتے پھرتے ہیں...... پھر...... تمکین کیسے مر سکتی ہے...... وہ نہیں مر سکتی۔" وہ حیرت سے بولی۔

"سب بیمار ہوتے ہیں...... جو ڈرنک کرتے ہیں...... کسی کا معدہ، کسی کا جگر، کسی کے گردے، کسی کا دل، کسی کا دماغ اور کسی کا خون...... مگر سب بیمار ضرور ہوتے ہیں...... چاہے وہ بیمار نظر نہ آتے ہوں......" ڈاکٹر ثقلین نے معنی خیز انداز میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر تمکین...... اتنی جلدی کیسے مر سکتی ہے...... ابھی تو ایم بی اے کے فائنل ایگزامز ہونے والے ہیں...... ابھی تو اس کی شادی بھی ہونی ہے اور اس نے پڑھنے کے لیے امریکہ بھی جانا تھا...... اس نے تو......" اور ایکدم علیزہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"پلیز...... علیزہ...... اپنے آپ کو سنبھالیں...... اپنے آپ کو سمجھائیں دیکھو...... انسان کی ساری پلاننگ میں کبھی بھی موت کو شامل نہیں کرتا...... اور جب موت ایک حقیقت بن کر سامنے آتی ہے تو انسان خود ہی چونک جاتا ہے...... اسے خود بھی یقین نہیں آتا...... اور دوسروں کو بھی نہیں...... مگر یہ ایک حقیقت ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے آہ بھر کر کہا۔

"میں کیسے یقین کروں...... تمکین میرے ساتھ باتیں کرتی تھی۔ میرے ساتھ ہنستی تھی...... میرے دکھ شیئر کرتی تھی...... اور...... تمکین نہیں رہے گی...... آئی کانٹ ایکسیپٹ اٹ (میں یہ قبول نہیں کرسکتی) اس کے لئے تمکین کی موت کی خبر جتنی روح فرسا تھی۔ اتنی ہی ناقابل قبول بھی...... چلتی پھرتی۔ باتیں کرتی۔ اس کے ساتھ ڈرنک کرتی...... چیک جاتی تمکین اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی...... اس کی پرسنالٹی میں چارم تھا۔ اس کی باتوں میں ایک خاص اسٹائل تھا...... وہ چیزوں کو اپنے مخصوص زاویے سے دیکھتی تھی...... اس کی سوچ، اس کی باتیں اس کا لب ولہجہ سب کچھ بہت مختلف تھا اور بہت پرکشش تھی۔ اور وہ تمکین مرجائے گی...... اس کے ڈیڈی اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔ وہ اسے کیسے مرنے دیں گے...... اور وہ بھی تو اس سے بہت محبت کرتی تھی...... کیسے اس کے بغیر رہ سکے گی۔" علیزہ سوچ سوچ کر رونے لگی۔

"کیا تمکین آپ کی کلوز فرینڈ ہیں؟" ڈاکٹر ثقلین نے اسے تمکین کے لیے یوں شدت سے روتے دیکھ کر پوچھا تو اس نے چونک کر ان کی جانب یوں دیکھا...... جیسے انہوں نے کوئی انتہائی عجیب اور انہونی بات پوچھی ہو۔

"لگتا ہے آپ کو تمکین سے بہت محبت ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے پھر پوچھا تو وہ اور شدت سے رونے لگی۔ جیسے اس کے لئے یہ غم سنبھالا نہ جا رہا ہو۔ اس کے دل کے اندر غم اور دکھ کا اک طوفان حشر برپا کر رہا ہو۔ اس کے پیٹ میں مروڑ سے اٹھنے لگے...... وہ ہچکیاں لینے لگی۔

"پلیز...... علیزہ اپنے آپ کو سنبھالیں...... مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ ان سے بہت محبت کرتی ہیں...... جن سے محبت کرتے ہیں...... ان کے لیے دل سے دعائیں بھی کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے آپ کی دعاؤں میں اثر ہو...... اور......" ڈاکٹر ثقلین یوں رکے جیسے اگلے جملے کی صداقت پر انہیں یقین نہ ہو...... یا کہنے سے ڈر رہے ہوں کہ کہیں علیزہ اس پر یقین ہی نہ کرلے۔ وہ اپنا ہونٹ کاٹنے لگے۔ علیزہ روتی رہی وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دینے کی کوشش کرتے رہے۔

"دعا کریں...... سچے دل کے ساتھ...... پورے خلوص اور محبت کے ساتھ...... شاید...... کوئی معجزہ ہو جائے۔" ڈاکٹر ثقلین نے جلدی سے جملہ ادا کیا اور خاموش ہو گئے۔ علینہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا...... جیسے بے یقینی اور بے چینی کی کیفیت میں ہو......

"کیا معجزے دعاؤں سے وابستہ ہوتے ہیں؟" اس نے حیرت سے سوچا۔

"نہیں...... اس کی دعائیں کبھی پوری نہیں ہوئیں۔" وہ سوچ کر پھر رونے لگی۔

"ایسے نہیں کہتے" ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سہلایا۔

"آپ دعا کریں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پھر رک گئے...... جیسے کسی ناممکن بات کے ممکن ہونے میں انہیں بھی شک ہو رہا ہو...... اور اگر علینہ کی یہ دعا بھی پوری نہ ہوئی تو وہ بہت مایوس ہو جائے گی...... اور وہ اسے پھر مایوسی کے کنویں میں نہیں دھکیلنا چاہتے تھے۔

"علینہ سسکتی رہی اور وہ اسے دلاسے تسلیاں دیتے رہے۔

"ہم دونوں ثقلین سے ملنے چلیں گے...... لیکن وعدہ کریں وہاں جا کر آپ روئیں گی نہیں...... اس طرح وہ ڈسٹرب ہو جائے گی۔ ہمیشہ مریض کے پاس بیٹھ کر پر امید باتیں کرنی چاہئیں۔ یہ اللہ کے نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے نرم لہجے میں کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

"پلیز...... اپنے آپ کو کمپوز کریں...... زندگی کی طرح موت کو بھی اٹل حقیقت سمجھ کر قبول کریں...... اگر ہم زندہ ہیں اور سانس لے رہے ہیں تو ہماری سانسیں رک بھی سکتی ہیں...... اور اسی کا نام موت ہے...... جب آپ اپنے آپ کو نارمل کر لیں گی...... اس روز ہم ثقلین کو ملنے چلیں گے...... مگر آپ کو جلدی نارمل ہونا پڑے گا کیونکہ ثقلین کے پاس شاید زیادہ وقت نہ ہو۔" ڈاکٹر ثقلین نے آہستہ آواز میں کہا تو علینہ نے پھر چونک کر ان کی جانب دیکھا اور آنسو پھر اس کی آنکھوں سے گرنے لگے۔

"بس...... اب اور نہیں" ڈاکٹر ثقلین نے اپنی انگلی کی پوروں سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو اس نے نم آنکھوں سے ان کی جانب دیکھا اور سر جھکا لیا۔

"اب آپ آرام کریں...... مجھے بھی ایک اہم اسائنمنٹ تیار کرنی ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے اپنا بریف کیس اٹھاتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

"علینہ کی ہسٹری میں ضرور کچھ ایسے Mishaps ہوئے ہیں جنہوں نے اس کی پرسنالٹی کو شیڈ کر کے رکھ دیا ہے۔ مجھے ان کی ریزنز (وجوہات) جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔" ڈاکٹر ثقلین نے کمپیوٹر پر اسائنمنٹ تیار کرتے ہوئے سوچا۔

"علینہ ساری رات بے حد مضطرب رہی۔ اسے ایک پل بھی سکون نہیں مل رہا تھا۔ نہ نیند آ رہی تھی اور نہ ہی دل کو قرار مل رہا تھا...... ثقلین کی باتیں...... ثقلین کی سرگوشیاں، ثقلین کی مسکراہٹیں...... ثقلین کا چلنا پھرنا...... ایک ایک لمحہ...... ایک ایک پل...... جو دونوں نے اکٹھے گزارا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ وہ جب بہت زیادہ مضطرب ہو جاتی تو بیڈ پر سے اٹھ کر بیٹھ جاتی۔ کمرے میں چکر لگانا شروع کر دیتی۔ بار بار ماں کی تصویر کے سامنے جا کر رک جاتی اور نم آنکھوں سے تصویر کی جانب دیکھتی۔

"ممّا...... آپ تکین کے لیے دعا کریں...... سب کہتے ہیں آپ بہت نیک تھیں۔ آپ کی دعائیں پوری ہوتی تھیں...... لوگ آپ سے دعائیں کراتے تھے...... پلیز میری دوست کے لیے بھی دعا کریں وہ بہت اچھی ہے...... بہت اچھی...... میری ایک ہی تو دوست ہے...... اور وہ بھی مر جائے گی...... میں اس کے بغیر کیسے زندہ رہوں گی۔" اور وہ تصویر سے لپٹ کر رونے لگی...... روتے ہوئے اس نے تصویر کو بغور دیکھا اور اسے یوں لگا جیسے ممّا کی آنکھوں میں بھی آنسو ہوں اور انہیں بھی تکین کے بارے میں سن کر بہت افسوس ہو رہا ہو۔

"ممّا...... آپ اس کے لیے دعا کریں گی نا......" اس نے روتے ہوئے تصویر کی جانب دیکھ کر سوچا۔

"ہاں...... میں ضرور دعا کروں گی۔" اسے یوں محسوس ہوا جیسے ممّا اسے دلاسا دے رہی ہوں اور وہ آہستہ آہستہ پرسکون ہونے لگی اور بستر پر آ کر بیٹھ گئی اور تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

"آپ دعا کریں...... ہوسکتا ہے کہ" نیم مدہوشی میں ڈاکٹر ثقلین کی آواز کہیں سے گونجی۔

"میری دعائیں پوری نہیں ہوتیں۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔

"ہشت...... ایسے نہیں کہتے......" کہیں سے کسی نے سرگوشی کی۔

"ہاں...... کبھی پوری نہیں ہوتیں...... میں نے جب بھی دعا کی...... کبھی پوری نہیں ہوئی...... ممّا کے مرنے کے بعد میں ان کے زندہ ہونے کی دعا کرتی تھی...... وہ بھی پوری نہیں ہوئی...... میں ندرت آنٹی کے مرنے کی دعا کرتی تھی۔ وہ بھی پوری نہیں ہوئی...... میں اسد کو پانے کے لیے بہت دعا کرتی تھی۔ وہ بھی پوری نہیں ہوئی...... کبھی بھی کوئی دعا پوری نہیں ہوئی۔ اور تکین کے لیے بھی میری کوئی دعا پوری نہیں ہوگی۔" اس نے بند آنکھوں سے ہی سوچا۔

"جن سے محبت کرتے ہیں...... ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔"

کسی نے پھر سرگوشی کی...... وہ اس نے بڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ارد گرد کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ الفاظ کس نے کہے تھے...... ڈاکٹر ثقلین نے...... تکین نے یا ممّا نے...... کس نے......؟ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"میں تکین سے بہت محبت کرتی ہوں...... بہت محبت......" وہ اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی...... اور اپنی سوجی ہوئی سرخ آنکھوں سے ارد گرد دیکھنے لگی۔

"ممّا...... آپ دعا کر رہی ہیں نا۔" وہ پھر تصویر کے پاس جا کر بڑبڑائی اور تصویر کی طرف بغور دیکھتی رہی۔

"میں...... کیسے......؟ آئی ڈونٹ ٹرسٹ ان گاڈ (مجھے خدا پر اعتبار نہیں) میں نے جب بھی اس سے کچھ مانگا...... اس نے نہیں دیا...... وہ مجھے تکین کی زندگی بھی نہیں دے گا...... آئی ایم شیور (مجھے یقین ہے) اس نے انتہائی مایوسی سے سوچا۔

"جن سے محبت کرتے ہیں...... ان کے لیے دعائیں بھی کرتے ہیں۔" آواز کی بازگشت اسے مضطرب کرنے لگی اسے مزید الجھانے لگی۔

"کیا تم اپنی بہت پیاری دوست کے لیے دعائیں کرو گی......؟ کیا تم اس سے محبت نہیں کرتی......؟ کیا جن سے محبت کرتے ہیں ان کے لیے دعائیں نہیں کی جاتیں" کئی ملی جلی آوازیں اسے پریشان کرنے لگیں۔

"وہ صوفے پر جا کر بیٹھ گئی...... اور الماری میں سے دوپٹہ نکال کر وضو کرنے لگی۔ وضو کرتے ہوئے بھی اسے خیال نہ رہا کہ اس کا آدھا جسم تو ننگا تھا۔ اس نے سیلولیس شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ وضو کر کے دوپٹہ اوڑھ کر صوفے پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر ثقلین کے لیے دعا کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے جھڑی سی رواں ہو گئی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ثقلین کے لیے کیا دعا کرے...... اس کی بیماری کے ختم ہونے کی...... اس کی ڈرنک کی عادت ختم ہونے کی یا پھر صرف اور صرف اس کی زندگی کی...... وہ کتنی دیر خاموش آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔

"ثقلین کو زندہ رہنا چاہیے...... میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔" اس نے گڑگڑا کر صرف یہ دعا کی۔

اچانک دروازہ کھلا اور ڈاکٹر ثقلین اپنے کوئی ڈاکومینٹس لینے کمرے میں آئے...... اور اس کو یوں دعا مانگتا دیکھ کر ٹھٹکے...... اس کا حلیہ دیکھ کر چونکے۔ ننگے بازو...... اور ڈیپ گلا...... صرف سر پر چھوٹا سا کالے رنگ کا دوپٹہ...... انہوں نے وارڈ روب کھولی اور اس میں سے قدرے بڑا دوپٹہ نکال کر اس کے کندھوں پر پھیلا دیا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں جیسے اس کی دعا کا تسلسل ٹوٹ گیا ہو۔

"ہر محفل کے آداب ہوتے ہیں...... اور اس کی محفل میں جانے کے لیے بھی محبت...... اور ادب بہت ضروری ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے نرم لہجے میں کہا تو اسے ان کی بات سن کر ایکدم غصہ آ گیا اور دوپٹہ کھینچ کر دور پھینکا۔ سر پر اوڑھا دوپٹہ بھی اتارا اور خشمگیں آنکھوں سے ڈاکٹر ثقلین کی جانب دیکھنے لگی۔

پلیز...... ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ...... (پلیز سمجھنے کی کوشش کرو) ڈاکٹر ثقلین نے شائستہ لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"آئی ہیٹ یو۔ آر۔" وہ غصے سے چلاتے ہوئے بولی اور دروازہ کھول کر ٹیرس پر چلی گئی۔ ڈاکٹر ثقلین اس کے پیچھے جانے لگے مگر اس نے دروازے کو لاک لگا دیا۔ ڈاکٹر ثقلین پریشان ہو کر اسٹڈی روم میں چلے گئے مگر اب ان سے اسائنمنٹ مکمل کرنا مشکل ہو رہا تھا وہ ساری رات مضطرب رہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی انہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔

علینہ ان کو شدید ذہنی اذیت دے رہی تھی...... ایسی اذیت جس کا شاید اسے خود بھی کوئی اندازہ نہیں تھا اور جسے وہ خود بھی محسوس نہیں کرتی تھی...... مگر ڈاکٹر ثقلین کس قدر اپ سیٹ تھے یہ صرف وہی جانتے تھے۔

اگلے روز بیدار ہوتے ہی علینہ...... تمکین سے ملنے اس کے گھر چلی گئی...... تمکین ایک پرائیویٹ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھی...... گھر پر کوئی نہیں تھا۔ سوائے ملازمین کے...... جنہوں نے اسے ہاسپٹل کا ایڈریس بتایا۔ وہ ہاسپٹل کے مطلوبہ روم میں پہنچی تو تمکین کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ بیڈ پر پڑی بالکل دکھائی نہ دے رہی تھی۔

ہڈیوں کا ڈھانچہ، نحیف و نزار جسم جو سکڑ کر کسی کمسن بچی کے انتہائی لاغر و بیمار جسم میں تبدیل ہو گیا ہو۔ اس کی سانولی رنگت جل کر سیاہ ہو چکی تھی۔ اس کو کوئی ہوش نہ تھی۔ علینہ اسے دیکھ کر رونے لگی تو اس کی ممی اسے باہر لے آئیں۔

"تمکین شدید تکلیف میں ہے...... درد کی شدت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اس سے برداشت نہیں ہوتی...... ابھی ڈاکٹر نے اسے انجکشن لگا کر سلایا ہے......" تمکین کی ممی نے اسے روتے ہوئے بتایا۔ علینہ بھی ان کی باتیں سن کر رو رہی تھی۔

"یہ سب کچھ...... کیسے ہوگیا......؟ اتنی اچانک...... مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔" علینہ نے آ و بھر کر کہا۔

"وہ تین ماہ سے بیمار ہے...... پہلے اس کو پرابلم ہوتی تھی تو وہ ہمیں بتاتی ہی نہیں تھی...... جانے کیسے یہ سب ہو گیا؟ وہ افسردگی سے بولیں۔

"ڈرنک کرنے سے یہ سب ہوا ہے...... اور اس کی ذمہ دار تم ہو...... تم نے اس پر نظر نہیں رکھی...... اور اس کو ہر بات کی اجازت دے دی۔" اچانک پیچھے سے جواد احمد آ کر بیوی پر چلانے لگے۔

"جواد...... پلیز...... ڈونٹ بلیم می (مجھے الزام مت دیں) یو آر ریسپانسبل ٹو (آپ بھی ذمہ دار ہیں) آپ اس کے سامنے ڈرنک کرتے تھے جب وہ ابھی فرسٹ ایئر میں تھی۔" اس کی ممی غصے سے چلاتے ہوئے بولیں۔

"شٹ اپ......" جواد احمد بھی چلائے۔

علینہ حیرت سے دونوں کو ایک دوسرے پر چلاتے ہوئے اور الزام تراشی کرتے ہوئے دیکھ کر حیران ہوتی رہی۔

"آج میری بیٹی کی یہ حالت تمہاری وجہ سے ہے...... وہ مر رہی ہے اور میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا ہے...... وہ تکلیف میں ہے اور میں اس کی تکلیف دور نہیں کر سکتا۔ آئی ہیٹ یو......" جواد احمد پر مشتعل ہو کر بیوی پر چلانے لگے۔

"بی...... ہیو...... یور سیلف (اپنے آپ کو سنبھالیں)" وہ کہہ کر غصے سے کمرے کے اندر چلی گئی اور جواد احمد دیوار کے ساتھ سر ٹکا کر سسکنے لگے اور مٹھیاں بھینچ کر ان پر مکے مارنے لگے۔

"پلیز...... انکل...... ڈونٹ ڈو دیٹ (ایسا مت کریں) نگین کے لیے دعا کریں۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اور وہ خود ہی چونک گئی۔

"میری دعائیں...... اب...... اس کو نہیں بچا سکتیں۔" وہ مایوسی سے روتے ہوئے بولے تو علینہ خاموش ہو گئی...... وہ کمرے میں جا کر نگین کو دیکھتی رہی اور روتی رہی...... کافی دیر بیٹھنے کے بعد وہ واپس آ گئی۔ اس کا دل بے حد پریشان ہو رہا تھا۔ وہ گھر واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس نے اپنی گاڑی کا رخ بے خیالی میں اپنے ماں باپ کے گھر کی جانب موڑ دیا۔ وہ اسقدر اپ سیٹ تھی کہ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ وہاں کیوں جا رہی ہے...... وہ بس جا رہی تھی...... اور اسے خود بھی خبر نہیں تھی۔ وہ شادی کے بعد ایک بار بھی ندرت سے ملنے نہیں گئی تھی اور نہ ہی ندرت اس سے کبھی ملنے آئی تھی۔ وہ شاکر علی سے اکثر فون پر بات کر لیتی تھی۔ علی بھی اس کو کبھی کبھار امریکہ سے فون کر لیا کرتا تھا۔ دونوں بہن بھائی کبھی بھی ایک دوسرے سے ویسی محبت نہیں کر پائے تھے جیسی سگے بہن بھائیوں میں ہوتی ہے اور وجہ ندرت تھی۔ ندرت نے بچپن سے ہی دونوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے لڑائی جھگڑوں اور اختلافات کو اتنا طول دیتی تھی کہ وہ کبھی باہم ملنے نہ پائے تھے۔ دونوں میں فاصلے بڑھتے گئے اور علی کو میٹرک کے بعد ہی ندرت نے امریکہ باپ کے پاس بھجوا دیا کہ وہ جوان ہو رہا ہے اور ندرت اس کی ذمہ داریاں نبھا نہیں سکتی یوں اسے امریکہ گئے ہوئے کافی سال ہو گئے تھے۔ اس کے ڈاکومنٹس بننے میں ہی پانچ چھ سال لگ گئے...... اور پھر اس کا دل واپس آنے کو بالکل نہیں چاہتا تھا۔ نہ اسے ندرت میں دلچسپی تھی اور نہ ہی علینہ میں...... وہ صرف شاکر علی کے قریب تھا اور وہ اس کے پاس ہی تھا۔

گیٹ کھلا تھا اور پورچ میں ڈاکٹر ثقلین کی گاڑی کھڑی تھی۔ علینہ کو شدید جھٹکا لگا۔ اس کے لیے یہ بات انتہائی حیران کن تھی۔

"سنی اور یہاں...... اس گھر میں...... ندرت آنٹی کے پاس، اس کے دماغ میں بتیاں جلنے بجھنے لگیں۔ حیرت اور تجسس کے انتہائی جذبات اس کے اندر جنم لینے لگے۔ اس نے اپنی گاڑی کوٹھی سے باہر کھڑی کی اور آہستہ آہستہ دبے قدموں سے چلتی ہوئی گھر کے اندر چلی گئی۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ اس کے چہرے پر پسینہ سا آ گیا۔

اچانک ڈرائنگ روم سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں...... ڈرائنگ روم کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا، وہ کان لگا کر سننے لگی۔

"سنی بیٹا...... یہ تو تمہاری ہمت ہے جو تم نے ابھی تک علینہ کو اپنے گھر میں رکھا ہے۔ ورنہ وہ تو انتہائی سرپھری، خود سر، ضدی، آوارہ اور اوباش ہے...... لڑکوں کے ساتھ اس کے چکر تھے...... آج ایک تو کل دوسرا...... بس پوچھو مت...... کیا کچھ کرتی رہی ہے۔ شراب وہ پیتی ہے۔ سموکنگ وہ کرتی ہے...... کون سا عیب ہے جو اس میں نہیں...... اور بے حیا لباس پہن کر جب گھومتی تھی تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی...... میں تو اس سے اسقدر تنگ تھی کہ کیا بتاؤں...... شکر کیا ہے...... جب سے اس گھر سے گئی ہے...... میں نے سکون کا سانس لیا ہے...... تمہاری بھی زندگی یونہی اجیرن رکھے گی...... بہتر ہے جلدی کوئی فیصلہ کر لو...... فیصلے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوگا کہ میں اسے طلاق کے بعد اپنے گھر میں گھسنے دوں گی...... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا...... جہاں مرضی جائے مگر یہاں ہرگز نہیں...... کبھی بھی نہیں۔" ندرت نے کہا تو علینہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس سے وہاں مزید رکنا محال ہو گیا۔ وہ پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل آئی اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

آپ کو کس نے کہا کہ میں علینہ کو طلاق دوں گا...... ہرگز نہیں وہ میری بیوی ہے اور مجھے اس سے بہت محبت ہے......" ڈاکٹر ثقلین نے ندرت کی طرف دیکھ کر قدرے مضبوط لہجے میں کہا تو ندرت پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"م...... م...... میرا یہ مطلب نہیں تھا...... دراصل انیلا نے مجھے بتایا اس لیے میں کہہ رہی تھی۔ اور میں کیوں چاہوں گی کہ علینہ کا بسا بسایا گھر اجڑے...... وہ میری سگی بیٹی نہ سہی مگر میری بہن اور شوہر کی اولاد تو ہے...... تا...... میں ہرگز بھی اس کا برا نہیں چاہوں گی۔" ندرت نے ایکدم پینترا بدلا اور اس کا لب ولہجہ ایکدم بدل گیا۔ ڈاکٹر ثقلین کو اپنے ارادے میں مضبوط دیکھ کر اسے اپنا آپ کمزور پڑتا دکھائی دے رہا تھا۔

"انیلا بھابی کو بھی ہمارے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں...... اور میں تو آپ کے پاس کسی اور مقصد کے لیے آیا ہوں۔" ڈاکٹر ثقلین نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مقصد...... میں سمجھی نہیں۔" ندرت نے بات کا رخ بدل کر اپنا لب ولہجہ شائستہ بناتے ہوئے کہا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ علینہ کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ وہ کبھی ایکدم پریشان ہو کر رونا شروع کر دیتی ہے...... کبھی غصے میں آ جاتی ہے...... اور کبھی......" انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑا اور ندرت کی جانب دیکھنے لگے۔

"ہاں...... وہ شروع سے ہی ایسی ہے۔" ندرت نے آہستہ آواز میں کہا۔

"میں یہی جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کب کیسی تھی......؟ بچپن میں اس کی کیا عادتیں تھیں جب کالج جاتی تھی تو کیسی تھی اور یونیورسٹی میں جا کر

اس میں کیا تبدیلیاں آئیں۔ میں خود اس کا علاج کرنا چاہتا ہوں..... اس لیے آپ سے پوچھنے آیا ہوں...... کیونکہ ان سب باتوں کا جواب آپ ہی بہتر طور پر دے سکتی ہیں۔" ڈاکٹر ثقلین نے قدرے نرمی سے ندرت کو کہا۔

"ہاں ---- ہاں ---- میں کیوں نہیں بتاؤں گی۔ اس کی علاج اور صحت بہت ضرورت ہے اور میں بھی چاہتی ہوں کہ اس کا علاج ہو۔ وہ اپنے گھر میں خوش رہے۔ کشور بھابی کو بھی چند روز خوشی کے دیکھنے نصیب ہوں...... علینہ نزہت آپا کی وفات تک تو ایک نارمل بچی تھی۔ یہ بڑی تھی اور علی اس سے چھوٹا تھا۔ اس کی ماں سے اتنی ہی محبت تھی جتنی کہ ہر بچہ اپنی ماں سے کرتا ہے...... نزہت آپا کی وفات کے بعد یہ بہت بدل گئی۔ ہر وقت خاموش اور چپ رہتی تھی۔ جب بچے کھیلتے تو یہ کسی نہ کسی کمرے کے کونے میں چپ چاپ بیٹھی روتی رہتی۔ پھر میں نے اس کی توجہ ہٹانے کے لیے اس کو گھر کے کاموں کا جنون میں لگا دیا۔ کلاس 6 میں تو یہ گھر کا ہر کام سنبھال لیتی تھی..... مگر یہ کسی سے بھی بات نہیں کرتی تھی علی سے بھی بہت جھگڑتی رہتی تھی۔ میٹرک میں اس میں بہت تبدیلی آئی۔ یہ بہت مذہبی ہو گئی۔ سر پر بہت بڑی چادر لیتی، گھر میں بڑے بڑے دوپٹے لیتی، بہت نمازیں پڑھتی اور اکثر روزے بھی رکھ لیتی۔ رات کو بھی اکثر نمازیں پڑھتی۔ پھر کالج چلی گئی۔ بی اے تک یہ یونہی رہی۔ مگر جیسے ہی یونیورسٹی پہنچی اس کے رنگ ڈھنگ بدل گئے۔ اس کا حلیہ، اس کی باتیں، اس کے کپڑے، اس کی ہر ہر بات بدل گئی۔ میں تو اس کو ہر وقت حیران ہو ہو کر دیکھتی، کہاں سر پر چادر اوڑھ کر کالج جاتی تھی اور اب دوپٹے سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ بیہودہ لباس پہنتی۔ نماز تو بھول ہی گئی۔ شراب پینے لگی۔ سموکنگ کرنے لگی۔ کونسی برائی تھی جو اس میں موجود نہ تھی۔ کمبخت کا خود بھی ستیاناس ہوا تھا۔ اس کو بھی لے ڈوبی۔ — یہ سہیلیاں ہی برباد کرتی ہیں۔ اس لڑکی نے علینہ کو بہت بے باک اور بے حیا بنا دیا ورنہ علینہ ہرگز ایسی نہ تھی۔" ندرت اس لڑکی کو کوسنے دینے لگی۔

"کون تھی وہ......؟" ڈاکٹر ثقلین نے جان بوجھ کر پوچھا "تھی امیر اور بگڑے ماں باپ کی بگڑی ہوئی اولاد۔" ندرت نے منہ بنا کر کہا۔

"نگین......؟" ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"ہاں...... ہاں...... وہی...... علینہ کی ساری تباہی کی ذمہ دار وہی ہے...... خدا اس کو غارت کرے۔" ندرت نے بددعا دی۔

"آنٹی...... پلیز...... اس کو چھوڑیں۔" ڈاکٹر ثقلین نے جھنجھلا کر کہا۔

"علینہ دیکھتے ہی دیکھتے بہت بدل گئی...... کسی زمانے میں بہت اچھی اور فرمانبردار ہوتی تھی۔ میری ہر بات سنتی اور مانتی تھی...... لیکن...... پھر ایسی بدل گئی کہ میری بات تو کیا مجھے دیکھنا بھی گوارا نہ کرتی...... مجھے تو خود سمجھ میں نہیں آیا...... کہ اسے کیا ہو گیا تھا۔" ندرت نے ظاہری طور پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"آنٹی...... کوئی اور خاص بات...... جو آپ سمجھتی ہوں کہ علینہ میں تبدیلی اس کی وجہ سے بھی آ سکتی ہے" ڈاکٹر ثقلین نے کہا تو ندرت سوچ میں پڑ گئی۔

"ہاں...... نزہت آپا کی وفات کے بعد علینہ بہت گم صم رہتی تھی اور کچھ عرصہ بعد یہ بہت بیمار پڑ گئی...... ہم لوگ بہت علاج کراتے رہے مگر یہ ٹھیک نہ ہوئی۔ شاکر علی اس کو ہر روز باہر گھمانے کے لیے بھی لے کر جاتے۔ ایک روز واپسی پر شاکر علی نے علینہ کو ایک بہت بڑی گڑیا خرید کر

دی جو قد میں تقریباً علینہ جتنی تھی۔ اس وقت اس کی عمر دس سال تھی مگر دبلی پتلی ہونے کی وجہ سے یہ چھوٹی لگتی تھی۔ گڑیا اس سے بڑی لگتی تھی۔ علینہ اس سے بہت محبت کرنے لگی۔ ہر وقت اسے اٹھائے اٹھائے پھرتی اور اکثر اس کو نزہت آپا کے دوپٹے سے لپیٹے رکھتی۔ اس کو اپنے ساتھ سلاتی اور اس سے باتیں کرتی۔ اکثر میں نے اور شاکر علی نے علینہ کو اس سے باتیں کرتے اور روتے ہوئے سنا۔ یہ ہمیشہ اسے نزہت آپا کے دوپٹے اور چادریں اوڑھاتی...... دو سال بعد ہم نے گھر شفٹ کیا تو سامان میں وہ گڑیا کہیں ادھر ادھر ہو گئی۔ میں نے اور شاکر علی نے بہت تلاش کی مگر وہ نہ ملی۔ علینہ اس کے گم ہونے کے بعد پھر گم صم ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے بہت نمازیں شروع کر دیں...... مجھے بعد میں پتا چلا کہ جن قاری صاحب سے یہ قرآن پاک پڑھتی تھی۔ انہوں نے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ جب کوئی چیز کھو جاتی ہے تو اللہ کے سامنے بہت گڑ گڑا کر دعائیں کرنے سے وہ چیز مل جاتی ہے۔ یہ جب بھی فارغ ہوتی جائے نماز بچھا کر رو رو کر دعائیں کرتی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب یہ کالج گئی تو آہستہ آہستہ اس نے نمازیں کم کر دیں اور بات بے بات غصے میں آنے لگی۔ بی اے تک یہ نمازیں پڑھتی تھی۔ یونیورسٹی میں جانے کے بعد تو پھر سب کچھ بدل گیا۔ علینہ...... پہلے والی علینہ نہ رہی......" ندرت نے انتہائی مایوسی سے کہا تو ڈاکٹر ثقلین گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

"تھینک یو ویری مچ آنٹی...... اگر مجھے اور کسی ہیلپ کی ضرورت ہوئی تو میں آپ سے رابطہ کروں گا۔" ڈاکٹر ثقلین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں...... میں تو چاہتی ہوں کہ اس کا گھر بسا رہے...... بس اپنا کے منہ سے سنی ہوئی بات میں نے تم کو بتا دی۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔" ندرت نے اپنے بارے میں تمام شکوک رفع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ" ڈاکٹر ثقلین نے اٹھتے ہوئے کہا اور اجازت لے کر آ گئے...... وہاں سے وہ اپنے ہاسپٹل چلے گئے...... علینہ کے بارے میں بہت سی معلومات کو انہوں نے ایک فائل میں لکھا تھا تا کہ اس کی کیس ہسٹری کا ہر زاویے سے مطالعہ کریں۔

علینہ کا دماغ غصے سے پھٹ رہا تھا...... اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا شوہر...... جو اس سے محبت کے دعوے کرتا تھا۔ اس کو بتائے بغیر اس کی اس ماں سے ملنے جاتا ہے جو کبھی بھی اس کی خیر خواہ نہیں رہی تھی۔ جس نے ہمیشہ اس کے ساتھ زیادتیاں کی تھیں...... جس نے اس کی ماں کی جگہ لینے کی کوشش کی تھی اور اس کے باپ کو اتنا ورغلایا تھا کہ وہ اس کی ماں کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو گیا تھا اور وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی اور اس غم کا بوجھ لیے دنیا سے چلی گئی...... ماں کے بعد اس کی زندگی کو لمحہ بہ لمحہ اذیت میں تبدیل کرنے والی ماں اب اس کے شوہر کو ورغلا رہی تھی۔ علینہ کو طلاق دینے کو کہہ رہی تھی۔ اس نے اس کی ماں کی زندگی کو بھی عذاب بنائے رکھا اور اب اس کو بھی بے گھر کرنا چاہ رہی تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور سنی...... اس کی باتوں میں آ گیا تھا...... خاموشی سے سب کچھ سن رہا تھا...... اس کا مطلب ہے اس کے بھی یہی ارادے ہیں وہ اسے چھوڑنا چاہتا ہے...... طلاق دینا چاہتا ہے اور ظاہری طور پر اس سے محبت جتاتا ہے...... کہتا ہے اس نے اس کے علاوہ کسی سے محبت نہیں کی۔ اتنا بڑا دھوکہ...... اتنا بڑا فراڈ اتنا جھوٹ...... اتنا فریب...... ہر کوئی اس کے ساتھ یونہی کیوں کرتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ ڈاکٹر ثقلین پر اعتبار کرنے لگی تھی...... اور اس کے ساتھ یہی ہوا تھا...... وہ جس کی طرف بھی پاؤں بڑھا کر قدم بڑھاتی...... وہی اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچنے کی کوشش کرتا۔ وہی اس کو ایسا دھوکہ دیتا کہ پھر اس سے سنبھلنا مشکل ہو جاتا...... ڈاکٹر ثقلین نے اسے اپنے اور اس کے درمیان رشتے پر اعتبار کرنے کو کہا تھا...... اسے کتنا یقین دلایا تھا کہ وہ اپنے شوہر

پر اعتبار کرے..... ان کے رشتے پر یقین کرے..... اور اب وہ رشتہ بھی اسے دھوکا دے گیا تھا۔ اس کا اعتماد کرچی کرچی ہو گیا تھا..... اس کا یقین ہوا میں کہیں گم ہو گیا تھا۔ وہ اس بار پہلے سے بھی زیادہ ٹوٹی تھی..... پہلے جس نے بھی اس کا دل توڑا تھا۔ اس سے اس کا کوئی رشتہ نہ تھا..... اور اب کی بار قریبی رشتے نے بھی اس کے ساتھ وہی کیا تھا۔ جو دوسرے لوگ کرتے آئے تھے۔

''آئی ایم اے بگ فول (میں بہت بڑی بے وقوف ہوں) وہ بار بار اپنے سر کے بال نوچتی۔ اس کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کا سر اس قدر دکھنے لگا تھا کہ اس سے آنکھیں کھولنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر وسکی کا پیگ بنایا اور گلاس پکڑ کر ماں کی تصویر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

''آج آپ مجھے پینے سے نہیں روک سکتیں.....'' اور اس نے گلاس منہ کے ساتھ لگا کر آنکھیں بند کر لیں تاکہ ماں کی تصویر کو نہ دیکھ سکے پیگ ختم کرنے کے بعد اس نے ماں کی تصویر کی جانب دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے فریم میں سے تصویر غائب ہو۔ وہ ایک دم گھبرا گئی۔

انتہائی سراسیمگی کے عالم میں تصویر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

''مم..... مما..... آپ..... کہاں چلی گئی ہیں؟''

''ابھی..... تو ادھر ہی تھیں..... ادھر..... یہاں..... فریم میں..... دیوار کے ساتھ..... اب کہاں.....؟'' وہ ہونقوں کی طرح ساری دیواروں کے قریب جا کر ان پر ہاتھ پھیرنے لگی..... اور ہر دیوار کو خالی پا کر گھبرانے لگی۔ اس کے چہرے پر انتہائی گھبراہٹ اور خوف کے آثار تھے۔ وہ مایوسی سے پھر فریم کے پاس آ گئی اور اسے فریم خالی نظر آنے لگا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''مما..... پھر چلی گئیں..... پھر..... مجھے چھوڑ کر۔'' وہ کارپٹ پر بیٹھ گئی اور گھٹنوں پر سر رکھ کر شدت سے رونے لگی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں ڈرنک کرنے اور رونے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ کتنی ہی دیر اسی حالت میں بیٹھی رہی..... اسے وقت گزرنے کا بالکل بھی احساس نہیں ہو رہا تھا۔

''دروازہ کھلا اور ڈاکٹر ثقلین کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں بہت اندھیرا ہو رہا تھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے اور وہ آج ہاسپٹل میں بہت معروف رہے تھے..... اس لیے تھوڑی دیر پہلے وہ گھر آئے تھے۔ کمرے میں چھائی تاریکی نے انہیں پریشان کر دیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی تو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ علینہ کارپٹ پر گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ اسے بالکل بھی احساس نہیں ہوا تھا کہ کوئی اس کے کمرے میں آیا تھا۔ وہ اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھ گئے اور بہت نرمی سے اس کے کندھے کو پکڑ کر ہلایا۔

''علینہ..... آپ..... یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے محبت سے پوچھا اس نے سر اٹھا کر خونخوار نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں مسلسل رونے سے سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس نے غصے سے ڈاکٹر ثقلین کی جانب دیکھا۔

''ک..... کیا ہوا آپ کو؟ ڈاکٹر ثقلین نے انتہائی حیرت سے پوچھا اور اس کے کندھے پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کی اس نے غصے سے ان کا ہاتھ پیچھے جھٹک کر اپنا کندھا چھڑوایا اور لڑکھڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آ..... آپ نے پھر ڈرنک.....؟'' ڈاکٹر ثقلین نے انتہائی حیرت اور مایوسی سے پوچھا۔

"ہاں..... پی ہے..... کسی کو دھوکا تو نہیں دیا..... کسی کے ساتھ فراڈ تو نہیں کیا..... کسی کو....." اور وہ سسکنے لگی۔

"کس نے..... کس کو دھوکا دیا ہے..... یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"آپ نے..... آپ دھوکے باز ہیں..... جھوٹے ہیں اور فراڈ ہیں۔" وہ غصے سے چلانے لگی۔

"شٹ اپ..... علینہ۔" ڈاکٹر ثقلین غصے سے چلائے۔

"یو..... شٹ اپ۔" وہ بھی ویسے ہی چلائی۔

"آئی ول....." ڈاکٹر ثقلین غصے سے کہتے کہتے رکے۔

"آئی..... نو..... ویل..... یو ول ڈائیورس می (میں جانتی ہوں آپ مجھے طلاق دے دیں گے)۔ وہ غصے سے بولی تو ڈاکٹر ثقلین نے غصے سے اس کی جانب دیکھا اور بمشکل اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے اسٹڈی روم میں چلے گئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہوگئی۔ اسے مدرت کی باتوں پر یقین آنے لگا..... جو اس نے خود اپنے کانوں سے سنی تھیں۔

"ڈاکٹر ثقلین کے لیے اس کا رویہ ناقابل برداشت تھا۔ وہ اس قدر با نچر بھی ہو سکتی ہے کہ اسے نہ کسی رشتے کا لحاظ رہتا ہے اور نہ ہی کسی کی عزت کا..... وہ اس کے بارے میں کتنا پازیٹو سوچ کر آئے تھے اور اس کے ٹریٹمنٹ کے بارے میں مکمل پلاننگ کر کے آئے تھے اور انہیں اس کے ٹھیک ہونے کا پورا یقین بھی ہو گیا تھا لیکن وہ ایک بار پھر زیرو پر آ گئی تھی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ جذباتی اور مشتعل ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر ثقلین کو اس کے رویے سے بے حد مایوسی اور ڈپریشن ہو رہا تھا۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی ساری محنت اکارت گئی ہو..... اور اس محنت کے ساتھ ساتھ جو امید کے دیے روشن ہوئے تھے وہ بھی ایکدم بجھ گئے تھے۔ وہ اسٹڈی روم میں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے تھے مگر ان کا ذہن بری طرح منتشر ہو گیا تھا۔ کوئی سوچ بھی پازیٹو نہیں رہی تھی اور نہ ہی ایک دھارے میں بہہ رہی تھی۔ بہت ہی منتشر، ٹوٹی، بکھری، سوچیں ان کے ذہن کو شدید ڈسٹرب کرنے لگیں تھیں..... وہ آج یوں بکھرے تھے جس طرح شادی کی پہلی رات بکھرے تھے۔ بہت ٹوٹے تھے، بہت شکستہ ہوئے تھے۔ تب بھی زندگی بہت الجھی ہوئی اور منتشر دکھائی دی تھی اور آج بھی ویسے ہی نظر آ رہی تھی۔ ان کی شادی کو صرف چھ ماہ ہوئے تھے اور ان چھ مہینوں کا ایک ایک لمحہ انتہائی اذیت سے پُر تھا۔ بہت صبر آزما اور کٹھن تھا..... انہوں نے آہ بھری اور کمپیوٹر آف کیا..... مضطرب ہو کر پھر اسے آن کیا..... بار بار یہی عمل دہراتے رہے اور پھر جھنجھلا کر کمپیوٹر آف کر کے ساری لائٹیں آف کر دیں اور اندھیرے میں سگریٹ جلا کر اس کے گہرے کش لگانے لگے۔ جھنجھلا کر اسے بھی ایش ٹرے میں مسل دیا۔ پھر لائٹ آن کی..... کمپیوٹر آن کیا اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گئے اور نم آنکھوں سے اسٹڈی روم کی چھت کو گھورنے لگے اور پھر آنکھیں بند کر کے سونے کی ناکام کوشش کرنے لگے۔

کچھ روز پہلے علینہ کے لباس میں جو مثبت تبدیلی رونما ہوئی تھی اس سے کشور قدرے پرامید ہو گئی تھی کہ وہ راہ راست پر آ جائے گی مگر پھر اس نے نائٹیں، کیپریز، سلیولیس بلاؤز، منی شرٹس پہننا شروع کر دیں تھیں بلکہ اب تو لباس پہلے سے بھی زیادہ بیہودہ ہو گیا تھا اور کشور کو اس پر اتنا غصہ آتا تھا کہ اس کا بس نہیں چلتا تھا وہ اسے ایسے لباس پہننے پر تھپڑ لگاتی وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی رہتی..... ناظر علی کے سمجھانے پر وہ خاموش ہو جاتی۔

"صرف ایک دو ماہ کی بات ہے..... پھر سنی خود ہی فیصلہ کرے گا۔ ہمیں اس میں انوالو ہونے کی ضرورت نہیں۔" ناظر علی کے سمجھانے پر وہ چپ ہو جاتی مگر اندر ہی اندر کڑھتی رہتی۔

"علینہ ایک شاپنگ سنٹر میں اکیلی گھوم رہی تھی۔ اس نے بلیک کیپریز کے ساتھ بلیک مگر انتہائی مختصر بلاؤز پہن رکھا تھا۔ بالوں کی چھوٹی سی پونی بنا رکھی تھی۔ ایک لمبے بالوں والا انتہائی کریہہ شخص کا لڑکا اس کے پاس سے گزرا اور اسے دیکھ کر چونکا۔

"ہائے..... علینہ..... یو۔" لڑکے نے چونک کر کہا۔

"جمی..... یو....." علینہ کے چہرے پر انتہائی حیرت کے تاثرات نمایاں ہوئے۔

"ہائے..... سویٹی..... کیسی ہو.....؟" اور..... تم کہاں چلی گئی..... یو..... نو..... آئی مسڈ یو ٹو مچ..... تمہیں کونٹیکٹ کرنے کی بھی کوشش کی۔ بٹ یور نمبر واز چینجڈ (لیکن تمہارا نمبر بدل گیا تھا) جمی انتہائی پر جوش انداز میں اپنے بالوں اور ہاتھوں کو ہلا ہلا کر بولا۔

"آئی ایم فیلنگ سو ہیپی ٹو سی یو ہیر (میں بھی تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوش ہو رہی ہوں) علینہ نے بھی خوش ہو کر کہا۔

"او کے..... گوئی..... یور نمبر فرسٹ (ٹھیک ہے..... پہلے مجھے اپنا نمبر دو) جمی نے اپنا موبائل نکالا اور علینہ نے اس کو اپنا نمبر لکھوا دیا۔

"آئی ایم ان ہری (میں جلدی میں ہوں) آئی ول کال یو..... (میں تمہیں فون کروں گا) او کے ٹیک کیئر سویٹی۔" اس نے انتہائی بیہودہ انداز سے اس کے گال کو چھوتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی اور آگے چلی گئی۔

ڈاکٹر ثقلین کو چند روز بعد ایک انٹرنیشنل ورکشاپ کے سلسلے میں انگلینڈ جانا تھا جو خصوصی طور پر منشیات کے عادی افراد کے جدید طریقہ علاج اور مختلف قسم کی سائیکوتھراپیز کے متعلق تھی۔ ورکشاپ کے بعد ایک کانفرنس میں انہوں نے شرکت کرنی تھی۔ وہ دن رات اپنی ریسرچ رپورٹس لکھنے میں مصروف تھے۔ رات گئے تک وہ کمپیوٹر پر کام کرتے رہتے اور صبح فجر کی نماز پڑھ کر کچھ دیر کے لیے آرام کرتے اور دس گیارہ بجے وہ ہاسپٹل چلے جاتے۔ جب ہاسپٹل جاتے تو علینہ سو رہی ہوتی۔ جب واپس آتے تو تب بھی وہ سو رہی ہوتی تھی۔ کئی روز ہو گئے تھے اس سے ملاقات ہوئے اور اس روز کے جھگڑے کے بعد تو ویسے ہی ان کا دل اس سے متنفر ہو گیا تھا۔ پہلے وہ تمام باتوں کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ محبت سے پیش آتے تھے اور اب اس روز کی تلخ گفتگو کے بعد ان کے دل میں اس کے لیے لطیف احساس قدرے کم ہو گیا تھا۔ وہ بھی اس سے لاتعلق رہنے لگے تھے۔ وہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

"جب کشور مسٹر چھائے ان کے پاس بیٹھی تھی۔ عزا اور ریحانہ کے ساتھ مل کر ان کے لیے ناشتہ لگانے میں مصروف تھی۔

"سنی..... آج کل تم بہت مصروف رہنے لگے ہو..... یہ مصروفیت کب تک چلے گی۔" کشور نے قدرے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"ہاں..... بس اگلے ماہ..... انگلینڈ میں ایک کانفرنس ہو رہی ہے..... اس کے بعد۔" ڈاکٹر ثقلین نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

"علینہ کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے.....؟" کشور نے نظریں چراتے ہوئے پوچھا۔

"اب کانفرنس کے بعد ہی کچھ سوچوں گا۔" ڈاکٹر ثقلین نے شکستہ لہجے میں جواب دیا۔ آج وہ پہلے کی طرح پر امید نہیں تھے اور نہ ہی آواز

میں اطمینان اور خوشی تھی۔

"کیا تم اس لڑکے کو جانتے ہو..... جس کے ساتھ علیہ آج کل گھوم پھر رہی ہے۔" کشور نے خشک لبوں پر بار بار زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"کون لڑکا...؟" ڈاکٹر ثقلین نے چونک کر کپ منہ سے ہٹایا اور واپس ٹیبل پر رکھ کر ماں کی طرف بغور دیکھنے لگے۔

"معلوم نہیں..... کون ہے..... مگر شکل سے ہی انتہائی آوارہ سا لگتا ہے اس لڑکی کو تو ہماری عزت کی ذرا سی بھی پرواہ نہیں..... ہمارے خاندان کی بہو بیٹیاں، انتہائی شریف مذہبی اور باپردہ بھی جاتی ہیں اور اس ایک لڑکی نے سب کی نیک نامی کو مشکوک کر دیا ہے..... کیا کروں؟ نجانے کس گناہ کی سزا ملی ہے....." کشور بڑبڑانے لگی اور ڈاکٹر ثقلین کا دل ایکدم ڈوبنے لگا۔ انہیں اس بات کی قطعی توقع نہ تھی کہ علیہ اس حد تک بھی جا سکتی ہے۔ ان کے پورے خاندان میں کسی بھی لڑکی کی ایسی روشنیاں نہ تھیں..... اور وہ سر عام، سسرال میں نجانے کس لڑکے کے ساتھ گھومتی تھی۔

ڈاکٹر ثقلین کا پارہ غصے سے ہائی ہونے لگا۔ وہ غصے میں کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"علیہ کب سے اس لڑکے کے ساتھ گھوم پھر رہی ہے؟" ڈاکٹر ثقلین نے غصے سے پوچھا۔

"کئی روز ہو گئے ہیں..... میں تو سمجھی کہ تمہیں سب معلوم ہوگا..... لیکن کئی بتائے دیتی ہوں..... اب میں اسے نہیں رکھنے کی..... وہ لڑکا دندناتا ہوا آتا ہے۔ گاڑی میں ہارن دیتا ہے اور علیہ اس کے ساتھ بیٹھ کر چلی جاتی ہے..... اور آج کل لباس تو ایسے پہن رہی ہے کہ تمہارے پاپا کو بھی شرم آ جاتی ہے..... ہم تو صرف تمہاری خاطر خاموش ہیں۔ ورنہ میں اسے ایسے تھپڑ لگاتی اسے سب کچھ بھول جاتا۔" کشور نے غصے سے کہا۔

"نہیں آپ اسے کچھ مت کہیے گا۔ ورنہ بات خاندان میں پھیل جائے گی اور خواہ مخواہ انگلیاں اٹھیں گی۔ مجھے اب کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہوگا اور یہ فیصلہ کانفرنس سے آنے کے بعد ہی ہوگا۔"

ڈاکٹر ثقلین نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور ہاسپٹل چلے گئے۔

علیہ واش روم میں تھی اور اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ ڈاکٹر ثقلین اسٹڈی میں کمپیوٹر پر اپنا کام کرنے میں مصروف تھے۔ رات کا ایک بج رہا تھا..... اور موبائل کی بیل نے ہر جانب شور مچا رکھا تھا۔ ڈاکٹر ثقلین نے کچھ دیر انتظار کیا پھر اٹھ کر بیڈروم میں گئے۔ علیہ کمرے میں نہیں تھی۔ انہوں نے موبائل پکڑ کر نمبر دیکھنا چاہا تو اس پر جی نظر آیا ڈاکٹر ثقلین نے کچھ دیر انتظار کیا اور 'یس' کہا۔ موبائل فوراً بند ہو گیا علیہ واش روم سے باہر نکلی اور ڈاکٹر ثقلین کے ہاتھ میں اپنا موبائل دیکھ کر چونکی اور غصے سے موبائل چھین کر کال ریسیو کرنے لگی۔

"ہائے..... جی..... یو کالڈ می..... سوری آئی واز بزی" (جی تم نے مجھے کال کیا۔ میں مصروف تھی) علیہ نے اپنے لہجے کو قدرے خوشگوار بناتے ہوئے کہا اور وہ کان لگائے اس سے باتیں کرتی رہی۔

"اوہ..... جسٹ لیو اٹ..... (چھوڑو اسے) ڈونٹ وری (فکر نہیں کرو) اوکے شیور..... کل لنچ اکٹھے کریں گے۔ بائے علیہ نے مسکراتے ہوئے موبائل بند کر دیا۔

"کون ہے یہ..... جس کو اتنی تمیز نہیں..... کہ" ڈاکٹر ثقلین نے غصے سے کہا۔

"شی از مائی۔فرینڈ جمی" وہ الفاظ چبا چبا کر بولی۔

"علینہ ......بی ان یور سینسز (اپنے آپ میں رہو) ڈاکٹر ثقلین نے غصے سے کہا۔

"آئی ایم۔(میں کیوں) وہ پھر الفاظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"یو۔آر کراسنگ دیم۔" ڈاکٹر ثقلین نے...... خفگی سے کہا۔سو۔واٹ......؟ اس نے غصے سے جواب دیا۔

"یو۔آر۔اے۔میریڈ وومن......ڈو یو نو (تم شادی شدہ عورت ہو...... کیا تم جانتی ہو) ؟ ڈاکٹر ثقلین نے غصے سے کہا۔

"اوہ......رئیلی...... آئی ڈونٹ نو" (واقعی...... میں تو نہیں جانتی تھی) علینہ طنزیہ ہنسی سے بولی۔

"علینہ ...... پلیز۔" ڈاکٹر ثقلین اپنے غصے کو دباتے ہوئے بولے۔

"آئی کانٹ چیٹ انی ون...... (میں کسی کو دھوکا نہیں دے سکتی) بہت سے لوگوں کی طرح۔" وہ غصے سے بولی۔

"کون...... کس کو دھوکا دے رہا ہے......؟ ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے پوچھا۔

"یو۔آر۔چیٹنگ (آپ دھوکہ دے رہے ہیں) وہ چلائی۔

"شٹ اپ۔" ڈاکٹر ثقلین بھی چلائے۔

"یو شٹ اپ۔" علینہ پھر چلائی۔

"ڈاکٹر ثقلین نے غصے سے اسے بیڈ پر دھکا دیا۔

"اب میں آپ کو طلاق دے کر ہی رہوں گا...... جسٹ ویٹ کل میں انگلینڈ جا رہا ہوں...... واپس آکر آپ کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں گا...... لیکن تب تک آپ گھر سے باہر نہیں جائیں گی اور کسی سے نہیں ملیں گی۔" ڈاکٹر ثقلین نے غصے سے اس کے اوپر جھک کر دھمکی کے انداز میں کہا اور غصے سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

"آئی ڈونٹ کیئر......" علینہ ان کے جانے کے بعد بڑبڑائی اور غصے سے اسٹڈی روم کے دروازے کی جانب دیکھنے لگی۔

☆

کاشف شام کو گھر لوٹا تو اس کے ہاتھ میں کھانے پینے کی چیزوں کے لفافے تھے۔زاہدہ انہیں دیکھ کر خوش ہو گئی۔اور اس کے منہ میں پانی بھر نے لگا۔

"ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ......لگتا ہے......آج تنخواہ مل گئی ہے۔" شکر ہے پروردگار کا...... پھر سے گھر میں برکتیں آ رہی ہیں......"

زاہدہ نے چھت کی طرف دیکھ کر شکر ادا کرتے ہوئے کہا تو کاشف اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔اس کے چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔پہلے جب بھی وہ چیزیں لاتا تھا اور زاہدہ خوشی سے اس کا استقبال کرتی تھی تو اس کا حوصلہ اور ہمت بڑھنے لگتی تھی۔وہ عجیب سی خوشی اور سرشاری اپنے اندر محسوس کرتا تھا۔اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ماں کی دعاؤں سے اس کی روزی میں برکت پیدا ہو گی مگر جب سے

اس نے منگنی کے بعد دوبارہ نوکری شروع کی تھی ۔اس کے دل و دماغ پر اک بوجھ سا رہتا تھا۔ زاہدہ اسے دعائیں دیتی تھی تو اسے وہ دعائیں کم بددعائیں زیادہ محسوس ہوتی تھیں۔ کھانے پینے کی چیزوں میں بالکل مزانہ آتا تھا زاہدہ کے اصرار پر وہ کچھ کھانے کی کوشش کرتا تو جلدی ہی ہاتھ کھینچ لیتا...... وہ کھاتا پیتا اسے زہر کی مانند لگتا اس کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی...... کسی شدید احساس زیاں کا احساس ہونے لگا تھا۔ کوئی گناہ...... کوئی جرم...... کوئی قصور کوئی غلطی...... یا پھر کوئی پچھتاوا...... مگر جو کچھ بھی تھا۔ اسے اندر ہی اندر مضطرب رکھتا۔

"لے تو بھی کھا...... چرغہ تو تجھے بڑا پسند ہے نا...... کھاتا کیوں نہیں...... دیکھ...... اگر تو نہیں کھائے گا تا...... تو پھر میں سارا کھا جاؤں گی...... پھر مجھے مت کچھ کہنا۔" زاہدہ نے بے ہنگم قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"اماں...... کھالے...... کھالے...... تیرے لیے ہی تو لایا ہوں۔" اس نے آہ بھر کر سنجیدگی سے جواب دیا۔

"دونوں کھا ہی لوں گی...... پھر تیری شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں...... پھر تجھے وہ یاد آ رہی ہوگی...... جھوٹی کہیں کی۔" زاہدہ نے غصے سے کہا۔

"اماں...... کبھی اس کا ذکر چھوڑ بھی دیا کر...... وہ تجھے اچھا نہیں لگتی ہوگی۔ جتنا تو اسے یاد کرتی رہتی ہے۔" کاشف نے منہ بنا کر کہا۔

"کیوں نا کروں...... ایک سال میں میرے گھر کا سارا تخت الٹ کر چلتی بنی...... اور تو کہہ رہا ہے میں ذکر بھی نہ کروں۔ ایسا تو کبھی نہیں ہو گا۔" "چل اٹھ...... میرا موڈ نہ خراب کر...... اور تھوڑا سا کھالے...... مصالحوں کی خوشبو کتنی اچھی ہے۔" زاہدہ نے منہ میں پانی بھر کر کہا تو کاشف نے ایک تنگ ماں کی جانب دیکھا اور گھر سے باہر نکل گیا۔ زاہدہ نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

"بدنصیب...... رزق کو چھوڑ کر چلا گیا۔ جاتا ہے تو جائے...... میں تو کھاؤں۔" زاہدہ مزے لے لے کر کھانے لگی۔

شام ہو رہی تھی ۔ممی اور رشیدہ ابھی تک گھر نہیں لوٹی تھیں۔ سدرہ بچوں کو ٹیوشن پڑھانے میں مصروف تھی ۔جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے ایک بچے کو دروازہ کھولنے کے لیے بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد کاشف اندر آ گیا۔ سدرہ اسے دیکھ کر چونک گئی۔

آپ......؟ سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کیسی ہو......؟ کاشف نے اس کی طرف بھرپور نگاہوں سے دیکھا۔

"ٹھیک ہوں......" وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"ذیشان کہاں ہے......؟ میرا دل اس کے بغیر بہت اداس ہو گیا ہے...... آج اپنے آپ کو نہیں روک سکا۔" کاشف نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور سدرہ کی جانب دیکھنے لگا۔

"آپ باہر آ جائیے...... یہاں بچے پڑھ رہے ہیں۔" اس نے ارد گرد زمین پر بیٹھے بچوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تو کاشف باہر برآمدے میں آ گیا۔ سدرہ نے پنکھا لگایا۔

"چائے لاؤں......" سدرہ نے پوچھا۔

"نہیں...... ذیشان کہاں ہے؟ کاشف نے دوبارہ پوچھا تو سدرہ دوسرے کمرے میں چلی گئی اور سوئے ہوئے ذیشان کو اٹھا لائی اور لا کر

کاشف کی گود میں ڈال دیا۔ وہ پہلے کی طرح ہی نحیف ولاغر اور بیمار دکھائی دے رہا تھا۔

اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا...... رنگت کتنی پیلی ہو رہی ہے۔'' کاشف نے پریشانی سے پوچھا۔

''ہاں...... ویسے تو ٹھیک ہے لیکن ہر دوسرے تیسرے دن بخار آنے لگتا ہے۔'' سدرہ نے جواب دیا۔

''کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھانا تھا۔'' کاشف نے محبت سے ذیشان کو چومتے ہوئے کہا۔

''دکھاؤں گی۔'' وہ آہستہ آواز میں بولی۔

''یہ...... پیسے رکھ لو۔'' کاشف نے پانچ ہزار روپے نکال کر اسے پکڑائے۔

''اگر میں نے ان ہی پیسوں کو استعمال کرنا تھا...... تو...... پھر مجھے یہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے۔'' سدرہ نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا۔

''سدرہ...... ضد چھوڑ دو۔'' کاشف خفگی سے بولا۔

''کاشف...... کیا میں ضدی ہوں......؟ بتایئے...... کب میں نے آپ سے کسی بات کے لیے ضد کی ہے...... بولیں'' سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ ضد نہیں تو اور کیا ہے...... تم نے میرے پیسے کو اپنے اور میرے بچے پر حرام کر لیا ہے۔'' وہ غصے سے بولا۔

''آپ کے پیسے کو نہیں...... صرف آپ کی حرام کی کمائی کو...... اگر آج بھی آپ اپنی حلال کی کمائی میں سے سو روپے بھی لاتے ہیں تو وہ میرے لیے جائز ہوں گے...... لیکن یہ پیسے ہرگز نہیں......'' سدرہ نے قطعیت سے جواب دیا۔

''سدرہ...... پیسہ ضرورت ہے...... ہم اس کے بغیر نہیں رہ سکتے...... تم سمجھتی کیوں نہیں۔'' کاشف جھنجھلا کر بولا۔

''یہ آپ مجھے بتا رہے ہیں...... جو اپنی ضروریات کے لیے ایک ایک روپیہ اکٹھی کرتی رہی ہے...... اور اکثر پیسہ نہ ہونے سے اپنی ضروریات اور خواہشات کو ہی چھوڑنا پڑا ہے...... کاشف مجھ سے زیادہ پیسے کی اہمیت کون جانے گا...... میرا پیٹ بھوکا رہ سکتا ہے...... مگر حرام نہیں کھا سکتا...... اس لیے آپ اصرار نہ کریں تو بہتر ہے۔'' سدرہ نے ٹھوس لہجے میں کہا تو کاشف نے مایوسی سے پیسے واپس اپنی جیب میں رکھ لیے۔

''تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔'' کاشف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں نے تو آپ کے لیے امید کا راستہ بھی کھولا ہے...... آپ کی جائز کمائی میرے سر آنکھوں پر۔'' وہ زیرلب مسکرا کر بولی تو کاشف نے اس کی جانب دیکھ کر گہری سانس لی۔ جیسے کسی گھمبیر الجھن کا شکار ہو۔ تھوڑی دیر بعد رشیدہ اور منی آ گئیں۔ ذیشان کاشف کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھا اور کاشف اس کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

''السلام علیکم پھوپھو......'' کاشف نے اٹھ کر رشیدہ کو سلام کیا۔

وعلیکم السلام'' جیتے رہو...... کب آئے ہو؟ رشیدہ نے اسے پیار دیا۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے......'' کاشف نے جواب دیا۔

"منی...... یہ کھانے میں زردہ ہے...... جا کاشف کے لیے پلیٹ میں ڈال کر لا۔" رشیدہ نے منی سے کہا تو وہ اٹھ کر کچن میں جانے لگی۔

"نہیں...... نہیں...... مجھے بالکل بھی بھوک نہیں۔" کاشف نے کہا۔

"جب سے سدرہ اور ذیشان آئے ہیں...... نہ تم نے خبر لی اور نہ ہی زاہدہ نے...... کیا سدرہ روٹھ کر آئی ہے...... جو تم لوگوں نے اسے یوں لاوارث چھوڑ رکھا ہے...... کم از کم بچے کی خبر تو لینی چاہیے نا......" رشیدہ نے شکوہ کرتے ہوئے کہا تو کاشف نے سدرہ کی جانب دیکھا...... تو...... سدرہ نے سر کے اشارے سے نفی میں سر ہلایا۔ کاشف اس کا مطلب سمجھ گیا۔ سدرہ کمرے میں چلی گئی۔

"پھوپھو...... اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی...... اور...... آج کل گرمیاں ہیں۔ کام بہت بڑھ جاتا ہے۔ کہیں بجلی فیل ہو گئی۔ کہیں ٹرانسفارمر جل گئے...... بس ایسی ہی مصروفیت رہی کاشف نے جواب دیا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے...... مگر اپنی جگہ یہ تو سوچنا چاہیے کہ اتنی مہنگائی کے دور میں بیوی اور بچے کو کہیں چھوڑنا...... اور پھر کسی کی خبر بھی نہ لینا کیسی بے عقلی کی بات ہے...... بندے کو خود سوچنا چاہیے کہ گھر والے اپنے خرچے پورے کریں یا آنے والوں کے...... زاہدہ کو تو اتنی سمجھ ہونی چاہیے......" رشیدہ نے معنی خیز انداز میں کہا تو کاشف اس کا مطلب سمجھ گیا اور پانچ ہزار کا نوٹ نکال کر اسے چپکے سے پکڑا دیا۔

"پھوپھو...... میں یہی دینے آیا تھا...... مگر سدرہ نہیں لیتی...... آپ رکھ لیں۔" کاشف نے کہا تو رشیدہ نے جلدی سے جھپٹ کر روپے اپنے دوپٹے کے پلے باندھ لیا۔

"وہ تو بے وقوف ہے۔ دو جماعتیں کیا پڑھ لیں۔ دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اپنے آپ کو بڑا پاک صاف سمجھتی ہے...... باقی سب تو گناہوں میں لتھڑے ہوئے ہیں...... گھر سے باہر نکل کر کام کرے تو پھر پتا چلے کہ پیسہ کمانا کتنا مشکل ہے...... تو اس کو نہیں...... بلکہ مجھے دے جایا کر۔" رشیدہ نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا تو کاشف مسکرانے لگا۔ اس کے سر سے بھی بوجھ اتر گیا۔ اس کا دل مطمئن ہو گیا۔

"اب میں چلتا ہوں......" تھوڑی دیر بعد کاشف نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"سنو...... سدرہ سے پیسوں کا ذکر ہرگز نہ کرنا۔ خواہ مخواہ مجھ سے جھگڑے گی۔ اب اسے کیا معلوم کہ گھر کے کتنے خرچے ہوتے ہیں۔" رشیدہ نے رازداری سے کاشف کو کہا۔

"آپ فکر نہیں کریں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"سدرہ...... ذیشان کو پکڑو...... میں جا رہا ہوں۔" کاشف نے قدرے اونچی آواز میں کہا تو سدرہ کمرے سے باہر آئی اور ذیشان کو اس سے لے لیا...... اور اسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

"تم دونوں کے بغیر میں بہت اداس رہتا ہوں...... گھر آ جاؤ۔" کاشف نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے کہا تو سدرہ نے گہری سانس لی اور اس کی طرف بغور دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

"اپنا اور ذیشان کا خیال رکھنا...... میں پھر آؤں گا۔" خدا حافظ کاشف کہہ کر دروازے سے باہر نکل گیا اور سدرہ واپس لوٹ آئی۔

''کاشف بڑا ہی اچھا ہے۔۔۔۔۔ایسا اچھا لڑکا آج کل کے زمانے میں کہاں۔۔۔۔۔؟نصیب والی ہے زاہدہ۔۔۔۔۔ جسے اتنا کماؤ پوت ملا۔خوب کما کما کر اسے دیتا ہے۔۔۔۔۔زاہدہ کو کسی شے کی کمی نہیں ہونے دیتا۔'' رشیدہ چارپائی پر بیٹھی کاشف کی تعریفیں کرنے لگی اور سدرہ حیرت سے ماں کی طرف دیکھنے لگی جو اس سے قبل اٹھتے بیٹھتے زاہدہ اور کاشف کو کوسنے دیتی تھی۔

''آج کاشف کو کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔؟آج کیوں اچھا لگنے لگا ہے؟سدرہ نے حیرت سے رشیدہ کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

''کیا مطلب ہے تیرا۔۔۔۔۔؟تو ہمیشہ ماں پر شک ہی کیا کر۔'' رشیدہ غصے سے بولی۔

''میں تو یونہی پوچھ رہی ہوں۔'' سدرہ نے منہ بنا کر کہا۔

منی پلیٹ میں گرم گرم زردہ لے آئی۔

''واہ۔۔۔۔۔کیا اچھی خوشبو ہے۔۔۔۔۔راشد کے لیے بھی چاول رکھے ہیں کہ نہیں۔'' رشیدہ نے فکرمندی سے پوچھا۔

''ہاں۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔رکھ دیئے ہیں۔۔۔۔۔ تجھے تو بس اسی کی فکر رہتی ہے۔وہ کما کر لائے۔۔۔۔۔تو چاہیں تو کیا کرے۔'' منی نے ناک چڑھا کر کہا۔

''چل۔۔۔۔۔زیادہ بکواس نہ کر۔وہ کمائے نہ کمائے۔۔۔۔۔میں تو اس کے لیے کما رہی ہوں نا۔۔۔۔۔تم لوگوں کو کیا معلوم۔۔۔۔۔میں نے کتنی منتوں مرادوں سے راشد کو اپنے رب سے لیا ہے۔۔۔۔۔روز تیرے ابا کے ساتھ چالیس میل دور ایک درگاہ پر جاتی تھی۔۔۔۔۔اور پورے چالیس دن جا کر دعا کرتی تھی۔۔۔۔۔نجانے کتنے وظیفے پڑھے کتنے روزے رکھے۔۔۔۔۔کہاں کہاں سے دعائیں نہیں کرائیں۔۔۔۔۔پھر جا کر کہیں راشد پیدا ہوا۔۔۔۔۔اس کی قدر تو مجھ سے پوچھو۔۔۔۔۔'' رشیدہ نے ماضی کو یاد کرتے ہوئے قدرے نم آنکھوں سے کہا۔

''اسی لیے اب وہ خوب مزا چکھا رہا ہے۔'' منی منہ بنا کر بولی۔

''ارے بیٹے تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔۔۔۔۔اکھڑ بدمزاج۔۔۔۔۔نی وار۔۔۔۔۔راشد بھی بڑا ہی وار ہے۔۔۔۔۔کسی سے نہیں ڈرتا۔'' رشیدہ نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

''اماں۔۔۔۔۔کسی کے بیٹے ایسے نہیں۔۔۔۔۔صرف راشد بگڑا ہوا ہے۔۔۔۔۔اور اسے تو نے خراب کیا ہے۔۔۔۔۔اس کے لاڈ پیار دیکھ دیکھ کر۔'' منی نے کہا۔

''چپ حرام خور۔۔۔۔۔تو بھی بڑی کی طرح بولنے لگی۔۔۔۔۔وہ کوئی بگڑا ہوا نہیں ہے۔۔۔۔۔آج کل تو سب ہی پیتے پلاتے ہیں۔ امیر لوگ کمروں میں بیٹھ کر پی لیتے ہیں اور غریب لوگ گلیوں اور سڑکوں پر۔۔۔۔۔خوامخواہ ہی نظروں میں آجاتے ہیں۔'' رشیدہ نے چاول کھاتے ہوئے کہا تو سدرہ کو ماں کی باتیں سن کر غصہ آنے لگا۔مگر۔۔۔۔۔وہ خاموشی سے سنتی رہی۔

''آپا۔۔۔۔۔تو بھی کھالے۔'' منی نے ایک پلیٹ میں چاول ڈال کر اس کی جانب بڑھائے۔

''مجھے۔۔۔۔۔بھوک نہیں۔'' سدرہ نے کہا اور کمرے میں چلی گئی۔

"بڑی آئی نواب زادی..... نخرے تو دیکھ..... جب سے یہاں آئی ہے..... اپنی کمائی سے کھاتی پیتی ہے..... ہماری لائی ہوئی چیزوں کو ہاتھ نہیں لگاتی۔" رشیدہ بڑبڑانے لگی۔

"اماں..... آپا..... کہتی ہے کہ وہ ہم لوگوں پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔" منی نے چاول کھاتے ہوئے کہا۔

"بوجھ تو وہ ہے ہی..... مانے یا نہ مانے....." رشیدہ نے تنک کر کہا اور اٹھ کر ہاتھ دھونے غسل خانے کی جانب چلی گئی۔ اس کا دوپٹہ سر سے اتر کر زمین پر گر گیا۔ منی نے آگے بڑھ کر جلدی سے دوپٹہ اٹھایا تو اس کا کونا سے بھاری لگا۔ اس نے کھول کر دیکھا تو اس میں پانچ ہزار روپے تھے۔ رشیدہ جلدی سے واپس مڑی اور اس کے ہاتھ سے روپے چھینے۔

"خبردار جو تو نے سدرہ کو بتایا۔" رشیدہ نے اسے انگلی کے اشارے سے متنبہ کرتے ہوئے کہا۔

"مگر..... یہ کہاں سے آیا ہے؟" منی نے حیرت سے پوچھا۔

"کاشف خرچے کے لیے دے گیا ہے اور وعدہ لے کر گیا ہے کہ سدرہ کو اس کی خبر نہ ہو۔" رشیدہ نے کہا۔

"کیسا خرچہ..... آپا..... اپنا اور ویشان کا خرچہ تو خود کرتی ہے۔" منی نے حیرت سے کہا۔

"تو..... بھلا..... بجلی..... گیس..... اور پانی نہیں خرچ کرتی....." رشیدہ نے کہا تو منی حیرت سے ماں کی جانب دیکھنے لگی جس کی سوچ کس قدر گھٹیا تھی۔ رشیدہ نے نوٹ جلدی سے اندر لے جا کر تکیے کے غلاف میں چھپایا اور سر باندھ کر لیٹ گئی اور منی حیرت سے ماں کے بارے میں سوچتی رہی۔

آدھی رات کا وقت تھا جب راشد دیوار پھلانگ کر گھر کے صحن میں کودا۔ اس نے خوب شراب پی رکھی تھی اور بری طرح بدمست ہو رہا تھا۔ منی اور سدرہ نے کمرے کی کھڑکی میں سے جھانکا وہ صحن میں بچھی چارپائی پر لیٹا تھا۔ دونوں پھر سو گئیں۔ رشیدہ بھی گہری نیند سو رہی تھی اچانک راشد کے قے کرنے کی آواز سنائی دینے لگیں وہ قے کرتے ہوئے چلا رہا تھا۔

"اماں..... مجھے پکڑ لے..... ہائے میں مر گیا۔" رشیدہ ہڑبڑا کر اٹھی اور گھبرائی ہوئی صحن میں آئی۔ سدرہ اور منی بھی جلدی سے اٹھ کر باہر آ گئیں۔ وہ پیٹ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے چلا رہا تھا۔

"ماں صدقے..... تو نے کیا کھا لیا ہے..... کیوں اتنی الٹیاں کر رہا ہے..... ہزار بار بولا ہے..... باہر سے کھانے مت کھایا کر۔" رشیدہ اپنی ہی لے میں بولی۔

"چپ کر..... میں مر رہا ہوں اور تو اپنی بکواس کرتی جا رہی ہے۔" وہ ماں کو ڈانٹ کر بولا۔ سدرہ کو اس کی بات سن کر غصہ آ گیا مگر وہ خاموش رہی۔ راشد پھر قے کرنے لگا۔

"اے..... ہائے..... بتا تو سہی..... کھایا کیا ہے؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"کھایا..... کچھ نہیں..... بس دوستوں کے ساتھ مل کر تھوڑی سی پی ہے..... کمبخت دیسی تھی..... پیٹ میں بھر رہی ہے۔" چلاتے ہوئے بولا۔

"مجھے لگتا ہے اس نے کوئی زہریلی شراب پی ہے......اس کو جلدی سے ہسپتال لے جانا پڑے گا۔" سدرہ نے کہا۔

"ہاں......اس کی حالت تو بڑی خراب ہو رہی ہے......دیکھو تو سہی چہرے کی رنگت کیسی ہو رہی ہے......کہیں زہر جسم میں ہی نہ پھیل جائے......اس وقت کس کو بلاؤں؟" رشیدہ نے تشویش سے کہا۔

"ٹھہرو......میں ساتھ والوں کے گڈو کو بلا کر لاتی ہوں......چل منی......میرے ساتھ" سدرہ چادر اوڑھ کر منی کے ساتھ گڈو کو بلا کر لائی۔ رشیدہ گڈو اور سدرہ اسے لے کر ہسپتال جانے لگے۔

"اماں......کیا تیرے پاس پیسے ہیں؟ سدرہ نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"ہاں......ہیں......آج ہی کوٹھی والوں نے دیے ہیں۔ تنخواہ کے پانچ ہزار روپے۔ رشیدہ نے کہا اور جا کر تکیے کے غلاف میں سے پیسے نکال کر لے آئی۔ راشد کو ہسپتال لے جایا گیا......اسے ایمرجنسی روم لے جایا گیا اور اس کا معدہ واش کیا گیا......ساری رات اسی میں گزر گئی۔

صبح ہوئی تو ڈاکٹر ایمرجنسی روم سے باہر نکلا......وہ بھی چہرے سے انتہائی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"شکر کریں......آپ وقت پر اپنے بچے کو لے آئیں......ورنہ زہر بہت پھیل چکا تھا۔" ڈاکٹر نے رشیدہ سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب......اسے ہوا کیا تھا؟ رشیدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"بی بی......کیا آپ کو واقعی معلوم نہیں......؟ آپ کے بچے نے انتہائی مقدار میں زہریلی شراب پی تھی......اور ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اس کے اکثر ساتھیوں کی ہسپتال میں آتے آتے موت واقع ہو چکی ہے......آپ خوش قسمت ہیں کہ اس کی جان بچ گئی۔ لیکن آپ کو اپنے بچے پر نظر رکھنی چاہیے۔ خدانخواستہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو رشیدہ نے گھبرا کر دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھے۔

"ہائے......میں......مر جاؤں۔" وہ گھبرا کر بولی۔

"اماں......اگر اب بھی یہ نہ سنبھلے تو پھر......کب سنبھلے گا؟ سدرہ نے نم آنکھوں سے کہا تو رشیدہ خاموش ہو گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

راشد دو تین دن ہسپتال رہا۔ اس کو انتہائی کمزوری ہو چکی تھی اور چہرے کی رنگت بھی پیلی پڑ چکی تھی۔

"راشد......شکر کر......مولا نے تجھے نئی زندگی دی ہے......اب توبہ کر اور اس حرام شے کو ہاتھ نہ لگانا......کمبخت جان کی بھی دشمن ہے اور مال کی بھی۔" رشیدہ نے اسے گھر لا کر محبت سے سمجھایا۔

"ارے......اماں......شراب سے کچھ نہیں ہوتا......لے بھلا میں روز نہیں پیتا......یہ تو حرامی دوکاندار نے ہمیں نقلی دے دی۔ ہم نے سوچا......چلو......اس کو بھی چکھ لیتے ہیں......ہمیں کیا معلوم کہ وہ کہاں سے آئی تھی اور کب سے پڑی تھی۔" راشد منہ بنا کر بولا۔

"لیکن......بیٹا......ہے تو بری چیز نا......ڈاکٹر بھی ناراض ہو رہا تھا کہ راشد کیوں پیتا ہے؟ رشیدہ نے پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اونہہ......آیا بڑا ڈاکٹر......چاہے خود بھی پیتا ہو......یہ سب پیتے ہیں۔ دوسروں کو نصیحتیں کرتے ہیں......" وہ منہ بنا کر بولا۔

"بس..... تو..... چھوڑ دے اسے..... تجھے میری قسم۔" رشیدہ نے اس کا ہاتھ اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ایویں..... چھوڑ دوں..... تجھے کیا پتہ..... کتنا مزا آیا ہے..... کسی دن تجھے پلاؤں گا نا..... پھر بتانا۔" وہ قہقہہ لگا کر بولا۔

"تھوڑی سی شرم کر..... بے حیا..... یہ کس کو کہہ رہا ہے..... تجھے اتنی شرم نہیں رہی کہ بوڑھی ماں کو حرام شے پینے کو کہہ رہا ہے..... لعنت ہے تجھ پر..... اور تجھ جیسوں پر تو اللہ نے خود ہی لعنت بھیجی ہے۔" سدرہ سے رہا نہ گیا اور وہ ڈانٹ کر بولی۔

"اے آپا..... تو ہم ماں بیٹے کے درمیان نہ بولا کر..... ورنہ تیرا بوریا بستر گول کر کے گھر سے نکال باہر کروں گا۔ تجھے یہاں رہنے دے رہا ہوں..... تو..... اس کا یہ مطلب نہیں کہ تو ہمارے سر چڑھ کر بولے۔" راشد غصے سے بولا۔

"اچھا..... تو مجھے یہاں رہنے دے رہا ہے..... یہ میری ماں کا گھر ہے..... میں تیرے گھر میں نہیں رہ رہی..... سنا تو نے" سدرہ بھی غصے سے بولی۔

"اور اماں وہی کرے گی..... جو میں کہوں گا..... کیوں اماں؟ وہی کرے گی نا۔" راشد قدرے رعب سے بولا۔

"ہاں..... ہاں..... کیوں نہیں۔" رشیدہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولی تو سدرہ نم آنکھوں سے دونوں کی جانب دیکھنے لگی اور کمرے میں جا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آپا چپ کر..... مت رو..... تو دیکھنا..... ایک دن اماں اسی کی وجہ سے روئے گی....." منی نے سدرہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اے منی..... اٹھ بھائی کو یخنی بنا کر دے..... دیکھ تو سہی کتنا کمزور ہو گیا ہے..... میں کوٹھی والوں کی طرف جا رہی ہوں..... کئی روز سے نہیں گئی۔ بار بار پیغام بھیج رہے ہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"ہاں..... جا..... چلی جا..... پھر تنخواہ میں سے پیسے کاٹ لیتے ہیں۔" منی نے منہ بنا کر کہا۔

"اور نہیں تو کیا؟ ابھی انہوں نے تنخواہ بھی نہیں دی۔" نادانستہ رشیدہ کے منہ سے نکلا تو سدرہ نے حیرت سے ماں کی طرف چونک کر دیکھا۔

"اماں..... تو..... تو کہہ رہی تھی کہ تجھے تنخواہ مل گئی ہے۔" سدرہ نے حیرت سے پوچھا تو رشیدہ بوکھلا گئی۔

"ہاں..... وہ..... وہ..... میں نے کسی سے ادھار لے کر رکھے تھے کہ تنخواہ ملنے پر چکا دوں گی۔" رشیدہ بہانہ بناتے ہوئے بولی۔

"اماں..... سچ بتا..... یہ پیسے تو نے کہاں سے لیے.....؟ مجھے شک پڑ رہا ہے کہ کاشف نے تجھے یہ پیسے دیے ہیں۔" سدرہ نے خفگی سے پوچھا۔

"ہاں..... دیے ہیں..... تو..... پھر.....؟ کیا ہم پر کوئی احسان کیا ہے.....؟ اس کا بال بچہ یہاں نہیں پل رہا۔" رشیدہ قدرے ڈھٹائی سے بولی۔

"اماں..... یہ..... یہ تو نے کیا کیا.....؟" اس نے غصے سے اپنے سر پہ ہاتھ مارے۔

"آپا..... کیا کر رہی ہے؟" منی نے اسے روکا۔

"پتا نہیں ...... اماں کو مجھ سے کیا دشمنی ہے..... میری عزت کا ذرا سا بھی اسے خیال نہیں...... وہ مجھے پیسے زبردستی دے رہا تھا اور میں نہیں لے رہی تھی...... اور اماں نے لے کر مجھے اس کی نظروں میں بھی گرا دیا اور اپنی میں بھی...... اماں تجھے ذرا سا بھی خدا کا خوف نہیں...... نجانے کیوں تو میرے ساتھ سوتیلی ماؤں سا سلوک کرتی ہے..... شاید ان کو بھی کبھی رحم آ جاتا ہوگا مگر تجھے کبھی نہیں آیا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"بس کر...... رونا دھونا...... تنخواہ ملتی ہے تو اسے واپس کر دوں گی...... اس کی اور اپنی عزت کی بڑی پرواہ ہے...... دوسروں کا کوئی خیال نہیں۔" رشیدہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور سدرہ منی کے گلے لگ کر سسکنے لگی۔ منی اسے دلاسے اور تسلیاں دیتی رہی مگر اس کے آنسو تھمنے پر ہی نہ آ رہے تھے۔

راشد نے دو تین دن خوب عیش کی رشیدہ نے رو رو کر کوٹھی والوں کو راشد کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتایا اور انہوں نے خوب مالی مدد بھی کی۔ بلکہ پھل اور جوس کے ڈبے بھی دیئے ان کے تو وارے نیارے ہو گئے۔ راشد...... ماں کو داد دیتا اور قہقہے لگا لگا کر چیزیں ہڑپ کرتا رہا۔ رشیدہ بھی اپنی سمجھداری اور چالاکی پر خوب ہنستی...... جبکہ سدرہ کا دل بری طرح کٹتا۔ وہ ان کی حرکتوں پر خون کے آنسو روتی ان کے ہاں رہنا اس کی مجبوری تھی...... ان کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور ٹھکانہ نہ تھا جہاں وہ جا سکتی۔ اس لیے صبر اور انتہائی مشکل سے وہاں رہ رہی تھی...... دن بھر وہ لوگوں کے کپڑے سیتی شام کو ٹیوشن پڑھاتی گھر کے کام کرتی دونوں کی دیکھ بھال اور رات کو اپنی کتابیں لے کر بیٹھ جاتی۔ اس نے پرائیویٹ بی اے کا داخلہ بھیجا تھا اور امتحانات کی تیاری میں مصروف تھی۔ اس کی زندگی ایک مشین بن کر رہ گئی تھی۔ دن کب شروع ہوتا۔ کب ختم ہوتا، کب رات ڈھلتی اور کب دوسرے دن کا سورج طلوع ہوتا اسے کچھ خبر نہ تھی...... بس ذمہ داریاں ہی ذمہ داریاں تھیں۔

"کاشف میں تو سوچ رہی ہوں کہ کسی اچھے کھاتے پیتے گھرانے میں تمہاری شادی کر دوں...... میں نے کسی سے بات بھی کر رکھی ہے اور وہ ایک دو بڑی اچھی، خوبصورت اور امیر گھرانوں کی لڑکیاں بھی دکھانے کو تیار ہے۔" زاہدہ نے کاشف کو ناشتہ کراتے ہوئے قدرے رازداری سے کہا۔

"اماں...... یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟" اس نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا اور چائے کا کپ واپس میز پر رکھ دیا۔

"تو...... بھلا...... تو اس میں برائی کیا ہے؟ کیا مرد دوسری شادیاں نہیں کرتے؟" زاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کرتے ہوں گے...... مگر میں کیوں کروں...... ؟ میری بیوی ہے اور میرا بچہ بھی ہے...... مجھے کیا مسئلہ ہے کہ دوسری شادی کر لوں۔" کاشف نے خفگی سے کہا۔

"وہ اب یہاں کبھی نہیں آئے گی...... اس کی ہم سے کبھی بن ہی نہیں سکتی...... وہ اپنے آپ کو بڑی تیس مار خاں سمجھتی ہے۔ بڑی پڑھی لکھی اور اللہ والی ہے نا...... ہم سب تو ان پڑھ اور جاہل ہیں...... کاشف تو مجھ سے لکھوا لے...... وہ یہاں نہیں آئے گی اگر یہاں رہنا ہوتا تو جاتی ہی کیوں......؟ اور اس کے انتظار میں اپنی جوانی یوں برباد کرنا انتہائی بے وقوفی ہوگی۔" زاہدہ نے غصے سے کہا۔

"اماں...... تو...... جو مرضی کہہ لے...... میری زندگی میں سدرہ کے علاوہ کوئی اور عورت آ ہی نہیں سکتی۔" کاشف نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''اور میں بھی دیکھتی ہوں...... کب تک......؟ زاہدہ نے غصے سے کہا۔

''جب تک میری سانسیں باقی ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ تو زاہدہ اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی۔ مگر اندر ہی اندر اس نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور ہر دوسرے تیسرے روز کوئی نہ کوئی رشتہ دیکھنے چلی جاتی۔ جیسے ہی لڑکی والے رضامندی ظاہر کرتے تو یہ لڑکی میں کوئی نہ کوئی نقص نکال کر انکار کر کے جان چھڑاتی۔ لوگ اسے گالیاں اور کوسنے دیتے۔ رشتے والیاں بھی اس سے تنگ پڑ گئیں تھیں مگر اسے تو یہ اچھی معروفیت ہاتھ لگی تھی۔ ہر دوسرے تیسرے روز تیار ہو کر لوگوں کے گھروں میں جانا۔ خاطر مدارت کرانا اور آ کر انکار کر دینا...... اس کا تو ایسا دل لگا تھا کہ وہ خود ہی خوش ہوتی رہتی۔ کاشف کو جب معلوم ہوتا تو وہ انتہائی غصے میں آ جاتا اور زاہدہ سے جھگڑ پڑتا...... کاشف کے ڈر سے وہ کچھ روز باہر نکلنا بند کرتی۔ اس کے بعد پھر وہی معمول۔

کاشف آفس سے اچانک جلدی گھر آ گیا تھا...... زاہدہ اس کی غیر متوقع آمد سے بوکھلا گئی تھی۔ وہ نیا جوڑا پہنے ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔ جیسے کہیں جانے کی تیار کر رہی ہو۔

''آج...... تم کیسے جلدی آ گئے؟'' زاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔

ایسے ہی طبیعت کچھ خراب ہو رہی تھی...... اماں تو کہاں جا رہی ہے؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ...... میں...... کہیں نہیں...... بس...... یونہی...... ساتھ والی جمیلہ آئی تھی...... تو کہیں اپنی نیکی کے ہاں جانے کو کہہ رہی تھی۔'' زاہدہ نے بہانہ گھڑا۔

باہر گیٹ پر بیل بجی...... زاہدہ ایک دم گھبرا گئی۔

''میں دیکھتا ہوں......'' کاشف اٹھنے لگا۔

''نہیں...... نہیں...... تم کمرے میں جا کر آرام کرو...... میں دیکھ لیتی ہوں۔'' زاہدہ نے قدرے گھبرائے ہوئے اسے کہا تو کاشف حیرت سے اسے دیکھنے لگا اور کمرے میں چلا گیا۔ زاہدہ جلدی سے گیٹ پر چلی گئی۔ واپس آئی تو اس کے ساتھ چار پانچ عورتیں اور مرد تھے۔ ان کے ساتھ جمیلہ بھی جوان کو رشتہ دکھانے لائی تھی۔ زاہدہ نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنے لگی۔ وہ چائے لے کر اندر گئی تو اچانک کاشف بھی بہت سی آوازیں سن کر ادھر چلا گیا اور اتنے بہت سے لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اچانک کاشف کو وہاں دیکھ کر زاہدہ کا رنگ فق ہو گیا...... سب لوگ حیرت اور پُرشوق نگاہوں سے کاشف کی جانب دیکھنے لگے۔ جو بلیو جینز اور کریم کلر کی شرٹ میں قدرے سمارٹ لگ رہا تھا۔

''یہ...... میرا بیٹا ہے...... کاشف۔'' زاہدہ نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے کاشف کا تعارف کرایا۔

''ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ......'' ایک ادھیڑ عمر عورت نے ایک سفید باریش بزرگ کی جانب دیکھا تو انہوں نے بھی مسکرا کر سر ہلایا۔

''بہن...... ہمیں آپ کا بیٹا بہت پسند آیا ہے...... ہماری طرف سے رشتہ پکا سمجھیں۔'' اور بزرگ نے اپنی جیب میں سے دس ہزار روپے نکال کر کاشف کے ہاتھ میں تھمانے کی کوشش کی۔ کاشف ہڑبڑا گیا۔

"یہ..... آپ لوگ کیا کر رہے ہیں......؟ آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں شادی شدہ ہوں میری بیوی اور ایک بچہ بھی ہے۔" کاشف نے سنجیدگی سے بتایا تو بزرگ وہیں کے وہیں رک گئے سب لوگوں کے چہرے اتر گئے اور وہ حیرانگی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔ زاہدہ کھسیا کر جمیلہ کی طرف دیکھنے لگی۔

اتنا بڑا دھوکہ..... اتنا فراڈ..... کوئی یوں بھی دن کے اجالے میں کسی کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے..... آپ کی والدہ انتہائی کمینی اور لالچی عورت ہیں۔" ایک درمیانی عمر کے آدمی نے انتہائی غصے میں کاشف کو کہا۔

"اپنی ماں کے بارے میں ایسے توہین آمیز الفاظ سن کر کاشف کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"آپ منہ سنبھال کر بات کریں..... آپ کو بڑے چھوٹے کا کچھ ادب لحاظ ہے کہ نہیں۔" کاشف غصے سے بولا۔

"بالکل ہے..... مگر آپ کی والدہ کے لیے نہیں..... جو دو ماہ سے ہمارے جذبات کے ساتھ کھیلتی رہی ہیں..... پوچھیے ذرا یہ کب سے ہمارے پاس آ رہی ہیں اور ہر بار کیا کہہ کر آتی ہیں اور آج بہت اصرار سے ہمیں بلایا ہے۔ یہ تو ہماری بہن کے ساتھ آپ کا رشتہ بھی پکا کر چکی ہیں..... اور اگر آج آپ ہمیں اتفاق سے نہ ملتے تو شاید ہم ان کی جھوٹی زبان پر یقین کر کے رشتہ پکا کر دیتے..... ان کو احساس ہی نہیں کہ بیٹی والوں کے جذبات کے ساتھ یوں کھیلنے سے اس کے گھر والوں کے دلوں پر کیا گزرتی ہے..... کاش انہیں اس بات کا احساس ہوتا۔" وہ آدمی غصے سے چلاتے ہوئے بولا تو زاہدہ نے کھسیا کر سر شرم سے جھکا لیا۔

"اماں..... یہ سب کیا ہے؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

"تیرا گھر بسانے کی کوشش کر رہی ہوں..... میرا اس میں کیا قصور ہے؟ زاہدہ اپنے آپ کو بچاتے ہوئے بولی۔

"جب میں نے کہہ دیا تھا کہ مجھے شادی نہیں کرنی..... تو اس کے باوجود بھی۔" کاشف بھی غصے سے بولا۔

"میں ماں ہو کر تیرا گھر کیسے اجڑا ہوا دیکھ سکتی ہوں..... میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔" زاہدہ قدرے اکڑ کر بولی۔

"آپ کتنی ظالم عورت ہیں۔ ہماری بچی کے احساسات سے کھیلتی رہیں اور آپ نے کوئی غلطی نہیں کی۔" ایک تنومند درمیانی عمر کی عورت خونخوار نگاہوں سے زاہدہ کی جانب بڑھ کر غصے سے بولی۔

"تو..... پھر کیا ہو گیا..... ؟ لوگ تو اس سے بھی زیادہ کرتے ہیں..... میں نے کیا کر لیا ہے۔" زاہدہ نے پھر اکڑ کر جواب دیا۔

"عورت کو انتہائی غصہ آ گیا اور اس نے دو چار تھپڑ زاہدہ کو لگائے..... کاشف کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ زاہدہ نے بھی اس عورت کو مارنے کی کوشش کی۔

"یہ..... یہ..... آپ کیا کر رہی ہیں؟ کاشف نے پریشان ہو کر اس عورت کو روکنے کی کوشش کی۔

"تمہاری یہ جرأت..... تم نے ہماری عورت کو ہاتھ لگایا۔" درمیانی عمر کے شخص نے کاشف کو پیچھے دھکیل کر دو تھپڑ لگائے۔ کاشف کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔ وہ ہکا بکا اپنا گال سہلانے لگا۔ دونوں عورتوں نے مل کر زاہدہ کی خوب پٹائی کی۔ اپنا غصہ اتار کر دونوں عورتوں نے مل کر زاہدہ کو زمین

پر زور سے دھکا دے کر بڑبڑاتے اور گالیاں دیتے ہوئے چلے گئے۔ جمیلہ بھی گھبرا کر پیچھے چلی گئی۔ زاہدہ بمشکل اٹھی اور صوفے پر بیٹھ کر اونچی آواز میں رونے لگی۔ کاشف بھی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا دماغ بری طرح گھوم رہا تھا۔ اچانک سب کچھ کیا ہو گیا تھا۔ اتنی ذلت...... اتنی بے عزتی...... اتنی رسوائی ان لوگوں کے ہاتھوں دونوں ماں بیٹے نے سہی تھی اور اس کو اپنی ماں کی بے عزتی بہت رلا رہی تھی۔

"یہ...... سب تیری وجہ سے ہوا ہے...... اگر تو یہاں نہ آتا تو کچھ بھی نہ ہوتا...... میری اتنی بے عزتی آج تک کسی نے نہیں کی۔ جتنی تو نے آج کرائی ہے۔" زاہدہ غصے سے بڑبڑا کر کاشف کی جانب دیکھ کر بولی اور کاشف کو تو ایسا شاک لگا تھا کہ اسے زاہدہ کی کوئی بات سنائی ہی نہ دی۔ اس کا ہاتھ اس کے گال پر تھا اور وہ گہری سوچوں میں گم تھا۔

"خدا غارت کرے ان لوگوں کو...... ایسی مار ماری ہے...... پورا جسم بری طرح دکھ رہا ہے۔" زاہدہ کراہتے ہوئے بولی اور صوفے پر ہی لیٹ گئی۔

"ہائے...... میں مر گئی...... یہ کیا؟" زاہدہ نے ایکدم چلا کر کہا تو کاشف گھبرا کر اس کی جانب لپکا۔ زاہدہ بھی پریشان ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی اور اپنے دوپٹے کو گھور رہی تھی جس پر خون لگا تھا جو اس کی ناک سے بہہ رہا تھا۔ کاشف گھبرا گیا اور اسے جلدی سے ڈاکٹر کے پاس لے جانے لگا کہ اچانک کاشف کا موبائل بجنے لگا۔

"ہیلو...... ہاں...... نہیں میں اسوقت نہیں آسکتا...... میری ماں بیمار ہے...... کہا نا...... نہیں آسکتا......" کاشف نے غصے سے موبائل بند کیا۔

"کس کا فون آیا ہے؟" "ایک علاقے میں ٹرانسفارمر جل گیا ہے۔

"وہاں لائٹ آف ہے...... مجھے بلا رہے ہیں۔" کاشف نے کہا۔

"جا...... چلا جا...... میری خیر ہے۔" زاہدہ نے ناک میں دوپٹہ ٹھونستے ہوئے کہا۔

"کیسے چھوڑ کر چلا جاؤں...... اپنی حالت تو دیکھ۔" کاشف نے کہا اور پھر اسکا موبائل بجنے لگا۔ اب کوئی افسر اسے غصے سے ڈانٹ رہا تھا۔

"اچھا...... پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ آہستہ آواز میں بولا۔

"اماں...... چل پہلے تجھے ڈاکٹر کے پاس چھوڑتا ہوں...... وہاں سے چلا جاؤں گا۔" کاشف نے کہا اور کراہتی ہوئی زاہدہ کو اپنے ساتھ موٹر سائیکل پر بٹھا کر ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ ڈاکٹر نے اسے انجکشن اور ضروری ٹریٹمنٹ دے کر لٹا دیا۔ کاشف کا موبائل بار بار بج رہا تھا۔

"اماں اب میں چلتا ہوں...... جب ڈاکٹر فارغ کرے تو ٹیکسی کروا کر گھر چلی جانا میں نے گیٹ کیپر کو کہہ دیا ہے وہ تجھے ٹیکسی کروا دے گا۔" کاشف کہہ کر چلا گیا مگر اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ راستے میں بھی کئی بار اس کی بائیک رکشے اور گاڑی سے ٹکراتے ہوئے بچی۔ وہ موقع پر پہنچا تو واپڈا کی ٹیم اس کی منتظر تھی۔ وہ جلدی سے گلوز اور جیکٹ پہن کر اوپر چڑھ گیا اور ٹرانسفارمر کی تاروں کو دیکھنے لگا۔ اس کا ذہن کبھی ماں کی طرف چلا جاتا، کبھی ان لوگوں کی طرف جو مار کٹائی کر کے گئے تھے اور کبھی اپنے چہرے پر لگے تھپڑ اس کے سینے میں آگ سلگانے لگتے شام ہو رہی تھی اور وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ اسے سمجھ میں نہ آیا اور اس کے ہاتھ سے تار چھوٹ گئی۔ وہ تار پکڑنے سیڑھی پر جھکا اور اپنے قدم مضبوط نہ پا کر اوپر

سے نیچے آ گرا۔ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ جلدی سے ایمبولینس منگوائی گئی اور اس کو ہسپتال لے جایا گیا۔ زاہدہ ابھی تک گھر بھی نہیں پہنچی تھی اور وہ ہاسپٹل پہنچ گیا تھا۔

"زاہدہ جیسے ہی گھر پہنچی تو اسے خبر ملی اور وہ روتی پیٹتی ہوئی ہسپتال پہنچ گئی۔ کاشف ICU میں تھا۔ کاشف کی بہنوں کو بھی اطلاع کی گئی مگر سدرہ کو کسی نے بھی بتانا گوارا نہ کیا۔

شام گہری ہو رہی تھی منی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گھر کی طرف جا رہی تھی۔ رشیدہ کوٹھی والوں کے ہاں رک گئی تھی کیونکہ رات کوٹھی والوں کے ہاں دعوت تھی۔ منی دیکھنے میں قدرے دراز قد اور دبلی پتلی مگر پرکشش لگتی تھی۔ اسی لیے سدرہ اسے اچھی طرح چادر اوڑھا کر باہر بھیجتی تھی۔ مگر جو بھی باہر نکلتی کئی آوارہ نظریں اس کا تعاقب کرتیں اور وہ ان نظروں سے گھبرا کر اور تیز تیز چلنے لگتی۔ وہ اپنی گلی کی جانب مڑی ہی تھی کہ سلطان اسے سامنے کھڑا نظر آیا۔ وہ ہر روز شام کو گلی کی نکڑ پر کھڑا ہو جاتا تھا اور اسے دیکھ کر مسکراتا تھا کبھی سگریٹ کے گہرے کش لگاتا تو کبھی نیچا جملہ اس کی جانب پھینک کر قہقہہ لگاتا۔ منی گھبرا جاتی اور قہر آلود نظروں سے اس کی جانب دیکھتی۔ ابھی بھی وہ اس کے انتظار میں کھڑا تھا اور منی کو اکیلے دیکھ کر خوش ہو کر مسکرایا۔ منی کا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ وہ گلی مڑتے ہی بھاگنے کے انداز میں چلنے لگی۔

اے...... سن...... بھاگ کیوں رہی ہے؟ تجھے کھا تو نہیں جاؤں گا۔" وہ اس کے پیچھے لپکا تو منی نے ڈر کر گلی میں بھاگنا شروع کر دیا اور بھاگ کر گھر پہنچی۔ دروازہ کھلا تھا وہ جلدی سے اندر داخل ہوگئی۔ سدرہ بچوں کو ٹیوشن پڑھانے میں مصروف تھی۔ منی جاتے ہی اس کے گلے لگ کر زور زور سے رونے لگی۔ اس کا جسم پوری طرح کانپ رہا تھا اور دل کی دھڑکن بے قابو ہو رہی تھی۔ وہ اونچی آواز میں رونا شروع ہوگئی۔

"کیا ہوا...... تجھے...... کیوں رو رہی ہے؟ بتا تو سہی۔" سدرہ نے اسے محبت سے پوچھا۔

"آپا...... وہ...... وہ...... پھر پیچھے آ رہا تھا۔" اور منی سسکنے لگی۔

"وہ کون......؟ تو ہمیشہ اسی طرح کرتی ہے...... کھل کر بتاتی نہیں...... کون آیا تھا...... اور کیوں آیا تھا......؟" سدرہ نے خفگی سے کہا۔

"آپا...... وہ...... سلطان...... راشد کا دوست...... وہ میرے پیچھے پڑا ہوا ہے...... مجھے تنگ کرتا ہے...... اور جب تو گھر نہیں ہوتی تو گھر میں آ جاتا ہے...... اور......" منی پھر رونا شروع ہوگئی۔

"اور...... تو...... مجھے اب بتا رہی ہے...... کیا تو نے اماں کو بتایا ہے؟ سدرہ نے غصے سے پوچھا۔

"نہیں......" وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"کیوں......؟

"مجھے ڈر لگتا ہے...... بہت ڈر لگتا ہے...... اگر اماں نے اسے کچھ کہا تو وہ...... مجھے......" منی پھر سسکنا شروع ہوگئی۔

"ارے...... بے وقوف نہ بن...... ایسا کچھ نہیں ہوگا...... تو فکر نہ کر...... تو اکیلی آیا جایا نہ کر۔" سدرہ نے اسے سمجھایا۔

"آپا...... سلطان اچھا لڑکا نہیں ہے...... بہت بدتمیز اور بگڑا ہوا ہے۔ پہلے بھی وہ لڑکیوں کو چھیڑتا رہا ہے...... اور ایک کو اغوا کرنے کی

کوشش بھی کی تھی...... مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے۔" منی نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کہانا...... تجھے...... فکر نہ کر......" سدرہ نے اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"آپا...... بس...... تو کہیں نہیں جانا...... جب تو گھر نہیں ہوتی تو مجھے لگتا ہے وہ دروازہ توڑ کر آ جائے گا جب سے تو آئی ہے وہ گھر کی طرف نہیں آتا۔ ورنہ بہت تنگ کرتا ہے...... بس تو کہیں مت جانا۔" منی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بے صبری سے کہا۔

"اچھا...... اچھا...... نہیں جاؤں گی۔" سدرہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

اچانک سدرہ کا موبائل بجنے لگا وہ کمرے میں بھاگ کر گئی اور موبائل کان سے لگایا دوسری جانب کسی نرس کی آواز تھی جو ہاسپٹل سے بول رہی تھی۔

"آپ مسز کاشف بات کر رہی ہیں...... میں ہاسپٹل سے سسٹر طیبہ بات کر رہی ہوں۔ آپ کے ہسبینڈ کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور وہ ہاسپٹل میں ہیں...... انہیں کافی چوٹیں آئی ہیں...... اس لئے آپ سے بات نہیں کر سکتے...... پلیز آپ ہاسپٹل پہنچنے کی کوشش کریں۔ فون بند ہو گیا اور سدرہ رونا شروع ہو گئی۔

"کیا ہوا...... آپا...... آپ کیوں رو رہی ہیں؟" منی نے اس سے پوچھا۔

"کاشف کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور مجھے ابھی ہاسپٹل پہنچنا ہے۔" سدرہ نے روتے ہوئے کہا۔

"لیکن...... ابھی...... اس وقت تو رات ہو رہی ہے...... اماں کو آنے دو...... پھر چلی جانا۔" منی نے کہا۔

"نہیں...... میں نہیں رک سکتی...... کاشف بہت تکلیف میں ہیں۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے پھر میں بھی تیرے ساتھ چلتی ہوں...... گھر کی چابی گڈو کے گھر دے دیتے ہیں۔" منی نے کہا تو سدرہ اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی اور دونوں ذیشان کو لے کر گھر سے باہر نکل گئیں۔

وہ ہاسپٹل پہنچیں تو کاشف بیڈ پر پڑا تھا۔ اس کے سر اور سارے جسم پر پٹیاں بندھی تھیں اور اس کی ایک ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا تھا۔ اس کے پاس زاہدہ بیٹھی تھی۔ اس کے سارے چہرے پر نیل پڑے تھے اور سوجن سے وہ بری طرح بگڑا ہوا تھا۔ کاشف صرف ادھر ادھر دیکھ سکتا تھا یا تھوڑی بہت بات کر سکتا تھا۔

سدرہ اسے دیکھ کر رونا شروع ہو گئی۔

تمہیں کس نے بتایا...... اور یہاں کیوں آئی ہو؟ زاہدہ نے غصے سے سدرہ کو کہا مگر سدرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ کاشف کا ہاتھ پکڑ کر روتی رہی۔

"اگر آ ہی گئی ہو...... یہ رونا دھونا مت ڈالو...... ہم پہلے ہی بہت پریشان ہیں۔" زاہدہ نے پھر غصے سے کہا تو سدرہ نے خاموشی سے اپنے آنسو پونچھ لیے اور کاشف کے بیڈ کے پاس بنچ پر بیٹھ گئی۔ منی نے ذیشان کو اٹھا رکھا تھا وہ بھی بنچ پر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

کاشف...... یہ سب کیسے ہو گیا؟ سدرہ نے نم آنکھوں سے پوچھا۔

''تو...... بھلا...... ہے اس کی حالت کہ...... کچھ بتا سکے۔'' زاہدہ نے تنک کر کہا تو سدرہ خاموش ہوگئی۔

''پھر...... بھی...... مامی...... ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟'' منی نے زاہدہ سے پوچھا۔

''موئے...... واپڈا والوں نے بچے کو ایک منٹ سانس نہ لینے دیا...... فون پہ فون کرتے رہے کہ جلدی پہنچو...... ٹرانسفارمر جل گیا ہے وہ ٹھیک کرنے اوپر چڑھا ہے نجانے کیسے پاؤں پھسلا اور دھڑام سے نیچے آ گرا...... کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے ایک ٹانگ کی ہڈی تین جگہ سے ٹوٹی ہے۔ شکر ہے سر بچ گیا ہے چوٹیں تو آئی ہیں مگر بچت ہوگئی ہے۔'' زاہدہ نے کہانی سنائی۔

''اور...... آپ کے چہرے کو کیا ہوا ہے......؟ کیا آپ بھی گری ہیں؟'' منی نے زاہدہ کا چہرہ دیکھ کر پوچھا تو وہ ایک دم ہڑبڑا گئی اور دوپٹے پر ہاتھ پھیر کر چہرے پر رکھنے لگی ہاں باتھ روم میں گر گئی تھی۔'' زاہدہ نے جلدی سے جواب دیا اور کاشف کی طرف چور نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''کاشف...... آپ ٹھیک ہیں نا۔'' سدرہ نے کاشف کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں......'' وہ بمشکل بولا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''اب تم لوگ جاؤ...... رات بہت ہو رہی ہے۔ پھر گھر جانا مشکل ہو جائے گا۔'' زاہدہ نے منی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو سدرہ اور منی نے چونک کر زاہدہ کی جانب دیکھا۔

''مگر...... ہم تو ابھی آئی ہیں...... ابھی تو کاشف بھائی کی خیریت بھی نہیں پوچھی۔'' منی نے حیرت سے جواب دیا۔

''کیا اس کی حالت ایسی ہے کہ تم لوگوں سے باتیں کرے...... ایک نظر دیکھنا تھا...... سو دیکھ لیا...... ویسے بھی ڈاکٹر راؤنڈ پر آنے والا ہے......'' زاہدہ نے منہ بنا کر جواب دیا۔

''کاشف...... کیا میں آپ کے پاس رک جاؤں؟'' سدرہ نے زاہدہ کی باتوں کو نظر انداز کر کے کاشف سے پوچھا تو اس نے آنکھوں کے اشارے سے ہاں میں سر ہلایا۔

''تو...... بھلا...... یہ یہاں رک سکتی ہے۔ وہ بھی بچے کے ساتھ...... بچے کے ساتھ کسی کو بھی یہاں رکنے کی اجازت نہیں...... اور ویسے بھی میں ہوں نا...... یہاں۔'' زاہدہ نے خشک لہجے میں کہا تو سدرہ خاموش ہوگئی۔

دونوں تھوڑی دیر بعد واپس آ گئیں۔ سدرہ کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ کاشف کو اس حالت میں چھوڑ کر جانے کو...... اس کا دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا مگر زاہدہ کا خشک رویہ دیکھ کر وہ خاموشی سے واپس آ گئی۔ اس کا دل بہت بے چین تھا۔ کاشف کو اس کی ضرورت تھی اور وہ اس کی ضرورت پوری نہ کر سکی تھی۔

''آپا...... کیا مامی زاہدہ...... تم سے ناراض ہے......؟'' منی نے ہاسپٹل سے نکلتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں......'' سدرہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

''لیکن...... ان کے رویے سے تو ایسے ہی لگ رہا تھا...... کہ وہ آپ سے بہت ناراض ہیں۔'' منی نے حیرت سے پوچھا۔

''معلوم نہیں...... وہ کس سے کس بات پر ناراض ہیں۔'' سدرہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

''آپا...... ویسے تو گھر کیوں چھوڑ کر آئی ہو......؟ کیا کاشف بھائی سے کوئی جھگڑا ہوا تھا؟ منی نے رکشے میں بیٹھ کر پوچھا۔

''نہیں...... بہت سی باتیں...... تم نہیں سمجھو گی۔'' سدرہ نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور خاموش ہو گئی۔ سارا راستہ اسی خاموشی کی نذر ہو گیا۔

''وہ گھر پہنچیں تو رشیدہ صحن میں بچھی چارپائی پر غصے میں بھری بیٹھی تھی۔ کہاں مر گئی تھیں اس وقت؟ رشیدہ نے غصے سے پوچھا۔

''اماں کاشف بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے...... ہسپتال سے فون آیا تھا۔ ہم لوگ ادھر چلی گئیں...... بیچارے کاشف بھائی کو بہت چوٹیں آئی ہیں۔ کولہے کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی ہے اور ٹانگ کی بھی۔''

منی نے قدرے پریشان کن انداز میں آنکھیں کھول کر بتایا۔

''یہ کمبخت...... لے بیٹھی اسے بھی۔'' رشیدہ نے سدرہ کی جانب دیکھ کر کہا تو سدرہ نے حیرت سے ماں کی جانب دیکھا۔

''یہ مجھ سے پوچھتی ہے نا...... کہ میں اس کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک کیوں کرتی ہوں...... تو اسی لیے کرتی ہوں...... اس کی نحوست کی وجہ سے...... جس دن یہ پیدا ہوئی تھی اس کے باپ کا سڑک پر ایکسیڈنٹ ہوا تھا...... اس کی سائیکل کی گاڑی کے ساتھ ٹکر ہو گئی تھی۔ اور اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں۔ بڑے مہینوں بعد ٹھیک ہوا تھا...... اور اس کے پیدا ہونے کے بعد گھر میں وہ تنگدستی آئی کہ فاقوں کی نوبت آ گئی...... پھر خیر سے چار سال بعد راشد ہوا تو گھر میں رزق آنا شروع ہوا...... تمہارا باپ بھی ٹھیک ہو کر کام پر جانے لگا۔ میں نے بھی تھوڑا بہت کام شروع کر دیا اور یوں گھر کی دال روٹی چلنے لگی۔ ورنہ یہ تو ہمیں لے دے بیٹھی تھی۔ راشد کو باتیں کرتی ہے...... تو اس کے آنے سے ہم نے کون سے سکھ دیکھ لیے......'' رشیدہ نے قدرے نحوت سے کہا تو سدرہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔ وہ خاموشی سے اندر کمرے میں چلی گئی اور کندھے کے ساتھ سوئے ذیشان کو چارپائی پر لٹا کر خود رونا شروع ہو گئی۔ اسے اپنی قسمت پر رونا آنے لگا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ واقعی منحوس ہو۔ زاہدہ بھی یہی کہتی رہتی تھی کہ اس کے آنے سے اس کے گھر میں سے رزق ختم ہو گیا ہے۔ برکت اٹھ گئی ہے اور اب اس کی اپنی ماں بھی یہی کہہ رہی تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی...... وہ پہلے ہی کاشف کی وجہ سے پریشان تھی اور اب اماں کے انکشاف پر وہ دکھی ہو رہی تھی۔

''آپا...... چپ کر...... اس میں تیرا کیا قصور ہے...... پاگل نہ ہو تو۔'' منی نے کمرے میں آ کر اس کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ اور شدت سے رونے لگی۔

''تو...... تو...... پڑھی لکھی ہے...... خواہ مخواہ اماں کی باتوں پر یقین کر رہی ہے...... اماں تو وہمی عورت ہے...... وہ مجھے دن میں کیا کچھ بولتی رہتی ہے...... اگر نہیں کہتی تو راشد کو کچھ نہیں کہتی'' منی نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''شاید...... اماں ٹھیک ہی کہتی ہے...... میری نحوست کا سایہ کاشف کی زندگی پر بھی پڑ گیا ہے...... وہ بالکل ٹھیک تھا...... پھر اچانک کیسے یہ سب ہو گیا...... اور وہ بھی جلدی ٹھیک ہونے والا نہیں...... وہ بھی شاید ابا کی طرح بہت مہینوں بعد ٹھیک ہو...... مجھے معلوم ہوتا...... تو میں کاشف سے

شادی ہی نہ کرتی۔" اور وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔" آپا..... آپا..... کیا کر رہی ہو..... تم..... تو..... پڑھی لکھی ہو..... اور پڑھے لکھے لوگ ایسی باتوں پر کہاں یقین کرتے ہیں..... اماں نے جو کہہ دیا..... تو نے سچ مان لیا..... اماں کے دماغ میں تو پتا نہیں کیا کچھ آتا رہتا ہے..... بس تو فکر نہ کر..... سب ٹھیک ہو جائے گا..... اور سن..... تو اپنے گھر چلی جا..... کاشف بھائی کو تیری ضرورت ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تو ان کے پاس رہے..... تو نے دیکھا..... انہوں نے آنکھوں کے اشارے سے تجھے رکنے کو کہا تھا..... بھلے..... ماں جو مرضی کہے..... مگر تو چلی جا..... کل صبح چلی جانا..... شاذو میں رک تو لیتی مگر مجھے کام پر جانا ہوتا ہے۔" منی نے نرمی اور محبت سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو سدرہ رونے پر مطمئن ہو کر اس کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

باہر دروازے پر زور سے دستک ہوئی تھی۔ دونوں چونک گئیں اس وقت کون آیا ہے.....؟ منی نے ایکدم گھبرا کر پوچھا اور چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو فکر نہ کر..... اماں باہر ہی ہے..... اور راشد بھی تو ہو سکتا ہے۔" سدرہ نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا مگر منی کا رنگ ایکدم فق ہو گیا تھا۔

دروازہ مسلسل بج رہا تھا۔ رشیدہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھی اور جا کر دروازہ کھولا۔ راشد شراب کے نشے میں دھت گھر میں داخل ہوا۔ وہ بری طرح لڑکھڑا رہا تھا۔

"راشد..... تو نے آج پھر شراب پی ہے..... میں نے تجھے منع کیا تھا....." رشیدہ قدرے خفگی سے بولی۔

"اماں..... مجھے معاف کر دے..... اللہ کے واسطے معاف کر دے۔

راشد..... ماں کے پاؤں کو پکڑ کر گڑگڑانے لگا۔

"اے..... ہائے..... کس بات کی معافی مانگ رہا ہے..... تو نے کیا کیا ہے؟ رشیدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"بس تو مجھے معاف کر دے..... تو میری ماں ہے..... ماں ہے نا۔" وہ پھر گڑگڑانے لگا۔

"ہاں..... ہاں..... میں ہی تیری ماں ہوں..... لگتا ہے تو نے بہت پی لی ہے تیرے دماغ کو چڑھ گئی ہے کمبخت۔" رشیدہ نے بڑبڑاتے ہوئے اسے اٹھایا اور چارپائی تک لے کر آئی۔ وہ بمشکل چل رہا تھا اور بار بار گر رہا تھا۔

"اماں..... میں بہت برا ہوں..... بہت برا۔" رونے لگا تو رشیدہ بھی اس کے ساتھ رونے لگی۔

"نہیں..... نہیں..... تو برا نہیں..... تو..... تو..... میرا چاند ہے۔" رشیدہ نے اس کے چہرے کو اپنے دوپٹے کے پلو سے صاف کیا۔

"نہیں..... تو نہیں جانتی میں بہت برا ہوں..... بس تو مجھے معاف کر دے۔" وہ پھر چارپائی سے اٹھ کر ماں کے قدموں میں بیٹھ گیا اور اس کے پاؤں زور سے پکڑ لیے۔

"راشد..... یہ تو کیا کر رہا ہے..... اٹھ..... ادھر لیٹ جا..... اب سو جا۔" رشیدہ نے اسے دوبارہ چارپائی پر لٹایا تو وہ پرسکون ہو کر لیٹ گیا۔

"آپا..... راشد دن بدن عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگا ہے..... تو نے ابھی دیکھا..... کتنا پاگل لگ رہا تھا۔" منی نے کمرے کی کھڑکی

منی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔

"شراب عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے..... اس لیے تو اللہ نے اسے حرام کیا ہے..... انسان اپنی سمجھ بوجھ کھو بیٹھتا ہے..... اس کو پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے۔" سدرہ نے اسے بتایا۔

"آپا..... یہ کتنے گناہ کی بات ہے نا..... کہ جس چیز کو اللہ نے حرام کہا ہے..... لوگ اس کو کھاتے پیتے ہیں..... انھیں اللہ سے ڈر نہیں لگتا..... کتنے گناہ کا کام کرتے ہیں۔" منی نے حیرت سے پوچھا۔ "اللہ سے ڈرتے..... تو ایسا کیوں کرتے..... جو اللہ سے نہیں ڈرتے وہ ایسے کام کرتے ہیں۔" سدرہ نے آہ بھر کر کہا۔

"ہاں..... راشد کو بھی کسی کا ڈر نہیں..... نہ اماں کا..... نہ اللہ کا اور آپا تو نے دیکھا ہے..... راشد نے جب سے شراب پینی شروع کی ہے وہ بہت بدتمیز ہو گیا ہے۔ اماں کی تو بالکل بھی عزت نہیں کرتا..... اس سے پہلے کبھی اماں کے ساتھ مار پیٹ نہیں کرتا تھا اور اب کیسے اماں کو گالیاں بھی دیتا ہے اور اس کے بال بھی نوچتا ہے..... اسے ذرا بھی شرم نہیں آتی۔" منی نے حیرت سے کہا۔

"شراب انسان کو بے حیا اور بے شرم بنا دیتی ہے..... وہ کسی کی بھی عزت نہیں کرتا۔ نہ اپنی ماں کی..... نہ کسی اور عورت کی۔" سدرہ نے رنجیدگی سے جواب دیا۔

"آپا..... کیا اب راشد ساری زندگی یونہی شراب پیتا رہے گا۔ کبھی نہیں اسے چھوڑے گا.....؟" منی نے قدرے معصومیت سے پوچھا۔

"یہ بہت بری لت ہے..... یہ جسم..... ذہن اور روح کو بیمار کر دیتی ہے۔ یہ دیمک کی طرح اندر ہی اندر انسان کو کھوکھلا کر دیتی ہے..... بہت کم پینے والے اسے چھوڑتے ہیں۔ یا تو پی پی کر مر جاتے ہیں یا پھر نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو کر جرائم کا شکار ہو جاتے ہیں..... راشد بھی تو دن بدن جرائم کا شکار ہو رہا ہے..... اللہ ہی اس کے حال پر رحم کرے اور یہ خود ہی اسے چھوڑ دے۔ ہم لاکھ سمجھائیں مگر وہ باز نہیں آئے گا جب تک کہ وہ خود نہ اسے چھوڑے۔" سدرہ نے پریشانی سے جواب دیا۔

"آپا..... یہ تو بہت پریشانی کی بات ہے..... اگر راشد کو کچھ ہو گیا..... تو اماں کا کیا بنے گا..... وہ تو راشد سے بے حد محبت کرتی ہے اس کے بغیر تو.....؟" منی نے ایکدم سوچا اور گھبرا گئی۔

"معلوم نہیں..... اللہ ہی راشد کو ہدایت دے..... وہ تو کسی کی نہیں سنتا۔" سدرہ نے آہ بھر کر جواب دیا اور دونوں کی آنکھیں مستقبل کے اندیشوں اور وسوسوں کو سوچ کر نم ہونے لگیں۔

سدرہ صبح سویرے ہی ہاسپٹل جانے کی تیاری کرنے لگی۔ منی اور رشیدہ کے کام پر جانے سے پہلے ہی ذیشان کو لے کر ہاسپٹل چلی گئی۔ راشد ابھی تک سو رہا تھا۔

"اے منی..... جلدی تیار ہو جا..... بڑا ٹیم ہو رہا ہے..... پھر کوٹھی والی بیگم صاحب بڑبڑ کرے گی۔" رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔ "تیار تو ہو رہی ہوں....." منی نے اپنے لمبے بالوں کی چٹیا بنائی اور دیوار پر لگے چھوٹے سے ٹوٹے ہوئے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

ایک دم دروازہ کھلا اور سلطان دو آوارہ قسم کے آدمیوں اور مولوی کے ساتھ گھر میں داخل ہوا۔

"اوئے......راشد......اٹھ جا......بارات آئی ہے۔" سلطان نے چارپائی پر پڑے راشد کو جھنجوڑتے ہوئے کہا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"ت۔۔۔ت۔۔۔تو یہاں کیسے آیا؟" رشیدہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"خالہ......میں تیرا ہونے والا داماد ہوں......نکاح کرنے آیا ہوں۔ ہمیں عزت سے بٹھا......یہ دیکھ......ساری بارات منہ اٹھائے کھڑی ہے۔" سلطان مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا۔

منی نے کمرے کی کھڑکی کا تھوڑا سا پٹ کھول کر دیکھا تو سلطان کو آدمیوں اور مولوی کے ساتھ صحن میں کھڑے دیکھ کر گھبرا گئی۔ اس کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ اس نے آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر دروازے کو چٹخنی لگا دی اور کھڑکی میں کھڑی ہو کر باتیں سننے لگی۔

"ارے......چل......منہ دھو کر رکھ......ایک نمبر کا آوارہ اور لفنگا......آیا......میرا داماد بننے۔" رشیدہ نے غصے سے کہا۔

"خالہ......تیرا بیٹا تو بڑا مولوی ہے نا......اگر میں ایک نمبر ہوں تو یہ دس نمبر ہے......سن......میں اپنی دلہن لے کر ہی جاؤں گا......اور میں کوئی مفت میں اسے لینے نہیں آیا......پورے بیس ہزار میں خریدی ہے۔" سلطان نے غصے سے کہا۔

بیس ہزار میں۔۔۔" رشیدہ نے گھبرا کر راشد کی جانب دیکھا تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"دیکھا مجھے اپنی جیبیں۔۔۔" رشیدہ نے راشد کی قمیض کی جیبیں دیکھنی شروع کیں جو بالکل خالی تھیں۔

"اسے......بتاتا کیوں نہیں......وہ پیسے تو نے کہاں چھوڑے......سن خالہ......رات کو اس نے جوئے میں بیس ہزار روپے ہارے......اور جیب میں اس کے ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔ اگر میں وہاں جا کر بیس ہزار دے کر اسے چھڑا کر نہ لاتا تو اس وقت تیرے گھر میں اس کی لاش ہوتی اور تو ماتم کر رہی ہوتی۔" سلطان نے خفگی سے کہا تو رشیدہ نے حیرت سے راشد کی جانب دیکھا۔

"اب تو نے جوا کھیلنا بھی شروع کر دیا ہے۔ راشد تو کھتا کیوں نہیں۔ بوڑھی ماں اب کہاں تک تیرا ساتھ دے۔ رشیدہ رونے لگی۔

"اماں......خواہ مخواہ......میں رونا نہ ڈال۔ تو نے منی کو کہیں نہ کہیں تو شادی کرنی ہی ہے نا......اگر سلطانے سے کر دے گی تو کیا قیامت آجائے گی......جا......اس کو سمجھا اور اس کے ساتھ بھیج دے......مولوی صاحب آپ ادھر بیٹھیں۔" راشد نے چارپائی پر چادر ٹھیک کر کے بچھاتے ہوئے کہا۔ رشیدہ بے وقوفوں کی طرح کبھی راشد کی طرف دیکھتی۔ کبھی سلطان اور اس کے لائے ہوئے آدمیوں کی جانب......اس کی آنکھیں گویا پتھرا گئی تھیں۔

"چلو......اب جلدی کرو......زیادہ ٹائم نہیں۔" سلطان نے زیر لب مسکرا کر راشد سے کہا۔

"اماں......جا......منی کو تیار کر۔" راشد نے ماں سے کہا تو رشیدہ بے بسی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"جا......بھی......کیا دیکھ رہی ہے......" راشد غصے سے بولا تو رشیدہ ڈرتی ہوئی کمرے کی جانب گئی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سے کھٹکھٹانے لگی۔

"منی...... منی...... دروازہ کھول...... میری بات سن...... دروازہ کھولی۔" رشیدہ آہستہ آہستہ دروازہ بجاتے ہوئے سرگوشیاں کرنے لگی مگر اندر سے کسی قسم کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ رشیدہ کا دل دھک دھک کرنے لگا اور وہ ایکدم پریشان ہوگئی۔ اس نے بے بسی سے راشد کی جانب دیکھا جو ماں کی نظروں کا مطلب سمجھ کر اس کی جانب آیا۔

"کیا بات ہے...... دروازہ کیوں نہیں کھول رہی؟" راشد نے ماں سے پوچھا۔ "پتا نہیں۔" رشیدہ نے گھبرا کر جواب دیا۔

"راشد نے زور زور سے دروازہ بجایا مگر کوئی جواب نہ آیا۔ اسے بھی پریشانی لگ گئی۔ اس نے زور زور سے دروازے کو دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ دونوں کمرے میں گئے مگر وہاں کوئی نہیں تھا گلی کی جانب کھلنے والی کھڑکی کا پٹ ٹوٹا ہوا پڑا تھا۔

"منی بھاگ گئی ہے......" راشد نے آہستہ آواز میں کہا۔

"ہائے...... میں مر گئی...... میری منی بھاگ گئی...... گھر سے بھاگ گئی ہے۔" رشیدہ نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"کمینی کو بھائی کی عزت کا بھی خیال نہ آیا...... میں اسے چھوڑوں گا نہیں...... اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا...... اس کی بوٹیاں کتوں کے آگے ڈال دوں گا......" راشد غصے سے چلانے لگا...... سلطان اور اس کے گواہ بھی گھبرا کر کمرے میں آ گئے۔

"کیا ہوا......؟" سلطان نے گھبرا کر پوچھا۔

"رشیدہ نے روتے ہوئے راشد کی جانب دیکھا اور راشد نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔

"سلطانے منی جلد اسے ڈھونڈ نکالوں گا...... تو فکر نہ کر...... میرا تجھ سے وعدہ ہے۔" راشد نے آہ بھر کر کہا۔

"چل...... جا...... بڑا آیا...... وعدہ پورا کرنے والا...... دو دن تک میرے تیس ہزار روپے واپس کر...... یا...... اسے ڈھونڈ کر میرے حوالے کر...... ورنہ......" سلطان نے اسے دھمکی لگاتے ہوئے کہا۔

چل...... سلطانے...... تیری دلہن تو بھاگ گئی...... اب ہمارا اور کتنا ٹائم برباد کرے گا۔" ساتھ آئے ہوئے ایک گواہ نے غصے سے کہا۔

"چلو...... چلتے ہیں...... راشد...... اب اپنی خیر منا...... صرف دو دن کا ٹائم ہے تیرے پاس۔" سلطان نے اس کے قریب آ کر دھمکی دی اور غصے سے اپنے آدمیوں کو لے کر باہر چلا گیا۔

رشیدہ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع ہوگئی۔

"اماں اسے ڈھونڈ...... ورنہ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا...... سنا تو نے......" راشد نے ماں کو دھمکی لگائی۔

"کہاں ڈھونڈوں...... اس کی تو کوئی سہیلی بھی نہیں...... وہ تو کہیں آتی جاتی بھی نہیں...... نہ ہمسایوں میں اور نہ ہی...... کہیں اور۔" رشیدہ بھرائی آواز میں رونے لگی۔

"میں کچھ نہیں جانتا...... اگر تجھے میری زندگی چاہیے تو اسے ڈھونڈ کر لا...... ورنہ سلطانا میری بوٹیاں کر دے گا۔" راشد نے جھنجلا کر کہا۔

"اللہ نہ کرے...... اللہ تیری خیر کرے...... میں اس نامراد کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہوں۔" رشیدہ نے راشد کی جانب دیکھ کر نرم نہج

میں کہا اور راشد گھر سے باہر نکل گیا۔ منی کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ انتہائی شدت سے رونے سے اس کے گلے میں پھندا لگ رہا تھا اور اس کی سانس بحال نہیں ہو رہی تھی۔

"ذکیہ آپا جلدی سے پانی کا گلاس لے کر آئیں اور اس کے منہ کے ساتھ لگا یا بس کرو۔۔۔ بیٹی۔۔۔ بتاؤ تو سہی۔۔۔ مسئلہ کیا ہے۔۔۔؟ اس طرح رونے سے تو مسئلے حل نہیں ہوتے۔" ذکیہ آپا نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ تو وہ ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے تپتے صحرا میں ننگے پاؤں چلتے چلتے وہ اچانک کسی شجر سایہ دار کے نیچے آ گئی ہو۔ جس کی ٹھنڈک نے اس کے آبلہ پا جسم کو چند ساعتوں کے لیے پرسکون کر دیا ہو۔۔۔ سچی محبت کا لمس کتنا پُرکیف۔۔۔ کتنا لطیف اور کتنا مسحور کن ہوتا ہے یہ اسے اب محسوس ہو رہا تھا۔ ماں کی آغوش میں کتنی ٹھنڈک ہوتی ہے۔۔۔۔ اس کے سینے میں کتنا سرور اور کتنی خوشی ہوتی ہے۔۔۔۔ ذکیہ آپا کے سینے کے ساتھ لگ کر اسے یہ شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ اپنی ماں نے تو نہ کبھی اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا کر پیار کیا تھا اور نہ ہی سدرہ کو۔۔۔۔ وہ تو ماں کی ممتا کے خوبصورت احساس اور لمس سے کبھی بھی محظوظ نہ ہوئی تھیں اور اب ممتا بھری آغوش ملی تو برسوں کا دکھ اور تنگی جو اندر ہی اندر کسی لاوے کی طرح ابال کھا رہا تھا وہ قطرہ قطرہ آنسوؤں کی صورت میں بہہ کر اس کے دل کو پرسکون کر رہا تھا۔

"چپ۔۔۔۔ میری بچی۔۔۔۔ مجھے بتاؤ تو سہی کیا بات ہے؟" ذکیہ آپا نے محبت سے اس کی پیشانی چومی تو اس نے سرخ انگارہ آنکھوں سے ان کی جانب دیکھا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آپا جی۔۔۔۔ سدرہ آپا نے کہا تھا کہ جب بھی پریشانی کی کوئی بات ہو تو آپ کی طرف چلی جاؤں۔۔۔۔ اور اس وقت مجھے آپ کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آیا۔۔۔۔ جس کے پاس میں جاتی۔ اس لیے میں ادھر آ گئی ہوں۔" منی نے روتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھا کیا۔۔۔۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔۔۔۔ یہاں تم آرام سے رہو۔۔۔۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہیں تمہاری ماں اور بھائی تمہیں تلاش کرتے ہوئے ادھر آ گئے تو۔۔۔۔؟" ذکیہ آپا کہتے کہتے رکیں اور گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

"نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ وہ ادھر کبھی نہیں آئیں گے کیونکہ میں آج سے پہلے کبھی بھی آپ کے گھر نہیں آئی۔" منی نے کہا تو وہ مطمئن ہو گئیں۔ "پھر ٹھیک ہے۔۔۔۔ جب تک حالات بہتر نہیں ہوتے تم یہاں رہو۔۔۔۔ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔۔" ذکیہ آپا نے کہا دروازہ پر دستک ہوئی تو منی ڈر گئی اور گھبرا کر دروازے کی جانب دیکھنے لگی۔

"گھبراؤ نہیں۔۔۔۔ بچے سیپارہ پڑھنے آ گئے ہیں۔۔۔۔ ان کے سامنے محتاط رہنا۔ اندر کمرے میں ہی بیٹھی رہنا۔۔۔۔ باہر مت آنا۔ بچے ہیں۔۔۔۔ کہیں باہر جا کر نہ بتا دیں۔" ذکیہ آپا نے اسے محتاط رہنے کا مشورہ دیا تو وہ اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی اور ذکیہ آپا بچوں کو باہر بٹھا کر سیپارے پڑھانے میں مصروف ہو گئیں۔

راشد منی کو پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہا تھا۔ اسی تلاش میں وہ ہسپتال بھی گیا مگر سدرہ کو کسی بھی بات کی کوئی خبر نہ تھی۔ کاشف ابھی تک بیڈ پر تھا۔ سدرہ اسے ہسپتال میں دیکھ کر بہت چونکی اور اس کے آنے کی وجہ پوچھتی رہی مگر وہ یونہی ٹال مٹول کرتا رہا اور تھوڑی دیر بعد اٹھ کر وہاں سے چلا

آیا۔ سدرہ کو اس کا یوں اچانک آنا بہت کھٹکنے لگا مگر وہ خاموش رہی۔

رشیدہ بھی اسے جگہ جگہ تلاش کرتی رہی۔ ہمسایوں کے گھروں میں بہانے سے جا جا کر بیٹھتی رہی تاکہ کہیں سے کوئی خبر کوئی بات سنائی دے مگر سب کوششیں بے کار ثابت ہو رہی تھیں رشیدہ شام کو تھکی ہاری اور مایوس گھر لوٹی تو راشد بھی تھوڑی دیر بعد اندر داخل ہوا۔ ماں کو دیکھ کر گرجنے لگا۔

''اماں...... تجھے کچھ خبر ملی...... وہ کہاں مر گئی ہے......؟'' راشد نے چلاتے ہوئے کہا۔

''ساری جگہ ڈھونڈ کر آئی ہوں...... کچھ پتہ نہیں چل رہا۔'' رشیدہ نے مایوسی سے جواب دیا۔

''اماں...... مجھے تو لگ رہا ہے تو نے ہی اسے کہیں چھپایا ہے دروازے کے ساتھ لگ کر اس سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھی...... دیکھ سیدھی طرح بتا...... تو نے اسے کہاں چھپایا ہے...... ورنہ'' راشد نے غصے سے دھمکی بھرے انداز میں کہا۔

''پاگل ہو گیا ہے...... میں بھلا اسے کیوں چھپاؤں گی...... اور اگر میں نے ہی اسے چھپایا ہے تو پھر سارا دن اسے ڈھونڈنے میں کیوں لگاتی۔'' رشیدہ نے غصے سے جواب دیا۔

''اماں...... تو بھی ایک نمبر کی جھوٹی اور مکار ہے...... تو لوگوں کے گھروں سے چیزیں اٹھا کر بھی نہیں مانی...... بیٹی کو چھپا کر کہاں مانے گی...... دیکھ سیدھی طرح بتا دے...... میرے پاس صرف ایک دن رہ گیا ہے۔ سلطانے نے مجھے قتل کر دینا ہے...... پھر مجھے بھی ڈھونڈتی رہ جاؤ گی۔'' راشد نے مایوسی سے کہا۔

''اللہ نہ کرے ایسی باتیں نہ کر...... تیرے سر کی قسم مجھے نہیں پتا...... وہ حرام خور کہاں بھاگ گئی ہے۔ اپنے ساتھ میرا بھی منہ کالا کر گئی ہے۔ ایک بار مل جائے تو میں خود ہی اس کی بوٹیاں نوچ ڈالوں۔'' رشیدہ نے غصے سے کہا۔

''اماں...... مجھے نہیں پتا...... اسے ڈھونڈ کر لا...... جہاں سے مرضی...... اور راشد موت کے ڈر سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

''کہاں ڈھونڈوں...... تو ہی بتا......'' رشیدہ نے بے بسی سے جواب دیا اور اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ رونے لگا تو اسے اپنے ساتھ لگا کر خود بھی رونے لگی۔

''اماں...... سلطانہ مجھے نہیں چھوڑے گا...... وہ...... وہ مجھے قتل کر دے گا...... وہ بڑا ظالم ہے...... تو اسے نہیں جانتی...... اس نے پہلے بھی دو قتل کیے ہیں......'' راشد روتے ہوئے بولا۔

''تو ہی بتا...... میں کیا کروں......؟ رشیدہ نے پریشانی سے جواب دیا۔ راشد غصے میں اٹھ کر باہر چلا گیا اور رشیدہ سوچوں میں گم پریشان بیٹھی رہی۔

''دو راتیں گزر چکی تھیں اور راشد گھر سے غائب تھا...... رشیدہ کا دل بری طرح بے قرار تھا۔ ہر آہٹ پر چونک کر دروازے کی جانب بھاگتی۔

ساری رات آنکھوں میں کاٹتی...... راشد کے لیے ہر پل، ہر لمحہ دعائیں مانگتی کہ وہ خیریت سے ہو...... منی یاد آتی تو اس کے لیے دل بھر

آتا مگر اسے کوسنے بھی خوب دیتی۔ زندگی نے ایسا کٹھن موڑ لیا تھا کہ اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ اس کے لیے عرصہ حیات تنگ ہو رہا تھا۔ اتنی پریشانی، اتنی مایوسی، اتنا دکھ اور اتنا کرب اس کے اندر پھیل گیا تھا کہ اس سے سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ ایسی بے بس ہو گئی تھی کہ کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔ نہ راشد کو ڈھونڈ کر گھر لا سکتی تھی اور نہ ہی مٹی کو...... وہ محبت کے ہاتھوں مجبور ماں تھی۔ اور اس سے محبت کی وجہ سے ہی اس نے اتنی تکالیف اٹھائیں تھیں کہ وہ اسے جھوٹی اور مکار کہتا تو وہ خاموشی سے سنتی جاتی۔ وہ اس کی مار پٹائی کرتا تو وہ اف تک نہ کہتی...... اب وہ لمحہ لمحہ اس سے دور جا رہا تھا اور وہ اس کے لیے بے انتہا تڑپ رہی تھی...... بے قرار ہو رہی تھی۔ اسے کسی پل سکون نہیں آ رہا تھا۔ نہ آنکھیں خشک ہو رہی تھیں اور نہ ہی دل مطمئن ہو رہا تھا۔

"تیسری رات وہ منہ اندھیرے دیوار پھلانگ کر صحن میں کودا رشیدہ جلدی سے صحن کی طرف بھاگی۔

"راشد...... میرے لال...... کہاں تھا...... تو......؟ رشیدہ نے محبت سے اس کا سر اپنے سینے کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا اور یوں لگ رہا تھا وہ کئی دنوں کا بیمار ہو...... اور ایک لمحے کے لیے بھی نہ سویا ہو۔

"اماں...... مجھے چھپا لے...... وہ...... میرے پیچھے ہے۔" راشد نے ماں کے گلے لگ کر روتے ہوئے کہا۔

"کون......؟"

"سلطان...... اور اس کے بندے......" راشد نے بمشکل جواب دیا۔

"چل...... اندر میں تجھے کہیں چھپاتی ہوں۔" رشیدہ نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا اور اسے کمرے کی جانب لے کر جانے لگی۔

اچانک کوئی صحن میں کودا اور اس نے جلدی سے دروازے کی کنڈی کھولی۔ سلطان اور اس کے دو ساتھی ہاتھوں میں پستولیں پکڑے گھر میں داخل ہوئے۔ راشد اور رشیدہ گھبرا گئے۔

"راشد اب تو نہیں بچ سکتا...... میرے پیسے نکال یا پھر......؟ سلطان نے اس کی جانب پستول تان کر کہا۔

راشد نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا...... اسے فرار کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ ماں کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

"آج میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔" سلطان غصے سے بولا۔

راشد نے دیوار کے ساتھ لگی لکڑی کی سیڑھی کی جانب بھاگا رشیدہ سلطان کے اوپر گری تو اس نے اسے اٹھا کر دوسری جانب پھینکا وہ فرش پر گر کر کراہنے لگی۔ سلطان راشد کے پیچھے بھاگا راشد سیڑھی کے آخری ڈنڈے پر کھڑا تھا جب سلطان نے اس پر گولی چلا دی اور وہ کافی اونچائی سے فرش پر آ گیا گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی۔ اس کے جسم سے خون کے فوارے ابل پڑے۔ وہ رشیدہ کے قریب فرش پر آ گرا۔ رشیدہ سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ اونچی آواز میں چلانے لگی۔ سلطان کو گالیاں بکنے لگی۔ اونچی آواز میں ماتم کرنے لگی۔ سلطان اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ رشیدہ، راشد کے کبھی ہاتھ پکڑتی۔ کبھی اس کی آنکھیں کھول کھول کر دیکھتی۔ کبھی اس کے منہ میں انگلی ڈال کر زبان ہلا کر دیکھتی۔ کبھی اس کی ناک کے آگے ہاتھ ہلا کر سانسیں چیک کرنے کی کوشش کرتی...... وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا تھا اور رشیدہ اس کو تڑپتے دیکھ کر مر رہی تھی۔ وہ اونچی آواز میں چلا رہی تھی۔ بین کر

رہی تھی۔ ارد گرد سے لوگ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ ہر طرف کہرام مچ گیا۔ پولیس آئی اور راشد کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے لے گئی۔ پورے علاقے میں خبر پھیل چکی تھی۔

زکیہ آپا نے منی کو راشد کے قتل ہونے کی خبر سنائی تو وہ بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

"میں ابھی گھر جاتی ہوں...... اماں کا تو برا حال ہو رہا ہوگا...... ابا جی اماں کو کون تسلی دے گا...... مجھے جانا چاہیے۔" منی نے روتے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹا...... اس وقت تمہارا جانا مناسب نہیں، ہو سکتا ہے سلطان وہیں کہیں ہوگا...... صورت حال دیکھ لینے دو...... پھر چلی جانا۔" زکیہ آپا نے اسے سمجھایا تو وہ خاموش ہو گئی اور سارا وقت روتی رہی۔ راشد اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتا رہا۔ جب وہ دونوں چھوٹے تھے دونوں مل کر خوب کھیلتے تھے۔ وہ اسے سائیکل پر بٹھا کر گھمانے لے کر جاتا تھا۔ اس کے لیے چیزیں لاتا تھا۔ دونوں پڑھتے ہوئے کتنا لڑتے تھے پھر صلح کر کے پڑھنے لگتے...... پھر کھیلنے لگتے...... کبھی لڑتے لڑتے ہنس پڑتے اور کبھی ہنستے ہوئے رونا شروع کر دیتے۔ دونوں میں بہت محبت بھی تھی اور دونوں بہت جھگڑتے بھی تھے...... اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے راشد بگڑ گیا۔

سدرہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

"شراب انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے...... اسی لیے تو اللہ نے اسے حرام کیا ہے...... اسے سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ وہ کیا کر رہا ہے بہت کم پینے والے اسے چھوڑتے ہیں...... یا بیمار ہو کر مر جاتے ہیں...... یا پھر نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو کر جرائم کا شکار ہو جاتے ہیں اور راشد بھی تو دن بدن جرائم کا شکار ہو رہا ہے۔" سدرہ کے الفاظ اسے مزید رلانے لگے۔ زکیہ آپا ان کے گھر گئی تو سدرہ بھی آ چکی تھی اور راشد کی لاش بھی پوسٹ مارٹم کے بعد شام کو گھر آ گئی تھی۔ رشیدہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ وہ بھاگ بھاگ کر دروازے کو کنڈی لگانے کی کوشش کرتی اور مرے ہوئے راشد کے منہ کے اوپر چادر ڈال کر اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا کر چھپانے کی کوشش کرتی۔ اس کی راشد سے والہانہ محبت دیکھ کر ہر آنکھ نم ہو رہی تھی۔ سدرہ ماں کو ایسا کرنے سے روکتی تو وہ اسے ڈانٹتی اسے گالیاں دیتی۔

سلطان کہیں فرار ہو گیا تھا۔ ہر طرف چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ لوگ بیٹھے ہوئے راشد کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ اس کی حرکتوں کا ذکر کر رہے تھے۔ اس کی شراب نوشی، چوریاں، ڈکیتیاں، جوا بازی ہر ہر بات کو سرگوشیوں میں بیان کر رہے تھے اور سدرہ ان سرگوشیوں کو سن سن کر رو رہی تھی۔ لوگ بہانے بہانے سے منی کے بارے میں بھی پوچھتے مگر سدرہ کوئی جواب نہ دیتی۔ کیونکہ زکیہ آپا نے اسے منی کے بارے میں بات کرنے سے منع کیا تھا۔ جب راشد کا جنازہ اٹھایا گیا تو ہر طرف کہرام مچ گیا۔ رشیدہ کسی کو اس کی چارپائی اٹھانے نہ دے رہی تھی۔ بہت مشکل سے جنازہ اٹھایا گیا اور وہ بھاگ بھاگ کر اس کے پیچھے جاتی...... وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں سے قبرستان تک اس کے پیچھے چلی گئی۔ کسی کو بھی راشد کو قبر میں اتارنے نہ دے رہی تھی۔ خود قبر میں لیٹ گئی۔ بڑی مشکل سے اسے ہٹایا گیا اور محلے والوں نے اسے گھر بھیجا...... مگر اسے کسی پل چین نہیں آ رہا تھا جنازے کے بعد زکیہ آپا نے آہستہ آہستہ سدرہ کو منی کے بارے میں ساری بات بتائی تو وہ چونک گئی۔

"اتنا کچھ ہو گیا...... اور مجھے کسی نے بھی نہیں بتایا۔" سدرہ نے حیرت سے پوچھا "کون بتاتا......؟ رشیدہ کی حالت تو تم دیکھ رہی ہو...... وہ تو

اپنے حواسوں میں ہی نہیں...... منی کو میں نے حفاظت سے رکھا ہے...... اگر اس حالت میں گھر آ گئی...... تو...... شاید رشیدہ ہی اسے زندہ نہ چھوڑے۔'' زکیہ آپا نے کہا۔

''نہیں...... اس کو وہیں رہنے دیں...... میں دو تین دن بعد اسے لینے آؤں گی۔'' سدرہ نے کہا تو زکیہ آپا خاموش ہو گئیں۔

کاشف کو گھر شفٹ کیا جا رہا تھا اور اس حالت میں سدرہ کا اس کے پاس ہونا بہت ضروری تھا۔ کاشف نے اسے فون کیا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''کیا بات ہے...... سدرہ......؟ کیا تم نہیں آنا چاہتی؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں...... ایسی بات نہیں...... کاشف۔ اماں...... راشد کے غم میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے...... اور......'' سدرہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

''اور...... منی کہاں ہے......؟ اس کو پھوپھو کے پاس چھوڑ دو۔'' کاشف نے کہا۔

''ہاں...... دیکھتی ہوں۔'' سدرہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

''سدرہ پلیز...... گھر آ جاؤ...... مجھے تمہاری ضرورت ہے...... میں بہت اذیت میں ہوں...... اماں مجھے سنبھال نہیں سکتی۔'' کاشف نے التجائی، مایوس کن لہجے میں کہا۔

''آپ فکر نہیں کریں...... میں پہنچنے کی کوشش کرتی ہوں۔'' سدرہ نے جواب دیا اور موبائل آف کر کے منی کو لینے زکیہ آپا کے گھر چلی گئی۔

منی اسے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دونوں بہنیں گلے مل کر خوب روتی رہیں اور زکیہ آپا دونوں کو تسلیاں دیتی رہیں ''چل...... میں تجھے لینے آئی ہوں...... اب تجھے ہی گھر سنبھالنا ہے۔ اماں کی حالت بہت خراب ہو چکی ہے۔ اسے سوائے راشد کے کچھ یاد نہیں......'' سدرہ نے روتے ہوئے کہا تو منی اس کے ساتھ چل پڑی۔ دونوں گھر پہنچیں تو گھر ایسا سونا لگ رہا تھا جیسے برسوں سے یہاں کوئی آباد ہی نہ ہوا ہو...... ہر طرف ویرانی سی چھائی نظر آئی۔

''آپا...... ہمارے گھر کو کیا ہو گیا ہے......؟ اتنی ویرانی اور اداسی تو کبھی یہاں نہیں ہوتی تھی اور اب...... ہر طرف کتنی اداسی اور پریشانی ہے۔'' منی نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا تو سدرہ جواباً کچھ نہ کہہ سکی بس خاموش اور خالی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔

''اچانک دروازہ زور سے کھلا اور رشیدہ گھر میں داخل ہوئی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ کپڑے اور پاؤں مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔ چادر گلے میں لٹک رہی تھی جس میں جگہ جگہ چھید ہو رہے تھے۔ پاؤں میں جوتی تک نہ تھی اور جگہ جگہ سے خون رس کر خشک ہو گیا تھا۔ کہیں چھالے بن گئے تھے اور کہیں زخم۔ اس کے ہاتھ میں مٹی سے بھرا لفافہ تھا۔ منی ماں کی حالت دیکھ کر اونچی آواز میں رونے لگی اور اس کی جانب لپکی۔

''اماں...... یہ تو نے کیا حالت بنا رکھی ہے؟'' منی روتے ہوئے اس کے گلے لگی۔

''پرے ہٹ...... کون ہے تو...... مجھے بڑی جلدی ہے...... مجھے اپنے بیٹے کی قبر بنانی ہے۔ یہ دیکھ میں وہاں سے مٹی لائی ہوں روز ادھر جانا پڑتا ہے۔ اب میں اپنے گھر میں اس کی قبر بناؤں گی۔ وہ میرے ساتھ سوئے گا...... وہاں اسے اکیلا سونا پڑتا ہے اور اسے بہت ڈر لگتا ہے...... یہ

دیکھو..... میں یہ مٹی لائی ہوں.....'' اور رشیدہ نے کمرے میں جا کر سوکھے گلاب کی پتیوں والی مٹی قبر کی ڈھیری کی شکل میں اپنی چارپائی کے ساتھ پھیلا دی..... منی اور سدرہ یہ منظر دیکھ کر رونے لگیں۔

''خبردار..... رونا مت..... وہ سو رہا ہے۔'' اس نے دونوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا اور انہیں کمرے سے باہر نکال دیا۔ دروازہ بند کر کے مٹی کی ڈھیری پر اپنا بازو پھیلا کر وہ لیٹ گئی۔

''آپا..... یہ..... سب کیا ہو گیا ہے.....؟ اماں..... اور اس حالت میں.....'' منی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اماں کا خیال رکھنا..... اور اسے گھر سے باہر مت جانے دینا۔ اور اپنا بھی خیال رکھنا..... دروازے کو کنڈی لگائے رکھنا میں گڈو کی ماں کو کہہ کر جاتی ہوں..... تمہارا خیال رکھے اور سن..... میرا یہ موبائل اپنے پاس رکھ..... کوئی مسئلہ ہو تو مجھے فون کر دینا..... اب میں جا رہی ہوں۔'' سدرہ نے منی کے گلے لگ کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور ذیشان کو اٹھا کر روتی ہوئی رخصت ہو گئی۔

''منی دروازہ بند کر کے لوٹی تو رشیدہ حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ تو..... کون ہے..... اور میرے گھر میں کیوں گھس آئی ہے..... نکل باہر نکل..... نہیں تو شور مچا دوں گی۔'' اور رشیدہ نے اسے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیا اور دروازے کو اندر سے کنڈی چڑھا دی۔

رات ہونے کو تھی۔ منی گھبرا رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا مگر رشیدہ نے دروازہ نہ کھولا۔ منی نے بے بسی سے ارد گرد دیکھا۔ کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا کوئی محفوظ پناہ گاہ دکھائی نہ دے رہی تھی سوائے زکیہ آپا کے..... اور وہ روتی ہوئی ان کے گھر کی طرف چل پڑی۔

☆

جب سے ماہا پیدا ہوئی تھی گھر بھر میں خوشی کا سماں تھا۔ دادو تو اس پر صدقے واری ہوتے نہ تھکتی تھیں۔ ہر وقت اسے گود میں بٹھائے رکھتیں..... ہر روز صبح سویرے اس پر سے پیسے وار کر دیتیں..... ماہا کی عقیقے کی رسم بہت شاہانہ انداز سے کی گئی۔ اسد اور مومنہ بھی ماہا کی وجہ سے بہت خوش تھے۔ اسد نے اس کے پیدا ہونے کے بعد ڈھیروں شاپنگ کی تھی۔ ماہا کا خوبصورت سا بے بی روم انتہائی خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا..... اسد نے ماہا کے لیے اتنے فراک اور کھلونے خریدے تھے کہ مومنہ حیران رہ گئی۔

''اسد..... آپ بھی حد کرتے ہیں..... پورے پچاس فراک ماہا کے لیے خرید کر لے آئے ہیں..... کیا ضرورت تھی اتنی کپڑوں کی۔''

مومنہ نے اپنے بیڈ روم میں ہر طرف رنگ برنگی فراکوں کا ڈھیر دیکھ کر حیرت سے کہا۔

''بھئی..... ابھی تو یہ کچھ بھی نہیں..... میں نے تو اپنی پرنسس کے لیے رائل ڈریسز بنوانے ہیں۔'' اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پلیز..... اسد..... یہ فضول خرچی ہے..... مت کریں..... اتنے ڈریسز پہنتے تک وہ بڑی ہو جائے گی۔'' مومنہ نے نرم لہجے میں کہا۔

''بڑی ہو گی..... تو..... اور کپڑے آ جائیں گے..... کیوں میری سویٹ ڈال (Doll)'' وہ ماہا کو محبت سے ہوا میں اچھال کر اپنے سینے کے ساتھ چمٹا کر بولا اور اسے والہانہ انداز میں چومنا شروع کر دیا۔ مومنہ اس کو یوں محبت کرتے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا۔ کہ آپ ماہا سے اتنی محبت کریں گے۔'' مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

"اور جانتی ہیں...... میں آپ سے...... اس سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں...... پہلے آپ...... بعد میں میری dolly۔"

اسد نے مسکرا کر مومنہ کے کندھے پر اپنا بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

"اسی لیے...." مومنہ کہہ کر یکدم خاموش ہوگئی۔

"پلیز...... موی...... مجھے مت یاد دلائیں۔ آئی فیل سو گلٹی (میں اپنے آپ کو قصوروار محسوس کرتا ہوں) اس رات جب آپ کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ بائے گاڈ...... میں بہت اپ سیٹ رہا تھا۔ بہت رویا تھا۔ بہت زیادہ...... میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں آپ کو ہرٹ کروں گا...... سب کچھ اچانک ہو گیا...... اور کیسے ہو گیا...... مجھے ابھی تک سمجھ میں نہیں آتا۔ آئی ایم سوری...... سویٹ ہارٹ...... رئیلی سوری۔" اسد نے مومنہ کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے اپنے دونوں ہاتھوں میں یوں تھام کر کہا جیسے اس سے معافی مانگ رہا ہوں۔

"اوکے......" مومنہ نے خاموشی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکال لیا اور انتہائی شکستہ لہجے میں جواب دیا۔

"آئی لو یو سویٹ......" اسد نے اسے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔

"آئی...... نو۔" مومنہ نے جواب دیا اور ماہا کو فیڈر سے دودھ پلانے لگی۔

"کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں...... ؟" اسد نے پوچھا۔

"نہیں......" مومنہ آہ بھر کر جواب دیا۔

"آپ کا لہجہ بتا رہا ہے کہ آپ مجھ سے خفا ہیں۔" اسد نے کریدتے ہوئے پوچھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

"موی...... پلیز...... آپ ایسی باتیں مت کیا کریں...... جب آپ خفا ہوتی ہیں تو میں کتنا ہرٹ ہوتا ہوں...... کتنا اپ سیٹ ہو جاتا ہوں...... پلیز...... موی...... مجھ سے کبھی ناراض مت ہونا۔" اسد نے اس کے ہاتھ سے فیڈر پکڑ کر ایک جانب رکھا اور اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھاما۔

"مومنہ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"موی...... آپ کی آنکھوں میں...... میرے لیے اتنے شکوے کیوں ہیں؟ اسد نے اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ اس 'کیوں' کا جواب اچھی طرح جانتے ہیں۔" مومنہ نے ہاتھ چھڑا کر فیڈر پکڑا اور ماہا کو دودھ پلانا شروع ہوگئی۔

"مومنہ...... پلیز...... آپ اس بات کو سوچنا چھوڑ دیں...... اٹ از نتھنگ (یہ کچھ نہیں ہے) اسد نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اب ہی تو زیادہ سوچنا شروع ہوئی ہوں۔" مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

"اب......؟ کیا مطلب......؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"ماہا...... کی...... پیدائش کے بعد...... کیا آپ جانتے نہیں کہ ہماری سوسائٹی میں جن بچیوں کے باپ ڈرنک کرتے ہیں۔ انھیں کتنی پرابلمز فیس کرنی پڑتی ہیں...... لوگ ان سے رشتے کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔" مومنہ نے مایوس کن لہجے میں کہا۔

"کم آن...... مومنہ...... کیا فضول اور دقیانوسی سوچ ہے...... زمانہ ترقی کر کے اوپر جا رہا ہے اور آپ کی سوچ مزید بیک ورڈ ہوتی جا رہی ہے۔" اسد قدرے خفگی سے بولا۔

"اسد...... زمانہ ترقی کرے یا سوچ...... مارل ویلیوز (اخلاقی قدریں) کبھی نہیں بدلتیں۔" مومنہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"آپ کیسی ویلیوز کی بات کر رہی ہیں......؟" اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"کیا آپ نے اپنی ویلیوز میں چینج (فرق) محسوس نہیں کیا؟" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کیسا چینج......؟ آئی ایم ہنڈرڈ پرسنٹ سیم پرسن (میں سو فیصد وہی انسان ہوں) ایز آئی واز ان پاسٹ (جو میں ماضی میں تھا)" اسد نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"مومنہ خاموشی سے اس کی جانب دیکھنے لگی اور پھر فیڈر سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ماہا کو سلانے لگی۔

"مومنہ...... آپ کی خاموشی مجھے ہرٹ کرتی ہے۔" اسد نے خفگی سے کہا مومنہ اس کی بات سن کر پھر بھی خاموش رہی۔

"پلیز...... مومی...... ایسا مت کریں۔ مجھے بتائیں...... میں نے ایسا کیا کر دیا ہے جو آپ مجھ سے یوں ناراض ہیں اور پھر مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتیں۔" اسد نے جھنجھلا کر کہا۔

"اسد...... چاہتی ہوں تا کہ ہمارے درمیان سارے اختلافات ختم ہو جائیں...... ہم خوش رہیں...... ایک دوسرے سے بہت محبت کریں کوئی شکوہ نہ کریں...... تو...... پلیز...... ماہا کی خاطر...... میری خاطر ڈرنک کرنا چھوڑ دیں...... آج وعدہ کریں میرے ساتھ...... کہ آئندہ آپ کبھی بھی ڈرنک نہیں کریں گے۔" مومنہ نے اسد کا ہاتھ تھامتے ہوئے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"جو...... الشو...... نہیں...... اس کو الشو مت بنائیں...... اور میرے ڈرنک کرنے سے آپ کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا...... جب کوئی نقصان پہنچے گا تو میں چھوڑ دوں گا۔" اسد نے غصے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ مومنہ مایوسی سے اس کی جانب دیکھنے لگی اور اس کی آنکھوں سے آنسو گر کر ماہا کے رخساروں پر گرے۔ ماہا نے اچانک آنکھیں کھولیں اور رونا شروع ہو گئی۔ مومنہ نے اسے کندھے سے لگایا اور اسے پیار کرنے لگی۔

☆

مریم اور معیز میں ہر روز جھگڑا ہوتا تھا۔ ہر دوسرے روز چھوٹی چھوٹی باتوں کو طول دے کر جھگڑا کرنا، ہر روز کا معمول تھا۔ معیز روز روز کی اس چخ چخ سے تنگ آ گیا تھا۔ بات کچھ بھی نہ ہوتی تھی مگر بہت بڑی ہو کر سامنے آ تی تھی۔ مریم ہر وقت مشتعل رہتی۔ اس کے اندر ایک اضطراب تھا جو اسے سکون نہیں لینے دیتا تھا۔ اس کا ذہن ہر وقت الجھنوں کا شکار رہتا۔ معیز فطرتاً نیک اور شریف انسان تھا جو مریم سے ہر ممکن تعاون کی کوشش کرتا مگر مریم کو اس میں کوئی اچھائی نظر ہی نہ آتی۔ اس کی اچھائیاں اسے معیز کی کمزوریاں نظر آتیں۔ وہ ہر وقت کسی ناگن کی طرح پھن پھیلائے بیٹھی رہتی۔ معیز کی ماں خدیجہ کمزور اور بیمار عورت تھی جس سے مریم کو بہت چڑ تھی۔ معیز چاہتا تھا کہ مریم اس کی ماں کی خدمت کرے مگر مریم نے شادی کے

فوراً بعد ہی دوبارہ یونیورسٹی جانا شروع کر دیا اور خدیجہ گھر میں پھر اکیلی ہو گئی۔ معیز بار بار دفتر سے ماں کو فون کر کے ان کا حال پوچھتا۔ ضرورت محسوس ہوتی تو خود گھر آ کر ماں کو ہسپتال لے کر جاتا۔ خود ان کی ساری دیکھ بھال کرتا مگر مریم کو ذرا خیال نہ آتا۔ وہ شادی کے بعد اس قدر بدل گئی تھی کہ زکیہ بیگم خود بھی حیران ہوتیں کہ ان کی سکھائی ہوئی تربیت کہاں ضائع ہو گئی ہے۔ مریم بالکل مختلف روپ میں ان کے سامنے آئی تھی۔ ان کا سمجھانا اس پر قطعی اثر نہ کرتا۔ کبھی وہ بالکل خاموش ہو جاتی...... یا...... پھر رونا شروع کر دیتی...... اور کبھی کبھی تو مشتعل ہو کر بولنا شروع کر دیتی اور زکیہ بیگم حیرانگی سے اسے دیکھتی رہتیں۔

"مریم...... تم خدا کا شکر کیوں نہیں ادا کرتیں کہ خدا نے تمہیں اتنا نیک سیرت اور شریف شوہر دیا ہے۔ ساس بھی بہت اچھی ہیں...... تمہیں ان لوگوں کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی ٹینشن نہیں۔" زکیہ بیگم اسے محبت سے سمجھاتیں۔

"شکر کے ساتھ صبر بھی کر رہی ہوں...... وہ آپ کو دکھائی نہیں دیتا۔" مریم خفگی سے منہ بنا کر بولی۔

"کس چیز کی کمی ہے...... معیز میں...... خوب صورت اور خوب سیرت انسان ہے...... اور کیا چاہیے تمہیں؟" زکیہ بیگم نے نرمی سے کہا۔

"مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے...... اور...... میری اتنی اوقات ہی کہاں کہ کچھ چاہ سکوں...... میں آپی تھوڑی ہی ہوں۔" مریم نے آہ بھر کر جلے بھنے لہجے میں جواب دیا۔

"مریم...... تم کس طرح کی باتیں کرنے لگی ہو...... تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے تو تم ایسی نہیں تھیں...... مجھے تم دونوں پر فخر محسوس ہوتا تھا۔ تم دونوں میں اپنی تربیت کا رنگ دیکھ کر خوشی ہوتی تھی۔" زکیہ بیگم نے کہا۔

"اور...... اب...... مجھے دیکھ کر آپ کو دکھ ہوتا ہے...... نا...... مجھے بھی اپنے آپ کو دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے...... جس کی قسمت میں پہلے بھی محرومیاں تھیں اور آگے بھی محرومیاں ہیں...... کیا میری زندگی میں ہمیشہ محرومیاں ہی رہیں گی......" مریم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اتنی جلدی...... ہمت ہار بیٹھی ہو...... ابھی تو لمبی زندگی پڑی ہے کیا معلوم تمہاری قسمت کیسا موڑ لے اور ایک ہی جست میں تم کہاں سے کہاں پہنچ جاؤ۔" زکیہ بیگم نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"امی...... مفروضے ہمیشہ مفروضے ہی رہتے ہیں...... حقیقت نہیں بنتے...... کیا آپ کی قسمت میں ایسا موڑ آیا جس نے آپ کی زندگی کو بدلا ہو...... آپ پچیس سال پہلے جہاں کھڑی تھیں اب بھی وہیں کھڑی ہیں...... آپ کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی ہے...... مسائل، مشکلات اور تلخیاں بڑھی ہیں...... کم نہیں ہوئیں تو پھر میری زندگی میں کیسے تبدیلی آ سکتی ہے...... کبھی بھی نہیں مجھے بھی ان محرومیوں کے ساتھ ساری زندگی گزارنا ہو گی۔" مریم روتے ہوئے بولی تو زکیہ بیگم اس کی باتیں سن کر خاموش ہو گئیں کیونکہ اس کی باتوں میں سچائی تھی...... اور ایسا ہی ہوا تھا۔ ہر آنے والا دن تلخیوں اور پریشانیوں سے پُر تھا۔ زندگی نے کبھی چند دن بھی پُرسکون نہیں ہونے دیا تھا۔ پہلے مالی پریشانیاں اور گھریلو پریشانیاں تھیں۔ اب وہ ہر وقت مومنہ اور مریم کی وجہ سے ذہنی پریشانیوں کا شکار رہتیں۔ مریم کو کیا کہہ کر تسلی دیتیں کہ اس کی قسمت بدل جائے گی جبکہ قسمت بدلنے کا کوئی عندیہ ان کے پاس نہیں تھا اور ان کی اپنی قسمت آج تک نہیں بدلی تھی۔ وہ خاموشی سے مریم کی طرف دیکھتی رہ جاتیں۔

مریم کے پارٹ ون کے ایگزامز شروع ہونے والے تھے اور وہ دن رات پڑھائی میں مصروف تھی۔ نہ وہ ڈھنگ سے کھانا بناتی نہ گھر کی صفائی ستھرائی کا اسے خیال تھا اور نہ ہی ساس کو وقت پر کھانا اور دوائیں دیتی۔ اس کی ساس گھٹنوں اور جوڑوں کی شدید تکلیف میں مبتلا تھی۔ گھر کا کوئی کام کاج نہ کر سکتی تھیں اور نہ ہی کھانا وغیرہ بنا سکتی تھیں۔ معیز خود ان کو وقت پر دوائیں وغیرہ دیتا تھا۔ وہ آفس کی طرف سے تین روز کے لیے اسلام آباد گیا تھا اور مریم دن رات اپنی پڑھائی میں مصروف تھی۔ وقت پر دوائیں نہ ملنے کی وجہ سے ساس کے جوڑوں کے درد میں زیادہ شدت آ گئی تھی اور وہ اٹھتے بیٹھتے کراہتی تھیں۔ ان کے کراہنے سے بھی مریم کو غصہ آتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر اسے ڈسٹرب کرتی ہیں۔ معیز تین روز بعد گھر آیا تو گھر کی حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ فرش اور باتھ روم گندے ہو رہے تھے۔ ماں کے کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے گئے تھے..... اور دوائیں بھی ویسی پڑی تھیں..... خدیجہ ان پڑھ بوڑھی عورت تھی..... اسے خود دوائیں کھانی پڑتی تھیں اور معیز مریم کو ہدایت کر کے گیا تھا کہ وہ اماں کو دوائیں وقت پر کھلائے ایک دن کے ناغے سے بھی ان کی تکلیف بڑھ جاتی تھی..... معیز کو دوائیں دیکھ کر غصہ آ گیا۔ ورنہ وہ کبھی بھی مریم سے ناراض نہیں ہوتا تھا۔ اس کی ہر تلخ بات پر خاموش ہو جاتا تھا۔

"اماں..... آپ نے کھانا کھایا تھا..... تو دوائیں کیوں نہیں کھائیں؟" معیز نے ماں سے پوچھا۔

"ابھی تک کھانا ہی نہیں کھایا..... دوائیں کیسے کھاتی؟" خدیجہ نے جواب دیا۔

"کیا مطلب..... ؟ شام ہو رہی ہے اور آپ نے کب سے کھانا نہیں کھایا؟" معیز نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارے جانے کے بعد صرف ناشتہ کرتی ہوں..... اور پھر رات کو کھانا اگر وہ بھی کسی کو یاد آ جائے تو....." خدیجہ نے نم آنکھوں سے جواب دیا۔

"کیا..... آپ نے کھانا بھی ٹھیک طرح سے نہیں کھایا اور ابھی تک آپ بھوکی ہیں..... مریم کہاں تھی؟" معیز نے غصے سے پوچھا۔

"پتا نہیں..... کمرے کے اندر ہی رہتی ہے..... باہر تو نکلتی نہیں۔" خدیجہ نے بتایا۔

"ٹھیک ہے..... میں کھانا لاتا ہوں....." معیز نے اپنے آپ پر بمشکل قابو پاتے ہوئے کہا اور اٹھ کر بیڈ روم میں چلا گیا۔ مریم بیڈ پر کتابیں پھیلائے پڑھائی میں مصروف تھی۔ معیز کے چہرے پر غصے کے آثار تھے۔ وہ تھکا ہارا اسلام آباد سے لوٹا تھا اور گھر آتے ہی اسے اماں کی حالت دیکھ کے غصہ آ گیا۔

"مریم..... اماں کو دوائیں کیوں نہیں دیں.....؟" معیز نے غصے سے پوچھا۔

"یاد نہیں رہیں..... میں اپنی اسٹڈی میں بزی ہوں۔" مریم نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"تمہاری پڑھائی سے زیادہ اماں کی صحت ضروری ہے"۔ وہ بولا۔

"میرے لیے میری اسٹڈیز زیادہ ضروری ہیں۔" وہ بھی غصے سے بولی۔

"اسٹڈیز کم کرنے سے کسی کو درد نہیں ہوتا اور وہ تین روز سے درد میں مبتلا ہیں..... ڈاکٹر نے انہیں سختی سے ہدایت کی ہے کہ وہ دوائیں مس

نہ کریں......اور......" معیز بولتے ہوئے رکا۔

"اور......انہوں نے آتے ہی شکایت لگا دی......" مریم نے غصے سے کہا۔

"شکایت کی کیا بات ہے......میں نے میڈیسنز خود ٹیبل پر پڑی دیکھی ہیں اب جاؤ......ان کے لیے کھانا لے کر آؤ......میں خود انہیں کھانا کھلاتا ہوں......اور پھر میڈیسنز کھلاؤں گا۔" معیز منہ بنا کر بولا۔

"میں نے کھانا نہیں پکایا؟" اس نے ہٹ دھرمی سے جواب دیا۔

"کیوں......؟" معیز نے حیرت سے پوچھا۔

"میرے پاس ٹائم نہیں......پرسوں میرے ایگزامز ہیں......" اس نے اکڑ کر جواب دیا۔

"مریم......تم......اس قدر غیر ذمہ دار بھی ہو سکتی ہو اور اتنی خود غرض......کہ جسے اپنے علاوہ کسی اور کا احساس ہی نہیں تمہیں معلوم تھا کہ میں نے بھی گھر آنا ہے اور اماں کے لیے کھانا کتنا ضروری ہے......پھر بھی تم نے کچھ نہیں پکایا۔" معیز غصے سے دھاڑا۔

"ہاں......میں غیر ذمہ دار بھی ہوں......اور خود غرض بھی۔

اپنی جیسی کوئی ذمہ دار لے آؤ......میں تم لوگوں کے کسی کام کی نہیں......اب میرا اور تمہارا ساتھ زیادہ دیر نہیں چل سکتا......تم نے میری جتنی انسلٹ کرنی تھی کر لی......اب اتنی انسلٹ کے بعد میں اس گھر میں نہیں رہ سکتی......میں صبح ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔" وہ غصے سے بولی۔

"معیز ایکدم حیران رہ گیا۔ اسے قطعی توقع نہ تھی کہ وہ یوں گھر چھوڑنے پر تیار ہو جائے گی وہ اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

"پلیز......بات کو سمجھنے کی کوشش کرو......میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم گھر چھوڑ کر چلی جاؤ" معیز نے ایکدم اپنا لہجہ نرم کرتے ہوئے کہا۔

"مطلب جو بھی ہو......اب میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی......اور ویسے بھی ساتھ رہنے کا فائدہ ہی کیا ہے......؟" شادی شدہ کے ٹیگ۔" کے علاوہ نہ تمہیں مجھ سے کوئی فائدہ ہے اور نہ مجھے تم سے......اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس سو کالڈ میرج کو ختم کر دیا جائے۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولی تو معیز حیرت سے اس کی جانب دیکھتا رہ گیا اور وہ غصے سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

اگلے روز وہ معیز کے آفس جانے کے بعد اپنا ضروری سامان سمیٹ کر میکے چلی گئی۔ زکیہ آپا تو اسے یوں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"معیز کہاں ہے......اور......تم......؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں اسے چھوڑ آئی ہوں......ہمیشہ کے لیے۔" وہ اکڑ کر بولی۔

"چھوڑ آئی ہو......کیوں......؟" زکیہ آپا نے گھبرا کر پوچھا۔

"میرا اور اس کا ساتھ ناممکن ہے۔" وہ بولی۔

"کیا بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو......تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔" زکیہ آپا خفگی سے بولیں۔

"جو مرضی سمجھیں......مگر میں اب اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔" وہ اپنا بیگ کھولتے ہوئے بولی۔

"کیا تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" زکیہ آپا نے پوچھا۔

"وہ تو ہر روز ہوتا ہے....." وہ طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے بولی۔

"مریم..... تمہیں کیا ہو گیا ہے..... اچھا خاصا..... اپنا بسا بسایا گھر خود اپنے ہاتھوں سے اجاڑنے پر تلی ہو....." وہ غصے سے بولیں۔

"آپ کی نظر میں بسا بسایا ہے نا..... میری نظر سے دیکھیں۔ جو ایک بار بھی نہیں بسا۔" وہ غصے سے بولی۔

"اور تمہاری نظر میں وہ کیسے بسنا چاہیے؟" زکیہ آپا نے پوچھا۔

"گھر میں خوشی، سکون اور خوشحالی ہو تو وہ بستا ہے اور جس گھر میں محرومی، اداسی، بیماری اور تنگدستی ہو..... وہ گھر نہیں ہوتا..... عسرت کدہ ہوتا ہے..... میرا وہاں دم گھٹتا ہے۔ معیز تنخواہ لاتا ہے تو سب سے پہلے اماں کی دوائیں اور گھر کا خرچہ لگاتا ہے..... میرے لیے کچھ بچے یا نہ بچے..... شادی کے بعد میں نے اس کے مسائل ہی دیکھے ہیں..... کبھی ایک دن کی خوشحالی نہیں دیکھی..... وہاں صرف حسرتوں کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں..... خواہشات کا پورا ہونا تو بہت دور کی بات ہے..... میں نے اپنی بہت سی خواہشات کا خود گلا گھونٹا ہے اور بہت سی خواہشات کو پیدا ہی نہیں ہونے دیا۔ کتنی چھوٹی چھوٹی خواہشات تھیں کہ شادی کے بعد یوں ہوگا میں یوں کروں گی..... وہ سب حسرتیں بن کر میرے سامنے آ گئیں۔ امی..... ایک خواہش ہوتی ہے نا..... میری ایک خواہش بھی پوری نہیں ہوئی..... میں ایک زندہ لاش کی طرح اس گھر میں ہوں..... میں کیا ہوں.....؟ کسی کو اس سے سروکار نہیں..... میں کیوں ہوں؟ کسی کو اس سے غرض نہیں..... میں ہوں یا نہیں..... اس سے بھی کسی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا..... اس لیے میرا وہاں نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ کم از کم میں یہاں سکون سے تو رہوں گی نا..... ہر وقت محرومیاں اور بیماری مجھے بے چین تو نہیں کرے گی۔" مریم نے سسکتے ہوئے کہا تو زکیہ آپا کا دل بھیج گیا اور انہوں نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"شاید..... مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔" زکیہ آپا نے آہستہ آواز میں کہا۔ اور اپنی نم آنکھوں کو اپنے دوپٹے کے پلو سے رگڑنے لگیں۔

☆

ماہا جوں جوں بڑی ہو رہی تھی۔ سارے گھر والوں کی آنکھوں کا تارا بنتی جا رہی تھی۔ دادو تو اس کے بغیر سانس نہیں لیتی تھیں۔ ہر وقت ان کے کمرے میں ان کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھ جاتی اور ان کی چیزوں کو چھیڑتی رہتی۔ مومنہ کبھی کبھار ناراض ہو کر اسے ڈانٹتی تو دادو خفا ہونے لگتیں۔ دادو کے علاوہ ملازم بھی اسے اٹھائے اٹھائے پھرتے..... جب سے ماہا پیدا ہوئی تھی۔ شاہ اس کا بہت خیال رکھتی تھی۔ اس کو نہلانا، دھلانا، جھولے جھلانا سب اس کی ذمہ داری تھی۔ مومنہ..... شاہ کا بہت خیال رکھتی تھی۔ جب سے ثروت بوا نے اپنے اندیشے ظاہر کیے تھے تب سے وہ بہت محتاط ہو گئی تھی اور شاہ کو کہیں بھی اکیلے نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ خصوصی طور پر اپنے بیڈ روم میں اسے بالکل بھی نہیں آنے دیتی تھی۔ صرف اس وقت بلاتی جب وہ اکیلی بیڈ روم میں ہوتی۔

دن بدن شاہ میں بہت نکھار آتا جا رہا تھا۔ پہننے اوڑھنے میں بھی سلیقہ نمایاں ہو رہا تھا۔ پہلے وہ گہرے شوخ رنگوں کے پرنٹس پہنتی تھی اب ان کی جگہ ٹھنڈے، خوشگوار اور ڈیسنٹ پرنٹس پہننے لگی تھی۔ اس کی صحت بھی بہت بہتر ہو گئی تھی اور ادب و آداب میں بھی نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ یا شاید مومنہ کو دیکھ دیکھ کر اس میں کچھ مثبت تبدیلیاں آ رہی تھیں..... مگر دوپٹہ اوڑھنے کے بارے میں وہ ابھی بھی غیر محتاط تھی۔ فیشن بھی اچھا کرتی تھی۔

پہلے اس کی ہر بات میں مردوں کا ذکر کہیں نہ کہیں سے آ جاتا تھا...... اب وہ ذکر تو کرتی تھی مگر قدرے محتاط انداز میں...... یا...... پھر مومنہ کے سامنے محتاط رہتی...... کیونکہ مومنہ اکثر اسے ایسے تذکروں سے ڈانٹتی تھی۔ مومنہ نے اس کو ہمیشہ فاصلے پر رکھا تھا۔ کبھی بھی اس کے ساتھ انتہائی گہرے اور دوستانہ تعلقات نہیں بنائے تھے...۔ اس لیے وہ بھی مومنہ سے زیادہ باتیں کرنے سے گریز کرتی تھی۔

اسد نے رفتہ رفتہ زیادہ ڈرنک کرنا شروع کر دیا تھا۔ کبھی کم کر دیتا...... کبھی زیادہ...... کبھی ہفتے میں ایک بار...... کبھی دو بار اور اب ایک ہفتے سے ہر دوسرے روز کرنے لگا اور مومنہ کو اس بات سے سخت تشویش ہونے لگی تھی۔ اس بات سے دونوں میں ہر روز بحث و تکرار ہوتی۔ دونوں غصے میں آ جاتے اور بات تلخی پر ختم ہو جاتی۔ مومنہ یا تو رونے لگتی یا پھر کمرے سے باہر نکل جاتی۔ اسد جب بھی کمرے میں ڈرنک کرتا تو مومنہ کو اس کی موجودگی سے کراہت محسوس ہونے لگتی۔ اس کا سانس گھٹنے لگتا...... مگر وہ مجبوراً بیٹھی رہتی کہ کہیں دادو اس سے اسد کے بارے میں کچھ پوچھ نہ بیٹھیں اور اس نے یہ بات شدت سے محسوس کی تھی کہ جب سے دادو کو اسد کے ڈرنک کرنے کے بارے میں معلوم ہوا تھا وہ مومنہ سے نظریں ملا کر بات نہیں کرتی تھیں اور مومنہ کو بار ہا محسوس ہوا جیسے وہ اس سے شرمندہ ہوں اور اسد سے تو انہوں نے زیادہ بات چیت ہی چھوڑ دی تھی... صرف ضرورت کے وقت اس سے بات کرتیں ورنہ اسے دیکھ کر خاموش ہو جاتیں اور ان کی آنکھیں نم ہونے لگتیں اسد نے بھی اس بات کو محسوس کیا تھا مگر وہ یہ بات ان سے ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یا اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ ان کے سامنے کھڑا ہو کر اس بات کا اعتراف کرتا کہ وہ واقعی ڈرنک کرتا ہے۔ دادو اپنے آپ میں اتنی جرأت اور ہمت محسوس کر رہی تھیں کہ اس سے کچھ پوچھتیں، اور نہ ہی وہ...... گھر میں عجیب قسم کی افسردگی اور مردنی سی چھائی رہتی تھی۔

شاید رشتوں میں تناؤ بڑھتا جا رہا تھا...... یا...... دل ایک دوسرے سے دور ہو رہے تھے...... یا پھر روحیں مضطرب ہو رہی تھیں۔ مگر کچھ ایسا تھا جس نے گھر کی فضا کو قدرے بے قرار بنا دیا تھا اور اس بے قراری کی وجہ کسی کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔

شام گہری ہو رہی تھی۔ مومنہ...... ماہا کے ساتھ بیڈ روم میں اس کے کھلونوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ ماہا نے جب سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر چلنا شروع کیا تھا۔ وہ ایک منٹ کے لیے ٹک کر نہیں بیٹھتی تھی۔ کبھی کسی چیز کو پکڑ کر کھینچتی اور اسے گرا دیتی مومنہ ایک چیز اس کے ہاتھ سے پکڑ کر رکھتی تو وہ دوسری پکڑ لیتی۔ مومنہ سارا وقت اسی کام میں مصروف رہتی۔

"اسد کمرے میں داخل ہوا تو دونوں کو کھیلتا ہوا دیکھ کر مسکرانے لگتا ہے...... میں ٹھیک ٹائم پر آیا...... اب تینوں مل کر کھیلیں گے...... آج میں بھی بہت خوش ہوں۔" اسد نے اپنا کوٹ اتار کر صوفے پر رکھتے ہوئے کہا۔ اور مسکرا کر مومنہ کی جانب دیکھنے لگا۔

"خیریت......؟ کس بات پر اتنا خوش ہو رہے ہیں" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اٹس اے سرپرائز...... آپ پہلے دادو کے پاس جائیں...... وہ آپ کو یاد فرما رہی ہیں...... پھر جلدی سے واپس آئیے تو پھر میں آپ کو خوشخبری سناؤں گا۔" اسد نے مسکراتے ہوئے کہا تو مومنہ جلدی سے بیڈ پر سے اٹھی اور اپنے دوپٹے کو ٹھیک طرح سے سر پر لیتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"جی...... دادو...... آپ نے یاد کیا ہے۔" مومنہ نے دادو کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بہو..... بیگم..... ہم نے ایک بہت برا خواب دیکھا ہے اور اس کی وجہ سے بہت پریشان ہیں..... لگتا ہے..... ہماری زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔" دادو نے آہ بھر کر کہا۔

"پلیز..... دادو..... آپ ایسی بات مت کریں..... پلیز....." اور مومنہ رونا شروع ہو گئی۔

"بہو بیگم..... ہم تو اب چراغ سحر ہیں..... کسی بھی وقت گل ہو جائیں گے..... اور یہ حقیقت بھی ہے..... حقیقت سے انکار ممکن نہیں..... ہم نے آپ کو اس لیے زحمت دی ہے کہ ہم اب اپنا سب کچھ آپ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں..... بلاوے کا کیا ہے..... کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔" دادو نے نم آنکھوں سے کہا۔

"دادو..... مجھ سے یہ سب نہیں ہوگا..... آپ کے بغیر یہ گھر..... اور ہماری زندگیاں کتنی ادھوری رہ جائیں گی۔ کیا آپ نے اس کے بارے میں سوچا ہے.....؟ خدا کے لیے ایسی باتیں مت کریں..... یہ گھر اور اس کی ہر شے آپ کی ہے..... اور آپ ہی ان سب کی مالکہ ہیں..... مجھے کچھ نہیں چاہیے..... سوائے آپ کی دعا اس کے مومنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر چومتے ہوئے کہا۔

"آپ کی محبتوں کا شکریہ..... مگر ہم بھی کوئی بوجھ سینے پر لے کر اس دنیا سے جانا نہیں چاہتے..... ادھر آئیے....." دادو نے اپنے کمرے کی ایک دیوار پر لگے بٹن کو دبایا تو ایک پردہ پیچھے سرکا اور اس کے پیچھے ایک بڑی لوہے کی الماری نظر آنے لگی۔ دادو نے اسے کھولا اور اس کے اندر سے چابیوں کا بہت بڑا گچھا نکالا اور ایک ایک چابی مختلف خانوں میں لگاتی رہیں..... کسی میں ڈائمنڈ کے سیٹ انتہائی قرینے سے سجے تھے۔ کسی میں سونے کے زیورات، کسی میں کنگن، کسی میں سونے کے کپ، پازیبیں اور ایک بڑے خانے میں کافی زیادہ کیش تھا۔

"یہ سب آپ کا ہے....." دادو نے سب کچھ کھول کر ان کو دکھاتے ہوئے کہا۔ مومنہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"اتنا سب کچھ..... دولت، زیورات، نعمتیں، آسائشیں قدرت اس پر کتنی مہربان ہو رہی تھی۔

"دادو..... مجھے کچھ نہیں چاہیے..... مجھے ان چیزوں کی بالکل بھی ضرورت نہیں۔" مومنہ نے ان کی طرف پشت کرتے ہوئے کہا۔

"بہو بیگم..... یہ سب چیزیں قدرت کی عنایتیں ہوتی ہیں اور اس کے کرم سے ملتی ہیں..... یہ سب کچھ ہر ایک کے نصیب میں کہاں؟ اور جس کو ملے..... اسے اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے..... نعمتیں آہستہ آہستہ زحمتیں تب بنتی ہیں جب انسان ان کی ناشکری کرتا ہے، ان کا استعمال ٹھیک طریقے سے نہیں کرتا..... اس میں سے دوسروں کا حق ادا نہیں کرتا..... اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ آپ نعمتوں کا شکر ادا کرنے والی بنیں..... اور ہمیں امید ہے آپ ایسا ہی مظاہرہ کریں گی۔" دادو نے اسے محبت سے سمجھایا۔

"مگر دادو..... میرے پاس پہلے ہی بہت کچھ ہے..... مجھے ان کی ضرورت نہیں۔" مومنہ نے کہا۔

"بہو بیگم..... یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے..... اور قدرت کا آپ پر بہت بڑا انعام ہے کہ آپ کا دل بھرا ہوا ہے ورنہ انسان کے حرص، طمع اور لالچ کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ ایک چیز پاس ہوتی ہے تو دوسری کے حصول کی طمع اسے چین نہیں لینے دیتی۔ میری دو باتوں کو یاد رکھیے تو نعمت کبھی بھی آپ کے لیے زحمت نہیں بنے گی۔ ایک یہ کہ ایسی چیزوں کو اپنے مشکل وقت کا ساتھی سمجھیں کبھی کبھی انسان پر بہت بھاری وقت بھی آ جاتا ہے۔ تب یہ

چیزیں ساتھ دیتی ہیں......اور دوسرا یہ کہ مال و دولت کو عیش و عشرت اور فضول خرچی میں اڑانے کی بجائے اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو سکون قلب کے ساتھ ساتھ ثواب بھی ملتا ہے اور مال میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

بس ہمیں یہی کہنا تھا......ہماری خاندانی روایات کا خیال کیجئے اور ہم سے انجانے میں جو کوتاہیاں ہوگئی ہیں......ہمیں معاف کیجئے۔"

دادو نے مومنہ کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر محبت سے کہا تو مومنہ رونا شروع ہوگئی۔

"بس......ہماری جان......ہم آپ سے بہت شرمندہ ہیں......ہمیں معلوم نہیں تھا......اگر معلوم ہوتا تو شاید......" دادو نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی جانب بغور دیکھا اور ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"دادو......آپ کے آنسو مجھے کمزور بنا دیں گے۔ مجھے آپ کی محبت اور حوصلہ افزائی چاہیے......" اس نے دادو کے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"جیتی رہیے......ہمارا سب کچھ آپ کے لیے ہی تو ہے۔" اور دادو نے محبت سے اس کی پیشانی چومی اور اسے اپنے گلے کے ساتھ لگا کر پیار کرنے لگیں......دونوں سسکنے لگیں۔

اسد بے حد خوش تھا اور بار بار پکوڑا کو خشن نکال کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ اسی خوشی میں اس نے وسکی کا پیگ بنایا اور اسے ٹیبل پر رکھا۔ جیسے ہی وہ ڈرنک کرنے لگا تو موبائل پر اس کی کال آگئی اور وہ کال سننے میں مصروف ہوگیا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ چلتا ہوا بیڈ روم کی بڑی سی کھڑکی کے پاس جا کر باتیں کرنے لگا۔ ماہا بیڈ پر بیٹھی کھلونوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اتری اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی وسکی کے گلاس کی طرف گئی اور گلاس میں اپنا چھوٹا سا ہاتھ ڈال کر اس کو پکڑنے کی کوشش کی مگر بھاری ہونے کی وجہ سے وہ اس سے پکڑا نہ گیا۔ وسکی اس کے ہاتھ کو لگ گئی اور جونہی اس نے ہاتھ اپنے منہ میں ڈالا تو آنکھوں کو عجیب انداز سے جھپکا۔ اسی لمحے مومنہ کمرے میں داخل ہوئی اور ماہا کو وسکی میں انگلیاں ڈال کر پھر منہ میں لے جاتے دیکھ کر بولی "ماہا......" وہ پوری شدت سے چلائی۔ اسد نے بھی بڑبڑا کر پیچھے دیکھا اور ماہا کو وسکی کے گلاس کے پاس دیکھ کر گھبرایا۔ جلدی سے موبائل بند کر کے ماہا کے ہاتھ سے گلاس ہٹایا اور چور نگاہوں سے مومنہ کی طرف دیکھا۔

مومنہ نے غصے سے ماہا کو دو تھپڑ لگائے۔

"آپ اس کو کیوں مار رہی ہیں؟" اسد شرمندگی سے بمشکل بولا۔

"پھر......کس کو ماروں......؟ اپنے آپ کو......جو اسے اس کمرے میں چھوڑ کر گئی......اور یہ نہ سوچا کہ اس کمرے کی غلاظت اسے بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔" مومنہ انتہائی غصے سے جذباتی ہو کر بولی۔

"شٹ اپ مومنہ" اسد نے غصے سے کہا۔

مومنہ......روتی چلاتی ماہا کو اپنے سینے کے ساتھ چمٹا کر رونا شروع ہوگئی۔ اسد کو اپنے رویے پر قدرے شرمندگی محسوس ہونے لگی۔

آئی ایم سوری......آئی نیور مین اٹ (میرا یہ مطلب نہیں) اسد نظریں جھکا کر بولا۔

"مومنہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"پلیز...... مومنہ...... آئی ایم سوری" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"مومنہ بابا کو اپنے گلے کے ساتھ لگائے روتی اور سسکتی رہی۔ بابا یونہی روتے روتے سو گئی تو اس نے اسے اٹھا کر اس کے بیڈ پر لٹا دیا۔ اسد بھی بہت اپ سیٹ ہو رہا تھا۔ اس نے وہ وائن گلاس اٹھا کر واش بیسن میں گرا دیا۔ مومنہ کے لیے یہ بہت حیرت کی بات تھی۔ اسد کی اس حرکت سے اس کے اندر ایک امید سی پیدا ہوئی مومنہ کے دل میں خوشی کا احساس سا پیدا ہونے لگا۔

"اسد۔۔۔ آج آپ خود ثابت کر رہے ہیں کہ ڈرنک کرنا اچھی بات نہیں۔۔۔" مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا تو اسد نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اگر یہ اچھی بات ہوتی تو آپ بابا کو دیکھ کر نہ تو چونکتے اور نہ ہی گلاس وہاں سے ہٹاتے...... کیا آپ چاہیں گے...... کہ آپ کی بچی بھی ڈرنک کرے۔" مومنہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کبھی نہیں۔" اسد نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"کیوں۔۔۔؟ کیوں نہیں چاہیں گے؟" مومنہ نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بچوں کے لیے اچھی چیز نہیں۔" اسد نے جواب دیا۔

"بڑوں کے لیے بھی یہ بہت بری چیز ہے۔۔۔ اس میں صرف اور صرف نقصان ہے۔۔۔ اگر یہ انسان کے لیے تھوڑی سی بھی بہتر ہوتی تو اللہ اس کو کبھی حرام نہ ٹھہراتا یہ مال و دولت، عزت، صحت، انسان اور پورے معاشرے کے لیے نقصان دہ ہے...... پلیز آج جس گلاس کو آپ نے گرایا ہے...... اسے ہمیشہ کے لیے گرا دیجیے...... پلیز...... میری خاطر...... بابا کی خاطر...... اور...... دادو کی خاطر...... دادو آپ کے بارے میں جان کر کس قدر ہرٹ ہوئی ہیں...... آپ کو شاید اندازہ نہیں۔" مومنہ نے کہا تو اسد خاموش ہو گیا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"پلیز...... اسد...... وعدہ کریں...... آپ آئندہ اسے ہاتھ نہیں لگائیں گے...... یہ خبیث شے ہے...... روح اور جسم کو ناپاک کرتی ہے۔" مومنہ نے اسد کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر التجائیہ انداز میں کہا۔ اسد اس کی جانب دیکھتا رہا۔

"آئی ول ٹرائے (میں کوشش کروں گا) اور اسد نے خاموشی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکال لیا اور اٹھ کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ مومنہ کو قدرے مایوسی ہوئی مگر مایوسی کے ساتھ ساتھ دل میں قدرے امید بھی پیدا ہوئی کہ شاید وہ اس کی باتوں پر توجہ دے...... شاید اس کی دعاؤں کو اللہ شرف قبولیت بخشے اور اسد کو اس کی درگاہ سے ہدایت مل جائے۔ ہو سکتا ہے اس کا دل اس خبیث شے سے پھر جائے...... اگر ایسا ہو جائے تو اس کی زندگی سے ساری پریشانیاں دور ہو جائیں...... ان کا جوڑا آئیڈیل جوڑا نظر آئے وہ کتنے خوش اور مسرور ہوں گے۔ دادو کی ساری فکریں ختم ہو جائیں گی اور ان کے لہجے میں جو اداسی اور آنکھوں میں جو نمی ٹھہر گئی ہے وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ وہ انتہائی پر امید ہو کر سوچنے لگی اور یونہی سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔

☆

معیز ذہنی طور پر بے حد پریشان تھا۔ مریم کے ایگزامز ہو چکے تھے اور وہ اسے بار بار لینے جاتا تھا مگر وہ آنے سے صاف انکار کر دیتی تھی فون کرتا تو کال ریجیکٹ کر دیتی۔ معیز کو گھر میں خاصی پریشانی کا سامنا تھا۔ بوڑھی بیمار ماں کو کس کے سہارے چھوڑ کر جاتا...... اور کوئی قریبی عزیز و رشتے دار تھا۔ ایک کام والی کو چند ضروری کاموں اور کھانا بنانے کے لیے رکھا تھا مگر وہ بھی اکثر چھٹی پر رہتی۔ معیز اس صورت حال سے سخت پریشان ہو گیا تھا۔ آفس میں بھی اسے ہر وقت ماں کی فکر لگی رہتی۔ بار بار فون کر کے ماں کو پوچھتا کبھی کھانا اور دوائیں کھلانے اسے خود آفس سے چھٹی لے کر آنا پڑتا تو کبھی ہمسائے میں کسی کو فون کر کے گھر بھیجتا...... مریم تھی کہ ایک ہی ضد لگائے بیٹھی تھی کہ اب وہ معیز کے گھر نہیں جائے گی اور معیز وجہ پوچھتا تو سوائے شکووں کے اس کے پاس کوئی ٹھوس وجہ نہ ہوتی۔

معیز آفس سے واپسی پر زکیہ آپا کے ہاں گیا تھا۔ مریم کچن میں تھی اور زکیہ آپا مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ معیز برآمدے میں لگے تخت پوش پر بیٹھا رہا اور مریم کچن میں کام کرتی رہی۔ اس نے ایک بار بھی باہر نکل کر اس کی جانب دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ زکیہ آپا نماز پڑھ کر اس کے پاس آ گئیں اور محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"مریم...... چائے لے کر آؤ۔" زکیہ آپا نے مریم کو آواز دی۔

کوئی تکلف نہ کریں۔" معیز نے کہا۔

"نہیں بیٹا...... تکلف کی کیا بات ہے...... یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔" زکیہ آپا نے محبت سے کہا۔

"آنٹی...... میں بے حد پریشان ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں...... آپ مریم کو سمجھائیں وہ میرے ساتھ گھر چلے...... اماں گھر پر اکیلی ہوتی ہیں اور......" معیز کچھ کہنے لگا تو مریم چائے کا کپ ٹرے میں رکھے باہر آ گئی۔ مریم کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"اور...... یہ کہ آپ کو نوکرانی کی ضرورت ہے...... میں کوئی ملازمہ نہیں کہ آپ کے گھر جا کر آپ لوگوں کی خدمتیں کروں۔" مریم ترش لہجے میں بولی۔

"مریم...... یہ تم کس لہجے میں اپنے شوہر سے بات کر رہی ہو...... آواز نیچی رکھو۔" زکیہ آپا نے اسے ڈانٹا تو وہ خاموش ہو گئی۔

"آنٹی...... آپ مریم سے پوچھیں...... میں نے اس کو کیا تکلیف دی ہے۔ کبھی اس کو کسی بات پر نہیں ڈانٹا...... کبھی اس پر اپنی مرضی مسلط نہیں کی...... کبھی اس پر اپنی اور اپنی ماں کی ذمہ داریاں نہیں ڈالیں...... میں اپنے اور ان کے کام زیادہ تر خود کرتا ہوں۔" مریم کو آخر کیا شکوے ہیں؟ یہ میرے ساتھ کیوں نہیں رہنا چاہتی؟ معیز نے قدرے بے بسی سے مریم اور زکیہ آپا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے آپ سے کوئی شکوے نہیں...... لیکن آپ کے ساتھ خوش بھی نہیں ہوں۔" مریم دوٹوک لہجے میں بولی۔

"مجھے بتاؤ...... میں کس طرح تمہیں خوش رکھ سکتا ہوں میں تو اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کرتا ہوں کہ......" معیز جھنجھلا کر بولا۔

"یہ آپ کے بس سے باہر ہے۔" مریم نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیوں......؟ کیا میں اس قابل نہیں...... کہ تمہیں خوش رکھ سکوں۔ معیز نے حیرت سے پوچھا۔

"اگر اس قابل ہوتے...... تو...... میں آج یہاں نہ ہوتی۔" مریم نے پھر طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

"بس کرو...... مریم......" زکیہ آپا نے پھر اسے ڈانٹا۔

معیز نے اس کی طرف نم آنکھوں سے دیکھا اور خاموشی سے اٹھ کر چلا آیا۔

"تم اس قدر بے باک اور بدتمیز ہوگئی ہو کہ تمہیں اتنا بھی خیال نہیں آیا کہ تم اپنی ماں کے سامنے بیٹھ کر اپنے شوہر کی بے عزتی کر رہی ہو...... میری تربیت کو بھی ذلیل کر رہی ہو اور اس کی عزت کو بھی...... حد کر دی ہے تم نے...... مجھے اپنی ہی نظروں میں تم نے شرمندہ کر دیا ہے...... محلے بھر کی بچیوں کو والدین شوہروں اور بڑوں کا احترام سکھانے والی کی اپنی بیٹی اس کی تربیت کا مذاق اڑا رہی ہے...۔ تم نے اسے نہیں مجھے بے عزت کیا ہے۔" زکیہ آپا اونچی آواز میں رونے لگیں۔

"مریم کو تھوڑی سی شرمندگی محسوس ہوئی...... اور وہ زکیہ آپا کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔"

"آپ اور آپی پہلے دن سے معیز کی فیور میں بولتے ہیں۔"

میرے اندر کے دکھ اور پریشانی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے میں اس گھر میں کس طرح ایک ایک لمحہ اذیت میں گزارتی ہوں۔" مریم نے روہانسی آواز میں کہا۔

"کیا قیامت تم پر ٹوٹی ہے...۔ کیا معیز تمہیں مارتا پیٹتا ہے...۔ ساس تمہیں طعنے دیتی ہے۔ کام کرواتی ہے۔ گالیاں بکتی ہے کیا کرتی ہے وہ......؟ تمہیں جو دولت اور آسائشوں کا خبط ہوا ہے نا وہ تمہیں لے ڈوبے گا۔ تم نے دولت اور آسائشوں کی خاطر اپنی زندگی کو داؤ پر لگایا ہے...... وہ زندگی کا حصہ ضرور ہیں زندگی نہیں...... تمہیں پیسے کا جنون ہو گیا ہے...... اور اس جنون میں تم رشتوں کو خراب کر رہی ہو...... مریم بہت پچھتاؤ گی۔"

زکیہ آپا نے دوپٹے سے اپنی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کہا تو مریم خاموش ہو گئی۔

"اور اگر تمہارے ذہن میں یہ کیڑا موجود ہے کہ تم معیز سے طلاق لو گی...... تو...... میرے جیتے جی ایسا کبھی نہیں ہوگا...... میں معیز میں جو دیکھتی ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہیں۔ وہ اچھا اور اعلیٰ ظرف انسان ہے، اور تم بہت کم ظرف...... جس کو اس کی اعلیٰ ظرفی نظر نہیں آ رہی۔ تم اسے ذلیل کر کے یہ سمجھتی ہو کہ تم اس پر حاوی ہو گئی ہو...... تو...... یہ غلط بات ہے...... اس کی خاموشی میں ہی اس کی اعلیٰ ظرفی ہے۔ میں اس کی ماں کو داد دیتی ہوں جس نے اپنے بیٹے کی اتنی اعلیٰ تربیت کی...... اور اپنے آپ کو کوستی ہوں جو اس کے مقابلے میں اپنی بیٹی کی کچھ بھی تربیت نہ کر سکی۔" زکیہ آپا نے غصے سے کہا تو مریم نے خاموشی سے ادھر ادھر نظریں چرا کر دیکھنا شروع کر دیا۔

"مریم...... ہر انسان میں خامیاں ہوتی ہیں، اور جس کو تم آئیڈیل سمجھ بیٹھی ہو...... وہ دور سے آئیڈیل نظر آتے ہیں۔ پاس جا کر معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں وہ کیا ہیں؟ زکیہ آپا نے بلا واسطہ انداز میں کہا تو مریم ان کی بات سن کر چونک گئی اور اسے کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا۔

☆

دادو کی طبیعت کئی روز سے خراب تھی۔ دل میں ہلکا ہلکا درد محسوس ہوتا اور طبیعت میں بھی بوجھل پن تھا۔ وہ ہر شے سے بیزار ہو گئیں تھیں نہ

کھانے کو دل چاہتا۔ نہ کپڑے بدلنے کو نہ کہیں آنے جانے کو...... ہر وقت بیڈ پر لیٹی رہتیں۔ صرف بابا کو پاس بٹھا کر اس سے کبھی کھیلتیں...... کبھی اس کو پیار کرتیں۔ تو کبھی حسرت سے اس کی طرف دیکھتی رہتیں۔ مومنہ نے اسد کو ان کی طبیعت کے بارے میں بتایا تو وہ بھی پریشان ہو گیا۔ اس نے ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لی۔ مگر دادو ڈاکٹر کے پاس جانے کو تیار ہی نہیں تھیں۔ مومنہ نے بھی سمجھایا بلکہ بہت منتیں کیں مگر دادو کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ وہاں جا کر کیا کریں گی۔ ان کا علاج ڈاکٹروں کے پاس نہیں...... مومنہ...... بابا کو لے کر اوپر چلی گئی اور اسد کو اصرار کیا کہ وہ دادو کو زبردستی ڈاکٹر کے پاس لے کر جائے اسد کے ایکسیڈنٹ کے بعد دادو اور اس میں ایک عجیب طرح سے دوری پیدا ہو گئی تھی۔ شاید وہ ان سے شرمندہ تھا...... یا پھر دادو اتنی زیادہ ہرٹ ہوئیں تھیں کہ وہ اس سے بات ہی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ جب بھی ان کے پاس آتا تو وہ بس ضروری باتوں کے علاوہ کوئی دوسری بات نہ کرتے۔ پہلے جیسی محبت، لاڈ، پیار، ہنسی، مذاق، شرارتیں سب کچھ نجانے کہاں کھو گیا تھا۔ دادو جب بھی اس کی جانب دیکھتیں تو ان کے منہ سے آہ نکلتی اور آنکھیں نم ہونے لگتیں۔

اسد دادو کے کمرے میں آیا تو وہ آنکھیں موندے سونے کی کوشش کر رہی تھیں..... اسد ان کے پاس آ کر صوفے پر بیٹھ گیا اور ان کو آہستہ سے آواز دی۔

دادو نے آنکھیں کھول دیں اور اسد نے جلدی سے تکیہ ان کے پیچھے رکھا اور اس کے سہارے ان کو بٹھایا۔

"دادو..... میں نے ایک اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے آپ کے لیے اپائنٹمنٹ لی ہے..... اٹھیے..... ان کے پاس چلتے ہیں۔" اسد نے محبت سے کہا۔

"ہمیں کہیں نہیں جانا۔" دادو نے دیوار کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں..... ہر بیماری کا علاج ممکن ہے۔" اسد نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہاں..... قدرت نے ہر بیماری کا علاج کیا ہے..... مگر اندر کے دکھ اور روح کی بے قراری کا علاج ڈاکٹروں کے پاس نہیں۔" دادو نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"دادو..... آپ..... " اسد نے کچھ کہنا چاہا۔

"آپ نے ہمیں بہت مایوس کیا ہے..... ہماری روح کو زخمی اور دل کو چھلنی کر دیا ہے۔" دادو نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔

"م..... میں..... نے؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ نے ہماری برسوں کی عزت کا بھرم توڑ دیا ہے۔ ہماری تربیت کو داغدار کر دیا ہے..... ہمیں اپنے اسلاف کے سامنے شرمندہ کر دیا ہے..... اور بہو بیگم کے سامنے بے حیثیت" دادو نے نم آنکھوں سے جواب دیا۔

"دادو..... آپ نے کس بات کو اپنی جان کا روگ بنا لیا ہے۔" اسد نے اپنے دفاع میں کچھ کہنا چاہا مگر اس کی زبان نے ساتھ نہ دیا۔

"ہمارے خاندان کا وقار اور عزت مذہب، تعلیم اور شریعت کی پاسداری سے تھا۔ ہمیں اپنی اخلاقی قدریں ہر شے سے زیادہ عزیز

تھیں...... ہمارے ہاں حلال وحرام...... جائز وناجائز، پاکیزگی اور تقدس کا ہر بات میں خیال رکھا جاتا تھا...... ہمارے شوہر فرید الدین...... اعلیٰ ظرف، نیک اور باکردار انسان تھے...... آپ کے والد ظہیر الدین کی اخلاقی قدروں اور تربیت پر ہمیں فخر تھا...... اور آپ......؟ کیا ہم آپ کی کوئی تربیت نہ کر سکے ہم آپ کو مذہب اور شریعت کی پاسداری نہ سکھا سکے...... ہم نے آپ کو کوئی اخلاقی قدریں نہیں سکھائیں...... ہمیں اپنے آپ پر افسوس ہوتا ہے...... کہ ہم کتنے نااہل ثابت ہوئے جو آپ کو اللہ کی حدود کے بارے میں نہ بتا سکے...... اسد میاں...... یہ وہ دکھ ہے جو ہر وقت ہمارے دل میں نشتر چبھوتا رہتا ہے اور ہماری روح کو پریشان رکھتا ہے...... آپ ہی بتایئے کیا ہمارے اس مرض کا علاج کسی ڈاکٹر کے پاس ہے؟

دادو نے مایوس کن لہجے میں پوچھا تو اسد نے شرمندگی سے نظریں جھکالیں۔

''آئی ایم سوری......'' اسد بمشکل بولا۔

''بیٹا...... آپ کی 'سوری' کافی نہیں...... جب انسان بھٹک جاتا ہے اور کسی غلط راستے پر چل پڑتا ہے تو اسے واپس آنے کے لیے محض 'سوری' کی نہیں...... مضبوط قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو بدلنے اور اللہ سے معافی مانگنے کی ضرورت ہوتی ہے...... اور جس راہ پر آپ چل نکلے ہیں وہ سراسر تباہی کی جانب جاتا ہے۔

بیٹا شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے۔ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے اور اچھے خاصے انسان سے ایسے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں جو اسے معاشرے میں ذلیل اور رسوا کر دیتے ہیں۔

''یہ شریف النفس انسان کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے اس کی عزت اور وقار کو ایسا نقصان پہنچاتی ہے کہ ساری زندگی کی جدوجہد بھی اس وقار کو بحال نہیں کر سکتی۔ اسی لیے اللہ نے اسے حرام ٹھہرایا ہے اور اس میں بہت مصلحتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر جو بات ہمیں دکھی کرتی ہے...... وہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا نافرمان اور گنہگار بن جاتا ہے...... جو اس کے احکامات کی پابندی نہیں کرتا...... اس پر وہ اپنا غضب نازل نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا...... اور یہ غضب کبھی بیماری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی ذلت و رسوائی کی صورت میں...... اور ہم نے ہر پینے والے کے ساتھ یہی کچھ ہوتے دیکھا ہے...... اس لیے ہمیں ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے...... ہمیں آپ سے بہت محبت ہے۔ شاید ظہیر الدین سے بھی زیادہ ہم نے آپ کے لاڈ اٹھائے ہیں۔ آپ کو تکلیف ہو تو کیا ہم چین سے بیٹھ سکتے ہیں...... اور آپ جو کچھ کر رہے ہیں اس کے بارے میں اللہ کے نبی کا فرمان ہے کہ لیلۃ القدر کی رات ہر ایک کی بخشش ہوگی مگر کچھ لوگوں کی نہیں...... جن میں سے ایک شرابی بھی ہے۔'' آپ ہی بتایئے یہ فرمان ہمیں سکون لینے دے گا کہ ہمارے دل کا ٹکڑا پروردگار کی بارگاہ میں ایک مجرم بن کر کھڑا ہو...... بخشش کا طلبگار رہو اور اسے دھتکار دیا جائے۔ مغفرت مانگے...... تو...... مغفرت نہ ملے...... معافی مانگے اور اسے معافی نہ ملے...... سوچیے اس وقت ہماری آپ کے والد اور ہمارے بزرگوں کی کیا حالت ہوگی...... جب ہم آپ کے لیے کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔'' دادو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اسد کے دل پر بھی ان کی باتوں کا گہرا اثر ہونے لگا اور وہ بھی رونے لگا۔

''معلوم نہیں...... دادو...... یہ سب کچھ کیسے انجانے میں ہو گیا؟'' اسد نے نظریں جھکائے ہوئے شرمندگی سے کہا۔

''ہم نہیں مانتے...... اگر آپ کا نفس اندر سے مضبوط ہوتا تو پہلی بار ہی اپنے ہاتھ کو جھٹک دیتے...... ہاتھ بڑھا کر پکڑنے اور پینے تک

نفس کی کوشش آپ کے عمل پر حاوی نہ ہو سکی تو اس کا مطلب ہے ہماری تربیت آپ کے نفس کو مضبوط نہ بنا سکی۔ ہم اسی لیے تو اپنے آپ کو گنہگار سمجھ رہے ہیں اور پھر ایک بار جو بڑھا ہوا ہاتھ بار بار بڑھنے لگا...... اور آپ کا نفس کمزور سے کمزور تر ہوتا گیا...... اسد ہم تو آپ کو مضبوط دیکھنا چاہتے تھے اور آپ اتنے کمزور نکلے کہ ایک بار کے گناہ کو اپنی عادت بنالیا۔" دادو نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں...... مجھ سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوگئی ہے۔" اسد نے آہ بھر کر کہا۔

"غلطی نہیں...... گناہ...... بہت بڑا گناہ...... ہے یہ...... اللہ کی حرام کی ہوئی شے کو اپنے لیے حلال سمجھنا...... کیا یہ کم بات ہے...... اس کی ایک حد کو...... اس کے حکم کو اور اس کے قانون کو توڑ کر آپ ایک چیز کو اپنے لیے کیسے حلال اور جائز قرار دے سکتے ہیں۔ کیا آپ کے پاس اس کی کوئی وضاحت ہے...... کبھی بھی نہیں ہو سکتی اسد آپ مان لیجئے کہ آپ گناہ کر رہے ہیں...... اور اب اپنے آپ کو...... اس گناہ سے بچانے کے لیے مضبوط قدم اٹھانا ہو گا...... دادو نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"میں کوشش کروں گا۔" اسد نے نم آنکھوں سے کہا اور دادو کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگا کر سسکنے لگا۔ دادو کی بھی آنکھیں بھر آئیں اور انہوں نے محبت سے اسکے سر پر پیار دیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"انسان سے بھول چوک، غلطیاں اور گناہ ہو جاتے ہیں...... اور وہ بھٹک بھی جاتا ہے...... مگر پروردگار کو اس کا گناہوں کو چھوڑ کر معافی مانگ کر اور توبہ کر کے اپنی طرف لوٹ آنا بہت پسند ہے وہ توبہ کو پسند کرتا ہے اور اس انسان سے پہلے سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے جو اسکی خاطر برے کام اور گناہ چھوڑتا ہے...... آپ بھی ایسی توبہ کیجئے کہ پروردگار کی نظر میں محبوب ہو جائیں وہ آپ سے محبت کرنے لگے اور آپ پر اپنا نظر کرم کرے۔ دادو نے محبت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تو ندامت سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"ہمارے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے...... بہت دنوں سے دل کے اندر جو چبھن اور کسک تر یاری تھی اب وہ بہت کم ہو گئی ہے...... ہم نے کہا تھا نا...... ہمیں کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں...... آپ تائب ہو جائیں گے تو ہم ٹھیک ہو جائیں گے۔ دادو نے محبت سے کہا تو وہ مسکرا دیا اور دادو کے ہاتھ چوم کر اور ان سے بہت سی دعائیں لیکر واپس آ گیا۔ مومنہ منتظر تھی کہ اسد کب اسے ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے بلاتے ہیں۔ وہ تیار ہو کر بیٹھی تھی۔ اسد کمرے میں آیا تو اس کی آنکھیں قدرے متورم اور سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرہ اترا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے...... دادو ٹھیک تو ہیں؟ مومنہ نے بے صبری سے پوچھا۔

"ہاں۔" وہ آہستہ آواز میں بولا۔

"آپ...... آپ اداس کیوں ہیں؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے شکستہ لہجے میں جواب دیا۔

"کیا دادو کو ڈاکٹر کے پاس نہیں لے کر جانا؟"

"نہیں......"

''کیوں......؟''

''اب وہ ٹھیک ہیں۔'' اسد کہہ کر واش روم میں چلا گیا اور مومنہ حیرت سے اس کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆

معیز کی ماں کی حالت دن بدن خراب ہو رہی تھی۔ گھریلو مشکلات اس قدر بڑھ رہی تھیں کہ اس سے نوکری کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ کبھی وہ آفس سے چھٹی لیتا...... تو کبھی آفس جا کر دوبارہ گھر واپس آتا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیا کرے۔ آفس والے بھی اس سے تنگ پڑ رہے تھے اور یہ خبر بھی اس کو سننے میں ملی تھی کہ شاید اسے نوکری سے فارغ کر دیا جائے۔...... اس لیے وہ چھٹی کے معاملے میں قدرے محتاط ہو گیا تھا۔ چھٹی نہ کرتا تو اماں بیمار ہو جاتی۔ وہ بہت مشکل میں پھنس گیا تھا۔ مریم تھی کہ اس کی کسی بھی بات کو سننے کو تیار نہ تھی۔ اور...... اس روز کی بے عزتی کے بعد تو اس نے دوبارہ نہ اس سے کوئی رابطہ کیا تھا نہ ہی کوئی پیغام بھیجا تھا مگر صورت حال دن بدن بگڑ رہی تھی۔ ہر وقت کی سوچیں ذہنی طور پر اسے پریشان رکھتیں...... آفس سے تھکا ہارا گھر آتا تو ماں کی دیکھ بھال اور گھر کی صفائی ستھرائی اور کھانا بنانے میں مصروف ہو جاتا۔ شادی سے پہلے زندگی اتنی تلخ نہیں تھی جتنی اب ہو گئی تھی۔ مریم نے اسے ذہنی طور پر بہت بے سکون کر دیا تھا۔ اس کا ذہن ہر وقت اس کی طنزیہ باتوں اور شکووں میں الجھا رہتا۔ وہ جو قناعت پسندی کی دولت سے مالا مال تھا اور دوست و احباب اس کے اس وصف کی تعریف کرتے تھے۔ وہی خوبی اس کے لیے بہت بڑا طعنہ بن گئی تھی۔ مریم کے نزدیک یہ خوبی نہیں بلکہ کمزور اور غیر ترقی پسند مردوں کی بہت بڑی خامی تھی۔...... جس میں وہ اپنی خامیاں چھپاتے ہیں۔ معیز کی ہر خوبی...... مریم کی نظر میں خامی تھی...... اس کا کم بولنا اس کا کومپلیکس تھا...... اس کا بحث و مباحثہ نہ کرنا...... اس میں خود اعتمادی کی کمی کی وجہ سے تھا...... اس کا انتہائی شریف اور پاکباز ہونا اس کی قدامت پسندی تھا...... اس کا سوشل نہ ہونا اس کے آگے پیچھے پھرنا...... اس کی غلامانہ سوچ کی وجہ سے تھا۔

مریم کو اس کی ہر بات میں خامیاں ہی خامیاں نظر آتیں۔ وہ خوبصورت اور سمارٹ تھا...... جب بھی اچھے کپڑے پہنتا تو وہ لباس اس پر بہت جچتا۔ وہ محبت سے مسکرا کر مریم کی جانب دیکھتا تو مریم کو اس میں وہ گریس نظر نہ آتی جو اسد میں نظر آتی تھی۔ فیملی بیک گراؤنڈ اور گرومنگ کا انسان کی شخصیت پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ شخصیت کو چمکدار اور موثر بناتی ہے۔ جیسے چمکتے دمکتے ستارے چاند کی خوبصورتی اور تابانی میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ اس طرح چہرے کی خوبصورتی کو کوالیفیکیشن، گرومنگ، اسٹائل اور اچھے خاندانی تاثرات بڑھاتے ہیں...... اور معیز کے پاس چہرے کی خوبصورتی کے علاوہ صرف ایجوکیشن تھی اور کچھ بھی نہیں اس لیے اس کی خوبصورت میں پھیکا پن تھا۔ گریس نہیں تھی۔ چارم نہیں تھا...... اس لیے وہ کبھی بھی اس کی نظر میں نہیں جچتا تھا۔ اس نے کبھی بھی اس کی تعریف نہیں کی تھی۔ کبھی پذیرائی میں خوبصورت الفاظ نہیں بولے تھے۔ کبھی اس کی جانب مسکرا کر اور شرما کر نہیں دیکھا تھا۔ کبھی اسے دیکھ کر اس کی آنکھیں محبت سے نہیں چمکیں تھیں۔ کبھی اس کی قربت میں اس کے چہرے پر سرخی نہیں آتی تھی...... کبھی اس کے وجود سے خوشی محسوس نہیں ہوتی تھی...... وہ ہمیشہ اس کی جانب سپاٹ نظروں سے دیکھتی تلخ لہجے میں بات کرتی...... اس کی باتوں میں اکثر اتنی کاٹ ہوتی کہ معیز آدھا مر کر رہ جاتا۔

اس کی محبت کا جواب وہ اتنی سرد مہری سے دیتی کہ اس قربت سے خوشی کم...... کسک زیادہ پیدا ہوتی...... اور وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ مریم ایسا

کیوں کرتی ہے......؟ کبھی کبھی اسے گمان ہوتا کہ شاید وہ کسی کو پسند کرتی تھی......لیکن ذکیہ آپا کے گھر کا ماحول دیکھ کر اسے کبھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ اس پر کسی قسم کی زبردستی مسلط کی گئی ہے...... پھر نجانے کیا مسئلہ تھا کہ مریم نہ تو اس سے مطمئن تھی اور نہ ہی خوش۔ یوں لگ رہا تھا وہ زبردستی رشتہ نبھا رہی ہو اور اب تو اس نے وہ رشتہ بھی توڑنے کا عہد کر رکھا تھا اور اس کے اس فیصلے نے معیز کو بے حد پریشان کر دیا تھا۔ اس کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے...... کس کے پاس جائے......کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ شدید ذہنی اذیت کا شکار تھا نہ راتوں کو نیند آتی تھی اور نہ ہی دن کو چین۔

بہت دن سوچنے کے بعد اس نے مومنہ کے پاس جانے کا فیصلہ کیا اور ایک روز آفس کے بعد وہ مومنہ کے گھر چلا گیا۔ مومنہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کی بہت آؤ بھگت کی۔ اسعد ابھی تک گھر نہیں آیا تھا۔ مومنہ نے اسے دادو سے بھی ملوایا...... دادو بھی اس سے بہت محبت سے ملیں۔ وہ ان سب سے مل کر بہت متاثر ہوا۔ مومنہ کا محل نما گھر...... آرائش و سجاوٹ اور ٹھاٹ بھاٹ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا۔ وہ پہلی بار یہاں آیا تھا اور اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ مومنہ اسقدر امیر اعلیٰ خاندان میں بیاہی ہوئی ہے۔ مومنہ چادر سر پر اوڑھے بہت مہذب انداز میں ڈرائنگ روم میں اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی تھی۔ ثروت اس کے لیے پر تکلف چائے لے کر آئی تھی۔ مومنہ اس کی آمد پر بہت خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔

''معیز بھائی...... آپ نے یوں اچانک آ کر مجھے چونکا دیا ہے۔'' مومنہ نے مسکرا کر چائے کا کپ اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

''بس...... مومنہ آپی...... میں بہت مجبور ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ بہت سوچنے کے بعد آپ کا خیال آیا ہے کہ آپ ہی میرے لیے اب کچھ کر سکتی ہیں۔'' معیز نے مایوسی سے کہا۔

''کیا مطلب......؟'' مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

''مریم کو آپ ہی سمجھا سکتی ہیں۔ وہ میری بات سننے کو تیار نہیں......اور ایک ہی بات پر بضد ہے۔'' معیز نے آہ بھر کر کہا۔

''کس بات پر......؟'' مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

''طلاق لینے پر۔'' معیز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیا......؟......ط......طلاق......پر۔'' مومنہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ گرتے گرتے بچا۔

''کیا آپ کو اس بات کی کوئی خبر نہیں؟'' معیز نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں......اور یہ آپ سے کس نے کہا کہ مریم طلاق لینا چاہتی ہے۔'' مومنہ کو اس کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''خود مریم نے......اور......وہ کوئی بات سننے کو تیار نہیں...... کسی بھی طرح کمپرومائز نہیں کرنا چاہتی......اور مومنہ آپی...... میں اسے طلاق نہیں دینا چاہتا...... میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں مگر اس کی نظر میں میری محبت کی کوئی قدر و قیمت نہیں...... نہ اسے مجھ سے کوئی لگاؤ ہے اور نہ ہی میرے گھر سے...... مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اسے کیسے خوش رکھوں...... پلیز آپ میری مدد کیجیے...... میرا گھر اور میری زندگی اس کے بغیر ادھوری ہے۔'' معیز نے قدرے نم آنکھوں سے کہا تو مومنہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ کئی لمحے یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے...... طلاق والی بات سے اس کے دل کو شدید دھچکا لگا تھا۔ اسے قطعی یقین نہیں آ رہا تھا کہ مریم اتنا بڑا فیصلہ کر سکتی ہے...... اور وہ بھی اسے بتائے بغیر۔

''مومنہ...... آپی...... آپ ہی بتایئے میں کیا کروں؟''معیز نے مومنہ کو خاموش اور سوچوں میں گم دیکھ کر کہا۔

''معیز بھائی مسئلہ آپ کے ساتھ نہیں۔ اس کے ساتھ ہے...... میں مریم کو اچھی طرح جانتی ہوں...... کہ اسے کیا ہوا ہے......؟''مومنہ نے آہ بھر کر کہا اور خاموش ہو گئی۔

''اسے کیا ہوا ہے......؟''معیز نے حیرت سے پوچھا۔

''اس کے خواب ٹوٹے ہیں...... اس کی خواہش بکھر گئی ہیں اور اس کا آئیڈیل ریزہ ریزہ ہوا ہے۔''مومنہ نے شکستہ لہجے میں کہا، کیا مطلب......؟''معیز نے حیرت سے پوچھا۔

''میرا گھر...... اس کی شان و شوکت...... امارت...... میرے شوہر کی گریس فل اور دولت مند پرسنالٹی...... یہ سب مریم کے خواب تھے...... جو قسمت سے مجھے مل گئے...... مجھے ان کی تمنا نہیں تھی مگر مریم کے دل میں ان سب چیزوں کی شدید تمنا تھی۔ وہ محرومیوں میں پل کر جوان ہوئی ہے...... مگر اپنی شادی شدہ زندگی کو بہت آسودہ اور خوشحال دیکھنا چاہتا تھی...... جو اسے نہیں ملی اور خواہش تو خوبصورت چمکتے ستارے کی مانند ہوتی ہیں۔ جن کو پانے کی تمنا میں انسان کتنا تڑپتا اور بھٹکتا رہتا ہے مگر اتنی جستجو کے بعد جب ستارے بے نور نکلتے ہیں تو انسان بہت دکھی ہو جاتا ہے مریم کی خواہشات بھی ایسی تھیں...... بہت چھوٹی مگر دنیاوی...... گھومنا پھرنا...... زیورات کپڑے ٹھاٹ بھاٹ، یہ سب اسے پسند تھا...... مگر قسمت نے جو کچھ اسے دیا...... وہ اس سے مطمئن نہیں ہو پائی...... اس کا اندر مضطرب ہے اور وہ اپنے آپ کو مطمئن نہیں کر پا رہی...... اس کے اندر فرسٹریشن بڑھ رہا ہے...... وہ شادی کے اگلے روز جب امی کے ہاں آئی تھی تو بہت ناخوش تھی۔ اس کی آنکھوں میں نہ خوشی کی چمک تھی اور نہ چہرے پر سکون...... وہ بہت اپ سیٹ تھی۔ ہم نے سوچا وقت کے ساتھ بہتر ہو جائے گی...... آپ کی محبت اس کو بدل دے گی مگر اس کے لیے محبت اہم نہیں تھی اس کے خواب اہم تھے۔ جو ٹوٹ کر بکھر گئے اور وہ بھی ان کے ساتھ بکھر گئی۔

مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

''لیکن اس میں...... میرا کیا قصور ہے؟ میں تو اسے ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر وہ کسی بات سے خوش ہی نہیں ہوتی''معیز نے پریشانی سے کہا۔

''خوشی...... سکون اور اطمینان تب جنم لیتے ہیں جب انسان کا دل اور دماغ کسی ایک بات پر متفق ہو جاتا ہے۔ جب انسان منفی اور مثبت دونوں باتوں کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ جب کسی شے کی اچھائی اور برائی پر یقین کر کے اسے مانتا ہے۔ زندگی کے دونوں رخ...... خوشی اور غم...... دکھ اور سکھ...... دولت اور غربت آسائشوں اور پریشانیوں کو سمجھ کر انہیں قبول کرتا ہے لیکن اگر وہ ایک ہی بات...... ایک ہی پہلو اور ایک ہی رخ کو ماننا سمجھتا اور قبول کرتا ہے تو وہ کس طرح مطمئن رہے گا۔ کس طرح خوش رہے گا...... کس طرح اپنے آپ کو کسی بات پر قائل کرے گا۔

مریم کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے...... مریم زندگی کے صرف ایک پہلو کو قبول کرنا چاہتی ہے۔ وہ زندگی میں صرف خوشحالی، مطمئن دولتمند اور پرسکون رہنا چاہتی ہے...... دوسرے پہلو کو وہ قبول کرنے کو تیار ہی نہیں اور نہ ہی اس کو قبول کرنے کے لیے کسی طرح کا کمپرومائز کرنا چاہ رہی ہے......

قدرت بھی عجیب کھیل کھیلتی ہے۔ مجھے کبھی بھی نہ بہت زیادہ دولت کی تمنا رہی تھی نہ آسائشوں کی۔ مگر قدرت نے مجھے اپنے کرم سے بہت نوازا ہے اور مریم جوان سب کے لیے شدید تمنا اور تڑپ رکھتی تھی اسے محروم رکھا ہے...... مجھے سب کچھ دے کر آزمائش میں ڈالا ہے اور اسے محروم رکھ کر آزمائش میں ڈالا ہے۔'' مومنہ نے سنجیدگی سے جواب دیا تو معیز قدرے حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''آپی...... آپ ہی مجھے کوئی حل بتایئے۔ میں کیا کروں کہ مریم اور میں خوش رہ سکیں'' معیز نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا:

''معیز بھائی آپ نے بہت مشکل سوال پوچھا ہے جس کا جواب شاید میرے پاس ہے بھی یا نہیں...... لیکن یہی بات کہوں گی کہ آپ اپنی تعلیم کو بڑھا کر زندگی کے میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ مریم کو کامیاب اور خوشحال مرد پسند ہیں۔ چونکہ آپ کے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں سوائے تعلیم کے۔ اسی کے سہارے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ باقی میں جلدی اس کی طرف جاؤں گی اور خود مریم کو سمجھانے کی کوشش کروں گی...... آپ فکر نہیں کریں سب ٹھیک ہو جائے گا'' مومنہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

تھینک یو ویری مچ...... آپ کے پاس آ کر میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ ورنہ میں بہت مایوس ہو چکا تھا' معیز نے خوش ہو کر کہا

''مایوسی کفر ہے اس سے بچیے...... ہر تاریک رات کے بعد صبح نے نمودار تو ہونا ہی ہوتا ہے۔ ہمیشہ پُرامید رہیے...... اللہ کو پُرامید لوگ بہت پسند ہیں'' مومنہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

اب میں اجازت چاہتا ہوں ساماں گھر پہ انتظار کر رہی ہوں گی۔ معیز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں...... کھانا کھا کر جایئے گا'' مومنہ نے کہا

''پھر کبھی سہی......'' اور وہ پُرامید مسکراتا ہوا اس سے اجازت لے کر چلا گیا۔

اسد نے مومنہ کے لیے ایک بہت خوبصورت گھر اسلام آباد میں خریدا تھا اور وہ اس روز یہی سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ اس کے ڈاکومنٹس دکھانا چاہتا تھا۔ مگر نانا کی وجہ سے صورت حال اس قدر بگڑ گئی کہ وہ اسے بتا نہ سکا۔ اب وہ اسے اور دادو کو وہ گھر دکھانے کے لیے لے جانا چاہ رہا تھا۔ اسد گھر آیا تو بہت خوش تھا۔ وہ جہاز کی سیٹیں کنفرم کرا کر آیا تھا۔ اور آتے ہی اس نے مومنہ اور دادو کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ کہ اگلے روز ان کو اسلام آباد جانا تھا۔ مومنہ اور دادو بہت خوش تھیں کہ اسد میں واضح تبدیلی آ رہی تھی۔ اسد نے کئی روز سے گھر میں ڈرنک بھی نہیں کی تھی۔ بلکہ آفس سے بھی ڈرنک کر کے نہیں آیا تھا۔ یہ بات انہیں اندر ہی اندر بہت مطمئن کر رہی تھی اس لیے وہ اسد کی ہر بات ماننے کو تیار ہو جاتیں۔ گو کہ مومنہ کا دل مریم کی وجہ سے بہت بہت پریشان تھا اور وہ جانا بھی نہیں چاہ رہی تھی لیکن اسد کی خوشی کی خاطر وہ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

اسلام آباد کے پاش ایریا میں انتہائی خوبصورت اور ویل ڈیکوریٹڈ گھر دیکھ کر سب بہت خوش ہوئے۔ دادو بھی بے حد خوش تھیں اور مومنہ بھی...... ہر شے انتہائی قرینے سے سجی ہوئی تھی۔ خوبصورت وسیع و عریض سرسبز و شاداب لان میں ماہا رنگ برنگی پھولوں کو پکڑنے کے لیے ادھر سے ادھر بھاگتی پھر رہی تھی اور خوشی سے قہقہے لگاتی تو سب اسے یوں خوش دیکھ کر جھوم اٹھتے۔ وہ تین دن اسلام آباد میں رہے اور خوب انجوائے کیا۔ ادھر ادھر گھومنے پھرنے میں ہی تین دن گزر گئے۔ ایک روز مری رہنے کے بعد وہ لوگ کراچی واپس آ گئے۔ گھر آ کر وہ بے حد خوش تھے۔ ان تین دنوں

نے کئی ماہ سے پھیلی مایوسی کو دور کر دیا تھا۔ وہ جو رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے دور ہو رہے تھے پھر قریب آ گئے تھے۔ ان تین دنوں میں گھر میں رہنے کے علاوہ انہوں نے فائیو اسٹار ہوٹلز میں بھی قیام کیا تھا مگر اسد نے کہیں بھی ڈرنک نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی کسی قسم کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مومنہ اور دادو اس بات پر بار بار خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں۔ کہ اسد نے اپنے آپ کو بدلنے کا عہد کر لیا ہے۔

وہ گھر لوٹی تو اس کے سیل پر بار بار سعیر کا فون آنے لگا۔

وہ اسے بھی اصرار کر رہا تھا کہ وہ مریم کو منانے جائے۔ اور اس نے ایک دو روز میں جانے کا وعدہ کر لیا تھا۔

اگلے دو روز وہ بہت مصروف رہی۔ ثروت بوا کا سولہ سالہ بیٹا اچانک بہت بیمار ہو گیا تھا۔ اسے شدید قسم کا ہیضہ ہوا تھا اور اسے ہسپتال ایڈمٹ کرانا پڑا تھا۔ ثروت بوا اور خیرن بوا اس کے پاس ہسپتال میں تھیں۔ صرف شاہ گھر پر تھی جسے مومنہ نے چھٹی دے دی تھی کہ وہ اپنے کوارٹر میں ہی رہ کر چھوٹے بہن بھائیوں کی دیکھ بھال کرے۔ مومنہ خود سارا وقت کچن میں مصروف رہی۔ دادو اور اسد کے لیے کھانا بناتی رہی۔ اگلے روز اس نے جلدی جلدی سارے کام نمٹائے دادو کو کھانا اور دوا ئیں کھلا کر وہ ڈرائیور کے ساتھ اپنی ماں کے گھر جانے لگی تو دادو سے ملنے آ گئی۔

دادو..... میں امی کی طرف جا رہی ہوں۔ آج میرا جانا بہت ضروری ہے۔ اسد بھی دیر سے گھر آئیں گے۔ اور میں بھی رات کو ہی واپس آؤں گی۔ آپ کو اگر ضرورت پڑے تو میں نے شاہ کا نمبر آپ کے موبائل میں ڈائل کیا ہے۔ اس کو کال کر کے بلا لیجیے گا۔ اور اگر طبیعت خراب ہو تو مجھے کال کر لیجیے گا۔ میں آ جاؤں گی۔ اور آپ نے بالکل پریشان نہیں ہونا۔ مومنہ نے محبت سے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تو دادو مسکرا دیں اور محبت سے اس کے سر اور چہرے پر اپنا ہاتھ پھیر کر اور اسے دعا دے کر رخصت کیا۔

مومنہ ڈرائیور کے ساتھ گھر پہنچی تو دوپہر ہو رہی تھی۔ مریم اور زکیہ اسے اور ماہا کو یوں اچانک دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ مریم تو ماہا کو دیکھ کر پاگل ہو گئی تھی۔ اسے اٹھا کر ہوا میں اچھالتی رہی اور اس کے ساتھ لاڈ پیار کرتی رہی۔ مومنہ اس کی والہانہ محبت کو دیکھ کر مسکراتی رہی..... ماہا کو بھوک لگنے لگی تھی۔ وہ دودھ پی کر سوئی تو مریم کو اس سے فرصت ملی۔ ورنہ وہ مومنہ کے پاس بیٹھی ہی نہ تھی۔ ماہا کو سلا کر وہ اس کے پاس آ کر بیٹھی۔

"شکر ہے..... تمہیں میرے پاس بیٹھنا بھی یاد آیا" مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

"آپی..... میں تو ماہا سے اتنی اداس تھی کہ کیا بتاؤں۔ میں نے خود اس سے ملنے آ جانا تھا مگر پتا چلا کہ آپ لوگ اسلام آباد گئے ہیں۔ ویسے اسلام آباد جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟

مریم نے مسکرا کر پوچھا۔

"وہ..... یونہی..... اسد کی میٹنگ تھی۔ اور دادو کے لیے بھی آؤٹنگ ضروری تھی اس لیے اسد ہمیں بھی ساتھ لے گئے۔ مومنہ نے جان بوجھ کر گھر کی بات چھپائی کہ کہیں مریم کے دل میں مزید حسرت نہ پیدا ہو۔

"پھر آپ لوگوں نے خوب انجوائے کیا ہوگا۔ بہت گھومے پھرے ہوں گے مری بھی گئے تھے" مریم نے حسرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

ہاں گئے تھے..... لیکن گھومے پھرے نہیں کیونکہ دادو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسی لیے تو جلدی واپس آ گئے۔ مومنہ نے جلدی سے کہا۔

"مری اور اسلام آباد کا موسم تو بہت اچھا اور رومانٹک ہوگا۔ آپ لوگوں نے Stay تو فائیو سٹار ہوٹل میں کیا ہوگا" مریم نے پھر پوچھا۔

"مریم یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے..... کیسی باتیں پوچھ رہی ہو؟ زکیہ نے خفگی سے اسے دیکھ کر کہا تو وہ خاموش ہوگئی مگر مومنہ سمجھ گئی جو اضطراب اس کے اندر جنم لے رہا تھا اس کی کیا وجہ ہے۔

"مریم..... معیز کا کیا حال ہے؟..... اور..... تم کب سے ادھر ہو؟ مومنہ نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ٹھیک ہی ہوگا..... اور میں ایگزامز شروع ہونے سے پہلے آگئی تھی" مریم منہ بنا کر بولی۔

"اور ایگزامز ختم ہوئے بھی تقریباً ایک ماہ گزر گیا ہے۔تم گھر کیوں نہیں گئی..... تمہیں معلوم ہی ہے کہ تمہاری ساس کتنی بیمار ہیں۔انہیں تمہاری ضرورت ہے۔معیز آفس جائے یا ان کو دیکھے" مومنہ نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

"لگتا ہے..... معیز نے آپ کو یہاں بھیجا ہے..... "مریم نے اچانک کہا تو مومنہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا..... ؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ اس کی وکالت میں ہی بول رہی ہیں۔" مریم نے خفگی سے جواب دیا۔

"میں کسی کی وکالت میں نہیں بول رہی۔ایک جینوئن بات پوچھ رہی ہوں۔اپنا گھر اور اس کی ذمہ داریاں چھوڑ کر یہاں آ کر بیٹھ جانا کوئی عقلمندی کی بات ہے" مومنہ غصے سے بولی۔

"آپی..... اب آپ کو میرے یہاں رہنے پر بھی اعتراض ہے" مریم نے جواب دیا۔

"مریم..... تم ہر بات کا الٹا مطلب کیوں لیتی ہو..... بات کو سیدھے انداز سے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی" مومنہ نے غصے سے کہا۔

"اگر آپ سیدھی بات سننا چاہتی ہیں تو یہ ہے کہ میں معیز کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" مریم نے بھی غصے سے جواب دیا۔

"وجہ..... ؟ مومنہ نے اس کا بازو جھنجھوڑ کر پوچھا۔

"وہ حالات اور مجبوریوں کا مارا شخص ہے..... اس کے گھر اور زندگی میں گھٹن ہے..... اور میں اس گھٹن میں مرنا نہیں چاہتی..... زندہ رہنے اور آزادی سے سانس لینے کا مجھے بھی حق ہے۔" مریم نے غصے سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔

"اور اس کے لیے تم کچھ بھی کر سکتی ہو؟ مومنہ نے پوچھا۔

"ہاں..... میں طلاق بھی لے سکتی ہوں" مریم نے اکڑ کر جواب دیا۔

"خبردار..... جو تم نے طلاق کا نام بھی لیا" مومنہ نے غصے سے کہا۔

"میں خود لوں گی اور اس کے لیے کورٹ میں بھی جاؤں گی۔"

مریم نے کہا تو مومنہ کا پارہ ہائی ہو گیا اور اس نے تڑاخ سے زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر لگایا۔مریم لڑکھڑا کر کرسی پر گر گئی۔زکیہ آپا حیرت سے مومنہ کی جانب دیکھنے لگیں جو کبھی بھی اتنے غصے میں نہ آئی تھی۔

مریم نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔

"یہ...... تم دونوں کو کیا ہو گیا ہے؟ زکیہ آپا نے فکرمندی سے کہا۔

"امی...... اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ خلع لینے کی باتیں کر رہی ہے۔ اس کو اندازہ نہیں کہ کورٹس میں کس کس طرح کے سوالات عورتوں سے کیے جاتے ہیں...... ایک شریف اور نیک عورت کے لیے تو ایسے سوالات کا جواب دینا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ وہاں تب جایا جائے جب شوہر بیوی کے لیے زندگی اجیرن کر دے۔ وہاں جا کر یہ کیا کہے گی کہ اس کا شریف شوہر اسے گھمانے نہیں لے جاتا تھا۔ اس کو مہنگے زیورات اور کپڑے نہیں لے کر دیتا تھا۔ وہ اسے عیش نہیں کراتا تھا۔ اس کی خواہشات پوری نہیں کرتا تھا۔ امی کیا جواز ہے اس کے پاس۔ یہ کسی بھی بات پر کیس دائر کرنا ہی نہیں چاہ رہی تھی۔ معیز جیسے اچھے انسان کی زندگی کو اس نے عذاب میں ڈال دیا ہے۔ کیا برائی ہے اس میں......؟ مومنہ نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

"ساری برائیاں مجھ میں ہی ہیں...... وہ تو پہلے دن سے ہی آپ کی 'گڈ بک' میں ہے۔ اپنے لیے ایسا اچھا شوہر کیوں نہ ڈھونڈا۔ کیوں شادی کی...... اعلیٰ اور امیر خاندان میں۔ اپنی دفعہ سب اپنے فائدے دیکھتے ہیں۔ نصیحتیں صرف دوسروں کے لیے ہوتی ہیں۔" مریم بھی غصے سے چلائی تو مومنہ اور زکیہ آپا حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔ انہیں قطعی توقع نہ تھی کہ مریم اس قدر مشتعل بھی ہو سکتی ہے۔ وہ دونوں خاموشی سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔ مریم روتی رہی اور معیز کے خلاف بولتی رہی۔ کافی دیر رونے کے بعد وہ اٹھ کر کمرے سے باہر جانے لگی تو مومنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے پاس کرسی پر بٹھایا۔

"مریم...... اگر ہر ایک آنکھوں میں بسے خواب پورے ہونے لگیں تو یہ دنیا سب کے لیے جنت بن جائے...... اور سب کی ساری خواہشات پوری ہونے لگیں تو اللہ کی بنائی جنت کی تمنا کون کرے۔ پلیز پریکٹیکل ہو کر سوچو۔" مومنہ نے اپنا لہجہ نرم کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو تو اس دنیا میں ہی جنت مل گئی ہے...... اس لیے آپ یہ کہہ رہی ہیں" مریم نے تنک کر کہا۔

"اور میری جنت کتنی آلودہ ہے شاید تم اندازہ بھی نہیں کر سکتی" مومنہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ کو...... کیا پرابلم ہو سکتی ہیں؟ مریم نے چونک کر پوچھا

"یہ تم کہہ سکتی ہو اور...... وہ لوگ جو دور سے مجھے دیکھتے ہیں میرے دل میں کتنے بھید ہیں یہ کسی کو نظر نہیں آتے"۔ مومنہ نے نم آنکھوں سے جواب دیا۔

"آپ...... آپ کو کیا مسئلے ہو سکتے ہیں......؟ آپ کے پاس سب کچھ تو ہے...... کس چیز کی کمی ہے" مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"کبھی کبھار...... سب کچھ ہونے کے باوجود بھی انسان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ دولت چیزوں اور آسائشوں سے نہ دل کا سکون خریدا جا سکتا ہے نہ سچی خوشی...... میں کتنی مضطرب رہتی ہوں...... تمہیں کیا معلوم" مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

"آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں...... کہ آپ کو کوئی پرابلم بھی ہے۔"

مریم نے پریشانی سے پوچھا۔

"جب میری پرابلم کا حل تم لوگوں کے پاس ہے ہی نہیں..... تو بتا کر کیا کرتی" مومنہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آرہا...... آپ کیا کہہ رہی ہیں اور آپ کو کیا دکھ ہے؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں یہی تو سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ میری زندگی کو آئیڈیل مت سمجھو۔ معیز کا موازنہ اسد سے مت کرو۔ اپنے چھوٹے سے پرانے گھر کو میرے محل کے آئینے میں مت دیکھو۔ مریم ہر لحاظ سے تمہارا پلڑا بھاری ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں معیز جیسا نیک اور شریف انسان ملا۔ اس کی اور اس کی محبت کی قدر کرو...... بس میں تمہیں اتنا ہی سمجھا سکتی ہوں۔" اور مومنہ اس کو اپنے گلے کے ساتھ لگا کر روتی رہی اور مریم حیرت سے اس کے بارے میں سوچتی رہی کہ وہ کیوں اتنی مضطرب اور افسردہ ہے۔ مومنہ کی آنکھوں سے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔ آج وہ پہلی بار میکے میں آ کر اس قدر روئی تھی کہ زکیہ آپا اور مریم بھی گھبرا گئیں تھیں۔ شادی کے ڈھائی سالوں کے بعد پہلی بار اشکوں کا سیلاب سارے بند توڑ کر بہہ نکلا تھا اور اس سیلاب نے مریم کو بھی پریشان اور مضطرب کر دیا تھا۔

"مریم...... جاؤ سب کے لیے کھانا تیار کرو۔ اور مومنہ تم اب لیٹ جاؤ۔" زکیہ آپا نے مریم سے کہا تو وہ خاموشی سے کچن میں چلی گئی۔ اور مومنہ چارپائی پر لیٹ گئی...... اس کے سر میں شدید درد ہونے لگا تھا اور وہ آنکھیں بند کر کے وہیں سو گئی۔

آفس جانے کے بعد اسد طبیعت میں عجیب سا بوجھل پن محسوس کر رہا تھا۔ اس کا جی متلا رہا تھا اور سر میں بھی شدید درد ہونے لگی تھی۔ اس سے قبل وہ جب بھی ایسا اضطراب محسوس کرتا تو ڈرنک کرنے کے بعد ریلیکسڈ ہو جاتا مگر اب اسے ڈرنک کیے ہوئے کافی روز ہو گئے تھے اور وہ اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ وہ...... اور...... مومنہ کی خاطر وہ اپنے آپ سے جدوجہد میں مصروف تھا۔ مگر آج اس کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہونے لگی تھی۔ بار بار متلی سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو بلایا کہ وہ اسے گھر ڈراپ کر دے۔ دوپہر ہو رہی تھی...... نظام دین نے اسے گھر ڈراپ کیا۔

"صاحب...... گاڑی کی سروس کرانی ہے۔ اگر آپ نے کہیں جانا نہیں تو اسے سروس اسٹیشن چھوڑ دوں۔" نظام دین نے پوچھا۔

ہاں...... اور بیگم صاحب کو کب پک کرنا ہے؟ اسد نے پوچھا

"انہوں نے تو رات کو آنے کا بولا تھا" نظام دین نے جواب دیا۔

ٹھیک ہے...... اگر گاڑی کا کوئی مسئلہ ہوا تو آفس فون کر لینا ساری گاڑیاں وہیں کھڑی ہیں۔ وہاں سے ڈرائیور کو بلا لینا۔" اسد نے کہا۔

"صاحب...... آپ نے کہیں جانا تو نہیں۔"

"نہیں...... میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ آرام کروں گا" اسد کہہ کر گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ اور ڈرائیور گاڑی لے کر چلا گیا۔ گھر میں ہر طرف گہری خاموشی تھی۔ شاید دادو بھی سو رہی تھیں۔ اسد اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ اس کا دل بری طرح متلا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر واش روم میں گیا اور قے کرنے کی کوشش کی مگر نہ تو اسے قے آ رہی تھی اور نہ ہی دل کا متلانا بہتر ہو رہا تھا وہ منہ دھو کر واش روم سے باہر آیا اور نڈھال

ہو کر بیڈ پر لیٹ گیا۔اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ وہ چند گھونٹ وسکی کے پی لے تا کہ اس کی طبیعت سنبھل جائے۔مگر کبھی دادو کی باتیں یاد آجاتیں تو کبھی مومنہ کی نم آنکھیں اور کبھی بابا کا وسکی میں ڈوبی انگلیوں کو چوسنا۔وہ عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا اور اس کے اندر شدید کشمکش جاری تھی۔

اس کے سامنے اس کے عزیز اس کے چاہنے والے تھے جن کی خاطر وہ ڈرنک نہیں کرنا چاہتا تھا۔اور ان کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا اس کے علاوہ کوئی اور سوچ اس کی راہ میں حائل نہیں ہو رہی تھی۔اس نے اپنی توجہ ہٹانے کو ٹی وی لگایا اور ایک انگلش مووی دیکھنے لگا جس میں ایک پارٹی سین تھا۔اور ہر ایک کے ہاتھ میں وائن گلاس تھا۔سب لوگ پی رہے تھے اور میوزک کے ساتھ ڈانس میں مصروف تھے۔اس کے اندر پھر پینے کی طلب بڑھنے لگی۔

''مومنہ رات کو لیٹ آئے گی تب تک میں نارمل ہو جاؤں گا.....اور دادو تو اوپر آتی ہی نہیں.....گھر میں کوئی ملازم بھی نہیں.....کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔'' اسد نے دل میں سوچا.....اور اٹھ کر پیگ بنانے لگا۔پینے لگا تو پھر رکا۔دادو اور مومنہ کی ملی جلی آوازوں کی بازگشت اسے سنائی دینے لگی۔اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔اور گہری سانس لی۔

''صرف ایک بار.....آخری بار.....آج میری طبیعت بہت خراب ہے الکوحل ملی دوائیں بھی تو خراب طبیعت میں پی جا سکتی ہیں تو پھر یہ کیوں نہیں۔اس وقت میں بیمار ہوں اور بیماری میں یہ جائز ہے۔اس نے اپنے آپ کو ہر طرح سے مطمئن کرنے کی کوشش کی اور وسکی کا گلاس منہ سے لگایا۔آج اتنے دنوں بعد جو پی تو بہت لطف اور سرور محسوس کرنے لگا اس نے ایک اور پیگ بنا کر پیا اور اپنے اندر فرحت، تازگی اور بہت لطف سا محسوس کرنے لگا۔نشہ ایسا سر کو چڑھا کہ ہر شے خوبصورت اور دلفریب نظر آنے لگی۔اسے اپنا آپ ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس ہونے لگا۔وہ خود ہی قہقہے لگانے لگا۔ٹی وی کی آواز اونچی کر کے انگلش میوزک سے جھومنے لگا۔اس کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار کس طرح کرے۔

اس کا دل مستی اور سرور کے لطیف احساس سے سرمست ہو رہا تھا.....اسے مومنہ کی شدید ضرورت محسوس ہونے لگی۔

وہ اس وقت ہوتی تو اس پر لطف کیفیت کا مزہ دوبالا ہو جاتا وہ اسے پاس بہت قریب دیکھنا چاہتا تھا۔اس کی قربت سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔اس کے اندر جنسی خواہشات شدت سے پیدا ہونے لگیں تھیں اور مومنہ کو نہ پا کر وہ جھنجھلا رہا تھا۔

دادو نے ثنا کو اس کال دے کر بلایا تھا۔ان کے سر میں شدید درد نے ان کو بہت بے چین کر دیا تھا۔ثنا آئی۔اس نے سرخ کڑھائی والے سوٹ کے ساتھ چھوٹا سا چینٹ والا سفید اور سرخ پرنٹڈ دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا تھا۔وہ قدرے خوبصورت لگ رہی تھی دادو اس کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

''ثنا بیٹی.....ہمارے سر میں تیل سے ہلکی ہلکی مالش کر دیں۔درد سے بہت تکلیف ہو رہی ہے'' دادو نے نرم لہجے میں کہا۔

''جی.....بڑی بیگم صاحب.....میں ابھی لگا دیتی ہوں۔'' اور ثنا ان کے سر میں تیل لگانے لگی۔ان کو سکون سا محسوس ہونے لگا۔

''ثروت اور خیرن بوا ہاسپٹل سے آئیں کہ نہیں؟ دادو نے پوچھا۔

''نہیں.....رات کو آئیں گی۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور آپ کے بھائی کی طبیعت اب کیسی ہے؟ دادو نے پھر پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔کل چھٹی مل جائے گی۔'' اس نے جواب دیا اور اپنی مخروطی انگلیوں سے آہستہ آہستہ ان کے سر کی مالش کرتی رہی۔

"خدا..... آپ کو صحت دے۔ ہمارے سر کو سکون آ گیا ہے..... بہت شکریہ" دادو نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"اب میں جاؤں" ثناء نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ہاں..... جایئے.....' دادو نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

بیٹے..... یہ بہو بیگم اپنا بیگ اِدھر بھول گئی ہیں..... اسے ان کے کمرے میں رکھ دیں۔ ہم سونے لگے ہیں۔ کہیں اِدھر اُدھر نہ ہو جائے" دادو نے مومنہ کا بیگ اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

"جی..... بہت بہتر" ثناء نے جواب دیا اور بیگ لے کر مومنہ کے بیڈ روم میں داخل ہوئی۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی..... کھڑکیوں کے آگے دبیز پردے لٹک رہے تھے ٹی وی آن تھا اور اس پر میوزک پروگرام چل رہا تھا۔ کمرے میں ہلکی ہلکی کلون اور جیسمین کی خوشبو پھیلی تھی۔ اے سی کی وجہ سے قدرے ٹھنڈک ہو رہی تھی۔ ثناء نے مومنہ کی وارڈ روب میں بیگ رکھا اور ٹی وی آف کرنے لگی جو اس کے خیال میں یونہی چل رہا تھا۔ اسد! س کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ٹی..... وی آف نہ کرو" اسد نے بیڈ پر لیٹے ہوئے آواز دی تو وہ ایک دم چونک گئی اور گھبرا کر اسد کی جانب دیکھا۔

"آ..... آپ..... " وہ چونک کر بولی۔

"ہاں....." اسد اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

"وہ..... میں..... بیگ....." ثناء گھبرا کر بتانے لگی۔

"میں نے کچھ پوچھا تو نہیں..... اِدھر آؤ..... یہاں" اسد نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ثناء گھبرا کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"تم کب سے یہاں ہو..... اور مجھے پتا ہی نہیں..... کہ تم اس قدر خوبصورت ہو..... اتنی دلکش..... اتنی کیوٹ..... کبھی تم نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا ہے۔ چاند بھی تمہیں دیکھ کر شرما جائے" اسد محبت بھرے لہجے میں سرگوشی کرنے لگا۔ ثناء اپنی تعریف سن کر زیر لب مسکرائی اور شرما کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"تمہیں معلوم ہی نہیں..... کہ تم اتنی حسین ہو..... کسی پری سے بھی زیادہ....." اسد نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تو وہ مسکرانے لگی اور رفتہ رفتہ اس کی محبت کے سحر میں گرفتار ہونے لگی۔

"آئی۔ لو۔ یو۔ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ بہت محبت" اس نے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"محبت....." اس نے چونک کر پوچھا

"ہاں..... تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔ بہت پیاری" اسد اس کے قریب آ کر بولا

وہ قدرے شرما گئی اور زیر لب مسکرانے لگی۔ اسد نے اپنے مضبوط ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھے تو وہ گھبرا گئی۔

وہ مومنہ...... باجی......؟اس نے گھبرا کر دروازے سے کچھ تذبذب سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ رات کو دیر سے آئے گی"۔ اسد نے مسکرا کر جواب دیا۔ اور اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیا۔

اسد جیسے خوبصورت مرد کی قربت سے اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اسد کو ہمیشہ حسرت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ جیسے خوبصورت چاند کو چھونے کی تمنا تو ہر کوئی کرتا ہے مگر وہ چاند کبھی اس کے آنگن میں اتر آئے گا۔ یہ خیال ہی اسے بوکھلا دیتا ہے۔ اسد اس سے یوں محبت کرے گا اس کا دل خوشی سے سرشار ہونے لگا۔ اسد شراب کے نشے میں بدمست ہو رہا تھا۔ اس کے اندر جنسی جذبات مزید مشتعل ہونے لگے۔ اسد بالکل بھول چکا تھا کہ وہ کون تھی۔ اس کے سامنے ایک خوبصورت لڑکی تھی جس سے وہ اپنے جذبات کی تسکین اور اپنی ہوس پوری کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اسے اپنے بازوؤں میں بھرا اور وہ اس کے سحر میں بری طرح گرفتار ہونے لگی اور وہ اپنی ہوس پوری کرتا رہا۔

شام ہو رہی تھی جب مومنہ کو ڈرائیور گیٹ پر ڈراپ کر کے چلا گیا۔ بابا سو رہی تھی۔ مومنہ نے اسے دادو کے پاس لٹایا۔ دادو بھی سو رہی تھیں اور وہ خود آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر بیڈروم میں گئی۔ اس نے نقاب چہرے سے سرکایا۔ کمرے کا دروازہ کھولا تو مدھم سی ہنسی اور دبے دبے قہقہوں کی سرگوشیاں سن کر چونکی اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی۔ اسد اور ثناء کو بیڈ پر دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے۔

"ہر شرابی زانی ہوتا ہے۔ اسد ایسا نہیں...؟ آج نہیں تو کل وہ بھی یہی کرے گا" زکیہ بیگم کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

"اسد..." وہ بلند آواز میں چلائی اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہ گئی۔ اس کا بی پی ہائی ہونے لگا اور اسے شدید چکر آنے لگے۔ وہ سیڑھیوں کی ریلنگ کا سہارا لے کر وہیں بیٹھ گئی۔ اس کی ناک سے خون بہنے لگا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

ثناء بوکھلا کر جلدی سے وہاں سے بھاگی اور اسد نے مومنہ کو اٹھا کر بیڈ پر ڈالا اور ہاسپٹل میں فون کر کے ایمبولینس منگوائی وہ پہلے تو نشے میں دھت تھا مگر مومنہ کی حالت دیکھ کر ایسا شاک لگا تھا کہ سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ دادو گہری نیند سو رہی تھیں۔ اچانک ایمبولینس کی آواز سن کر چونکیں اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکلیں۔ ہاسپٹل کا عملہ مومنہ کو ایمبولنس میں ڈال کر لے جا چکا تھا۔ اسد بھی ان کے ساتھ تھا۔ گھر پر کوئی بھی نہیں تھا جس سے دادو پوچھتیں ان کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ انہوں نے گھبرا کر ثناء کو فون کیا مگر اسکا موبائل بھی آف تھا۔ گھر میں اندھیرا اور خاموشی چھانے لگی۔ بابا نے ایک دم اٹھ کر اونچی آواز سے رونا شروع کر دیا۔ دادو اسے دیکھ کر اور گھبرا گئیں۔ اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگیں مگر وہ چپ ہی نہ ہو رہی تھی۔

"یہ سب کچھ...... اچانک...... کیا ہو گیا ہے؟ اور مومنہ...... صبح تو اچھی بھلی گئی تھی۔ اسے کیا ہو گیا ہے کہ اسے ہاسپٹل لے جانا پڑا ہے......"

دادو بدحواس ہو کر بابا کو لیے کبھی لاؤنج میں جاتیں کبھی کمروں میں۔ کبھی اسد کا نمبر ملاتیں تو کبھی ثناء کا مگر دونوں ہی فون نہیں اٹھا رہے تھے۔ دادو نے گھبرا کر مریم کا نمبر ملایا اور اسے مومنہ کے بارے میں بتایا۔

مریم اور زکیہ آپا تو سن کر بوکھلا گئیں کیونکہ ایک دو گھنٹہ پہلے مومنہ بالکل ٹھیک تھی اور ہنسی خوشی ان سے رخصت ہوئی تھی پھر...... کیسے یہ سب ہو گیا......؟ مومنہ ہاسپٹل میں ہے...... کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا...... اسے کیا ہوا ہے؟ کوئی وجہ نہیں جانتا تھا۔ مریم اور زکیہ اسی وقت سطوت آپا کے

پاس آگئیں۔ مریم نے آتے ہی پاپا کو سنبھالا۔ اور اسے دودھ پلا کر سلانے کی کوشش کی مگر اسے مومنہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی اور وہ ادھر ادھر دیکھتی مومنہ کو نہ پا کر چلانے لگی۔

''سلوت آپا۔۔۔ مومنہ کو کیا ہوا ہے؟ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ابھی بھی ہمارے گھر سے آئی ہے۔'' زکیہ آپا نے پریشانی سے کہا۔

ہمیں تو کچھ بھی معلوم نہیں۔ ہمارے سر میں درد تھا۔ شاہ نے تیل کی مالش کی اور ہم سو گئے۔ ایمبولنس کی آواز سے ہماری آنکھ کھلی ہم باہر گئے تو اسد اور بہو بیگم ایمبولنس میں جا چکے تھے۔'' دادو نے فکرمندی سے جواب دیا۔

''خدا خیر کرے۔۔۔ آپ اسد بیٹے کو تو فون کریں وہ تو کچھ بتائے'' زکیہ آپا نے کہا۔

اور دادو نے پھر اس کا نمبر ملایا مگر اس نے کال ریجیکٹ کر دی۔ معلوم نہیں۔۔۔۔ اسد فون کیوں نہیں اٹھا رہا ہے؟ دادو تشویش سے بولیں

ٹھہریں۔ میں ملاتی ہوں'' اور مریم نے اپنے موبائل سے اسد کا نمبر ملایا تو اس نے کال ریسیو کی۔

اسد بھائی۔۔۔ مریم بات کر رہی ہوں۔۔۔۔ آپی کو کیا ہوا ہے؟ مریم نے پریشانی سے پوچھا۔

کیا۔۔۔۔؟ مریم شدت سے چلائی۔

''ہاں۔۔۔ تم کہاں ہو؟'' اسد نے پوچھا۔

''میں اور امی۔۔۔ آپ کی طرف آئی ہیں۔'' مریم نے گھبرا کر جواب دیا۔

''ٹھیک ہے دادو کو کچھ نہ بتانا۔ ان کا خیال رکھنا اور میں ڈرائیور کو بھیجتا ہوں۔ زکیہ آنٹی کو ہاسپٹل بھیج دو۔ ان کی یہاں ضرورت ہے۔'' اسد نے جلدی سے کہا۔

کیا میں بھی آ جاؤں؟ مریم نے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔۔ تم گھر پر ہی ٹھہرو۔۔۔۔ دادو اور پاپا کے پاس'' اور اسد نے فون آف کر دیا۔

''کیا بتایا ہے۔۔۔۔؟'' دادو نے بے صبری سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔۔۔۔ بس یونہی'' مریم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا بتائے۔ وہ نظریں چرانے لگی مگر اس کے چہرے پر انتہائی پریشانی کے تاثرات تھے۔

''بس۔۔۔۔ یونہی۔۔۔۔ کیا مطلب ہے؟ معمولی سی بات کے لیے ایمبولنس تو نہیں منگوائی جاتی'' دادو نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

وہ۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ ان کو چکر آ گیا۔۔۔۔ تو گر گئیں اور سر کو چوٹ لگ گئی تھی۔ مریم نے جلدی سے بہانہ گھڑا تو دادو اور زکیہ آپا اس کی بات سن کر پریشان ہو گئیں۔

''یا اللہ۔۔۔۔ بچی پر نظر کرم کر'' دادو نے فکرمندی سے دعا کی۔

''امی۔۔۔۔ اسد بھائی ڈرائیور کو بھیج رہے ہیں۔ آپ ہاسپٹل آپی کے پاس چلی جائیے۔'' مریم نے آہستہ آواز میں کہا۔

''ہم بھی جاتے ہیں۔'' دادو نے کہا۔

''نہیں......انہوں نے آپ کو وہاں آنے سے منع کیا ہے...... میں اور ماما آپ کے پاس یہیں ٹھہریں گی۔'' مریم نے کہا۔

''ہاں سلوت آپا۔۔۔ آپ کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں۔۔۔ میں جا رہی ہوں نا۔ انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم جلدی گھر واپس آ جائیں گے۔'' زکیہ آپا نے تسلی دیتے ہوئے کہا تو سلوت آپا خاموش ہو گئیں۔

زکیہ آپا ڈرائیور کے ساتھ ہاسپٹل پہنچ گئیں۔ مومنہ ICU میں تھی اور اسد پریشانی میں باہر کھڑا تھا۔

''اسد بیٹا۔۔۔ مومنہ کیسی ہے؟'' زکیہ آپا نے پریشانی سے پوچھا۔

''آپ دعا کریں'' وہ شکستہ لہجے میں بولا۔

''اسے کیا ہوا ہے......؟ کیا چوٹ بہت گہری آئی ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''برین ہیمرج ہوا ہے'' اسد نے نم آنکھوں سے بتایا۔

''بـ۔ برین۔ ہیمرج'' زکیہ آپا کی سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ وہ چکرائی ہوئی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''آنٹی پلیز...... حوصلہ کریں۔ اور دعا کریں'' اسد نے کہا۔

''یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو گیا۔ وہ تو بالکل ٹھیک تھی۔ ہنستی مسکراتی ہوئی میرے گھر سے آئی تھی۔ پھر یہ کیسے ہو گیا'' وہ بڑبڑانے لگی اور اسد نظریں چرانے لگا۔ اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

دادو ساری رات مضطرب رہیں۔ ایک لمحے کے لیے بھی انہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔ مریم اور ماما ان کے پاس ہی تھیں۔ ماما بھی نہیں سو رہی تھی۔ مسلسل رو رہی تھی اور مریم اسے چپ کرانے میں مصروف تھی۔ فجر کی نماز کے بعد دادو جانماز پر بیٹھ کر خدا کے حضور گڑگڑا کر مومنہ کی صحت کے لیے دعا کرتی رہیں۔ اور آنسو بہاتی رہیں...... نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لیے انہیں نیند آ گئی...... مریم بھی صوفے پر ماما کو اپنے ساتھ لگائے اونگھنے لگی۔

''میں آج بات کر کے رہوں گی۔ بوا مجھے مت روکو'' ثروت روتی ہوئی دادو کے کمرے میں داخل ہوئی۔ خیرن بوا اس کے پیچھے پیچھے اس کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ان کے شور کی آواز سن کر دادو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں اور حیرت سے ان کی جانب دیکھنے لگیں۔ مریم بھی ان کی آوازیں سن کر اٹھ گئی تھی۔

''کیا بات ہے۔ خیریت تو ہے؟ دادو نے گھبرا کر پوچھا۔

''بڑی بیگم صاحبہ......کیا آپ ہمیں اس لیے اپنا نمک کھلاتی رہی ہیں کہ ہم سے ہمارا سب کچھ چھین لیں۔ آپ لوگ اتنے ظالم بھی ہو سکتے ہیں۔ مجھے پتا نہیں تھا'' ثروت اونچی آواز میں روتے ہوئے بولی۔

''ثروت......آپ......کیا کہہ رہی ہیں۔ ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا'' دادو نے گھبرا کر کہا۔

''آپ کے گھر میں اتنا کچھ ہو جائے اور آپ کو خبر بھی نہ ہو۔ اتنا بڑا جھوٹ تو مت بولیں۔'' ثروت نے قدرے تلخ لہجے میں کہا تو دادو کو

اس کی بات سن کر شدید دھچکا لگا۔ خیرن بوا کو بھی ثروت کا لب ولہجہ انتہائی نامناسب لگا۔

"ثروت...... بیگم صاحب سے یوں بات مت کرو۔" خیرن بوا نے کہا۔

"کیوں نہ کروں...... ہمارا سب کچھ یہ لوٹ لیں۔ اور ہم اُف بھی نہ کریں۔ ہم لوگ اتنے بے غیرت بھی نہیں ہوئے۔" ثروت غصے سے بولی۔

"ثروت...... ادھر بیٹھیں...... اور بتائیں کیا بات ہوئی ہے؟ دادو نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

"نہیں بیٹھنا مجھے...... بہت آپ لوگوں کی خدمتیں کر لیں۔ بہت عزت کر لی۔ بدلے میں کیا ملا۔ کہ ہم سے ہماری عزت ہی چھین لی۔

ثروت غصے سے بولی۔

"کس نے چھینی ہے آپ کی عزت' دادو نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ کے بیٹے نے میری شاہ کو کسی قابل نہیں چھوڑا"

ثروت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

نہیں...... یہ...... نہیں...... ثروت یہ جھوٹ ہے" دادو نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بے یقینی اور دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"کاش...... یہ جھوٹ ہوتا...... مگر...... ذلت اور رسوائی کا جو داغ آپ لوگوں نے ہمارے چہروں پر لگایا ہے۔ اب اسے کوئی نہیں دھو سکتا"

ثروت سسکنے لگی۔

مریم کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

"اور میری جنت کتنی آلودہ ہے۔ شاید تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔"

میں کتنی مضطرب رہتی ہوں تمہیں کیا معلوم؟"

میری زندگی کو آئیڈیل مت سمجھو۔ معیز کا موازنہ اسد سے مت کرو۔ مریم ہر لحاظ سے تمہارا پلڑا بھاری ہے۔ تم خوش قسمت ہو جسے معیز جیسا شریف اور نیک انسان ملا اس کی اور اس کی محبت کی قدر کرو۔ مومنہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دادو کو دیکھنے لگی جو مُردی طرح سسک رہیں تھیں۔

"آپ کے شرابی بیٹے نے ہمارے خاندان کی عزت کو داغدار کر دیا ہے...... خدا کرے...... وہ" ثروت سسکنے لگی۔

"خدا کے لیے...... ثروت کوئی بددعا نہ دینا" دادو نے تڑپ کر ثروت کے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر درخواست کی تو مریم اور خیرن بوا دونوں رونے لگیں۔

"بس کرو ثروت......" خیرن بوا نے ثروت کو ڈانٹا۔

بیگم صاحبہ...... خدا کے لیے اس کے آگے ہاتھ مت جوڑیں...... مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو رہا" خیرن بوا نے دادو کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر روتے ہوئے کہا۔

"خیرن بوا..... ہمیں یقین نہیں آرہا ہے۔ کہ ہمارے پروردگار نے ہماری قسمت میں اتنی ذلت اور رسوائی لکھ دی ہے۔ وہ ذلت اور رسوائی کا احساس ہمارے ان جڑے ہوئے ہاتھوں کی ذلت سے کہیں زیادہ ہے" دادو دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

"بس کریں بیگم صاحبہ..... خدا کے لیے اپنے آپ کو سنبھالیں۔ چھوٹی بیگم بھی یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکیں اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ کر ان کے دماغ کی نالی پھٹ گئی ہے۔ اب آپ تو اپنے آپ کو سنبھالیں۔ خیرن بوا اپنی ہی لے میں بولی۔

"یہ..... یہ..... آپ کو کس نے بتایا؟" دادو ہکلا کر بولیں۔

"نظام دین نے..... وہ ساری رات اسپتال میں رہا ہے۔

خیرن بوا نے کہا تو دادو ایک دم بستر پر گر گئیں۔ ان کا ہاتھ ان کے دل پر تھا۔

"بیگم صاحبہ..... کیا ہوا..... ہوش کریں۔" مریم اور خیرن بوا دادو کے ہاتھ پاؤں ملنے لگیں۔ مریم نے ان کی سانس چیک کی۔

"دادو..... دادو..... بڑی بیگم صاحبہ..... اٹھیں..... کیا ہو گیا ہے" مریم اور خیرن بوا کی ملی جلی آوازیں کمرے میں گونجنے لگی۔

"مگر دادو..... یہ صدمہ برداشت نہ کر سکیں دوبارہ آنکھیں نہ کھول سکیں..... اتنی ذلت اور رسوائی سہہ کر ان سے دوبارہ آنکھیں کھولنا محال ہو گیا تھا۔ اتنے بڑے خاندان کی با عزت، شان و حشمت والی۔ خدا ترس، نیک، باحیا اور باکردار عورت..... ذلت کا، تازیانہ اتنا کھا کر ایسی بوکھلائیں کہ جانبر نہ ہو سکیں۔

کمرے میں کہرام مچ گیا۔ خیرن بوا، مریم اور ثروت بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں ماہا بھی ان سب کو دیکھ کر رونے لگی اونچی آواز سے چلانے لگی۔

☆

ڈاکٹر ثقلین کے انگلینڈ جانے کے بعد علیہ زیادہ تر وقت جمی کے ساتھ گھومنے پھرنے میں گزارتی۔ جب دل چاہتا..... کسی کو بھی بتائے بغیر گھر سے غائب ہو جاتی اور اکثر رات گئے لوٹتی۔ ناظر علی اور کشور اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتے لیکن ڈاکٹر ثقلین کے واپس لوٹنے تک وہ خاموش تھے۔ پہلے وہ اکیلی باہر جاتی تھی تو انہیں اتنا ناگوار نہیں لگتا تھا جتنا کہ جمی کے ساتھ گھومنے پھرنے پر ان کو اعتراض تھا۔ مگر..... وہ خاموش رہتے تھے۔

علیہ بھی ذہنی طور پر تیار تھی کہ وہ ڈاکٹر ثقلین کے آتے ہی ان سے طلاق لے کر جمی سے شادی کرے گی۔ مگر دونوں کے درمیان شادی کے موضوع پر کبھی بات ہی نہیں ہوئی تھی۔ علیہ جب بھی بالواسطہ انداز میں شادی کا ذکر کرتی وہ موضوع بدل دیتا۔ جمی اپنے بھائی کے ساتھ مل کر ایک ریسٹورنٹ چلا رہا تھا۔ کچھ وقت ریسٹورنٹ کو دیتا اور جیسے ہی موقع ملتا وہ علیہ کو پک کر کے کبھی گھومنے پھرنے چلا جاتا۔ کبھی دونوں پکچر دیکھنے چلا جاتے کبھی کسی شاپنگ سنٹر میں۔ شاکر علی علیہ کے اکاؤنٹ میں ہر ماہ اچھی خاصی رقم بھیجتے تھے کیونکہ علیہ نے انہیں اپنے اور ڈاکٹر ثقلین کے تعلقات کے بارے میں بتایا تھا۔ اور یہ کہ وہ اپنی ضروریات کے لیے کسی سے پیسہ نہیں مانگنا چاہتی۔ وہ اپنا پیسہ دل کھول کر جمی پر خرچ کرتی ہر جگہ بل وہی ادا کرتی اور جمی مفت میں اس کی کمپنی بھی انجوائے کرتا اور اس کا پیسہ بھی۔

جمی بہت مکار تھا۔ اس کی بہت سی لڑکیوں سے دوستیاں تھیں مگر وہ علیزہ پر یہی ظاہر کرتا کہ پوری دنیا میں صرف وہی اس کی دوست ہے۔ ماضی میں وہ جو کچھ اسے کہا کرتا تھا اس نے اس سے ان تمام باتوں کی معافی مانگ لی تھی اور علیزہ نے اسے کھلے دل سے معاف کر دیا تھا۔ علیزہ کے لیے یہی بات قابل اطمینان تھی کہ جس شخص نے اسے کبھی جھٹلایا تھا اب وہ خود ہی اس کی جانب لوٹ آیا تھا اور وہ اس کے لوٹ آنے پر بہت خوش تھی ......وہ جس طرح کہتا۔ ویسا ہی کرتی جہاں چلنے کو کہتا۔ فوراً چلی جاتی۔ وہ آوارہ اور عیاش ذہنیت کا نوجوان تھا۔ اس کے چہرے سے کراہت اور آنکھوں سے خباثت ٹپکتی تھی۔ مگر علیزہ کو ان آنکھوں میں اپنے لیے صرف محبت دکھائی دیتی تھی۔ اس نے اسے خوبصورت باتوں کے جال میں ایسا پھنسایا تھا کہ وہ ان باتوں کے سحر میں بری طرح کھو گئی تھی اسے جمی کے سوا کوئی اور دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ ڈاکٹر ثقلین کے جانے کے بعد اور جمی سے تعلقات بڑھنے کے بعد اس کے لباس میں دن بدن زیادہ بیہودگی آتی جا رہی تھی اور اس کو دیکھ کر کشور کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔ ویسے بڑبڑاتی رہتی اور ناظر علی خاموش تماشائی تھے بیگم کو بھی خاموش رہنے کا مشورہ دیتے۔ سب کو ڈاکٹر ثقلین کی آمد کا شدت سے انتظار تھا اور ڈاکٹر ثقلین کا دورہ چند روز اور طویل ہو گیا۔ ان کے ریسرچ پیپرز اور سیمنار سے متعلق کافی خبریں آئے روز اخبارات اور میگزینز میں شائع ہوتیں۔ ہر وقت اُن کی کامیابیوں پر مبارکباد کے فون گھر آتے رہتے۔ جنہیں ناظر علی اور کشور سن کر خوش بھی ہوتے اور افسردہ بھی۔ جس کو ان کی کامیابیوں کا سن کر زیادہ خوش ہونا چاہیے تھا اسے نہ ان سے کوئی سروکار تھا اور نہ ہی ان کی کامیابیوں سے۔

☆

تکین کی حالت بہت خراب تھی وہ ہاسپٹل میں ہی ایڈمٹ تھی اور صرف ایک دو روز یا شاید اس سے بھی کم وقت کی مہمان تھی۔ وہ شدید اذیت اور درد میں مبتلا تھی۔ اس کے ماں باپ ڈاکٹر اور نرسیں پاس کھڑے اس کو دیکھتے رہتے مگر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر آخری علاج کر کے تھک ہار گئے تھے۔ نہ کوئی دوا اس پر اثر کر رہی تھی اور نہ ہی کوئی دعا۔ سب بے بسی سے۔ روتی آنکھوں اور غم سے ڈوبی آہوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھتے رہتے علیزہ ہر روز فون کر کے اس کے بارے میں پوچھتی۔ کبھی دوسرے تیسرے روز ہاسپٹل کا چکر بھی لگاتی مگر جب بھی تکین کو دیکھ کر جاتی بے حد دکھی ہو جاتی۔ تکین بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو گئی تھی۔ دن بدن سکڑ کر وہ اپنے اصلی وجود سے تین گنا کم ہو گئی تھی۔ کالی سیاہ رنگت اور انتہائی نحیف و نزار جسم کے ساتھ وہ بہت ڈراؤنی لگتی۔ بہت زیادہ انجکشنز اور ڈرپس لگا لگا کر اس کے بازو اور ہاتھ چھلنی ہو گئے تھے۔ وہ بے جان اور مردہ وجود تھی جو صرف سانسوں کی ڈور کے ساتھ زندہ تھا۔ اور سانس منقطع ہوتے ہی وہ وجود ہمیشہ کے لیے مٹ جاتا تھا۔ اور تکین کی اذیت و تکلیف دیکھ کر سب اندر ہی اندر سانسوں کے منقطع ہونے کی آرزو کر رہے تھے۔

تکین کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی اور وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔ کبھی علیزہ کو پکارتی کبھی ممی اور ڈیڈی کو۔

”جواد......علیزہ کو ایک بار فون کریں کہ وہ اسے مل جائے“۔

مسز جواد نے تکین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا......اور جواد احمد نے علیزہ کا نمبر ملایا مگر اس کا موبائل آف مل رہا تھا۔

”یہ ان کی زندگی کے آخری لمحات ہیں کینسر کا زہر ان کے جسم میں پھیل رہا ہے“ ڈاکٹر نے تکین کی ناک سے بہتے آلودہ خون کی جانب بغور

دیکھتے ہوئے کہا۔

مسٹر اینڈ مسز جواد نے رونا شروع کر دیا۔ ثقلین انتہائی بے قراری میں اپنا جسم، ہاتھ اور بازو بیڈ پر اٹھا اٹھا کر مار رہی تھی۔ وہ بری طرح تڑپ رہی تھی اور سب بے بسی سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"علینہ ......" وہ پھر بڑبڑائی۔

مسز جواد نے ...... جواد احمد کی جانب دیکھا اور انہوں نے پھر علینہ کا نمبر ملایا۔ علینہ کا نمبر آف تھا۔

علینہ اور جمی ویل فرنیشڈ ہوٹل کے انتہائی خوبصورت بیڈ روم میں تھے۔ جمی نے خوب ڈرنک کر رکھی تھی اور علینہ کے سامنے بھی وائن گلاس پڑا تھا۔ مگر آج اس کا ڈرنک کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ نجانے کیوں اسے ثقلین کی بار بار یاد آ رہی تھی۔ وہ اسے فون کر کے خیریت پوچھنا چاہ رہی تھی مگر جمی اس کے موبائل سے ڈسٹرب ہوتا تھا اس لیے علینہ نے اس کے کہنے پر موبائل آف کر دیا تھا۔

"علینہ ...... آئی نیڈ یو لو (مجھے تمہاری محبت کی ضرورت ہے) جمی اس کے قریب آ کر ہوس بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"ابھی نہیں ...... شادی کے بعد" علینہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کس کی شادی ......؟" جمی نے چونک کر پوچھا۔

"ہم دونوں کی" علینہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"میری ...... میری شادی ......؟ کم آن ...... اگین اینڈ اگین (بار بار) وہ قہقہہ لگا کر بولا تو علینہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

وہاٹ ڈو یو مین (تمہارا کیا مطلب ہے)؟ علینہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آئی ایم میریڈ ...... یس میریڈ" گھر میں ہے نا ...... نتاشا، ویری کیوٹ ...... اسٹوپڈ ...... اینڈ لیزی گرل (خوبصورت، بے وقوف اور سست لڑکی) جمی نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

وہاٹ ......؟ علینہ کے سارے وجود میں ارتعاش پیدا ہونے لگا۔

"تم نے مجھے کبھی بتایا ہی نہیں؟ علینہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کیا بتاتا، دیٹ واز نتھنگ اسپیشل ٹو ٹیل (کچھ خاص نہیں تھا بتانے کے لیے)

"بٹ آئی لو یو ڈیئر ...... سویٹ ہارٹ" وہ اس کے کندھوں پر اپنا بازو پھیلاتے ہوئے بولا۔

اور ...... میں ...... میں کیا ہوں ......؟ علینہ نے مایوس کن لہجے میں پوچھا۔

فرینڈ ...... ویری سویٹ فرینڈ ......" وہ مسکرا کر بولا۔

کوئی شے چھناکے سے علینہ کے اندر ٹوٹی۔ جمی نے ایک بار پھر اسے ڈاج دینے کی کوشش کی تھی۔ وہ نشے کی حالت میں اپنے دل کی باتیں اسے صاف صاف بتا رہا تھا ورنہ نارمل حالت میں اس نے کبھی بھی اس پر کوئی حقیقت ظاہر نہ ہونے دی تھی۔ وہ تو ہمیشہ اس سے چھپاتا رہا کہ وہ

غیر شادی شدہ ہے اور علیہ سے پر امید لہجے میں باتیں کرتا کہ ڈاکٹر تمکین سے طلاق لینے کے بعد وہ علیہ سے شادی کرے گا اور اب وہ ساری باتیں اسے سچ سچ بتا رہا تھا۔ علیہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

"جمی...... میں ڈائیوورس لینے کے بعد تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" علیہ نے دل کڑا کر کے آخری بار اس کے خیالات جاننے کی کوشش کی۔

"نو...... نو...... آئی ول نیور" وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"کیوں......؟" علیہ نے خفگی سے پوچھا۔

"آئی ڈونٹ نیڈ میرج...... اٹس اے ربش گیم......" وہ ہنستے ہوئے بولا اور اس کو اپنے ساتھ لگانے کی کوشش کی علیہ کو اس پر غصہ آنے لگا اور وہ اپنا آپ چھڑا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"کم آن علیہ...... تم بھی نتاشا کی طرح اسٹوپڈ ہو...... وہ بھی میرے پاس نہیں آتی...... آئی ڈونٹ کیئر...... بٹ آئی لو یو سویٹ" وہ اسے زبردستی اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولا۔

لیو می (مجھے چھوڑو) علیہ نے اپنا آپ اس سے چھڑایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیا ہوا...... کیا ہوا...... کیوں رونے لگی...... میں تم سے اتنی محبت کروں گا...... کہ تم سب غم بھول جاؤ گی......" وہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے بولا۔

علیہ نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر اس نے ہاتھ اور مضبوطی سے پکڑا۔ علیہ نے اس کے ہاتھ پر زور سے دانت کاٹے وہ بلبلانے لگا۔

"یو...... آئی ول کل یو (میں تمہیں مار دوں گا) جمی غصے سے اس کی جانب بڑھا تو علیہ نے بیڈ کے ساتھ سائیڈ ٹیبل پر پڑا کرسٹل کا واز اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ وہ چلانے لگا۔ اور اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بیڈ پر گر گیا۔ اس کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ علیہ جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی اور گاڑی میں جا کر اپنا موبائل آن کر کے پولیس کا نمبر ملانا چاہا لیکن موبائل آن ہوتے ہی جواد احمد کی کال آ گئی۔

"علیہ...... بیٹے...... ہاسپٹل جلدی پہنچنے کی کوشش کرو۔ تمکین" وہ مزید کچھ نہ کہہ سکے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

علیہ کا دل بری طرح گھبرانے لگا اور اس نے گاڑی کا رخ ہاسپٹل کی جانب کیا۔ وہ انتہائی تیزی سے گاڑی ڈرائیو کرتی ہوئی ہاسپٹل پہنچی تمکین کے کمرے میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سب نے علیہ کی طرف چونک کر دیکھا۔

"تمکین...... علیہ آ گئی ہے" مسز جواد نے تمکین کے کان کے قریب کہا۔

"عل...... علیہ" اس نے بند آنکھوں سے پکارا۔

علیہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور اونچی آواز سے رونا شروع کر دیا۔ تمکین نجانے اس سے کیا کہنے کی کوشش کرتی رہیں مگر اس کے ہلتے لبوں سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ اس سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر کسی کو بھی کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔

"نگین...... تمہیں کیا کہنا ہے؟" علینہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پوچھا۔

"نگین نے ایک بار انتہائی کوشش سے آنکھیں کھول کر علینہ کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں انتہائی درد، حسرت اور دکھ کی کیفیت تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر شدت سے روئی۔

"عل...... علینہ...... ڈونٹ" وہ بمشکل بولی اور اس کے گلے میں پھانس سی لگی۔ اس نے زور سے کھانسی کی اور اس کے ساتھ خون کی بڑی سی قے کی۔ اور تیورا کر بیڈ پر گرگئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کی سانسوں کا تعلق اس کے جسم سے ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا۔ ڈاکٹر جلدی سے اس کے اوپر جھکا۔

"سوری...... شی از نو مور" ڈاکٹر نے اس کی نبض چیک کرتے ہوئے کہا۔ علینہ پاگلوں کی طرح اسے اپنے گلے سے لگا کر رونے لگی۔ وہ اس قدر شدت سے رو رہی تھی کہ سب لوگ حیران ہو رہے تھے۔ اس کا نگین کے ساتھ خون کا رشتہ تو نہیں تھا مگر دل کا رشتہ تھا...... غم اور دکھ کا رشتہ تھا۔ وہ اس کی تنہائیوں کی ساتھی تھی۔ اس نے اس سے اپنے دل کی بہت سی باتیں شیئر کیں تھیں۔ اپنے اندر کے نجانے کتنے غم اسے سنائے تھے۔ وہ اس کی مخلص دوست تھی...... گو کہ خود بھی بھٹکی ہوئی تھی اور اسے بھی بھٹکایا تھا۔ مگر دونوں کے دل مخلص تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتیں تھیں اور اب دل کا...... محبت کا اور دکھ کا یہ رشتہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا تھا۔ اس لیے وہ شدت سے رو رہی تھی۔ وہ نگین کے مردہ وجود کو اپنے ساتھ چمٹائے گریہ کر رہی تھی۔ نگین کے منہ اور ناک سے بہنے والا خون علینہ کے کپڑوں اور وجود کو آلودہ کر رہا تھا مگر اسے کوئی پروا نہیں تھی۔

نگین کی موت نے اسے بہت بدحواس اور پریشان کر دیا تھا۔ کبھی کبھی اور اس کی مکاریاں یاد آتیں تو وہ مضطرب ہو جاتی۔ نگین یاد آتی تو دکھ کی شدید لہر اس کے دل اور روح کو تڑپانے لگتی۔ زندگی کے بارے میں وہ پہلے بھی کوئی پر امید گمان نہیں رکھتی تھی اور نگین کی موت نے اس کے اندر بہت زیادہ خالی پن پیدا کر دیا تھا۔ وہ سارا وقت کمرے میں بند روتی رہی۔ نگین کے ساتھ گزارے لمحے، باتیں، پینا پلانا، پارٹیز اور یونیورسٹی میں اکٹھے گھومنا پھرنا...... اور پھر بستر مرگ پر نگین کی انتہائی دگرگوں حالت اور موت کا روح فرسا منظر...... اس کے لیے ایک ایک لمحہ عذاب بنتا جا رہا تھا اور سب سے بڑھ کر نگین کا اس سے کچھ کہنے کی کوشش۔ اور صرف ایک لفظ "ڈونٹ" کا سنائی دینا۔ نگین کس بات سے اسے روکنا چاہتی تھی وہ کیا بات تھی؟ کیا پیغام تھا۔ جو نگین خود علینہ کو دینا چاہتی تھی۔

مگر نہ جانے کیا تھی۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، لیٹے ہوئے۔ وہ جیسے ہی آنکھیں بند کرتی۔ نگین کی سرگوشی "ڈونٹ" سے وہ ہڑبڑا کر اٹھ جاتی۔ وہ گھبرا جاتی۔ اور گہری سوچ میں ڈوب جاتی۔

یہ "ڈونٹ"...... کیا ہے؟ کیا نگین اسے "ڈرنک" کرنے سے روکنا چاہ رہی تھی......؟ یقیناً وہ اس سے روکنا چاہ رہی ہو گی جس نے اس کی زندگی کو دیمک کی طرح چاٹ لیا۔ اس کی جوانی کو ڈس لیا۔ اس کے جسم کو اندر سے کھوکھلا کر دیا اور اسے انتہائی تکلیف اور اذیت میں مبتلا کر دیا۔ یقیناً وہ اسے اس بری عادت سے ہی روکنا چاہ رہی ہو گی جو چیز انسان کو زیادہ اذیت میں ڈالتی ہے۔ آخری لمحوں میں وہی اس کے لبوں پر ہوتی ہے۔ علینہ کا ذہن سوچ سوچ کر ماؤف ہو گیا تھا۔ نگین کو فوت ہوئے دس روز ہو گئے تھے مگر نگین کا بھوت اس کے ساتھ بری طرح چمٹا ہوا تھا۔ وہ تنگ آ گئی تھی۔

تگین کی صداؤں سے اور اس کی سرگوشیوں سے وہ ایسی ذہنی اذیت میں مبتلا ہو گئی تھی جس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتا سکتی تھی۔ وہ شدید ڈپریشن میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اور اس نے تنگ آ کر ذہنی سکون کی خاطر وسکی کا پیگ بنایا اس میں آئس ڈالنے لگی تو کہیں سے تگین کی سرگوشی سنائی دی۔ "ڈونٹ" علیہ ٹھٹھک گئی اور وائن گلاس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔ یہ میرا وہم ہے اور کچھ نہیں...... تگین یہاں کہاں......؟ اس نے اپنے خیال کو جھٹکا...... اور گلاس کی طرف دیکھا۔ جونہی گلاس اٹھانے لگی تو پھر سرگوشی سنائی دی۔

"ڈونٹ" اب کی بار سرگوشی میں قدرے خفگی کا تاثر بھی اسے محسوس ہوا اس نے گلاس پکڑ کر اسے واپس رکھ دیا اور گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر پسینہ آنے لگا اور اس کا دل بری طرح گھبرانے لگا...... اس کے اندر اس قدر اضطراب پیدا ہونے لگا تھا کہ اسے کوئی راہ فرار نظر نہ آ رہی تھی۔ اس نے تھوڑی دیر کے لیے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو پرسکون کرنے کی کوشش کی اور پھر اٹھ کر گلاس پکڑنا چاہا۔

"ڈونٹ" پھر سرگوشی نے اسے پریشان کر دیا۔ اس نے ایک دو بار کوشش کی مگر "ڈونٹ" کی سرگوشی اسے ایسا کرنے سے بار بار روک رہی تھی۔ اس نے غصے سے گلاس کی جانب دیکھا اور قدرے جذباتی و مضطرب ہو کر گلاس صوفے پر بیٹھے بیٹھے واش روم کی جانب پھینکا۔ گلاس کے ٹوٹنے کی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

"یہی تم چاہتی ہو نا...... تم نے ہی مجھے اس کی عادت ڈالی اور اب خود ہی اس سے روکنا چاہتی ہو...... تگین......" وہ مزید کچھ نہ سوچ سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میں نے اپنی ساری زندگی جس کرب اور اذیت میں گزاری ہے...... وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی...... کسی کو میرا دکھ محسوس نہیں ہوتا...... کسی کو "میں" کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی......" وہ شدت سے روتی جا رہی تھی۔

اچانک اس کا موبائل بجنے لگا تو اس نے چونک کر نمبر دیکھا وہ جمی کا نمبر تھا۔ موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ اور علیہ کے جذبات مشتعل ہو رہے تھے۔ آج جمی نے اس روز کے بعد پہلی بار فون کیا تھا اور علیہ اسے بہت کچھ سنانا چاہتی تھی...... اس نے غصے سے فون اٹھایا اور جیسے ہی کان کے ساتھ لگایا۔ "ڈونٹ" کی سرگوشی پھر سے اسے سنائی دی۔ علیہ چونک گئی اور موبائل کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔ جمی بار بار کال کر رہا تھا۔ اور وہ جیسے ہی موبائل کان سے لگاتی۔ سرگوشی سنائی دیتی "ڈونٹ"...... اس نے تنگ آ کر موبائل سوئچ آف کر کے صوفے پر پھینکا۔

تگین...... یہ کیا ہے...... اور تم میرے ساتھ کیا کر رہی ہو؟

تم کیا کہنا چاہتی تھی...... خدا کے لیے مجھے اذیت میں نہ ڈالو۔ میں پاگل ہو جاؤں گی...... پلیز...... میرا پیچھا چھوڑ دو...... میں تو تم سے بہت محبت کرتی تھی۔ اور تم میرے لیے اذیت کا باعث بن رہی ہو" علیہ اونچی آواز میں رونے لگی۔

ڈاکٹر ثقلین ایک روز بعد آ رہے تھے۔ ریحانہ اسے کھانا دینے آئی تھی اور باتوں باتوں میں بتا گئی تھی۔ ان کی آمد کا سن کر وہ چونک گئی تھی اسے پہلے ان کی آمد کا شدت سے انتظار تھا اور اب خواہش کر رہی تھی کہ وہ نہ ہی آئیں۔ نجانے کیوں وہ ان کا سامنا کرتے ہوئے کترا رہی تھی۔

"نہیں اب اس گھر میں زیادہ دیر نہیں رہ سکتی" اس نے نم آنکھوں کے ساتھ کمرے کی در و دیوار کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"ڈونٹ" کہیں سے مدھم سی سرگوشی سنائی دی۔ اس نے چونک کر دیکھا..... اور جھنجھلانے لگی۔

"میں سی کے ساتھ مزید نہیں رہ سکوں گی۔ ہمارا ساتھ اب ناممکن ہے" اس نے پھر سوچا..... اور اچانک "ڈونٹ" کی سرگوشی اسے سنائی دی۔

"وہاٹ" "از ڈونٹ"؟ وہاٹ..... ڈونٹ..... ڈونٹ، وہ گلا پھاڑ کر چلانے لگی۔

hallucination کا شکار ہونے لگی تھی۔ اسے کیا ہو رہا تھا اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کس سے پوچھے کہ تکین کس بات سے اسے روکنا چاہ رہی تھی۔ اسے تو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ اسے ہر بات۔ ہر کام سے روکنا چاہ رہی تھی۔ وہ جو کام بھی کرنے لگتی تو اسے تکین کی سرگوشی روک دیتی۔ وہ عجیب سے خدشے اور الجھنوں کا شکار ہو گئی تھی۔ نیند نہ آنے سے ان کی آنکھیں متورم ہو گئیں تھیں اور ان کے پپوٹے اتنے بھاری اور موٹے ہو گئے تھے کہ آنکھیں کھولنے اور بند کرنے میں اسے تکلیف محسوس ہونے لگی تھی۔ دل میں بڑھتا ہوا اضطراب اس کے اندر اتنا زیادہ ڈپریشن بڑھا رہا تھا کہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ خودکشی کرلے۔

رات کو اس نے نیند کی دو تین گولیاں کھائیں اور اس کے باوجود بھی اسے صبح ہونے تک نیند نہ آئی۔ وہ دو چار گھنٹے بمشکل سوئی ہوگی۔ اور پھر اٹھ گئی۔ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹے وہ پھر سوچوں کے بھنور میں غوطہ زن رہی۔

"کیا کروں..... کہاں جاؤں..... کاش سی یہاں ہوتا تو وہی میرے اس مرض کا کچھ علاج کرتا۔ وہ تو بہت مشہور سائیکاٹرسٹ ہے۔ اسے اچانک سی کی کمی محسوس ہونے لگی۔ لیکن اب تو وہ بھی میرا علاج نہیں کرے گا..... اس نے آہ بھر کر سوچا مجھے تکین کی مما سے پوچھنا چاہیے۔ ممکن ہے تکین نے ان سے میرے بارے میں کچھ کہا ہو....." ایک دم تکین کی ماما کا خیال اس کے ذہن میں آیا۔ اور اس نے ان کے ہاں جانے کا سوچا۔

انٹرکام پر اس نے ریحانہ کو چائے لانے کو کہا اور وارڈ روب میں سے کپڑے نکالنے لگی۔ اس نے ایک ہینگر نکالا اور اس پر سے ایک منی شرٹ اتارنے لگی تو پھر "ڈونٹ" کی سرگوشی اسے سنائی دی۔ اس نے ہینگر کی جانب بغور دیکھا اور اسے واپس رکھ دیا۔ اس نے پھر ٹی شرٹ اور جینز نکالنا چاہی تو پھر "ڈونٹ" کی سرگوشی نے اسے وہ پہننے سے بھی روک دیا وہ جو ڈریس بھی نکالتی تو "ڈونٹ" کی سرگوشی اسے وہ پہننے سے روک دیتی۔ اسے غصہ آنے لگا اور اس نے غصے میں سارے ہینگرز وارڈ روب میں ہی پھینکے اور وارڈ روب یونہی چھوڑ کر اپنی کپڑوں میں فل سلیوز سفید رنگ کا سوٹ پہن کر وہ باہر جانے لگی تو ریحانہ چائے لے کر آ گئی۔ وہ اسے بیڈ روم کے دروازے پر مل گئی۔ "بی بی جی چائے....." ریحانہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں چاہیے..... اسے واپس لے جاؤ" وہ غصے میں بولتی ہوئی سیڑھیاں اتر گئی اور ریحانہ حیرت سے اس کی جانب دیکھتی رہ گئی۔

علینہ..... تکین کے گھر پہنچی تو گھر میں عجیب طرح کا سناٹا اور خاموشی تھی۔ سارے گھر کی فضا سوگوار ہو رہی تھی۔ اس نے ملازم سے تکین کی ممی کے بارے میں پوچھا..... اور ان کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے لگی۔ وہ ڈرائنگ روم کی دیواروں کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اسے تکین کے ساتھ گزارے ہوئے سب لمحے ایک ایک کر کے یاد آ رہے تھے اور اس کی آنکھیں بار بار بھیگ رہیں تھیں۔

تکین کی ممی تھوڑی دیر بعد ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں وہ چہرے سے بہت اداس، پژمردہ اور بیمار دکھائی دے رہیں تھیں۔

علینہ کو اپنے ساتھ لگا کر وہ سسکنے لگیں اور اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"وہ بہت یاد آتی ہے" وہ بمشکل کہہ پائیں اور رونا شروع ہو گئیں۔

علینہ بھی آہستہ آہستہ اپنے دکھ کا اظہار کرتی رہی اور اپنی نم آنکھوں کو پونچھتی رہی۔

"آنٹی۔۔۔ میں آپ سے ایک بات پوچھنے آئی ہوں" علینہ نے کہا۔

"کیا......؟" انہوں نے ٹشو پیپر سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ آنٹی...... تمکین...... مرنے سے پہلے مجھے کس بات سے روکنا چاہتی تھی۔ اس نے صرف مجھے "ڈونٹ" کہا اور اس کے بعد معلوم نہیں وہ کیا بڑبڑاتی رہی مجھے سمجھ میں نہیں آیا مگر اس کا "ڈونٹ" کہنا مجھے بہت زیادہ ڈسٹرب کر رہا ہے۔ میں بہت "اپ سیٹ" ہوں halllcunatlon کا شکار ہو گئی ہوں۔ جو کام بھی کرنے لگتی ہوں۔ "ڈونٹ" کی سرگوشی مجھے وہ کام نہیں کرنے دیتی۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ مجھے کیا کہنا چاہتی تھی؟" علینہ نے قدرے فکرمندی سے پوچھا تو تمکین کی ممی گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ اور ذہن پر زور ڈالنے لگیں۔ ہاں...... شاید...... کچھ کہنا تو چاہتی تھی...... مگر...... کیا؟ انہوں نے سوچتے ہوئے کہا اور خاموش ہو گئیں...... جیسے اپنے ذہن کو اس سوچ پر مرکوز کر رہی ہوں مگر انہیں کچھ یاد نہ آ رہا ہو۔

"آئی ایم سوری ۔۔۔۔ مجھے یاد نہیں آ رہا۔۔۔۔ لیکن اس نے کچھ کہا ضرور تھا۔۔۔ کیا۔۔۔۔؟" وہ خود ہی الجھنے لگیں۔

"اوکے۔۔۔ لیو اٹ (اسے چھوڑیں)" علینہ نے انہیں سوچوں میں الجھتے دیکھ کر کہا۔

"اگر یاد آ گیا تو میں تمہیں فون کروں گی۔ مگر نجانے کیوں کچھ بھی یاد نہیں آ رہا" وہ انتہائی پریشانی سے بولیں۔

"ٹھیک ہے...... اب میں چلتی ہوں" علینہ اٹھ کھڑی ہوئی مگر نجانے کیوں یاد نہیں آ رہا...... شاید آج کل ذہن میں تمکین کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں۔ وہ اور اس کی سوچیں" وہ آدھر کر بولیں اور پھر اپنے ذہن پر زور ڈالنے لگیں۔

علینہ مایوس ہو کر وہاں سے لوٹی...... وہ پورچ میں ڈاکٹر شکیل کی گاڑی دیکھ کر چونکی...... اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا اور وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی سیڑھیوں کے پاس گئی۔ وہ لاؤنج میں جانا بھی چاہتی تھی اور نہیں بھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ کیا کرے یا نہ کرے۔ ابھی اسے تمکین کی کوئی سرگوشی نہ سنائی دے رہی تھی۔ وہ بہت حیران ہونے لگی اور بوجھل قدم اٹھاتے ہوئے اپنے کمرے میں گئی۔ ہر طرف کپڑے بکھرے تھے۔ کچھ وارڈ روب سے باہر لٹک رہے تھے۔ اس نے انہیں اٹھا کر وارڈ روب میں رکھا اور بے دلی سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اچانک اس کی نظر مما کی تصویر پر پڑی۔ بہت دنوں سے وہ تمکین کی سرگوشیوں میں ایسی الجھی تھی کہ مما کی تصویر کی جانب دیکھنے کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ وہ اٹھ کر ان کی تصویر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ نجانے کہاں سے بہت سے آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے اور یوں گرنے لگے جیسے موسلا دھار بارش پوری شدت سے برستی ہے۔

سنی کے گھر میں آنے سے چہل پہل ہو گئی تھی۔ ناظر علی۔ کشور اور عزا اس کے گرد بیٹھے تھے اور وہ ان سے انگلینڈ میں ورکشاپ اور کانفرنس کے بارے میں تمام واقعات سن رہے تھے۔

"سنی بیٹا...... ہمیں تو اخبارات کے ذریعے تمہاری خبریں مل رہی ہیں سچ یقین نہیں آتا کہ اللہ نے تمہیں اتنی کامیابی سے نوازا ہے...... میرا تو سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔ جب لوگ تمہیں مبارکباد دینے کے لیے گھر فون کرتے تھے" کشور نے مسکرا کر کہا۔

"ممّا...... یہ آپ لوگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے......" ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر جواب دیا۔

"واہ...... ساری دعائیں آپ کو ہی لگ جاتی ہیں...... مجھے کیوں نہیں لگتیں" عزا نے منہ بنا کر کہا۔

"بیٹا...... ہم تو تم دونوں کے لیے ہی دعائیں کرتے ہیں...... البتہ ثنی کو زیادہ لگ جاتی ہیں" ناظر علی نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ انہی کے لیے دعائیں کرتے ہوں گے...... مجھے تو یونہی ٹرخا دیتے ہیں۔ اوپر اوپر سے دعا کر کے" عزا نے خفگی سے کہا۔

"فکر نہیں کرو...... تمہیں بھی دعائیں جلد لگنے والی ہیں...... ممّا...... وہ صدیقہ پھوپھو نے اس کے لیے پوچھا تھا۔ کیا بنا؟" ڈاکٹر ثقلین نے جان بوجھ کر شرارتی لہجے میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو وہ شرما گئی اور اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ تینوں کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔

"ان کو میں کیا جواب دوں...... پہلے تمہارے مسئلے سے تو نمٹ لوں، کشور نے افسردگی سے جواب دیا تو ناظر علی اور ڈاکٹر ثقلین خاموش ہو گئے۔

"دیکھو بیٹا...... تم نے جتنا وقت مانگا تھا وہ گزر چکا ہے اب جلد ہی کوئی فیصلہ کر لو۔ ہم تمہیں کچھ بھی بتانا نہیں چاہتے مگر اب علینہ کے مزید یہاں رہنے والے کوئی حالات نہیں۔ وہ رات گئے تک اس آوارہ لڑکے کے ساتھ گھومتی پھرتی رہی ہے۔ ابھی چند دن ہوئے اس کی کوئی کلی مر گئی ہے تو اس کے غم میں اپنے کمرے میں بند رہتی ہے۔ ورنہ......" کشور غصے سے بولی۔

"کون...... ؟نگین...... ؟نگین مر گئی ہے؟ ڈاکٹر ثقلین نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہمیں کیا معلوم...... ؟کشور نے تنک کر جواب دیا۔

"اوہ...... نو" ڈاکٹر ثقلین نے مایوسی سے کہا۔

"اب تم آ گئے ہو...... جلد از جلد اسے فارغ کرو...... میں تو کہتی ہوں ابھی جا کر......" کشور نے غصے سے کہا۔

کشور...... تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اتنی جلدی کس بات کی ہے" ناظر علی نے قدرے غصے سے کہا۔

"آپ کو تو نجانے کس معجزے کا انتظار ہے...... اور میں بتا رہی ہوں کوئی معجزہ نہیں ہونے والا" کشور نے بھی غصے سے جواب دیا۔

"بات معجزے کی نہیں...... میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ ابھی ثنی آیا ہے۔ اسے آرام تو کر لینے دو......" ناظر علی نے نرم لہجے میں کہا تو کشور خاموش ہو گئی۔

"ثنی بیٹا...... فریش ہو جاؤ...... میں کھانا لگوا رہی ہوں۔" کشور نے کہا تو ڈاکٹر ثقلین اٹھ کر واش روم میں چلے گئے۔

کھانا کھانے کے بعد وہ علینہ کے کمرے میں گئے تو کمرے کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ علینہ خود بھی بہت کمزور۔ بیمار اور مضطرب لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں رو رو کر سوجی ہوئی تھیں اور ان کے گرد حلقے گہرے ہو گئے تھے وہ ڈاکٹر ثقلین کو دیکھ کر چونکی۔ ڈاکٹر ثقلین تھکاوٹ کے باوجود نہایت اسمارٹ لگ رہے تھے۔

"کیسی ہیں آپ...... ؟ڈاکٹر ثقلین نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

علیزہ نے ان کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئی۔ کیسے بتاتی کہ وہ بہت اذیت میں تھی۔ بہت تکلیف میں...... ایک ایک لمحہ انتہائی کرب میں گزار رہی تھی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اور اس نے سر جھکا لیا۔

"آپ میری آمد کی منتظر ہوں گی کہ میں آؤں...... اور...... آپ کو...... ڈائیوورس......" ڈاکٹر ثقلین کہتے ہوئے رکے۔

علیزہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا اور ثقلین کی سرگوشی "ڈونٹ" شدت سے اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

"ڈونٹ"...... ڈونٹ...... ڈونٹ" اس نے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھنے چاہے اور پھر چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔

"میں جلد ہی...... ڈاکٹر ثقلین نے نم آنکھوں کے ساتھ کہا اور علیزہ نے اچانک اُٹھ کر ان کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور شدت سے چلائی۔

"ڈونٹ...... ڈونٹ...... ڈونٹ"

اور پھر رونا شروع ہو گئی۔

ڈاکٹر ثقلین حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔ ان کے لیے علیزہ کا یہ رویہ انتہائی حیران کن تھا۔ انگلینڈ جانے سے پہلے وہ خود ان سے طلاق مانگ رہی تھی۔ ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہ رہی تھی۔ اور اب خود ہی وہ طلاق نہیں لینا چاہ رہی تھی...... انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے منہ پر سے ہٹایا اور اس کی جانب بغور دیکھنے لگے۔

"کیا...... ڈونٹ......؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"آئی...... ڈونٹ نو...... آئی ڈونٹ نو" وہ قدرے جذباتی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی اور شدت سے رونے لگی۔

"علیزہ...... کیا ہوا ہے آپ کو؟" ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے پوچھا انہیں اس کی ذہنی حالت پر شک ہونے لگا تھا۔

"وہ اپنے سر اور ہاتھوں کو نفی میں زور زور سے ہلانے لگی۔

"آئی ڈونٹ......" وہ بڑبڑانے لگی۔

ڈاکٹر ثقلین نے اسے کندھوں سے پکڑ کر زور سے ہلایا۔

آر یو ان یور سینسز؟ (کیا تم اپنے حواس میں ہو؟) انہوں نے حیرت سے پوچھا

"آئی...... آئی...... ڈونٹ......" اور وہ بے اختیار ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ڈاکٹر ثقلین کے لیے یہ کسی خوبصورت اور حیران کن معجزے سے کم بات نہ تھی۔ علیزہ خود ان کی جانب بڑھی تھی۔

"ڈونٹ لیو...... پلیز ڈونٹ لیو" وہ ان کے سینے کے ساتھ لگی بڑبڑاتی رہی اور سسکتی رہی۔ ڈاکٹر ثقلین محبت سے اس کا سر سہلاتے رہے اور اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے۔ علیزہ اور شدت سے رونے لگی۔

"پلیز علینہ...... ڈونٹ ویپ (مت روؤ)" ڈاکٹر ثقلین نے محبت سے اسے اپنے بازوؤں میں مضبوطی سے جکڑتے ہوئے کہا اور وہ پھر سسکنے لگی یوں لگ رہا تھا جیسے آج اس کے اندر کے سارے دکھوں کا کتھارسس ہو رہا ہو۔ کئی سالوں سے اس کے اندر جو لاوا پک رہا تھا وہ آنسوؤں اور سسکیوں کی صورت میں بہہ رہا ہو...... وہ کافی دیر یونہی روتی رہی اور ڈاکٹر ثقلین اسے محبت سے چپ کراتے رہے...... انہیں بھی تو اسی دن کا انتظار تھا جب وہ خود ان کی جانب قدم بڑھا کر آئے۔ اسے خود ان کی ضرورت اور طلب محسوس ہو...... وہ خود ان کی بانہوں میں آنے کے لیے مچلے...... اور یہ معجزہ ہو گیا تھا...... جیسا وہ چاہتے تھے ویسا ہی ہوا تھا...... علینہ کے دل میں ان کے لیے جو تڑپ اور محبت پیدا ہوئی تھی اس نے انہیں حیران کر دیا تھا۔ قدرت کیسے کیسے انسان کو حیران کرتی ہے......؟

وہ اچھی طرح سوچ کر آئے تھے کہ وہ آتے ہی اسے طلاق دے دیں گے اور قدرت نے انہیں کیسے روک دیا تھا۔

انہیں خدا کی خدائی اور اپنی دعاؤں کی تاثیر پر یقین آنے لگا۔ علینہ روتی ہوئی صوفے پر ہی سو گئی تھی اور اس کا سر ڈاکٹر ثقلین کی گود میں تھا اور وہ حیرانی اور محبت سے اس کی جانب دیکھ کر زیر لب مسکرا رہے تھے۔

ان کے بچپن کی محبت...... اور اس محبت کو پانے کی آرزو...... اور اس آرزو کی عملی شکل میں دیکھنے کی خواہش...... اور اس خواہش کی تکمیل آج ہوئی تھی...... وہ یوں تھکی ہاری سو رہی تھی جیسے کڑی دھوپ سے پہلی بار کسی شجر سایہ دار کے نیچے کچھ دیر کے لیے ستانے کو لیٹی ہو...... اور ان کے چہرے پر سکون کے تاثرات نمایاں ہو رہے ہوں ڈاکٹر ثقلین نے محبت سے اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیریں خوشی کا اک خوبصورت احساس ان کے اندر پیدا ہونے لگا۔ وہ مسکرا کر سوتی ہوئی علینہ کے چہرے کی طرف بغور دیکھنے لگے۔ اچانک ان کا موبائل بجنے لگا اور انہوں نے جلدی سے علینہ کے سر کے نیچے کشن رکھا اور خود فون سننے لگے۔ ڈاکٹر براس کا فون تھا۔ جو انہیں کامیاب دورے پر مبارکباد دے رہے تھے۔ فون بند کر کے ڈاکٹر ثقلین جیسے ہی اسے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھنے کے لیے جھکے تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ سلیپنگ پلز کی خالی شیشی وہاں پڑی تھی، وہ شیشی کو ہاتھ میں پکڑ کر بغور دیکھنے لگے۔ نجانے علینہ نے کتنی گولیاں کھائی تھیں۔ انہوں نے گھبرا کر علینہ کی سانس چیک کی اور آنکھیں چیک کیں۔ وہ اسے جھنجھوڑ کر ہلانے لگے۔

"علینہ...... علینہ...... پلیز اٹھو...... آنکھیں کھولو" گھبراہٹ کے مارے ان کے اپنے اوسان خطا ہو رہے تھے۔

انہوں نے جلدی سے اپنا میڈیکل باکس کھولا اور اسے ضروری ٹریٹمنٹ کے بعد اس کا معدہ واش کرنے کی کوشش کی۔ وہ رات گئے تک اسے انجکشنز اور ٹریٹمنٹ دیتے رہے۔ اس نے گولیوں کی بہت زیادہ مقدار نہیں کھائی تھی۔ اس لیے خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔

"علینہ نے ایسا کیوں کیا......؟ وہ اسے بیڈ پر لٹا کر اس کے پاس صوفے پر بیٹھ کر سوچتے رہے۔

"کیا اس نے مجھے جو کچھ کہا۔ وہ مدہوشی کی حالت میں ہے کیا وہ واقعی ہی نہیں بدلی......؟

کاش ایسا نہ ہو...... علینہ نے جو کچھ بھی ان سے کہا ہے۔ وہ سچ ہو۔" ان کا دل بری طرح مضطرب ہونے لگا۔ اور ان کی آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے۔

"ہر بار ایسا ہی کیوں ہوتا ہے۔ میں جس کو منزل سمجھتا ہوں وہ سراب نکلتی ہے۔ میں کب تک یونہی خوش فہمیوں کے سہارے زندہ رہوں گا۔ ڈاکٹر ثقلین نے پریشان ہو کر سوچا اور صوفے کی پشت کے ساتھ سر ٹکا کر سو گئے۔

ڈاکٹر ثقلین صبح بیدار ہوئے تو علینہ گہری نیند سو رہی تھی انہوں نے اس کی جانب دیکھا اور اس کی نبض چیک کی۔ سائیڈ ٹیبل کے دراز چیک کیے وارڈروب کے تمام خانے چیک کیے۔ کہیں بھی کوئی ادویات انہیں نہ ملیں۔ انہوں نے وہ خانہ چیک کیا۔ جس میں علینہ شراب کی بوتلیں رکھتی تھی اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی بوتل ضرور ہوتی تھی مگر اب وہاں کوئی بھی بوتل نہ تھی۔ انہیں دیکھ کر بے حد حیرانگی ہوئی۔ اس کا مطلب ہے ان کے جانے کے بعد علینہ میں کافی تبدیلی آئی ہے انہوں نے سوچا اور ہر طرح سے مطمئن ہو کر کمرے سے نکل گئے۔

کل سہ پہر سے اوپر کمرے میں کیا ہوا تھا نیچے کسی کو کانوں کان کوئی خبر نہ تھی۔ کشور کا موڈ آف تھا کہ جب سے ڈاکٹر ثقلین اوپر اپنے کمرے میں گئے تھے ایک بار بھی نیچے نہیں آئے تھے...... علینہ سے ناراضگی کے باوجود انہوں نے سارا وقت اوپر اس کے ساتھ گزارا تھا۔ یہ بات ان کے لیے باعث حیرت بھی تھی اور باعث تشویش بھی۔

"السلام علیکم...... مما...... ناشتہ دے دیں...... مجھے ہاسپٹل جلدی پہنچنا ہے" ڈاکٹر ثقلین نے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے کہا تو کشور نے ریحانہ کو ناشتہ لانے کہا۔

"ثقی...... تمہاری علینہ سے کیا بات ہوئی ہے؟" کشور نے جان بوجھ کر کریدا۔

"کچھ بھی نہیں" ڈاکٹر ثقلین نے جواب دیا۔

"کیا تمہاری کوئی بات نہیں ہوئی ہے......؟ اور اس نے بھی کوئی بات نہیں کی؟" کشور نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں" ڈاکٹر ثقلین نے پر مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

"وہ مزید کریدنا چاہتی تھیں مگر ان کے پاس پوچھنے کو کوئی سوال نہیں مل رہا تھا۔

"کیا تم سوئے رہے......؟" کشور نے ان کی نیند سے بھرپور آنکھوں کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں......" انہوں نے جمائی لیتے جواب دیا۔

"وہ پھر خاموش ہو گئیں۔ ریحانہ ناشتہ لے آئی اور وہ ناشتہ کرنے لگے۔ کشور شش و پنج میں پڑی رہی وہ ان سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا پوچھے اور کیا نہ پوچھے۔

"اب میں چلتا ہوں...... اور...... مما...... علینہ کا خیال رکھیے گا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے...... وہ سو رہی ہے" ڈاکٹر ثقلین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کیوں...... کیا ہوا...... اسے؟" کشور نے ٹھٹک کر پوچھا۔

"یونہی...... ٹمپریچر ہو رہا ہے۔ میں جلدی آ جاؤں گا"

ڈاکٹر ثقلین نے جاتے ہوئے کہا تو کشور حیرت سے ان کی جانب دیکھنے لگی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک سی کا رویہ اس کے بارے میں کیسے بدل گیا تھا۔ پہلے علینہ کے بارے میں سن کر اس کے تاثرات بدل جاتے تھے۔ اور اب اس کا بدلا ہوا لہجہ انہیں کچھ اور ہی بتا رہا تھا۔

ڈاکٹر ثقلین ہاسپٹل میں بہت بزی ہونے کے باوجود بار بار علینہ کے موبائل پر فون کرتے رہے تاکہ اس کی خیریت دریافت کریں مگر کبھی موبائل آف ملتا تو کبھی بزی۔ ایک بار بھی رنگ نہیں گئی تھی انہیں سخت حیرانگی ہو رہی تھی۔ وہ ہاسپٹل سے فارغ ہو کر شام کو گھر لوٹے تو کشور اور ناظم سے ملنے کے بعد اوپر اپنے کمرے میں چلے گئے کشور کے چہرے پر بیزاری کے تاثرات نمایاں ہونے لگے مگر وہ خاموش رہی۔ علینہ بیڈ پر لیٹی چھت کو مسلسل گھور رہی تھی۔ دروازہ کھلنے پر اس نے چونک کر ڈاکٹر ثقلین کی جانب دیکھا اور پھر چھت کو گھورنے لگی۔

''السلام علیکم......اب کیسی ہیں آپ؟ ڈاکٹر ثقلین نے اس کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور پھر چھت کی جانب دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر ثقلین نے گہری سانس لی اور آگے بڑھ کر اس کی نبض چیک کرنے کی کوشش کی تو اس نے غصے میں اپنا ہاتھ جھٹک دیا اور کروٹ بدل لی۔ ڈاکٹر ثقلین کو اس کے رویے پر بہت غصہ آنے لگا مگر انہوں نے اس کی خراب طبیعت کی وجہ سے وہ خاموش ہو گئے۔

اچانک سائیڈ ٹیبل پر رکھا علینہ کا موبائل بجنے لگا تو وہ بڑ بڑا کر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اٹھی اور موبائل کو سوئچ آف کر دیا۔ ڈاکٹر ثقلین نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ انہیں اس کے چہرے پر انتہائی پریشانی کے تاثرات نظر آئے۔

''کیا بات ہے......؟ کس کا فون آ رہا ہے......؟ آپ نے موبائل کیوں آف کر دیا......؟ ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے پوچھا مگر اس نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔

''میں بھی آج بار بار فون کرتا رہا ہوں کبھی موبائل آف ملتا تھا اور کبھی بزی۔ کیا کوئی رانگ کال آ رہی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں......'' اس نے بمشکل جواب دیا۔

ڈاکٹر ثقلین نے ایک بار اس کی جانب دیکھا اور آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے موبائل چھین لیا وہ حیرانگی سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔

''یہ......یہ......مجھے واپس کریں۔'' وہ بمشکل بولی اور اس کا رنگ فق ہونے لگا۔

اب کی بار ڈاکٹر ثقلین نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور موبائل آن کیا۔ موبائل آن ہوتے ہی اس پر کال آنا شروع ہو گئی۔

علینہ کا رنگ ایک دم زرد پڑنے لگا اور چہرے پر خوف و حیرت کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

ڈاکٹر ثقلین نے ہیلو کہے بغیر یس کا بٹن کلک کر کے موبائل کان سے لگایا۔

''علینہ آئی ول شوٹ یو (علینہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا) دوسری جانب سے آواز آئی۔

''کہاں آؤں......؟ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے پرسکون لہجے میں جواب دیا تو علینہ نے چونک کر پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا

فون بند ہو گیا۔

"کون تھا......؟" ڈاکٹر ثقلین نے قدرے درشت لہجے میں پوچھا۔ علینہ نے سر جھکا لیا اور خاموش ہو گئی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔ ٹھیک ہے آپ جواب نہیں دیتیں تو میں اسی سے پوچھتا ہوں" ڈاکٹر ثقلین نے موبائل پر نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا۔

"جم......جی......" وہ بمشکل بولی اور ہونٹ چبانے لگی۔

"کون جی......؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"مائی فرینڈ......" اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"فرینڈ......؟ کیا فرینڈز ایسے ہوتے ہیں جو جان سے مارنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ فرینڈز تو جان بچاتے ہیں اور ہیلپ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ثقلین نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا تو علینہ نے سر جھکا لیا۔

"کیا بات ہے...... ادھر بیٹھیں اور مجھے بتائیں" ڈاکٹر ثقلین نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب صوفے پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

علینہ پریشان ہو گئی۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے جیسے وہ کچھ کہنا بھی چاہتی ہو مگر کہہ نہ پا رہی ہو۔

"ٹرسٹ......ی" ڈاکٹر ثقلین نے محبت سے کہا تو علینہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔

"ٹرسٹ......" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"ہاں......ٹرسٹ" وہ دوبارہ بولے۔

"کیسے کروں......؟" اس نے آہ بھر کر آہستہ آواز میں کہا۔

"کیوں...... کیا میں آپ کے ٹرسٹ کے قابل نہیں؟" ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی بھی ٹرسٹ کے قابل نہیں۔" اس نے نم آنکھوں سے جواب دیا۔

"لیکن آپ مجھ پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کر سکتی ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"آپ پر...... جو ندرت آنٹی کے ساتھ چھپ چھپ کر ملتے ہیں۔ اور میرے خلاف باتیں کرتے ہیں۔" وہ سسکتے ہوئے بولی تو ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"آپ کو کسی نے غلط انفارم کیا ہے" ڈاکٹر ثقلین نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میرے کانوں نے خود سنا ہے" وہ مشکوک لہجے میں بولی۔

"پھر آپ کے کانوں نے آدھی بات سنی ہے۔ صرف ندرت آنٹی کی بات...... کیا میری بات سنی تھی۔ میرے الفاظ...... جو میں نے ان سے کہے تھے" ڈاکٹر ثقلین نے اس کی جانب دیکھ کر پوچھا تو علینہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

"لیس......ان کی بات سن کر آپ نے میرے بارے میں بھی ویسا ہی گمان کر لیا۔ میرا اور آپ کا رشتہ وہ ہے جو ندرت آنٹی کا نہیں...... آپ میری محبت ہیں...... میری چاہت ہیں...... میری خواہش ہیں...... میرے دل میں رہتی ہیں...... میری دھڑکنوں میں بسی ہیں...... میری سوچوں کا محور...... میری چاہتوں کا مرکز آپ ہیں...... پھر میں ندرت آنٹی کی طرح کیسے ہو سکتا ہوں۔ ان کی طرح کیسے سوچ سکتا ہوں۔ ٹرسٹ می علینہ...... آئی ریئلی لو یو ٹو مچ" ڈاکٹر ثقلین نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ علینہ نے ان کی جانب بغور دیکھا اور وہ سوچ میں ڈوب گئی۔ ان کی آنکھوں میں اسے سچائی نظر آ رہی تھی۔

علینہ مجھے بتائیے یہ جی کون ہے؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"میرا کلاس فیلو تھا...... مجھ سے......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہونٹ چبانے لگی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیا کہے...... انہیں کیا بتائے کہ وہ اس سے محبت کرتا تھا...... نہیں اس نے تو کبھی اس سے محبت کی ہی نہیں تھی...... کیا یہ بتائے کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ شادی کے بارے میں تو اسے سوچنا بھی گوارا نہ تھا۔ کیا کہے کہ وہ اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا...... اور......" وہ کشمکش ورنج میں پڑ گئی۔

"ڈونٹ" تحسین کی سرگوشی پھر اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"بولو...... علینہ...... جی تمہیں کیوں فون کرتا ہے۔ وہ آپ کو کیوں دھمکی دیتا ہے۔ کوئی کسی کو یونہی تو دھمکی نہیں دیتا۔ کیا آپ کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"ہاں" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"کیوں......؟ انہوں نے پوچھا۔

علینہ خاموش ہوگئی۔

"علینہ...... ٹرسٹ می اور صاف بات بتائیے" ڈاکٹر ثقلین نے نرم لہجے میں کہا۔

"وہ۔ دھوکا دے رہا تھا۔ مجھے" وہ بمشکل بولی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"عورت کے لیے قابل اعتبار صرف اس کے اپنے رشتے ہوتے ہیں وہ جو اس کی عزت کے محافظ ہوتے ہیں...... دوسرے کوئی نہیں اور عورت جب بھی اپنے ان رشتوں کو چھوڑ کر دوسروں پر اعتبار کرتی ہے تو نقصان اٹھاتی ہے...... علینہ آپ نے مجھ پر اعتبار کرنا گوارا نہ کیا اور جی پر کر لیا۔ میری باتوں کو ایک بار بھی نہ سنا اور جو ندرت آنٹی نے کہا اس کو سچ مان لیا۔ آپ کب تک یونہی کرتی رہیں گی۔ کب تک اپنی زندگی کو دوسروں کے بہکاوے میں آ کر خراب کرتی رہیں گی۔ آپ کو نہ اپنی ذات پر اعتبار ہے اور نہ ان پر جو آپ سے سچی محبت کرتے ہیں" ڈاکٹر ثقلین نے آہ بھر کر کہا۔ تو علینہ شرمندگی سے سر جھکا کر رونے لگی۔

"آپ جاننا چاہیں گی کہ میں ندرت آنٹی کے پاس کیوں گیا تھا؟ ڈاکٹر ثقلین نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کی کیس ہسٹری جاننے گیا تھا۔ میں آپ کا ٹریٹمنٹ خود کرنا چاہتا تھا...... اور آپ کے بارے میں مکمل انفارمیشن صرف ندرت

آنٹی سے ہی مل سکتی تھی۔ کسی اور سے نہیں۔ اس لیے ان کے پاس جانا ضروری تھا" ڈاکٹر ثقلین نے کہا تو علیزہ سن کر چونک گئی اور خاموش ہو گئی۔

واقعی اس نے جو بھی باتیں سنی تھیں۔ ندرت آنٹی کی سنی تھیں۔ ڈاکٹر ثقلین کو کچھ بھی کہتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ اور اس نے خود ہی سوچے سمجھے اور ان کو سنے بغیر ان کے بارے میں کتنی غلط رائے قائم کر لی تھی۔ اسے شرمندگی سی محسوس ہونے لگی۔

"محبت کرنے والوں پر ایک بار اعتبار کر کے دیکھیں۔"

ثقلین نے قدرے جذباتی انداز میں کہا تو علیزہ ان کی طرف دیکھنے لگی وہ اس کے جواب کے منتظر رہے اور وہ مخمصے میں پڑی سوچتی رہی کہ کیا کروں۔ اعتبار کروں یا نہیں......؟

وہ اس کی جانب پرشوق اور پر منتظر نگاہوں سے دیکھتے رہے علیزہ کو کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا...... وہ کافی دیر علیزہ کی طرف دیکھتے رہے اور گہری سانس لی۔

"ٹھیک ہے...... میں آپ کو کسی بھی بات کے لیے مجبور نہیں کروں گا......" اور وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ڈونٹ...... علیزہ...... ڈونٹ" ثقلین کی سرگوشی قدرے تیزی اور خفگی سے اس کے کانوں میں گونجی ...... علیزہ نے صوفے پر بیٹھے ہوئے ڈاکٹر ثقلین کے بازو کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں مضبوطی سے پکڑا۔ ڈاکٹر ثقلین نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

ڈونٹ...... لیو می آلون (مجھے تنہا مت چھوڑیں) علیزہ سسکتے ہوئے ان کے بازو سے لپٹ گئی۔

ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور اس کو کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنے گلے سے لگا کر گہری سانس لی۔

آج وہ مکمل ہوش و حواس میں تھی...... اور جو کہہ رہی تھی اپنے دل کی سچائی سے کہہ رہی تھی۔ ڈاکٹر ثقلین کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

"آئی لو یو بیٹی...... " ڈاکٹر ثقلین نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"آئی لو یو ٹو...... " وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"آپ کی زبان سے یہ اقرار محبت" سننے کے لیے مجھے کتنا کٹھن سفر کاٹنا پڑا ہے...... شاید آپ کو اندازہ نہیں۔ کتنی بار ٹوٹا۔ کتنی بار سنبھلا اور کتنی بار مایوس ہوا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ ضرور...... کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی دن۔ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا" ڈاکٹر ثقلین نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"تجھی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ایسے کیریکٹرز سے نمٹنا مجھے خوب آتا ہے۔ جسٹ ٹرسٹ می" ڈاکٹر ثقلین نے کہا تو اس نے گویا اطمینان کا سانس لیا۔

"علیزہ زندگی بہت ڈیمانڈنگ ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ہم سے وہ کچھ طلب کرتی ہے جو شاید ہم اسے دینا نہیں چاہتے۔ یا ہم دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے مگر پھر بھی ہمیں اس کے تقاضے پورے کرنا پڑتے ہیں۔ اور ان تقاضوں کو پورا کیے بغیر ہم سروائیو نہیں کر سکتے۔ ہماری زندگی بے رنگی اور ادھوری رہتی ہے۔ انسان ہونے کے ناتے وہ تقاضے ہمیں پورے کرنے پڑتے ہیں" ڈاکٹر ثقلین نے اس کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے معنی خیز

انداز میں کہا۔

"کیا مطلب......؟"علیزہ نے چونک کر پوچھا۔

"محبت اگر زندگی کو خوشگوار بناتی ہے تو عزت اسے معتبر بناتی ہے اور پاکیزگی اس کو مقدس بناتی ہے اس میں نورانیت بھرتی ہے۔ زندگی کا حسن...... محبت...... عزت اور پاکیزگی کے بغیر ادھورا ہے...... اور جانتی ہیں اس کے حسن کو چار چاند کون لگاتا ہے"

ڈاکٹر ثقلین نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا تو علیزہ نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا۔

"انسان کا ایمان" انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

اور ایمان کی وجہ سے ہی زندگی میں معجزے رونما ہوتے ہیں...... اور ایمان کا تعلق روح کی سچائی سے ہے روح جتنی پاکیزہ ہوگی۔ ایمان اتنا ہی مضبوط اور پختہ ہوگا۔" ایمان" قدرت کا بہت بڑا عطیہ اور انعام ہے جس سے اس نے انسان کو نوازا ہے...... یہ ایمان ہی ہوتا ہے جو انسان کو خدا سے ملاتا ہے۔ قدرت کو ہر انسان کا ایمان بہت پسند ہے۔ اور اللہ کے نبی پاکؐ نے ایمان کے بعد جس کو پسند فرمایا ہے وہ نیک عورت ہے...... اور نیک عورت کو قدرت کا بہت بڑا تحفہ گردانا ہے اس لیے کہ انسان کی نسل کو اگر کوئی شے محفوظ بنا سکتی ہے تو وہ باحیا اور باکردار عورت کا ایمان ہے۔ اور نوجوان نسلیں بکھرتی اور منتشر ہوتی ہیں جب ان کی ماؤں کے ذہن، ایمان۔ سچائی اور تقدس کے مراکز سے ہٹ جاتے ہیں...... میں آپ کو ویسا دیکھنا چاہتا ہوں...... جیسے نزہت آنٹی کو سب دیکھتے تھے۔ ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی سب ان کا نام عزت سے لیتے ہیں۔ انہیں نیک باحیا اور باکردار عورت کا درجہ دیتے ہیں۔ کتنی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ جب وہ مر کر بھی سب میں زندہ ہیں"

ڈاکٹر ثقلین نے نزہت چچی کی تصویر کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا علیزہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ اور انسان ہی بھٹک جاتا ہے۔ مگر ہدایت بھی انسان ہی پاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ہدایت پانا چاہے۔ اپنے دل کو ایمان کے لیے کھولے۔ یہ آنسو اس بات کی علامت ہیں کہ آپ کے اندر ایمان کی روشنی موجود ہے۔ بس قدم بڑھانے کی ضرورت ہے ایمان کے لیے دل کے دروا کرنے کی ضرورت ہے" ڈاکٹر ثقلین نے نرم لہجے میں کہا تو وہ خاموش ہوگئی۔

اور وہ ایمان اس کے اندر پھیلی مایوسیوں اضطراب اور تاریکیوں کو رفتہ رفتہ نگل رہا ہو۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے جیسے اس کا دل لمحہ لمحہ بدل رہا ہو۔ اور دل کے بدلنے کی کیفیت اس کے چہرے کی رنگت کو بدل رہی ہو اور اس کے چہرے کی رنگت سے گلناری شعاعیں پھوٹ رہی ہوں۔ اس کے دل کی بدولت کیفیت سے روح تقویت پا رہی ہو۔ نیچے چلیں۔ مما۔ پاپا کے پاس ڈاکٹر ثقلین نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر کہا۔

ہاں...... اس نے مثبت میں سر ہلایا۔

انہوں نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

ایک منٹ۔ علیزہ نے کہا اور وارڈروب کھول کر فل سلیوز آف وہائٹ اور پنک کلر کا سوٹ نکالا جس کے ساتھ بہت بڑا کڑھائی والا چادر نما دوپٹہ تھا۔ اور کشور نے ایسے بہت سے سوٹ اس کے لئے بنوائے تھے۔ مگر علیزہ نے انہیں ہمیشہ حقارت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

ڈاکٹر ثقلین اس کی جانب دیکھ کر مسکرائے۔

علینہ نے واش روم میں جا کر ڈریس تبدیل کیا۔ قرینے سے بال بنائے ہلکا پھلکا میک اپ کیا اور انتہائی سلیقے سے دوپٹہ سر پر اوڑھا۔

ڈاکٹر ثقلین پُر شوق نگاہوں سے اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھتے رہے اور مسکراتے رہے۔

چلیں...... وہ تیار ہو کر بولی۔

ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر محبت سے اس کی جانب دیکھا اور اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔

ویری نائس پاکیزگی کتنی دلفریب ہوتی ہے۔ عزت خود بخود جنم لے لیتی ہے۔ وہ مسکرا کر بولے اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بیک گراؤنڈ میں نزہت آنٹی کی تصویر کی جانب دیکھنے لگے۔

آج آپ ہو بہو نزہت آنٹی کی طرح لگ رہی ہیں۔ ویسی ہی نیک۔ خوبصورت اور باحیا ایمان کی روشنیوں سے چمکتی روشن پیشانی ..... انہوں نے محبت بھرے میٹھے لہجے میں کہا تو وہ زیر لب مسکرا دی۔

کہتے ہیں...... انسان میں خون کا اثر ضرور ہوتا ہے اور یہ اثر آج دیکھ رہا ہوں...... نزہت چچی کی بیٹی میں" وہ مسکرا کر بولا تو وہ شرما گئی۔

چلیں...... "وہ آہستہ آواز میں بولا۔"

ہاں...... اس نے بھی آہستگی سے جواب دیا۔

اور جب دونوں لاؤنج میں داخل ہوئے تو صوفے پر بیٹھی کشور اور مظفر علی ایکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

وہ واقعی علینہ تھی...... کتنی باحیا...... اور باوقار لگ رہی تھی۔

ان کی آنکھوں کے سامنے معجزہ ہو گیا تھا...... اتنا بڑا معجزہ۔

ایک انسان کا 'دل' کیا بدلا تھا کہ اس کی پوری شخصیت بدل گئی تھی۔ ورنہ دل کا بدلنا...... کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانے سے مشکل کام ہے، اور علینہ کا 'دل'...... ڈاکٹر ثقلین نے بدلا تھا۔ یا ان کے ایمان نے...... سب حیرانگی سے دونوں کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"اسلام وعلیکم" علینہ نے آہستہ آواز میں کشور کے پاس آ کر کہا تو کشور نے اس کی جانب بغور دیکھا...... اور دیکھتی ہی رہ گئی۔" ماشاء اللہ...... بالکل نزہت لگ رہی ہو" کشور نے اس کا ماتھا چوم کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

مظفر علی نے بھی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بہت دعائیں دیں وہ مسکرانے لگی۔

"عزا...... عزا...... کہاں ہو؟ کشور نے عزا کو آواز دی تو وہ جلدی سے کمرے سے باہر نکلی...... وہ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی اور حیرت سے علینہ کی جانب دیکھنے لگی۔

"کیوں بھئی...... ہماری بیگم کو دیکھ کر تم کیوں حیران ہو رہی ہو؟

ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر عزا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... میں واقعی حیران ہو رہی ہوں" عزا نے حیرانگی سے کہا۔

"عزا...... بھابھی کے گلے ملو...... یوں لگ رہا ہے۔ ہم آج علیزہ کو بیاہ کر لائے ہیں" کشور نے محبت سے مسکرا کر کہا اور عزا آگے بڑھ کر علیزہ کو گلے لگایا اور دونوں مسکرانے لگیں۔

"بھئی اب کھانے کا بھی اہتمام کریں کہ صرف ملتے ہی رہیں گے"

ناصر علی نے کہا تو سب کھانا کھانے کے لیے ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔ سب مسکرا رہے تھے...... اور سب کے چہروں سے خوشی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔

☆

رشیدہ سارا دن گلیوں اور بازاروں میں گھومتی رہتی۔ اس کے گندے کپڑوں سے بدبو آنے لگی مگر وہ کپڑوں کو نہ تو بدلتی اور نہ ہی منی اور سدرہ کو انہیں ہاتھ لگانے دیتی۔ کھچڑی بالوں کی لٹیں اِدھر اُدھر بکھری رہتیں۔ کبھی آنکھوں اور منہ میں بات کرتے ہوئے یا سر ہلاتے ہوئے پڑتیں تو وہ انہیں ہاتھ سے بھی پیچھے نہ کرتی۔ ننگے پاؤں پھرنے سے اس کے پاؤں کے تلوے پھٹ گئے تھے اور انگلیاں گل چکی تھیں مگر اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ نہ اسے کھانے پینے کی ہوش تھی اور نہ ہی آرام کا پتا۔ وہ صبح ہوتے ہی درختوں اور جھاڑیوں سے پتے اکٹھے کرتی اور اپنی چادر میں ان کا ڈھیر باندھ کر راشد کی قبر پر لے جاتی اور وہاں جا کر پھیلا دیتی۔ سارا وقت قبر کے سرہانے بیٹھ کر راشد سے باتیں کرتی رہتی۔ وہ مکمل طور پر ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی۔ منی کو تو اس نے جب سے گھر سے نکالا تھا وہ سدرہ کے پاس چلی گئی تھی۔ خستہ حال چھوٹا سا گھر جسے کوٹھی والوں نے اسے خرید کر دیا تھا۔ مزید خراب ہو گیا تھا۔ ہر وقت اس کا دروازہ کھلا رہتا۔ اور رشیدہ گھر سے باہر رہتی۔ لوگ رفتہ رفتہ اس کے گھر کی ساری چیزیں اٹھا کر لے گئے تھے اور اسے کوئی ہوش نہ تھی۔ ہمسائے زبردستی اسے بچا کچا کھانا بھیج دیتے۔ کبھی کھا لیتی اور کبھی پھینک دیتی۔ منی اور سدرہ ہر دوسرے تیسرے روز آتیں اور اس کے انتظار میں بیٹھ بیٹھ کر چلی جاتیں...... ان کے لیے یہ انتہائی مشکل مرحلہ تھا۔ گھر میں کاشف بستر پر پڑا تھا۔ سدرہ ہر وقت اس کے اور ذیشان کے کاموں میں مصروف رہتی۔ ساتھ اپنی پڑھائی بھی کرتی۔ اس کے بی اے امتحانات بھی ہونے والے تھے۔ منی کے گھر میں آنے سے سدرہ کی بہت سی ذمہ داریاں بٹ گئی تھیں۔ منی گھر کے کام کاج کے علاوہ سلائی کڑھائی کا کام کرتی۔ کاشف کو بیڈ پر پڑے ہوئے تین ماہ ہونے کو آ رہے تھے اور آمدن کا کوئی مناسب ذریعہ نہ تھا۔ ٹھیکے والوں نے ایک ماہ تنخواہ دی اس کے بعد ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے علاج کا خرچہ بھی بہت مشکل سے ملتا۔ گھر میں اس قدر تنگدستی تھی کہ بعض اوقات سدرہ خود تنگ پڑ جاتی مگر نہ کاشف سے کوئی شکوہ کرتی اور نہ ہی زاہدہ سے۔

زاہدہ نے تو سدرہ کو بلانا ہی چھوڑ رکھا تھا۔ کیونکہ کاشف کی اس حالت کا ذمہ دار وہ صرف سدرہ کو سمجھتی تھی اور اس کے لیے وہ سدرہ کو معاف کرنے کو بالکل بھی تیار نہ تھی۔ اٹھتے بیٹھتے سدرہ پر طنزیہ جملے کستی۔ تنقید اور تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی مگر سدرہ اس کی سب باتیں کاشف کی خاطر سنتی۔ اور کاشف ماں کا رویہ دیکھ کر کڑھتا رہتا مگر زبان سے کچھ نہ بولتا۔

سدرہ ناشتے سے فارغ ہو کر کچن کی صفائی کر رہی تھی کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ سدرہ نے حیرت سے نمبر دیکھا۔ اور بات کرنے لگی۔ اس

کے چہرے کے تاثرات بگڑنے لگے اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''میں ابھی آتی ہوں'' اس نے موبائل بند کرتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے آپا......؟ کس کا فون تھا؟ منی نے حیرت سے پوچھا۔

''اماں کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے...... ساتھ والے گڈو کا فون تھا۔

''چل جلدی کر...... چلتے ہیں......'' سدرہ نے اپنی نم آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا۔

''اماں...... اب کہاں ہے؟ منی نے بھی گھبرا کر پوچھا۔

''گھر پر ہی ہے...... مرہم پٹی...... گڈو نے کرادی ہے'' سدرہ نے کہا اور دونوں جلدی سے رشیدہ کے پاس پہنچیں۔ وہ صحن میں ٹوٹی چارپائی پر انتہائی خستہ حالت میں پڑی تھی۔ گڈو کی ماں اس کے پاس بیٹھی تھی۔ ہاتھوں پاؤں پر پٹیاں لگی تھیں ماتھے پر بھی چوٹیں آئیں تھیں۔ سدرہ اور منی ماں کی انتہائی بری حالت دیکھ کر سسکنے لگیں۔ منی نے ماں کے گلے لگنا چاہا تو رشیدہ غصے میں آ گئی اور اسے زور سے دھکا دیا۔

''کون ہو تم......؟ اور...... یہاں کیوں آئی ہو......؟ پتا نہیں کون کون یہاں آ جاتا ہے...... جاؤ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے''

رشیدہ نے غصے سے کہا تو منی بلک بلک کر رونے لگی۔

''رشیدہ کی اب کوئی حالت نہیں۔ گڈو کہہ رہا تھا کہ اسے پاگل خانے بھیج دو۔ کم از کم وہاں محفوظ تو ہو گی۔ یہاں تو پتا نہیں ہوتا...... کب آتی ہے کب جاتی ہے۔ کسی بھی بات کا کوئی ہوش نہیں'' گڈو کی ماں نے کہا تو سدرہ اور منی ان کی بات سن کر رونے لگیں۔ ان کی ماں کی یہ حالت ہو جائے گی انہیں قطعی امید نہ تھی۔ ساری زندگی انتہائی مشقت اور تنگدستی سے گزارہ کر کر کے اب وہ انتہائی قابل رحم حالت تک پہنچ گئی تھی۔ زندگی میں اسے کوئی سکھ نہ ملا تھا۔ اور جس سے ٹوٹ کر محبت کی تھی۔ وہ بھی اس کا نہ بن سکا تھا اس نے بھی اسے بالکل سکون نہیں لینے دیا تھا۔ وہ حسرت و یاسیت۔ دکھ و الم کا مجسمہ بنے بیٹھی تھیں۔ زندگی نے ان کے لیے کبھی بھی نرم رویہ نہ رکھا تھا اس میں ان کا قصور تھا یا اس کی قسمت کا...... جو کچھ بھی اس کے ساتھ ہو رہا تھا بہت تکلیف دہ تھا۔ سدرہ ماں کی طرف دیکھتی رہی اور روتی رہی آپا...... کیا خیال ہے...... اماں کے بارے میں......؟ نہ تو وہ ہمارے ساتھ جانے کو راضی ہوتی ہے...... نہ مجھے ادھر رہنے دیتی ہے۔ گڈو ٹھیک ہی کہتا ہے...... اسے پھر وہیں بھیج دیتے ہیں پاگل خانے میں'' منی نے آہستہ آواز میں رُک رُک کر کہا تو سدرہ نے اس کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئی۔ جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی ہو۔ گڈو کی ماں اُٹھ کر چلی گئی۔

''آپا...... کیا سوچ رہی ہو؟ منی نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''اولاد کے لیے کبھی کبھی ایسا فیصلہ کرنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے...... اماں نے ہمارے لیے بہت محنت کی...... بہت دکھ اٹھائے...... اور ہم اس کی کوئی خدمت بھی نہ کر سکے۔ میں کس طرح اماں کو پاگل خانے بھیجوں...... مجھ سے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی'' اور سدرہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''آپا...... میرے بھی دل کی یہی حالت ہے۔ پر...... کیا کریں......؟

ہمارے پاس کوئی اور راستہ ہی نہیں...... تو ہی بتا...... کیا کوئی اور راستہ ہے؟...... کیا اور کوئی حل ہے۔ تو ہم وہ کر لیتے ہیں" منی نے سدرہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تو سدرہ خاموش ہوگئی۔

رشیدہ آنکھیں بند کیے چارپائی پر لیٹی تھی۔ جیسے آہستہ آہستہ سونے کی کوشش کر رہی ہو۔ سدرہ نے اس کی جانب دیکھ کر آہ بھری۔

"اماں......" سدرہ نے بمشکل کہا اور پھر رونے لگی۔

"آپا...... حوصلہ کر...... تو...... تو...... بالکل ہی ہمت ہار رہی ہے......"

منی نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا تو سدرہ اونچی آواز سے رونے لگی۔

"کون...... کون رو رہا ہے......؟ یہاں کوئی نہ روئے......؟

یہاں...... میرا راشد سو رہا ہے۔ وہ اُٹھ جائے گا...... نکلو...... یہاں سے...... میرے راشد کو تنگ مت کرو۔" رشیدہ بڑبڑا کر اٹھی اور سدرہ کو روتے دیکھ کر اسے دھکے دینے لگی۔ منی اور سدرہ باہر نکل گئیں اور گڈو کے گھر جا کر بیٹھ گئیں۔ گڈو بھی گھر پر ہی تھا۔ وہ اپنا ایک اسٹور چلاتا تھا۔ اچھی کمائی کرتا تھا۔ ماں باپ اور چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ سکون سے رہ رہا تھا۔ راشد کا ہم عمر تھا۔ اور اب بہت سلجھ گیا تھا۔ شروع میں وہ بھی راشد کی طرح آوارہ گھومتا رہتا تھا مگر باپ اور ماں کی سختی نے اسے ٹھیک کر دیا تھا۔ راشد پر سختی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ رشیدہ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملانے والی تھی۔ اس کے سیاہ کو بھی سفید جاننے والی...... اور اس کا دفاع کرنے والی...... اور وہ بگڑتا ہی چلا گیا...... سدرہ نے گڈو کی طرف حسرت سے دیکھا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"آپا...... خالہ کی حالت دن بدن خراب ہو رہی ہے...... میرا ایک جاننے والا پاگل خانے میں ملازم ہے۔ اس سے کہہ کر خالہ کو وہاں بھیج دو۔ تم لوگوں کی پریشانی تو ختم ہوگی نا"

گڈو نے رائے دیتے ہوئے کہا تو سدرہ خاموش ہوگئی۔

"ٹھیک ہے...... گڈو...... ہم چاہتے تو نہیں...... مگر اس کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں؟ منی نے آہ بھر کر کہا۔

"ٹھیک ہے میں ابھی ہی فون کرتا ہوں۔ اور اس سے بات کر کے بتاؤں گا......؟ گڈو...... نے کہا تو سدرہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا...... اس نے گہری سانس لی۔ گڈو فون پر کسی سے باتیں کرنے لگا۔

"آپا...... میں نے بات کر لی ہے۔ ہسپتال کی ٹیم آ کر خالہ کو دیکھے گی۔ اگر وہ انہیں پاگل لگے گی تو اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے" گڈو نے فون بند کرتے ہوئے سدرہ اور منی کو بتایا۔

ہاسپٹل سے ایمبولینس آئی ٹیم نے رشیدہ کو اچھی طرح چیک کیا۔

"چلو...... بی بی" ایک درمیانی عمر کی نرس نے کہا۔

"کہاں...... کہاں......؟ رشیدہ نے اس کے یونیفارم کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے ساتھ......"

"کیا تم لوگ فرشتے ہو......؟ مجھے اللہ کے پاس لے کر جا رہے ہو...... میرا راشد بھی تو وہیں ہے...... ٹھیک ہے مجھے بھی لے چلو" رشیدہ نے ٹیم کو سفید یونیفارم میں دیکھتے ہوئے کہا تو نرس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"ہاں......ہم فرشتے ہی ہیں" وہ مسکرا کر بولی۔

"چلو...... پھر جلدی کرو...... راشد اکیلا ہے نا...... اس نے مجھے لینے کے لیے بھیجا ہوگا۔ کیا تم لوگ جہاز پر آئے ہو......؟ اللہ کے پاس تو بہت سے جہاز ہوں گے...... کشتیاں بھی...... گاڑیاں بھی...... پہلے ہم جہاز پر جائیں گے...... پھر کشتی پر...... پھر گاڑی پر......" رشیدہ نے جہاز اور گاڑی کی آوازیں نکالتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... پہلے ہم گاڑی پر جائیں گے" نرس نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... میں تو جہاز پر جاؤں گی"

"نہیں...... میں تو جہاز پر جاؤں گی" رشیدہ نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

"اماں...... بعد میں جہاز پر بیٹھیں گے" نرس نے کہا۔

"نہیں...... پہلے جہاز منگواؤ......" رشیدہ روٹھتے ہوئے بولی اور اس کو دھکا دے کر کمرے میں چلی گئی اور جا کر دروازہ بند کر لیا۔ سدرہ منی۔ گڈو...... اس کے گھر والے اور ٹیم کے افراد سب حیرانگی سے اسے دیکھتے رہے۔

"انہوں نے کس بات کا اتنا صدمہ لیا ہے؟ نرس نے سدرہ سے پوچھا۔

"بیٹے کی موت کا......" سدرہ نے روتے ہوئے جواب دیا۔

تو وہ بھی آہ بھر کر رہ گئی۔

"آپ لوگ انہیں کمرے میں سے لاتی ہیں یا ہم جائیں" نرس نے پوچھا۔

تو سدرہ اور منی نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور دروازہ کھٹکھٹانے لگیں۔

"اماں...... دروازہ کھولو......" منی نے کہا۔

"نہیں...... پہلے جہاز لاؤ......" رشیدہ نے جواب دیا۔

"ہاں...... جہاز آ گیا ہے۔ گلی کے باہر ہے صحن میں تو نہیں آ سکتا نا" سدرہ نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا تو رشیدہ نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

"چلو......" وہ ٹیم کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگی۔

اور سب اس کے ہمراہ گلی کے نکڑ تک پہنچے...... وہ حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''جہاز کہاں ہے......؟'' رشیدہ نے غصے سے منی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہیں تھا......ابھی آجاتا ہے'' منی نے جواب دیا۔

''نہیں آئے گا۔۔۔تم نے جھوٹ بولا ہے۔۔۔راشد بھی نہیں آیا سب کہتے تھے۔وہ آجائے گا۔۔۔اور وہ ابھی تک نہیں آیا مجھے پتا ہے وہ نہیں آئے گا......سب جھوٹ بولتے ہیں'' رشیدہ غصے سے چلانے لگی اور ہاتھ چھڑا کر وہاں سے دوبارہ گھر کی طرف بھاگی۔نرس نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ اس کو بازوؤں سے پکڑ کر گاڑی میں گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔رشیدہ چلاتی رہی مگر گاڑی جا چکی تھی۔سدرہ اور منی ایک دوسرے کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔گڈو کی ماں انہیں دلاسا دیتی رہی مگر ان کے آنسو تھم ہی نہیں رہے تھے گھر کے صحن میں ٹوٹی چارپائی پر بیٹھ کر دونوں کتنی دیر تک روتی رہیں۔

''پتا نہیں......اماں کو کس بات کی سزا ملی ہے......اندھی محبت کی......انتھک محنت کی یا پھر چھوٹی چھوٹی چوریوں اور بددیانتی کی......'' سدرہ نے آہ بھر کر کہا۔

''پتا نہیں۔۔۔مگر اماں کو بڑا ہی دکھ ملا ہے۔۔۔کوئی سکھ نہیں ملا۔منی نے بھی روتے ہوئے کہا۔

''بعض لوگوں کے نصیب میں قدرت سوائے تکلیفوں کے کچھ نہیں لکھتی۔۔۔اور انسان اپنے نصیب کے ہاتھوں ہمیشہ بے بس ہو جاتا ہے۔اماں نے چوریاں بھی کیں تو راشد کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے۔۔۔اسے خوشیاں دینے کے لیے۔۔۔اور۔۔۔راشد کی زندگی نہ تو بہتر بن سکی۔اور نہ ہی اُس کی خوشیاں دیکھ سکی......الٹا اس کے اعمال کا کھاتہ گناہوں سے بھرتا گیا......کاش اماں کبھی اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتی۔کاش گڈو کے ماں باپ کی طرح اماں بھی راشد پہ کچھ سختی کرتی تو شاید آج ہمارا یہ گھر یوں نہ اجڑتا......'' سدرہ نے اردگرد پھیلی......حسرت، ویرانی اور یاسیت کو دیکھ کر افسردگی سے جواب دیا۔

''آپا......ہم کیا کر سکتی تھیں......تو ہی بتا......اماں کب ہماری سنتی تھی۔وہ ہمیں کچھ سمجھتی ہی نہ تھی۔تیرے ساتھ کیسے سلوک کرتی تھی......اس کو تو بس ایک ہی اولاد نظر آتی تھی......''راشد''......اس کی خوشیاں دکھ سکھ اور اس کی زندگی سب کچھ راشد کے دم سے تھی۔راشد مر گیا تو وہ بھی بکھر گئی......'' منی نے سسکتے ہوئے کہا۔

''ہاں......شاید......محبت ایسی ہی ہوتی ہے......انسان سے اس کا سب کچھ چھین لیتی ہے......اس کا سکون......چین......خوشی......سب کچھ اور بدلے میں ایسی بے چینی دیتی ہے کہ انسان کو کسی پل سکون نہیں ملتا۔کوئی بات اسے خوش نہیں کرتی۔سب کچھ بےکار لگتا ہے۔سب کچھ......اماں کو بھی راشد کی محبت نے ایسا ہی بے قرار رکھا......اسے اس کو دیکھے بغیر نہ خوشی ملتی تھی نہ سکون......اور اس کے مرنے کے بعد وہ ایسی بے چینی میں مبتلا ہو گئی کہ اپنے حواس کھو بیٹھی......دیکھو اسے یاد ہی نہیں کہ ہم بھی اس کی اولادیں ہیں......ہمیں بھی اس نے جنم دیا ہے......ہم سے بھی اس کا کوئی رشتہ ہے......اسے ہم کہیں بھی نظر نہیں آتیں'' سدرہ نے آہ بھر کر کہا۔

اور دونوں روتی ہوئیں گھر آگئیں۔ذیشان گھر پر زاہدہ کے پاس ہی تھا اور اس نے زاہدہ کو بہت تنگ کیا تھا۔گھر میں داخل ہوتے ہی زاہدہ

اس پر برس پڑی اور وہ بے عزتی کی کرخدا کی پناہ...... سدرہ اسے اُٹھا کر کاشف کے پاس کمرے میں چلی گئی۔ کیوں...... کیا بات ہے؟ رو کیوں رہی ہو؟ کاشف نے پوچھا۔ کچھ نہیں......'' وہ آہستہ آواز میں بولی۔

''اماں بگڑ رہی تھی...... کیا اس نے کچھ کہا ہے...... سدرہ تم......'' کاشف نے کچھ کہنا چاہا۔

''پلیز کاشف...... کچھ مت کہو...... خدا کے لیے چپ کر جاؤ...... میں کچھ نہیں سننا چاہتی'' سدرہ ایک دم مشتعل ہو کر قدرے اونچی آواز میں بولی تو کاشف اس کی طرف دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ تو کاشف سے اس لہجے میں کبھی نہیں بولی تھی۔ وہ تو ہمیشہ اس کی عزت کرتی آئی تھی اور اب...... ؟ کیا وہ کاشف سے تنگ آ گئی تھی۔ کیا وہ اس پر بوجھ بن گیا تھا...... اس لیے......؟ کاشف نے دکھ اور حسرت سے اس کی جانب دیکھا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''سدرہ اپنی ہی سوچوں میں گم...... صوفے کی پشت کے ساتھ سر ٹکائے آنکھیں موندے بیٹھی رہی۔ ذیشان اس کی گود میں کھیل رہا تھا...... اور کاشف اس کی جانب دیکھ کر دکھی ہو رہا تھا۔

''سدرہ کی بھی ہمت ہے...... آخر وہ کب تک مجھ جیسی زندہ لاش کے ساتھ گزارہ کرتی رہے گی...... میں نے اسے مالی جسمانی اور ذہنی طور پر پریشانی کے سوا دیا ہی کیا ہے...... زندگی کا کوئی سکھ...... کوئی خوشی...... کوئی سکون اسے نہیں دیا...... اور وہ پھر بھی...... میری خدمت کیے جا رہی ہے...... آخر وہ بھی انسان ہے...... مجھ سے اکتا بھی سکتی ہے......'' کاشف نے آہ بھر کر سوچا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

اچانک ذیشان نے رونا شروع کیا تو سدرہ نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور اسے چپ کرانے لگی۔ اس کو کندھے کے ساتھ لگا کر وہ کمرے میں چکر لگانے لگی اچانک اس کی نظر کاشف کی نم آنکھوں پر پڑی۔ اس نے گھبرا کر اس کی جانب دیکھا۔

''کاشف...... کیا ہوا ہے؟ سدرہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ کچھ نہیں'' کاشف نے چہرہ موڑتے ہوئے جواب دیا۔

''اس اداسی اور پریشانی کا کیا مطلب ہے......؟'' سدرہ نے پوچھا۔

''میں بہت دکھی ہو جاتا ہوں...... جب میں سوچتا ہوں کہ میں تم پر بوجھ ہوں۔ تم میرے لیے اتنا کچھ کر رہی ہو...... اور میں کچھ بھی نہیں کر پا رہا...... میں تمہاری بیزاری کی وجہ سمجھ سکتا ہوں'' کاشف نے آہستہ آواز میں کہا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''کاشف یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں...... میں اور آپ سے بیزار ہوں گی...... یہ ممکن ہی نہیں...... میں...... تو...... اماں کی وجہ سے پریشان ہوں'' اور سدرہ نے روتے ہوئے اسے رشیدہ کے بارے میں سب کچھ بتایا۔ کاشف کو بھی سب کچھ جان کر بہت دکھ ہوا...... ''تم سچ کہتی ہو...... ماؤں کی تربیت کا اولاد پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے خاص طور پر بیٹوں پر...... راشد کی بربادی کی ذمہ دار پھوپھو بھی ہے...... اور...... میں بھی تو اماں کے کہنے میں آ کر حلال و حرام میں فرق کرنا بھول گیا۔ مجھے اماں کی باتیں ہمیشہ سچ لگیں۔ اماں نے حرام اور ناجائز کمائی کو کبھی برا سمجھا ہی نہیں بلکہ اسے حق سمجھا۔ حرام کی کمائی میں بھی تو محنت اور ذہانت خرچ ہوتی ہے اور اللہ کے نزدیک حلال کی کمائی وہ کمائی ہے جس میں انسان محنت اور وقت لگاتا ہے۔ میں حرام اور حلال کی کمائی کے درمیان باریک فرق کو نہ سمجھ سکا...... اپنی ناجائز آمدنی کو جائز سمجھتا رہا...... اور...... اماں کی حوصلہ افزائی مجھے برابر ملتی

رہی ہیں۔ پہلے دونمبر کام کرتے ہوئے گھبراتا تھا مگر نڈر ہو کر کرنے لگا...... میرا مقصد صرف پیسہ کمانا اور اماں کا مقصد صرف اس پیسے کو اڑانا...... اور کھانا پینا ہو گیا...... میری اس سوچ کو بنانے والی میری ماں تھی...... اور میں اماں کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی سوچ اور میری سوچ ملتی گئی۔ میں تب چونکا...... جب تم میری راہ میں حائل ہوئیں...... تم نے مجھے روکا...... تم نے مجھے حلال وحرام کی کمائی کے فرق کو سمجھایا۔

مگر میں اپنی کمزور نکلا کہ اماں کی باتوں میں پھر آ گیا اور اس کے آگے ہتھیار ڈال دیے......" کاشف نے آہ بھر کر کہا۔

"کاشف...... آپا جی کہتی تھیں...... کہ حلال اور حرام کی کمائی انسان کی روح پر اثر کرتی ہے...... پاکیزہ اور حلال کی کمائی اس کی روح کو پاک اور اس کی مثبت سوچوں کو مضبوط کرتی ہے...... اس کے اندر اخلاقی جرأت ہمت اور بہادری پیدا کرتی ہے...... اور حرام کی کمائی انسان کی روح کو کمزور اور کم ہمت بناتی ہے...... اس کے اندر افسردگی، پریشانی اور ڈپریشن پیدا کرتی ہے...... کیا واقعی ہی ایسا ہوتا ہے؟" سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں...... افسروں کی ملی بھگت سے نمبر دو کام کر کے مجھے جو حصہ ملتا تھا اس کمائی سے میں ڈھیروں کھانے پینے کی چیزیں لاتا تھا اور اماں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھاتا تھا مگر اتنا کچھ کھانے کے بعد خوشی اور سکون کا احساس اپنے اندر نہیں پاتا تھا۔ انجانی سی فکر...... نہ سمجھ آنے والی بے چینی اور اضطراب مجھے پریشان رکھتا تھا...... مگر جب معطل ہوا تو وہ احساس ویسا نہیں تھا جب نوکری پر جا کر پیسہ کما کر اور اس پیسے سے عیش کر کے حاصل ہوتا تھا...... بس عجیب سی کیفیت تھی...... عجیب سی پریشانی تھی۔" کاشف نے کہا۔

"اور اب کیا سوچا ہے؟" سدرہ نے پوچھا۔

"معلوم نہیں...... آنے والے لمحوں کا فیصلہ قدرت کرتی ہے...... میں نے تو کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں کبھی میں یوں بے بس ہو کر بستر کے ساتھ لگ جاؤں گا...... اور اس طرح بے بسی سے ایک ایک لمحہ گزاروں گا۔" کاشف نے نم آنکھوں سے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں...... ہر آنے والا لمحہ انسان کے لیے ایک سوال بن کر آتا ہے۔ جس کا جواب انسان کو اپنی ہمت اور سمجھ بوجھ کے مطابق دینا ہوتا ہے۔ اور ہر آنے والا وقت انسان کے لیے آزمائش ہوتا ہے۔ اچھا وقت بھی آزمائش ہوتا ہے اور برا وقت...... اچھا وقت انسان کے "شکر" کی آزمائش کرتا ہے اور برا اس کے "صبر" کی...... ہر وقت...... ہر لمحہ اور ہر مرحلہ انسان کے لیے کٹھن ہوتا ہے۔ یہ وقت بھی آپ کو بہت کچھ سکھا رہا ہے...... اس میں صرف اپنی بے بسی اور مایوسی کو مت دیکھیں۔ اس وقت نے آپ کی آئندہ آنے والی زندگی پر کتنے گہرے اثرات چھوڑنے ہیں شاید آپ کو اس کا اندازہ اب نہ ہو...... مگر بعد میں ہوگا۔ اس لیے اپنے آپ کو سمجھائیے...... انشاء اللہ آپ کا پلاسٹر جلدی کھلنے والا ہے اور آپ پھر سے نوکری پر جانا شروع کر دیں گے۔"

سدرہ نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا تو کاشف کو اس کی باتوں سے حوصلہ ملنے لگا اور اس نے مسکرا کر اس جانب دیکھا۔

زاہدہ سادے۔ سستے اور غریبوں والے روکھے سوکھے کھانے کھا کھا کر تنگ آ گئی تھی۔ کبھی دال کے ساتھ روٹی۔ کبھی رائتے کے ساتھ کبھی آملیٹ اور کبھی ترکاری...... وہ ہر کھانے پر سدرہ کو گالیاں بکتی...... اسے کوسنے دیتی جس کی وجہ سے ایسے کھانے...... کھانے کو مل رہے تھے...... مگر سدرہ خاموش رہتی...... یہ تو اس کو ہی معلوم تھا کہ وہ کس قدر مشکل سے گھر کا خرچ چلا رہی تھی۔ منی اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی دن رات سلائی کڑھائی کا

کام کرتی۔اس لیے تو زاہدہ اس کو کچھ نہ کہتی...... سدرہ ٹیوشنز پڑھانے اکیڈمی جاتی۔کچھ بچوں کو وہ گھر پر بھی ٹیوشن پڑھاتی تھی۔بی۔اے کے امتحانات اس نے بہت مشکل سے دیے تھے۔زندگی تھی کہ جبر مسلسل کی طرح گزر رہی تھی...... ایک ایک لمحہ اذیت سے پر تھا...... وہ بظاہر کاشف کو ہمت دیتی اور خود اندر ہی اندر کتنی پریشان مضطرب اور فکر مند رہتی...... کبھی کاشف پر ظاہر نہ ہونے دیتی۔اپنے آپ سے سچ اور جھوٹ...... حق اور ناحق کی کشمکش...... صبر اور شکر کے مراحل...... گھر اور گھر سے باہر پیش آنے والی تکالیف شوہر اور ساس کے رشتے کو احسن طریقے سے نبھانے کی جدوجہد...... اتنے محاذوں پر لڑتے لڑتے وہ تھک گئی تھی۔مگر اس کے اندر اک عزم تھا۔جو اس کو ہمت نہیں ہارنے دیتا تھا۔اور اس عزم و ہمت کا سرچشمہ ذکیہ آپا تھیں۔جنہوں نے اس کی ساری جدوجہد...... ساری تکالیف...... اور ساری آزمائشوں کو اللہ پر ایمان کی ڈوری سے جوڑا تھا...... اور اللہ پر اس کا ایمان بہت کامل تھا۔جو اسے کبھی بھی جھکنے نہیں دیتا تھا۔وہ پریشان ضرور ہوتی تھی مگر ہمت ہار کر نہیں بیٹھتی تھی۔اس کا توکل اللہ کی ذات پر اس قدر زیادہ تھا جو اس صبر آزما وقت میں اس کے لیے نور کا کام کر رہا تھا۔اور اس نور کے سہارے وہ مشکل مراحل طے کر رہی تھی۔

زاہدہ کی باتوں سے وہ دو بار دل برداشتہ نہ ہوئی اور زاہدہ اپنی باتوں اور طعنوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتے دیکھ کر مزید چڑ جاتی۔غصے میں اکثر ہمسایوں کے گھر سے سالن منگوا لیتی اور وہاں سے بھی من پسند چیز نہ پا کر پیچ و تاب کھاتی رہتی۔

کاشف سے ملنے ایک ریٹائرڈ افسر آئے تھے...... وہ بہت سال پہلے ریٹائرڈ ہوئے تھے مگر کاشف کے ساتھ وہ بچوں جیسا سلوک کرتے تھے۔شریف الدین صاحب بہت ایماندار افسر سمجھے جاتے تھے اور ان کے ریٹائرڈ ہونے کے بعد بھی لوگ ان کا نام بہت عزت و احترام سے لیتے تھے۔کاشف کے بارے میں جان کر انہیں بہت افسوس ہوا اور ایک شام اس کی عیادت کے لیے آئے۔جاتے ہوئے وہ کاشف کو ایک لفافہ پکڑا کر گئے۔جسے زاہدہ نے فوراً اپنے قبضے میں کر لیا۔سدرہ اور کاشف حیرت سے زاہدہ کی طرف دیکھتے رہ گئے۔لفافے میں پانچ ہزار روپے تھے۔زاہدہ نے ان میں سے چار ہزار کاشف اور سدرہ کو پکڑائے۔ہزار اپنے پاس رکھا اور اس شام بازار سے مصالحے دار نہاری...... کراری حلیم...... بروسٹ...... تکے کباب اور رس ملائیاں منگوائیں اور خوب ڈٹ کر کھائیں...... کسی کو ایک بار بھی نہ پوچھا...... کاشف ویسے ہی بہت کم کھاتا تھا۔اس لیے اس نے اس کو بھی نہ پوچھا۔سدرہ اور منی کو پوچھنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔یوں کھاتی رہی جیسے چار پانچ ماہ کی کسر پوری کر رہی ہو...... جو بچا اسے سنبھال کر اپنے کمرے میں رکھ لیا۔منی اور سدرہ اس کی اس حرکت پر مسکراتی رہیں۔مگر کچھ نہ بولیں...... سدرہ نے دہی کے رائتے کے ساتھ آلو کی بھجیا بنائی تھی۔سب نے وہی کھائی اور کھا پی کر سو گئے۔رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی جب زاہدہ کے چلانے کی آوازیں سنائی دیں...... سدرہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور بھاگ کر زاہدہ کے کمرے میں گئی۔وہ پیٹ میں درد کی وجہ سے بری طرح کراہ رہی تھی۔پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھے وہ بیڈ پر تڑپ رہی تھی۔

"امی...... کیا ہوا......؟ سدرہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہائے...... درد سے جان نکلی جا رہی ہے" وہ کراہتے ہوئے بولی۔

"ٹھہریں...... میں سیرپ لے کر آتی ہوں......" اور سدرہ بھاگ کر سیرپ کی بوتل لے آئی۔مگر اس سے بھی افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔

"امی...... کیا ایسا درد پہلے بھی ہوتا ہے؟ سدرہ نے پوچھا۔

''ہاں...... کبھی کبھی'' وہ بمشکل بولی۔

''تب...... آپ کونسی دوائیں کھاتی تھیں'' سدرہ نے پوچھا۔

''وہ ختم ہو گئی ہیں...... ہائے مرگئی...... میرا کچھ کرلو...... ہائے یہ درد...... میری جان نکل رہی ہے...... کیا کروں......؟ ہائے کچھ تو کرو......'' زاہدہ درد اور غصے سے چلاتے ہوئے بولی۔

''قہوہ بنالاؤں......'' سدرہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

''ہاں وہی لے آؤ......'' زاہدہ بولی۔

سدرہ جلدی سے قہوہ بنالائی اور زاہدہ کو پلایا مگر اس کا درد کسی طرح بھی کم نہ ہو رہا تھا اور درد اس قدر شدید تھی کہ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بھی بہنے لگے تھے۔

''کاشف...... ماں کی طبیعت بہت خراب ہے۔ میرا خیال ہے ان کو کسی ہسپتال لے جاؤں یا کسی پرائیویٹ ڈاکٹر کے پاس'' سدرہ نے تشویش سے کہا۔

''ہاں...... وہ شریف الدین صاحب جو پیسے دے گئے ہیں...... وہ لے جاؤ'' کاشف نے کہا تو سدرہ خاموش ہو گئی۔ ذیشان کو منی کے پاس چھوڑ کر وہ بلبلاتی، روتی، چلاتی زاہدہ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی۔ ڈاکٹر نے سارے ٹیسٹ لیے۔ اچھی طرح چیک اپ کیا اور وقتی طور پر دوائیں دے کر رخصت کر دیا۔

''ان کی بیماری کا صحیح پتا...... رپورٹس آنے کے بعد چلے گا''

ڈاکٹر نے کہا تو سدرہ پریشان ہوئی۔

''ڈاکٹر صاحب...... کوئی پریشانی کی بات تو نہیں'' سدرہ نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی...... لیکن میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' ڈاکٹر کے لہجے میں قدرے مایوسی تھی جس نے سدرہ کو پریشان کر دیا۔

زاہدہ کو دواؤں سے وقتی طور پر افاقہ ہوا...... دوائیں کھاتی تو درد رک جاتی۔ ان کا اثر ختم ہوتا تو درد پھر شروع ہو جاتا...... زاہدہ پھر کراہنے لگی۔

زاہدہ کی رپورٹس نے سدرہ اور کاشف کو بے حد پریشان کر دیا تھا۔ معدے میں شدید قسم کے السر نے تباہی مچا رکھی تھی۔ مرض کافی پرانا تھا اور ڈاکٹر نے اسے مصالے دار...... چٹپٹی اور مرغن غذائیں کھانے سے منع کیا تھا مگر وہ کھانے پینے میں بالکل پرہیز نہیں کرتی تھی۔ گرم ٹھنڈی اور ٹھنڈی گرم چیزیں کھا کھا کر اس نے اپنے معدے کو برباد کر دیا تھا مگر وہ معدے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتی تھی۔ اسے زبان کا چسکا عزیز تھا۔ اس کا السر پھٹ گیا تھا اور اس سے خون رسنے لگا تھا۔

ڈاکٹر نے دوائیں دیں اور بہت پرہیز کرنے کو کہا تھا...... سدرہ نے زبردستی چند روز پرہیز کرائی تو حالت بہتر ہو گئی مگر وہ پھر ویسے ہی چٹپٹے کھانے کھانا شروع ہو گئی' جب چار پیسے ہاتھ میں آتے تو بازار سے سالن منگوا کر کھاتی۔ سدرہ سر پیٹ کر رہ جاتی۔ اور اسے کوئی پرواہ نہ ہوتی۔ رفتہ

رفتہ مرض بڑھنے لگا اور معدے سے خون آنا شروع ہو گیا۔ السر انتہائی آخری اسٹیج پر پہنچ چکا تھا اور اب السر سے ہر وقت درد اور تکلیف رہتی تھی۔ خود بخود کھانا پینا چھوٹ گیا تھا۔ ہر وقت چارپائی پر پڑی کراہتی رہتی۔ کبھی دودھ میں بریڈ کے چند ٹکڑے بھگو کر کھاتی کبھی پانی میں۔ وہ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ ایسی بیماری لگی تھی کہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ نہ ملنے یاد رہے تھے نہ کوسنے وہ تو اپنی ذات سے ہی بے خبر ہو گئی تھی۔ ہر وقت پیٹ پر ہاتھ رکھے کراہتی رہتی...... روتی رہتی...... کبھی اللہ سے شکوے کرتی کبھی خود بخود کچھ بڑبڑاتی رہتی۔ کاشف ماں کی یہ حالت دیکھ کر ہر دم پریشان رہتا۔

''اماں کی یہ حالت دیکھ کر مجھے سخت دکھ ہوتا ہے کیسے بیماری نے اسے ادھ موا کر دیا ہے...... سمجھ میں نہیں آتا...... اماں کو اچانک کیا ہو گیا ہے؟ کاشف نے پریشان ہو کر سدرہ سے کہا۔

''کاشف...... یہ اللہ کا غضب ہوتا ہے جو کبھی بیماری اور کبھی آزمائش کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ جب انسان اللہ کے احکامات کی پروا نہیں کرتا اور حرام کا مال اکثر بیماری کی صورت میں ہی نکلتا ہے'' سدرہ نے جواب دیا۔

''لیکن بہت سے اچھے اور نیک لوگوں کی بھی تو بیماریاں اپنے شکنجے میں لے لیتی ہیں...... اور انھوں نے کوئی حرام بھی نہیں کھایا ہوتا'' کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں...... وہ اللہ کی طرف سے آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں مگر ان کی بیماریوں کا کوئی نہ کوئی علاج نکل آتا ہے...... اکثر بہت سے لوگ صحت یاب ہو جاتے ہیں'' سدرہ نے کہا۔

''اور جو بہت سے اچھے لوگ بیماریاں سہہ کر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں...... وہ کس زمرے میں آتے ہیں...... اور میں نے تو اکثر نیک لوگوں کو زیادہ تکالیف اُٹھاتے دیکھا ہے'' کاشف نے کہا۔

''کاشف...... مال و دولت اور اولاد و قدرت کا بہت بڑا تحفہ ہیں...... اس کی نعمتیں ہیں مگر قرآن میں انھیں کوئی مقدمہ یعنی آزمائش کہا گیا ہے...... نعمتوں کا اچانک آزمائش میں تبدیل ہونا عجیب اور حیرت انگیز بات لگتی ہے...... آزمائش تو انسان کو تکلیف میں ڈالتی ہے اور نعمت اسے خوش کرتی ہے پھر ایک ہی وقت میں ایک چیز کا دونوں خصوصیات رکھنا انسان کو چونکا دیتا ہے...... مگر اس بات کی حقیقت سے کوئی انکار بھی نہیں کر سکتا کہ دونوں چیزیں انسان کو بہت عزیز ہیں۔ مال کی جدوجہد میں وہ زندگی گزار دیتا ہے اور اولاد کی خاطر وہ اپنے آپ کو بھی قربان کرنے پر تل جاتا ہے اور یہی دونوں چیزیں اس کے لیے جب آزمائش بن کر سامنے آتی ہیں تو کتنی عجیب بات لگتی ہیں مگر دنیا کے بہت سے لوگ ان نعمتوں سے خوش بھی رہتے ہیں اور بہت سے ان کی وجہ سے آزمائش میں بھی ڈالے جاتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم انسانوں کو جان و مال اور پھلوں کے نقصانات سے آزمائیں گے...... دونوں باتوں میں ''آزمائش'' کے فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور جیسے ہی کوئی تکلیف آتی ہے انسان کو خود ہی علم ہو جاتا ہے کہ وہ آزمائش میں ہے یا خدا کے غضب کی وجہ سے وہ یہ سب سہہ رہا ہے آپ کی بیماری آزمائش ہے اور ماسی کی بیماری اللہ کا غضب حرام کسی نہ کسی صورت میں ضرور ظاہر ہوتا ہے اور ماسی نے جس کھانے پینے کے پیچھے اپنے ایمان کو داؤ پر لگایا تھا اب وہ کھانا پینا ہی چھوٹ گیا ہے۔ آزمائش کے آغاز میں ہی انسان کو پتا چل جاتا ہے کہ یہ اس کے اعمال کا نتیجہ ہے یا اس سے کوئی اصلاح مقصود ہے کیونکہ ہر آزمائش اپنے اندر انسان کے لیے سبق لیے ہوتی

ہے" سدرہ نے آہستہ آہستہ کہا تو کاشف حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"سدرہ...... تمہیں اتنی بہت سی باتوں کے بارے میں کیسے معلوم ہوا ہے؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

"کاشف...... اللہ نے انسان کے لیے دو بڑے مضبوط ادارے بنائے ہیں ایک ماں اور دوسرا استاد...... ماں کی تربیت اور استاد کی تعلیم انسان کو لوہے سے کندن بنا دیتی ہیں...... اماں نے تو میری کوئی تربیت نہیں کی مگر زکیہ آپا نے ساری تشنگی دور کر دی۔

استاد عالم باعمل ہو تو شاگرد کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں ہوتا...... زکیہ آپا سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے اتنا کچھ کہ میں بیان نہیں کر سکتی...... اگر آپا نہ ہوتیں تو نجانے میں کیا ہوتی" سدرہ نے پرستائش لہجے میں کہا۔

واقعی...... تم ٹھیک کہہ رہی ہو...... مگر افسوس کہ آجکل دونوں ادارے کمزور ہو رہے ہیں...... مائیں تربیت نہیں صرف پرورش کر رہی ہیں اور استاد تعلیم نہیں صرف پیسہ کما رہے ہیں......" کاشف نے افسردگی سے جواب دیا۔

"مگر...... آج کل بھی قحط الرجال کے اس زمانے میں...... جو مائیں اور جو استاد اپنے فرائض کو پہچانتے ہوئے بچوں کی تعلیم و تربیت کر رہے ہیں۔ وہ گوہر نایاب ہیں اور وہ دُر نایاب پیدا کر رہے ہیں" سدرہ نے جواب دیا تو کاشف نے پرستائش انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

اگلی سہ پہر کو گڈو کا فون آیا تھا اور وہ بہت گھبرایا ہوا تھا

"آپا...... خالہ رشیدہ پاگل خانے سے بھاگ گئی ہے" وہ گھبرا کر بولا۔

"بھاگ...... گئی...... کہاں......؟ سدرہ کی آواز حلق سے نہیں نکل رہی تھی۔

"وہ...... وہ...... بس تم پہنچو......" گڈو نے انتہائی پریشانی سے کہا تو منی اور سدرہ جلدی سے گھر پہنچیں...... تو گڈو اور اس کے گھر والے بہت پریشان تھے۔

"آپا...... پاگل خانے کا عملہ بڑا پریشان ہے...... خالہ کل رات سے غائب ہے۔ صبح مجھے فون آیا تھا...... میں بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا...... خالہ کہاں گئی ہے؟ گڈو نے پریشانی سے کہا۔

لیکن...... اماں کہاں جا سکتی ہے؟ سدرہ نے بھی فکرمندی سے کہا۔

"گڈو...... کہیں اعلان ہی کرا دو......" منی نے پریشانی سے کہا۔

"ہاں...... یہ ٹھیک ہے" سدرہ نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"گڈو نے کچھ مسجدوں میں اعلان کرایا اور ایک وین والے سے بھی بات کی کہ وہ بھی اپنی گاڑی میں نصب لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرا دے۔ وہ خود بھی سارا وقت ادھر ادھر تلاش کرتا رہا۔ اس نے اپنا موبائل نمبر ہر جگہ لکھوایا تھا۔ رات گئے اسے ایک فون آیا کہ قبرستان سے ایک مردہ عورت کی لاش ملی ہے جو ایدھی سنٹر میں لاوارث پڑی ہے۔ گڈو اور اس کا باپ فوراً ایدھی سنٹر پہنچے اور لاش کی شناخت کر کے لے آئے۔ رشیدہ کی لاش کی حالت بہت قابل رحم تھی۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے اور سارے جسم پر جگہ جگہ زخموں کے نشانات تھے اور ان سے خون بہہ بہہ کر کپڑوں کے ساتھ چپک گیا

تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گاڑی سے ٹکرائی ہو...... اور اس کی ٹانگوں پر ٹائروں کے نشانات تھے اور گھٹنوں سے نیچے ٹانگیں بہت بری طرح کچلی گئیں تھیں اور ہڈیاں بھی چور ہو گئیں تھیں۔ ایدھی سنٹر سے ہی انہیں خبر ملی کہ جب وہ مردہ حالت میں قبر کے پاس پائی گئی تو اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جس میں کچھ مٹھائی تھی۔ قبرستان کی طرف جاتے ہوئے اس کا ایک تیز رفتار گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا اور وہاں پر موجود لوگوں نے بتایا کہ وہ خون میں لت پت بار بار ایک ہی بات کہہ رہی تھی کہ اسے فلاں قبر پر لے جاؤ۔ اسے نے اپنے بیٹے کو یہ مٹھائی دینی ہے جو اس نے مضبوطی سے اپنی مٹھی میں دبا رکھی تھی۔ لوگ اس کو اس قبر پر لے گئے اور وہاں جا کر وہ قبر کے ساتھ لیٹ کر رونے لگی اور مٹھائی لفافے میں سے نکال کر قبر پر پھیلا دی اور یہ الفاظ دہرانے لگی۔

"گھر میں بہت مشکل سے تمہارے لیے چھپا کر لائی ہوں۔ سب لوگ مٹھائی کھائیں اور میرا بیٹا کیوں نہ کھائے...... کھا لے خاموشی سے ...... اور...... کسی کو مت بتانا" وہ کہہ کر رونے لگی وہ اس وقت بہت اذیت میں تھی۔ اس کی ٹانگوں سے بہت خون بہہ رہا تھا۔ لوگوں نے اس کو ہاسپٹل لے جانا چاہا مگر وہ قبر کے ساتھ لپٹی رہی۔ کسی کو قریب نہ آنے دیتی تھی اور وہیں تڑپ تڑپ کر مرگئی۔

گڈو نے سدرہ اور منی کو ساری بات سنائی تو وہ بلک بلک کر رونے لگیں۔ بی اماں کا ایسا دردناک انجام سن کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دونوں بہنیں گلے لگ کر خوب روتی رہیں اور محلے والوں کے ساتھ مل کر اس کو دفنانے کا انتظام کیا۔ سب لوگوں نے ان کے ساتھ بہت تعاون کیا۔ ماں کو دفنانے کے بعد گھر کی چابی کوٹھی والوں کو دے کر وہ اس گھر کو خیر باد کہہ کر روتی ہوئیں واپس چلی گئیں کاشف کو بھی رشیدہ کی موت کا سن کر بے حد صدمہ ہوا۔ زاہدہ بھی افسردہ ہو گئی...... اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں بھی کسی روز یونہی مر جاؤں گی" وہ روتے ہوئے بولی تو سدرہ نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ جو کبھی کسی کی موت کا سن کر بھی افسردہ نہیں ہوتی تھی۔ کسی بیمار کی عیادت کرنے نہیں جاتی تھی اور جب بھی کوئی کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا تو ہمیشہ یہی کہتی کہ اسے اپنے اعمال کی سزا ملی ہے۔ کبھی کسی کے دکھ اور سکھ میں شریک نہ ہوتی تھی اب رشیدہ کی موت پر اونچی آواز میں رو رہی تھی۔

منی، سدرہ اور کاشف اس کی جانب حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"اماں...... ایسے نہیں کہتے...... تو ٹھیک ہو جائے گی" کاشف نے ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... اب میں کبھی نہیں ٹھیک ہوؤں گی...... جس کا کھانا پینا چھوٹ جائے تو اس کا دنیا سے آہستہ آہستہ تعلق ختم ہونے لگتا ہے...... میرا بھی دنیا سے تعلق ختم ہو رہا ہے۔ مجھے ہر طرف کالی سیاہ بھوت جیسی موت دکھائی دیتی ہے۔ ہر طرف بچھو اور سانپ نظر آتے ہیں۔ قبر کا اندھیرا مجھے ساری ساری رات سونے نہیں دیتا۔ نہ ہی پیٹ کا درد مجھے چین لینے دیتا ہے...... پتا نہیں میں نے کیا گناہ کیا ہے جو مجھے مولا یہ سزا دے رہا ہے...... کاشف کیا تجھے کچھ پتا ہے کہ میں نے کیا کیا ہے......؟" زاہدہ نے روتے ہوئے کہا تو کاشف نے سدرہ کی جانب دیکھا اور ٹھنڈی آہ بھری۔

"ہاں...... اماں...... تجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے" کاشف کافی دیر سوچنے کے بعد بولا۔

"گناہ...... کونسا گناہ...... میں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا" زاہدہ بوکھلا کر بولی۔

"وہی بات جس کو تو گناہ نہیں سمجھتی تھی۔ تو نے اللہ کے اتنے بڑے حکم کو نہ مانا۔ اور اپنی خواہشات کی خاطر حرام کو حلال جانتی رہی۔ ناجائز کو جائز سمجھتی رہی۔ مجھے بھی گناہگار کیا اور خود کو بھی" کاشف نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"میں نے کب تجھے گناہ کرنے کو کہا تھا۔ اور میں نے بھی کوئی گناہ نہیں کیا...... زاہدہ نے صاف طور پر انکار کرتے ہوئے کہا۔

"اماں تو مانے یا نہ مانے...... مگر تو نے مجھے حرام کھانے پر مجبور کیا اور خود حرام کھاتی رہی۔ یہ بہت بڑا گناہ تھا اماں حرام ہمیشہ بیماری یا کسی نہ کسی تکلیف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے......" کاشف نے کہا۔

"کیا میری بیماری تیری حرام کی کمائی کھانے کی وجہ سے ہے؟

زاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں...... شاید......" کاشف نے آہ بھر کر جواب دیا۔

زاہدہ اونچی آواز میں رونے لگی۔

"کیا اسی لیے مجھے سانپ اور بچھو نظر آتے ہیں...... کالے بھوت دکھائی دیتے ہیں...... کیا اسی وجہ سے......؟ زاہدہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"نہیں...... یہ تیرا وہم ہے۔ جب انسان بیمار ہوتا ہے تو اسے اکثر ایسے ہی خواب نظر آتے ہیں...... تو اس بات کو ذہن میں نہ لا اور اللہ سے معافی مانگ لے" کاشف نے ماں کو نرم لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... یہ میرا وہم نہیں...... وہ سب میرے ساتھ میرے بستر پر سوتے ہیں سانپ ادھر...... دائیں طرف...... اور بچھو بائیں طرف ...... اسی لیے تو میں ساری رات نہیں سوتی...... جب بھی سونے لگتی ہوں تو کاٹنے کو دوڑتے ہیں" زاہدہ نے بدحواس ہو کر کہا۔

"ارے نہیں اماں...... یہ تیرا وہم ہے۔ سراسر وہم ہے...... ایسی کوئی بات نہیں ہے" کاشف نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی جیسے کسی شدید الجھن کا شکار ہو گئی ہو۔ اسے کاشف کی بات پر یقین بھی آ رہا ہو اور نہیں بھی آ رہا ہو...... اس کی آنکھوں میں خوف اور پریشانی کے سائے لہرانے لگے۔

کاشف اسے کافی دیر سمجھاتا رہا اور پھر اٹھ کر وہاں سے چلا گیا مگر زاہدہ کا ذہن کہیں اٹک گیا تھا۔ دل پر کوئی بھاری بوجھ پتھر کی سل کی طرح اس کے سینے کو دبا رہا تھا...... وہ بری طرح بے تاب ہو رہی تھی۔

"اماں...... تجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے" کاشف کے الفاظ اسے اٹھتے بیٹھتے کچوکے لگانے لگے۔

"تو مانے یا نہ مانے...... تو نے مجھے حرام کھانے پر مجبور کیا اور خود بھی حرام کھاتی رہی...... یہ بہت بڑا گناہ تھا" کاشف کے الفاظ پھر اسے پریشان کرنے لگے۔

"میں نے تو ہمیشہ اچھے کھانے کھائے ہیں...... وہ حرام کیسے ہو گئے...... کاشف جھوٹ بولتا ہے......" اس نے اپنے آپ کو تسلی دینا چاہی مگر اس کی اپنی کوئی توجیہہ بھی اسے سکون نہ لینے دے رہی تھی۔ اس کا معدے کا درد ایک لمحے کے لیے بھی سکون نہیں لینے دیتا تھا۔ معدے کے درد کے ساتھ...... ساتھ دل میں پیدا ہونے والی بے چینی اور بے سکونی بھی اسے سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔ اور کاشف کی باتوں کی بازگشت...... اس کا

بار بار اسے گناہ کا احساس دلاتا...... وہ اتنی زیادہ پریشان ہو گئی تھی کہ اس کا دل موت کی خواہش کرنے لگا...... کاش موت آ جائے اور اس کا سارا دکھ درد ختم ہو جائے......" وہ گھبرا کر دعا کرتی اور تنگ آ کر بستر پر لیٹنے کی کوشش کرتی تو سانپ اور بچھو اسے نظر آنے لگتے...... وہ چلانے لگتی...... اور سارا گھر سر پر اٹھا لیتی...... ساری رات نہ خود سوتی اور نہ ہی کسی اور کو سونے دیتی۔

کاشف...... مامی کو سانپ اور بچھو کیوں نظر آتے ہیں......؟ مجھے لگتا ہے اس کے پیچھے کوئی اور وجہ بھی ہے" سدرہ نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"معلوم نہیں...... یہ کیا ہے؟ ہو سکتا ہے اماں نے کوئی اور گناہ بھی زندگی میں کیے ہوں جو مجھے معلوم نہ ہوں مگر وہ سانپ اور بچھو بن کر اس کے سامنے آ رہے ہوں...... اماں زبان کی بہت تیز تھی اور کسی کو نہیں بخشتی تھی...... لعن طعن...... طنز و تنقید اکثر سننے میں آتی تھی۔ ابا کے ساتھ بھی بدزبانی کرتی تھی اور رشیدہ پھوپھو جب بیوہ ہو کر ہمارے ہاں رہنے آ گئیں تو تب بھی یہ ان سے جھگڑا کرتی تھی۔ معلوم نہیں اب کونسا گناہ کس صورت میں سامنے آ رہا ہے" کاشف نے فکرمندی سے کہا۔

"کاشف...... مامی کی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے اور ان کی بدحواسی دیکھ کر مجھے ڈر لگتا ہے کہیں وہ بھی اماں کی طرح......" سدرہ نے گھبرا کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہاں...... مجھے بھی ڈر لگنے لگا ہے...... نجانے......" وہ بھی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کاشف جس انسان کے دل میں ذرا سا بھی اللہ کا ڈر، خوف یا اس سے محبت ہوتی ہے وہ کبھی بھی نہ تو دوسروں کو تنگ کرتا ہے اور نہ اللہ کے احکامات کو توڑنے کی جرأت کر سکتا ہے...... اور مجھے کبھی بھی مامی کی باتوں سے یہ احساس نہیں ہوا ہے کہ انہیں ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کوئی لگاؤ ہے۔ سدرہ نے مایوسی سے جواب دیا۔

"سدرہ...... کچھ ایسا کرو...... کہ اماں...... اللہ سے توبہ استغفار کر لے اور اس کے دل کو کچھ سکون مل جائے...... ورنہ مر کر بھی اسے چین نہیں ملے گا" کاشف نے فکرمندی سے کہا۔

"ہاں...... میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ مگر مامی کو کیسے قائل کریں؟ کیسے ان سے کہیں کہ آپ سانپ اور بچھو اپنے غلط کاموں کی وجہ سے دیکھ رہی ہیں۔ کاشف یہ بہت مشکل کام ہے" سدرہ نے کہا۔

"پلیز...... سدرہ کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے...... ہو سکتا ہے اللہ...... اماں پر اپنا کرم کر دے" کاشف نے پرامید لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے......" سدرہ نے جواب دیا۔

آدھی رات کو زاہدہ ہڑبڑا کر اٹھی اور چیخنے چلانے لگی۔ اس کو پھر سانپ اور بچھو نظر آنے لگے تھے جو اسے سونے نہیں دے رہے تھے وہ کبھی فرش پر بیٹھتی کبھی صوفے پر اور کبھی بیڈ پر...... اس کے چلانے کی آواز سن کر سدرہ اس کے کمرے کی جانب بھاگی۔

"کیا ہوا مامی......؟ سدرہ اس کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"یہاں مت بیٹھو...... یہاں بہت زیادہ بچھو ہیں...... اور اس طرف کالے رنگ کے چھوٹے بڑے سانپ ہیں......" زاہدہ نے سدرہ کا

بازو پکڑ کر اسے بیڈ سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مامی...... یہاں کچھ نہیں...... آپ ادھر بیٹھیں......" سدرہ نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ ڈرتے ہوئے بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں انتہائی خوف و ہراس تھا۔

"مامی...... بعض اوقات انسان کو پتا بھی نہیں چلتا تو اس سے ایسے کام ہو جاتے ہیں جن سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ انجانے میں کوئی کسی کو غلط بات کہہ دیتا ہے۔ جس سے دوسروں کا دل دکھی ہو جاتا ہے۔ کبھی زبان سے...... کبھی ہاتھ سے اور کبھی رویے سے دوسرے لوگ پریشان ہو جاتے ہیں۔.... ایسا ہر انسان سے ممکن ہے۔ کچھ لوگ تو فوراً معافی مانگ لیتے ہیں۔ اور کچھ کو یاد نہیں رہتا اور وہ باتیں گناہ بن کر انسان کے ذہن کو پریشان کرتی ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے توبہ کے دروازے کھلے رکھے ہیں کہ جب بھی ایسی غلطیاں اور ایسے گناہ یاد آئیں تو انسان اللہ سے سچے دل سے معافی مانگ لے۔" سدرہ نے نرم لہجے میں کہا تو زاہدہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"ہاں...... اللہ اپنے بندوں پر بہت رحم اور کرم کرنے والا ہے۔ وہ گناہگاروں پر بھی اپنی رحمت کے دروازے بند نہیں کرتا وہ ان کو بھی ذلیل و خوار نہیں کرنا چاہتا...... اور کہتا ہے کہ جو گناہ کر کے اس سے معافی مانگتے ہیں۔ وہ ان سے بہت پیار کرتا ہے۔...." سدرہ نے کہا اور پھر کہتے کہتے رک کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب ہے...... تمہارا...... ؟ کیا میں نے کوئی گناہ کیے ہیں...... ؟ کسی کا دل دکھایا ہے۔ کسی کو طعنے دیے ہیں....؟" زاہدہ نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں...... ہو سکتا ہے...... ہم سب گناہگار انسان ہیں اور کسی سے بھی کچھ ہو سکتا ہے۔" سدرہ نے کہا۔

"نہیں...... بالکل بھی نہیں...... میں...... میں...... میں نے تو آج تک کسی کو کچھ کہا ہی نہیں...... اور.... میں کیوں کسی کو کہوں گی...... پھر میں کس بات کی معافی مانگوں......" زاہدہ نے قدرے غصے سے کہا تو سدرہ اس کی جانب دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

"چلو...... جاؤ...... یہاں سے...... آئی بڑی نیک بی بی...... اللہ والی...... مجھے مشورے دینے۔ لو بھلا...... میں نے کسی کو کیا کہا ہے؟" زاہدہ نے غصے سے سدرہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا تو وہ نم آنکھوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے باہر نکل گئی اور کمرے میں جا کر رونے لگی۔

"کیا ہوا...... کیا اماں نے کچھ کہا ہے؟" کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

"کاشف...... وہ تو یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ انہوں نے کبھی کوئی غلط کام کیا ہے یا کسی سے کوئی غلط بات کہی ہے...... ایسے میں کیسی توبہ اور...... کیسی معافی؟" سدرہ نے رنجیدگی سے کہا تو کاشف حیرت سے سدرہ کی جانب دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے...... اگر وہ کچھ بھی ماننے کو تیار نہیں تو انہیں کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے؟ توبہ کے لیے شرمندہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور جہاں شرمندگی نہ ہو...... وہاں کیسی توبہ اور کیسی معافی؟" کاشف نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

زاہدہ اٹھتے بیٹھتے ہر وقت کراہتی رہتی اور بڑبڑاتی رہتی۔ اکیلے میں بیٹھے اپنے آپ سے باتیں کرتی رہتی۔

"میں نے بھلا کسی کو کیا کہا ہے......؟ میں نے کونسا گناہ کیا ہے......؟

میں نے کوئی گناہ نہیں کیا......؟ کہہ رہی تھی۔ معافی مانگوں...... کس بات کی معافی...... توبہ وہ کرے جو گناہ کرے...... اور میں نے تو کبھی کسی کو کچھ کہا ہی نہیں...... پھر...... نہیں...... نہیں' ' وہ سر ہلانے لگی۔

رشیدہ کے بچے بہت تنگ کرتے تھے۔ ہر وقت شور شرابہ، زندگی عذاب بنا رکھی تھی۔ جاتی بھی نہیں تھی۔ ایسی کھری کھری سنائیں کہ فٹ چلتی بنی...... روتی ہوئی گئی...... میرے گھر سے" زاہدہ بڑبڑانے لگی۔

یہ...... یہ گناہ تو نہیں تھا...... جو تنگ کرے...... اسے یونہی نکالا جاتا ہے یہ گناہ تو نہیں...... میں نے بھلا کسی کو کیا کہا ہے......؟

وہ خود ہی بڑبڑاتی...... کبھی رشیدہ کو یاد کر کے باتیں کرتی تو کبھی ساس اور نندوں کو...... کبھی سدرہ سے مخاطب ہوتی تو کبھی اپنے آپ سے...... چند روز بعد نجانے زاہدہ کو کیا ہوا تھا کہ بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ کسی سے کوئی بات نہ کرتی...... بس سب کے چہرے حیرانگی سے دیکھتی رہتی۔ کبھی سدرہ کی طرف خاموش نگاہوں سے دیکھتی تو کبھی کاشف کی طرف کبھی ذیشان اور منی کی طرف۔ ہر وقت معدے پر ہاتھ رکھے وہ اسے دباتی رہتی کراہتی رہتی یا پھر حیران کن اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے سب کو گھورتی رہتی۔ وہ عجیب و غریب حالات میں سے گزر رہی تھی۔ سدرہ اور کاشف کے لیے اس کے یہ بدلتے ہوئے روپ بہت حیران کن تھے۔ کئی روز ہو گئے تھے اسے کسی سے بات کیے ہوئے۔ سدرہ پرہیزی کھانا اس کے پاس رکھ دیتی۔ دل چاہتا تو کھا لیتی ورنہ وہیں کا وہیں پڑا رہتا......

خاموش نگاہوں اور خاموش زبان سے وہ در و دیوار اور چہروں کو گھورتی رہتی۔ اور انہیں اس کی حالت دیکھ کر تشویش ہوتی کاشف اسے محبت اور نرمی سے کچھ سمجھانا چاہتا تو وہ حیرت سے اس کا چہرہ یوں دیکھتی جیسے وہ کوئی انہونی بات کہہ رہا ہو اور اسے وہ بات پہلی بار سن کر حیرت ہو رہی ہو۔ وہ ماہ کے اندر درد کی شدت اور ذہنی اذیت سے دو چار ہو کر وہ انتہائی کمزور ہو گئی تھی جو بھی گھر آتا اسے نہ پہچانتا۔ اس کی بیٹیاں اسے دیکھ دیکھ کر روتیں اور وہ خاموشی و حیرت سے ان کے چہرے دیکھتی رہتی۔ سب کو زاہدہ کی اس حالت پر افسوس کے ساتھ ساتھ حیرانگی بھی ہوتی مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آتا۔

زاہدہ گناہ اور توبہ کی کشمکش میں ایسی الجھی تھی کہ اسے خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے......؟ خود ہی اپنے آپ سے سوال پوچھتی...... خود ہی جواب دیتی...... اور...... پھر خود ہی الجھنے لگتی۔ کئی بار اس کا ذہن توبہ کے بارے میں سوچتا مگر دل اس کی راہ میں حائل ہو جاتا...... کوئی چیز تھی یا کوئی قوت تھی جو اسے اندر سے توبہ کرنے سے روک رہی تھی۔ وہ سارا وقت بیڈ کے پاس صوفے پر بیٹھی اپنے خیالوں میں مگن رہتی۔ کئی روز سے اس کا معدے کا درد کچھ بہتر ہوا تھا۔ اور اس کا دل پھر چٹ پٹے کھانے کھانے کو چاہ رہا تھا۔ اس نے چوری چوری ہمسائے کے لڑکے سے خوب مصالے دار نہاری منگوائی اور کمرے کا دروازہ بند کر کے کھانے لگی۔ ابھی چند لقمے ہی اس نے کھائے تھے کہ اس کو ایک دم قے آنی شروع ہو گئیں...... اور قے کے ساتھ معدے میں سے خون بھی آنا شروع ہو گیا۔ سدرہ اور کاشف گھبرا گئے۔ سدرہ اسے جلدی سے ڈاکٹر کے پاس لے گئی اور ڈاکٹر بھی اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔

"اب.....کوئی علاج ممکن نہیں" ڈاکٹر نے مایوسی سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب.....کچھ نہ کچھ.....کوئی نہ کوئی علاج تو ہوگا"

سدرہ نے گھبرا کر کہا۔

"جب کوئی بھی مرض آخری اسٹیج پر آتا ہے.....تو پھر ہر دوا بے اثر ہو جاتی ہے.....یہی ان کا بھی حال ہے.....ہمارے پاس کوئی ایسی دوا نہیں جو بیماری کے اس مرحلے میں کوئی اثر دکھا سکے" ڈاکٹر نے مایوسی سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب.....کیا ان کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرا دیں؟ سدرہ نے پوچھا۔

"بی بی.....اپنی تسلی کے لیے آپ چاہتی ہیں تو داخل کرا دیں ورنہ بے سود ہے....." ڈاکٹر نے کہا تو سدرہ نے نم آنکھوں سے زاہدہ کی جانب دیکھا.....جو درد سے بری طرح کراہ رہی تھی۔ وہ اسے لے کر گھر آ گئی اور کاشف کو ساری صورت حال بتائی وہ بھی پریشان ہو گیا۔

رات کو زاہدہ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی اسے بار بار قے آ رہی تھی اور قے کے ساتھ خون آ رہا تھا.....سدرہ، کاشف اور منی زاہدہ کے پاس بیٹھے تھے۔ سدرہ اس کے سرہانے بیٹھ کر سورہ یسین پڑھ رہی تھی اور پانی پر دم کر کے اسے پلانے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ ایک گھونٹ بھی اندر نہیں لے جا رہی تھی۔

"اماں.....ایک بار خدا سے معافی مانگ لو.....صدق دل سے اپنے گناہوں کی توبہ کر لو.....اللہ معاف کرنے والا ہے" کاشف نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے نرم لہجے میں کہا تو زاہدہ نے آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ایک دم درد کی شدید لہر اس کے معدے میں اٹھی۔ وہ درد سے بے تاب ہو کر چلانے لگی اور اسی حالت میں اس کی سانسوں کا ناتا جسم سے ٹوٹ گیا۔ کاشف، سدرہ اور منی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ زاہدہ کو قدرت نے اتنی مہلت ہی نہیں دی تھی کہ وہ اس سے معافی مانگ سکتی۔ توبہ واستغفار کر سکتی۔

سدرہ نے جب بھی اسے توبہ کے لیے قائل کرنا چاہا.....اس کی انا اور سوچیں اس کی راہ میں حائل ہونے لگیں.....نجانے کونسی شے..... اس کے راستے میں حائل ہوتی رہی اور زندگی کی آخری سانسوں تک وہ توبہ نہ کر سکی۔ کاشف اس بات کو یاد کر کے روتا رہا۔ اس کی آخرت کی فکر کرتا رہا۔ نجانے قبر میں اس کا کیا حال ہو رہا ہوگا.....ہو سکتا ہے وہ سانپ اور بچھو اس کے مردہ جسم کے ساتھ لپٹے ہوں.....ایسی ان گنت سوچیں تھیں جو کاشف کو ہر دم پریشان رکھتی تھیں اور وہ جب بھی رنجیدہ ہوتا تو سدرہ سے زاہدہ کے بارے میں ہی باتیں کرتا.....اور اسے توبہ کی توفیق نہ ملنے پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا۔

کاشف توبہ کو ہم بہت عام بات سمجھتے ہیں.....مگر یہ حقیقی بڑی توفیق ہے جو اللہ اپنے گناہگار بندوں کو دیتا ہے انسان کی توبہ.....اور خدا کی رحمت کے درمیان ایک چیز حائل ہوتی ہے جو اسے توبہ کرنے سے روکتی ہے.....اور وہ ہے انسان کی انا.....وہ اپنی انا کو کچل کر.....اپنی ذات کی نفی کر کے خدا کے حضور جاتا ہے اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے معافی طلب کرتا ہے.....امی.....بہت بدقسمت نکلیں کہ پروردگار نے ان کو یہ توفیق نہیں بخشی....."

سدرہ نے آہ بھر کر کہا۔

"ہاں...... مجھے بھی اسی بات کا دکھ ہے...... انسان کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے...... دوسرے کو توبہ کرنے پر کتنا ہی قائل کیوں نہ کرے مگر اس کی توفیق اللہ کے کرم سے ہی ملتی ہے...... یہ بھی اللہ کی کتنی بڑی عطا ہے...... جسے میں اب سمجھ پایا ہوں......" کاشف نے افسردگی سے جواب دیا۔

"ہاں...... ہم لوگ گناہ پر گناہ کیے جاتے ہیں...... یہ سوچ کر کہ کسی بھی وقت معافی مانگ لیں گے...... مگر وہ "وقت" کتنا اہم ہوتا ہے...... جس کو اللہ انسان کے لیے منتخب کرتا ہے۔ جس وقت وہ اللہ سے صدقِ دل سے توبہ کرتا ہے۔ اور وہ کھلے دل سے اسے معاف کر دیتا ہے وہ کہتا ہے۔

"اے ابنِ آدم! اگر زمین و آسمان تیرے گناہوں سے بھرے ہوں اور تو صدقِ دل سے توبہ کر کے میری طرف لوٹ آئے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا"

یہ اللہ کی رحمت اور اس کے کرم کی انتہا ہے کہ وہ انسان پر توبہ کے دروازے کھلے رکھتا ہے اور وہ لوگ کتنے بدنصیب ہوتے ہیں جو ہٹ دھرمی سے نہ توبہ طلب کرتے ہیں اور نہ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں...... پھر قدرت کو بھی ان کی توبہ کی ضرورت نہیں ہوتی...... مامی بھی اپنی ہٹ دھرمی سے توبہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتی رہیں اور شاید آخری لمحوں میں انہوں نے توبہ کرنا چاہی مگر قدرت نے ان کو مہلت ہی نہ دی اور ان کی زبان بند ہو گئی وہ کتنی بڑی رحمت سے محروم رہ گئیں...... کاش...... مامی...... میری بات سنتیں...... میں نے ان کو بہت قائل کرنے کی کوشش کی مگر......" سدرہ نے آہ بھر کر کہا اور خاموش ہو گئی۔ "اور ماں اپنے گناہوں کی گٹھری اپنے ساتھ لے گئی۔" کاشف نے نم آنکھوں کے ساتھ کہا۔

"کاشف...... آپ کو بھی تو...... توبہ کرنی ہے...... نا......؟" سدرہ نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"ہاں...... اور...... میں...... وہ کر چکا ہوں...... کئی بار گڑگڑا کر...... رات کی تنہائیوں میں...... اس سے رو رو کر...... معافی طلب کی ہے۔ اپنے بہت سے گناہوں کی...... دعا ہے کہ وہ میری توبہ قبول کر لے...... سدرہ تم بھی میرے لیے دعا کرنا" کاشف نے سدرہ کا ہاتھ پکڑ کر التجائیہ انداز میں کہا۔

"وہ آپ کی توبہ ضرور قبول کرے گا...... بشرطیکہ......" سدرہ کچھ کہتے کہتے رکی۔

"بشرطیکہ......؟ کیا مطلب......؟" کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ...... توبہ سچے دل سے ہو...... اور انسان گناہ سے سچے دل سے توبہ اور معافی مانگے...... کیا آپ نے ایسی ہی توبہ کی ہے...... اپنے آپ سے پکا وعدہ کیا ہے...... اور خدا سے بھی...... کہ آپ دوبارہ وہ کام نہیں کریں گے...... جو......" سدرہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں...... پکا وعدہ کیا ہے" اس نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پھر وہ بھی ایسی توبہ کو کبھی رد نہیں کرتا...... انشاءاللہ وہ ضرور اسے قبول کرے گا......" سدرہ نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا...... جیسے مطمئن ہو گیا ہو...... سدرہ بھی خوش ہو کر اسے دیکھنے لگی......

پلاسٹر اترنے اور مکمل صحت یابی کے بعد کاشف چھڑی کے سہارے چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ مگر اس کے پاؤں میں لنگڑاپن بہت نمایاں ہو گیا تھا۔ وہ پاؤں دبا کر چلتا تھا اور تیز تیز نہیں چل سکتا تھا۔ اس نے نوکری پر جانا شروع کیا تو افسروں کا رویہ اب اس سے قدرے بدلا ہوا

تھا...... وہی افسر جو اسے گھر منانے گیا تھا۔ اب وہی اس سے متنفر تھا کیونکہ اب اس کی جگہ ایک اور شاطر لائن مین جمال نے لے لی تھی۔ آفس میں ہر طرف جمال کا چرچا تھا۔ ہر طرف اس کی ہی باتیں تھیں۔ افسروں کی زبان پر اس کا نام ہوتا تھا۔ آفس میں زیادہ تر فون اس کے لیے ہی آتے تھے۔ وہ ہر ایک کی "ضرورت" تھا۔ اور کاشف اب کسی کی "ضرورت" نہیں تھا۔ ویسے بھی آفس میں اتنی زیادہ بددیانتی...... چور بازاری اور رشوت کا دور دورہ ہو گیا تھا کہ کاشف کا سانس لینا محال ہو رہا تھا۔ وہ ذہنی طور پر بہت پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے استعفیٰ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ آج کل کے زمانے میں نوکریاں کہاں ملتی ہیں...... اور گھر کا خرچ...... ذیشان کے سکول کے اخراجات...... اور بڑھتی ہوئی مہنگائی...... سدرہ اس کی بات سن کر چونک گئی۔

"آپ نے جو بھی فیصلہ کیا ہے...... وہ سوچ سمجھ کر کیا ہوگا...... مگر اس کے آگے کیا سوچا ہے......؟" سدرہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں سوچا......" کاشف آہ بھر کر بولا تو سدرہ اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی اور حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"میں اپنی قسمت کو آزمانا چاہتا ہوں۔ کہ جب انسان سب کچھ چھوڑ کر اپنے آپ کو حالات کی موجوں کے سنگ بہنے دیتا ہے تو پھر کیا ہوتا ہے......؟" کاشف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا آپ قدرت کو آزمانا چاہتے ہیں...... کہ وہ اپنی ذات پر توکل کرنے والے لوگوں کو کیسے نوازتا ہے۔ ...... سدرہ نے پوچھا معلوم نہیں...... شاید...... ہاں" کاشف نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے...... آزمانے میں کوئی حرج نہیں......" سدرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

☆

گڈو کی ماں سدرہ کے پاس آئی تھی۔ وہ منی کے لیے گڈو کا رشتہ لائی تھی۔ سدرہ کے لیے یہ قطعی غیر متوقع بات تھی۔ وہ ہمیشہ سے ان کے اچھے ہمسائے رہے تھے اور راشد کی موت سے لے کر رشیدہ کی موت تک انہوں نے سدرہ اور منی کا بہت ساتھ دیا تھا۔ گڈو پہلے جیسا بھی تھا مگر اب وہ بہت بدل گیا تھا۔ کماتا بھی ٹھیک تھا اور گھر کی ذمہ داریوں کو بھی سنبھالتا تھا مگر وہ لوگ کون تھے۔ اور کہاں سے آئے تھے سدرہ کو کچھ خبر نہ تھی۔ وہ دس سال پہلے بہاولپور سے آ کر آباد ہوئے تھے۔ اچھے لوگ تھے کبھی کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کیا تھا۔ شروع شروع میں راشد اور گڈو کی لڑائی جھگڑے ہوتے تھے تو رشیدہ بھی ان کے ساتھ جا کر جھگڑتی تھی۔ مگر جب سے رشیدہ کی ذہنی حالت خراب ہوئی تھی وہ اس کے کھانے پینے کا بہت خیال رکھتے تھے۔

سدرہ گڈو کی ماں کی بات سن کر چونک گئی۔

"ٹھیک ہے خالہ...... میں منی اور کاشف سے مشورہ کر کے تمہیں بتاؤں گی......" سدرہ نے جواب دیا۔

"اری سدرہ...... تیری منی مجھے بڑی پسند ہے...... اسی لیے تو آئی ہوں اور ......میں چاہتی ہوں کہ سلطانے کے آنے سے پہلے پہلے منی کی شادی ہو جائے تو بہتر ہے" گڈو کی ماں نے کہا۔

"وہ کہاں گیا ہے......؟" سدرہ نے حیرت سے پوچھا جیسے اسے کچھ معلوم ہی نہ ہو۔

لے...... تجھے یاد نہیں...... اری...... راشد کو قتل کر کے بھاگ گیا تھا۔ کوئی کہتا ہے ملک سے باہر ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ شہر سے باہر ہے اور اگر

آ کر اس نے پھر پھڈا کھڑا کر دیا تو پھر کیا کرو گی......؟منی کی شادی ہو گئی ہو گی تو پھر کیا کر سکے گا اور گڈو اسے خود ہی سنبھال لے گا...... بڑا ہی والا ہے میرا بچہ......" گڈو کی ماں نے کہا تو سدرہ چونک گئی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سلطان کوئی پھڈا کھڑا کر سکتا ہے وہ تو یہی سمجھتی تھی کہ وہ پولیس کی حراست میں ہے---اور وہ اسی پر مطمئن تھی۔ وہ پریشان ہو گئی اور اس نے کاشف سے اس کا ذکر کیا۔

"تم...... منی سے پوچھ لو...... ہم ہاں کہہ دیں اور لڑکی راضی نہ ہو تو ہمارا رشتہ پسند کرنے کا کیا فائدہ......؟ زندگی اس نے گزارنی ہے وہ گڈو کو اچھی طرح جانتی ہے...... اگر مان جاتی ہے تو اس سے بڑھ کر اچھی بات اور کیا ہو گی" کاشف نے واضح انداز میں بات کی۔

سدرہ نے منی سے پوچھا تو وہ بھی چونک گئی۔

"نہیں---آپا---گڈو کے گھر کا ماحول ہمارے گھر سے بہت ملتا جلتا ہے ہر وقت بڑوں چھوٹوں میں لڑائی جھگڑا...... دن شروع ہوتے ہی چخ چخ...... بک بک...... اور گڈو کا ابا تو بہت سخت مزاج ہے۔ خالہ پر ابھی تک ہاتھ اُٹھاتا ہے ٹھیک ہے گڈو اب اچھا ہو گیا ہے...... بہت بدل گیا ہے مگر گھر کے ماحول کا بہت اثر ہوتا ہے---میں گڈو کے ساتھ شادی نہیں کروں گی" منی نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"اور اگر سلطان نے واپس آ کر کوئی جھگڑا کھڑا کیا تو؟"

سدرہ نے گھبرا کر کہا۔

"کیا آپا بھی ڈرتی ہیں کہ وہ کیسے جھگڑا کرے گا---کونسا میرا اور اس کا نکاح ہوا ہے---کوئی ثبوت نہیں اور پھر اس نے راشد کو قتل کیا ہے---ہم اس پر مقدمہ کر سکتے ہیں۔" منی نے کہا تو سدرہ اس کی جانب حیرت سے دیکھنے لگی۔

"منی...... تو بہت بہادر ہو گئی ہے" بڑے اعتماد سے بات کر رہی ہے...... پہلے تو سلطان کے نام سے ہی ڈر جاتی تھی اور اب تو بڑے اطمینان سے باتیں کر رہی ہے...... تجھ میں بہت بڑی تبدیلی آ گئی ہے"

سدرہ نے انتہائی حیرت سے کہا۔

"آپا...... ہمیں زندگی نے کیا سکھ دیا ہے......؟ اس نے ہمیں بہت آزمایا ہے۔ مجھے تو کوئی ایسا پل یاد نہیں جس نے ہمیں خوشی دی ہو...... آپا...... ہم تو کبھی کھل کر ہنسے بھی نہیں۔ مجبوریاں...... پریشانیاں...... دکھ...... بیماری...... غربت اور ذلت...... ساری زندگی یہی کچھ دیکھا ہے...... زندگی کے یہ سب رنگ انسان کو بہت کچھ سکھاتے ہیں...... اور میں نے بھی ان سے بہت کچھ سیکھا ہے تو ہی کہتی تھی نا...... کہ اولاد کی تربیت ماں کرتی ہے...... جس گھر میں ماں مضبوط اور طاقتور ہو گی...... اولاد ٹھیک رہے گی...... جہاں ماں کمزور ہوتی ہے وہیں اولاد اس کو مجبور و بے بس بنا دیتی ہے...... جیسے ہماری ماں تھی...... اور گڈو کی ماں بھی کہہ چکی ہے اس کا شوہر اس کو جوتیوں سے مارتا ہے۔ گالیاں بکتا ہے...... اور...... اب مجھ میں ہمت نہیں کہ وہ سب کچھ سہوں جو ہماری ماں نے سہا تھا۔ آپا تو گڈو کی ماں کو انکار کر دے۔ میں نے وہاں شادی نہیں کرنی...... اگر مناسب رشتہ ملے گا تو کر لوں گی...... ورنہ" منی کہہ کر خاموش ہو گئی اور سدرہ نے مسکرا کر اسے گلے سے لگا لیا۔

کاشف کو ملازمت سے استعفیٰ کے بعد جو فنڈ کی رقم ملی تھی۔ وہ بہت معمولی تھی۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر ایک جنرل اسٹور کھولا تھا۔

شروع میں دو ماہ تو اسٹور اچھا چلا مگر اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک یوٹیلٹی اسٹور کھل گیا...... تو...... اس کے اسٹور پر رش کم ہو گیا۔ زیادہ تر لوگ وہاں جانا شروع ہو گئے۔ اس کی آمدن کم ہونا شروع ہو گئی اور رفتہ رفتہ بالکل ختم ہو گیا۔ جو پیسہ تھا وہ اسے اسٹور میں لگا دیا تھا تنگ آ کر اس نے اونے پونے داموں بیچ دیا۔ نوکری کوئی ملتی نہیں تھی۔ توشے میں کرنے والے دو نمبر کاموں نے اس کو ہمیشہ کے لیے مشکوک بنا دیا تھا۔ اس نے بار بار لوگوں سے اپنے بارے میں غلط قسم کی باتیں سنی تھیں اور...... اکثر اس سے بات کرتے ہوئے لوگ معنی خیز انداز میں کوئی نہ کوئی ایسی بات کرتے جو اسے انہیں یاد دلا دیتی تو وہ پریشان ہو جاتا۔ سب کو اس کا مشکوک ماضی یاد تھا مگر بے داغ اور شفاف حال کی کسی کو خبر نہ تھی۔

"یہ دنیا دو دھاری تلوار کی طرح ہے اس پر چلنا بہت مشکل ہے یہ انسانوں کو اس کے گناہ بھولنے نہیں دیتی اور گنہگار انسانوں کی توبہ قبول نہیں کرتی۔" کاشف اکثر دل برداشتہ ہو کر سدرہ سے تذکرہ کرتا تو وہ اس کی بہت دلجوئی کرتی مگر کاروبار میں نقصان کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی بہت ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے ایک دو اور چھوٹے موٹے کام کرنے کی کوشش کی مگر ہر تھوڑے عرصے بعد اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا...... پاؤں کی لنگڑاہٹ بھی ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔

سدرہ نے پرائیویٹ بی۔ اے۔ بی۔ ایڈ کر لیا تھا اور ایک گورنمنٹ سکول میں ملازمت کرنے لگی تھی۔ اس کی تنخواہ اور ٹیوشن سے گھر داری چلتی تھی مگر کاشف کو ہر وقت بہت پریشانی رہتی تھی کہ جب سے سدرہ اس کے گھر میں آئی تھی اس کی ذمہ داریوں اور پریشانیوں کا سامنا تھا۔ مگر وہ اف تک نہ کرتی تھی۔ کبھی کاشف سے شکوہ نہ کرتی۔ لیکن کاشف کو خود ہی یہ بات اندر ہی اندر پریشان رکھتی تھی۔

اس نے بجلی سے چلنے والی موٹروں، پنکھوں اور دوسری اشیاء کی مرمت کے کام کی چھوٹی سی دوکان شروع کی تھی۔ کام بہت زیادہ تو نہیں مگر اتنا مل جاتا تھا کہ وہ سدرہ کے ساتھ گھر کے اخراجات میں حصہ ڈال لیتا تھا۔ اور یہ بات اس کے لیے باعث سکون ہوتی تھی۔ وہ صبح نو بجے دوکان پر جاتا اور رات گئے واپس آتا۔ دوکان شروع کیے ہوئے ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے اور ایک شام وہ جلدی گھر لوٹ آیا۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ سدرہ اسے دیکھ کر گھبرا گئی کپڑوں پر بھی خون کے دھبے تھے اور کاشف کا چہرہ بھی اترا ہوا تھا۔ وہ کاشف سے وجہ پوچھ رہی تھی۔ مگر وہ کچھ بتا ہی نہیں رہا تھا۔ بس اس کی آنکھوں میں اجنبی سی اور اداسی سی تھی۔ بات کرتے کرتے اس کی آواز بھرا جاتی اور آنکھیں نم ہو جاتیں۔ وہ کپڑے بدل کر بیڈ پر لیٹ گیا...... وہ ساری رات نہ سو سکا اور کروٹیں بدلتا رہا۔ سدرہ بھی اس کے ساتھ جاگتی رہی۔ اس سے بار بار پوچھتی مگر اس کے بار بار پوچھنے پر وہ غصے میں آ جاتا اور سدرہ کو ڈانٹنے لگتا...... سدرہ خاموش ہو جاتی۔ ساری رات یونہی آنکھوں میں کٹی...... نہ کاشف سو پایا اور نہ ہی سدرہ۔

فجر کی اذانیں شروع ہو گئیں اور وہ آنکھیں بند کر کے بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے اذان سننے لگا۔ حی علی الفلاح کی پکار پر وہ سسکنے لگا اور آنسو شدت سے اس کی آنکھوں سے بہنے لگا۔ وہ ہچکیاں بھرنے لگا...... سدرہ اس کے سسکنے کی آواز سن کر چونک کر اٹھی۔

"کاشف...... کاشف...... کیا ہوا ہے......؟ آپ کے آنسوؤں میں اتنی شدت۔ اور اتنی تڑپ کس لیے ہے......؟ سدرہ نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

"سدرہ...... فلاح کا راستہ کتنا کٹھن اور دشوار ہے...... خاص طور پر ان کے لیے جو گمراہی کو چھوڑ کر فلاح کے راستے پر قدم رکھتے ہیں......"

کاشف سسکتے ہوئے بولا۔

"ہاں...... یہ پل صراط کی طرح ہے...... بہت مشکل...... صبر آزما اور کٹھن...... جس پر بہت حوصلے اور صبر سے چلنا پڑتا ہے۔ ایک غلط قدم سے ہلاکت گمراہی پستی اور ضلالت انسان کا مقدر بن سکتی ہے...... مگر آپ کیوں اتنے پریشان ہو رہے ہیں......؟ کیا ہوا ہے؟ پہلے تو کبھی آپ اتنے دل برداشتہ نہیں ہوئے" سدرہ نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"سدرہ...... انسان گناہ کرنے کے بعد جب اللہ سے سچے دل سے معافی مانگتا ہے اور توبہ کرتا ہے...... تو اللہ معاف کر دیتا ہے...... وہ بھول جاتا ہے...... مگر دوسرے انسان کیوں نہیں بھولتے۔ وہ بار بار کیوں انسان کو اس کا گناہ اور اس کی غلطیاں یاد دلاتے رہتے ہیں...... وہ کیا چاہتے ہیں کاشف پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"انسانوں کا ظرف چھوٹا ہوتا ہے اور اللہ کا بہت بڑا...... وہ توبہ کے بعد انسان کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیتا ہے اور انسان اسے مرتے دم تک دھتکارتے رہتے ہیں...... اس لیے اپنے معاملات کو خدا کے ساتھ ٹھیک رکھیں...... اس سے بڑھ کر نہ کوئی قدردان ہے اور نہ ہی کوئی رحمت کرنے والا...... کیونکہ اس کو اپنے بنائے ہوئے بندوں سے جو پیار ہو سکتا ہے...... بندوں کو ایک دوسرے سے کیسے ہو سکتا ہے...... بات کیا ہوئی ہے؟ سدرہ نے پوچھا تب کاشف نے اسے ساری بات بتائی کہ اس کے آفس کا ایک پرانا ملازم اس کے پاس چوری کی نکل کی تاریں بیچنے آیا اور اس نے خریدنے سے انکار کر دیا۔ کہ وہ چوری کی تاریں نہیں خریدے گا اور اسے بھی ایسا کرنے سے منع کیا۔ اس شخص نے اس کو وہ دن یاد دلائے جب وہ خود چوری کرتا تھا۔ کاشف نے اسے بتایا کہ اب وہ توبہ کر چکا ہے اور سب کچھ چھوڑ چکا ہے تو وہ اس کی ایمانداری کا مذاق اڑانے لگا۔ اس پر طنز کرنے لگا۔ کاشف سے یہ سب برداشت نہ ہو سکا اور دونوں میں لڑائی جھگڑا ہو گیا اور دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اس نے مکا کاشف کی ناک پر مارا اور اس سے خون بہہ نکلا۔ وہ بھاگ گیا اور کاشف افسردہ اور دل برداشتہ ہو کر گھر لوٹ آیا وہ ذہنی طور پر اس قدر پریشان تھا کہ اس سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل رو رہا تھا۔ سدرہ بھی اس کی بات سن کر پریشان ہو گئی۔ اور اس کی ہمت بندھانے لگی۔ مگر اس کا دل بری طرح ٹوٹ چکا تھا۔

سدرہ...... ایک گنہگار کا توبہ کرنا آسان ہوتا ہے مگر گنہگار کا اپنے گناہ کو لوگوں کے ذہنوں سے کھرچنا بہت مشکل ہوتا ہے...... گنہگار انسان بعد میں کہیں جاتا ہے مگر اس کے جرم کی پرچھائیں اس سے پہلے پہنچ جاتی ہے...... یہ سب کچھ کتنا تکلیف دہ اور مشکل ہے" کاشف نے افسردگی سے کہا۔

"کاشف یہی تو آزمائش ہے۔ ایسے حالات میں اپنے دل کو مضبوط رکھنا کتنا کٹھن کام ہے...... اور دل کو مضبوط صرف ایک بات سے رکھا جا سکتا ہے اور وہ ہے اس کے دل میں پوشیدہ اس کا "ایمان"...... خدا کی ہستی پر اعتماد...... اس ذات پر کامل یقین...... انسان کا یہی ایمان...... نور بن کر اس کے مشکل راستے کی تاریکیوں کو دور کرتا ہے...... اس کو چلنے میں مدد دیتا ہے۔ گو کہ قدم اٹھانے اس سے مشکل ہوتے ہیں۔ چلنا دشوار ہوتا ہے...... مگر وہ ایمان کے سہارے چل رہا ہوتا ہے۔ اس لیے آپ دل برداشتہ نہ ہوں...... جب اس سے "توبہ" طلب کی ہے تو پھر "مدد" بھی اس سے مانگیں وہ ضرور مدد کرے گا" سدرہ نے اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا تو اس کا دل سدرہ کی باتوں سے قدرے مطمئن ہونے لگا۔

"کاشف...... اٹھیں اور نماز پڑھیں...... "فلاح" کا راستہ آپ کا منتظر ہے...... یہ اللہ کی پکار ہے۔ کہ ہے کوئی فلاح کے راستے پر قدم

رکھنے والا...... ہے کوئی اس طرف آنے والا......اور اس کو چاہنے والے...... جو......اس سے محبت کرتے ہیں......اس کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔
مسکرا کر

اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ

اے اللہ ہم حاضر ہیں......اے اللہ ہم حاضر ہیں

''کاشف ہمیں بھی مسکرا کر اس کے دربار میں حاضر ہونا چاہیے''

سدرہ نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ کاشف کی طرف بڑھایا کاشف نے نم آنکھوں کو صاف کرکے مسکرا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا ......اور دونوں وضو کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆

برین ہیمبرج کے بعد مومنہ کومے میں تھی۔ ایک ماہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہنے کے بعد اسے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا۔ وہ ہر وقت بیڈ پر ایک زندہ لاش کی طرح لیٹی رہتی تھی۔ اسے تو دادو کی موت کی بھی خبر نہ ہوئی تھی۔ وہ تو آخری بار نہ انہیں مل سکی تھی۔ نہ دیکھ سکی تھی اور دونوں ایک دوسرے کو کچھ کہے سنے بغیر جدا ہو گئیں تھیں۔ مومنہ کو سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ ثروت بوا، خیرن بوا، نظام دین بشا اور اپنے اہل خانہ کو لے کر راتوں رات کہیں غائب ہو گئی تھی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی کہ وہ لوگ کہاں گئیں تھیں۔ اتنا بڑا محل جیسا گھر اداس اور ویران ہو گیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے برسوں سے وہاں کوئی آباد ہی نہ ہو...... مومنہ اور بابا کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا سوائے زکیہ آپا اور مریم کے......مومنہ کی حالت دیکھ کر مریم اور زکیہ آپا ہر وقت روتی رہتیں۔ زکیہ آپا ہر وقت اس کے سرہانے بیٹھ کر آیات قرآنی ورد کرتی رہتیں۔ دم پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکتیں مگر وہ بے حس و حرکت پڑی رہتی مومنہ کی ایسی حالت دیکھ کر مریم کو شدید دھچکا لگا تھا۔ وہ ذہنی طور پر انتہائی مضطرب و منتشر ہو گئی تھی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس کی سوچ منتشر ہوئی تھی......اس کے آئیڈیلز ٹوٹے تھے یا پھر وہ فینٹیسی سے حقیقت کی دنیا میں آ گئی تھی اور حقیقی دنیا کتنی تلخ تھی......اور اس تلخی میں کتنا کرب تھا۔ اس سے برداشت نہ ہو رہا تھا۔ وہ......جو......مومنہ کی قسمت پر رشک کرتے نہ تھکتی تھی......اور کبھی کبھی رشک کرتے ہوئے حسد بھی کرنے لگتی تھی۔ سوچتی تھی کہ مومنہ جیسی قسمت اس کی کیوں نہیں ہو سکتی۔ اگر مومنہ بلند اور اونچا نصیب لے کر پیدا ہو سکتی ہے تو وہ بھی تو اس کی بہن ہے اسے وہ سب کچھ کیوں نہیں ملا جو مومنہ کو ملا ہے۔ خدا مومنہ پر مہربان ہو سکتا ہے تو اس پر کیوں نہیں......؟ مومنہ کو بن مانگے......اتنا کچھ مل سکتا ہے تو اس کو دعاؤں کے باوجود بھی کیوں نہیں مل سکتا...... مومنہ اس کے لیے ایک آئیڈیل تھی......جس کے پاس ہر نعمت۔ ہر آسائش اور ہر شے تھی جس پر بلاشبہ دوسرے رشک بھی کر سکتے ہیں اور حسد بھی......وہ مومنہ کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھتی تھی اور شادی کے بعد وہ حسرت......مایوسی اور اضطراب میں بدل گئی تھی......رشک......حسد میں بدل گیا تھا......اور اب تو سب کچھ بدل گیا تھا۔ اس کی آئیڈیل......مومنہ بے حس و حرکت۔ بے بس اور مایوسی کے عالم میں ایک زندہ لاش کی مانند پڑی تھی......جو صرف سانسیں لے رہی تھی۔ جو سب کچھ دیکھ رہی تھی مگر کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ بول نہیں سکتی تھی۔ مریم کو اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ نہیں کہہ سکتی تھی۔

"کہ اب تمہیں مجھ پر یقین آیا..... کہ میری جنت کتنی آلودہ ہے"

مومنہ اندر ہی اندر کتنا کچھ سہہ رہی تھی مگر اس نے مریم کو ایک بار بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ اسے باتوں باتوں میں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ کبھی غصے سے..... کبھی نرمی سے اور کبھی پیار و محبت سے۔

"مریم تم بہت خوش نصیب ہو..... جسے معیز جیسا نیک پاکباز اور شریف شوہر ملا..... وہ عورتیں بہت خوش قسمت ہوتی ہیں..... جنہیں نیک شوہر ملتے ہیں" اور اس وقت مریم اس کی باتوں کا مطلب نہیں سمجھ پائی تھی۔ اس کی باتوں کو قطعی اہمیت نہ دیتی تھی۔ اسے معیز کی نیک نامی..... اور شرافت زہر لگتی تھی۔ وہ اس کی شرافت کو اس کی کمزوری گردانتی تھی..... اور..... اب اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ مومنہ ایسا کیوں کہتی تھی..... مومنہ نے اس کو کس کس طرح سمجھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مگر وہ مومنہ پر یقین ہی نہیں کرتی تھی..... اسے تو اپنی نامکمل خواہشات کا دکھ اندر ہی اندر اتنا پریشان رکھتا تھا۔ اتنا تڑپاتا تھا کہ اسے مومنہ کی باتیں محض بہلاوے لگتی تھیں..... وہ تو مومنہ کے بارے میں اس قدر مشکوک ہوگئی تھی کہ وہ یہ سوچنے لگی تھی کہ مومنہ ہرگز نہیں چاہتی کہ وہ بھی اس کے ہم پلہ ہو جائے..... کسی بات میں اس کی ہمسری کرے..... اور اب اس کو بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ مومنہ اسے یہ سب کیوں کہتی تھی..... اس کی باتوں کے پیچھے کیا راز تھا.....؟ کیا دوسرے ورد اندر لیٹے تھے.....؟ کتنا دکھ اور درد چھپا ہوا تھا..... وہ نہیں چاہتی تھی کہ مریم جس شے کو سونا سمجھ کر بے تاب ہو رہی ہے..... وہی سونا بعد میں اس کے گلے کا پھندا بن جائے گا..... اسے مومنہ کی کہی ہوئی سب باتیں ایک ایک کر کے یاد آ رہی تھیں..... اور وہ مضطرب ہو کر رونے لگی تھی۔ مومنہ آپی خاموشی سے دکھ سہتی رہیں اور مجھے کبھی بتایا ہی نہیں..... وہ خود نیک شریف اور پاکباز عورت تھیں..... اس لیے مرد کے اندر بھی یہی صفات دیکھنا چاہتی تھیں..... مریم دنیاوی آسائشوں اور مال و دولت کی باتیں کرتی تھی اور وہ شرافت، نیک نامی اور پاکیزگی کی باتیں کرتی تھی۔ اسے اب سمجھ میں آ رہا تھا..... کہ وہ ایسا کیوں کہتی تھی اور اب بھی وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی تو شاید کبھی بھی یقین نہ کرتی۔

اس نے تو "داود" کو بھی آئیڈیل بنا رکھا تھا..... داود جیسی اعلیٰ خاندان کی پروقار..... عزت و تمکنت والی عورت..... جس کی ہر ادا..... ہر بات..... ہر حرکت..... ہر عادت میں شاہانہ جھلک نمایاں تھی..... جن کے لباس زیورات رکھ رکھاؤ..... ہر شے میں وقار تھا..... جن کے خاندان کی عزت و عظمت کا زمانہ گواہ تھا۔ اس نے خود ان کو ثروت بوا کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے اور اپنے خاندانی وقار اور عزت کے لیے بھیک مانگتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت داود کتنی عام سی بے بس عورت بن گئی تھیں۔ ان کے پاس دولت کے انبار تھے۔ ہر نعمت اور ہر آسائش تھی..... مگر وہ ایک نوکرانی کے آگے بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ وہ کتنی دکھی..... مضطرب اور بے قرار لگ رہی تھیں جب انہوں نے آخری بار آنکھیں بند کیں تو ان کے چہرے پر ایسی مایوسی، حسرت، کرب اور دکھ کے تاثرات تھے جنہوں نے مریم کے دل میں سوئے ایک بہت بڑے آئیڈیل کو پاش پاش کر دیا تھا۔ اس نے نجانے ان کی ذات کے ساتھ کیا کیا منسوب کر رکھا تھا..... وہ سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ریزہ ریزہ ہوا تھا۔ داود کی عظمت اور شان و شوکت کو کتنا لازوال سمجھتی تھی۔ اور سب کو اس کی آنکھوں کے سامنے زوال آیا تھا۔ داود کی بے بسی کی حالت میں موت نے اسے اندر سے اتنا جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا کہ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا.....؟

اور سب سے بڑھ کر اس نے جس شخص کو اپنا آئیڈیل بنا رکھا تھا۔ اور اس کی ہر خوبی کی وہ معترف تھی۔ اس کی خوبصورتی۔ اس کی ویل گرومڈ پرسنالٹی...... اس کے میرز...... اس کی دولت...... اسد کی کونسی ایسی بات تھی۔ جس کی وہ معترف نہیں تھی...... اور اس سے ذرا سی بھی کم خوبیوں کو وہ کسی طرح بھی قبول کرنے کو تیار نہیں تھی۔ اور نہ ہی اپنانے کو...... اسد اس کا آئیڈیل تھا...... ایسا آئیڈیل...... جس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ جس کے سامنے معیز ہر طرح سے اور ہر لحاظ سے کم تر تھا۔ معیز اس کے سامنے رینگتا ہوا کیڑا تھا...... اسد...... بادشاہ تھا اور معیز اس کے سامنے ادب سے ہاتھ باندھے ایک ادنیٰ غلام...... اسد آسمان پر چمکتا روشن ستارہ تھا اور معیز قدموں تلے روندا جانے والا حقیر ذرہ خاک...... معیز اس کی نظر میں کیسے جچ سکتا تھا۔

معیز میں کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں...... صرف شرافت...... پاکیزہ نفس...... نیک نامی...... جس کو وہ قطعی اہمیت نہیں دیتی تھی اور اب معیز کی انہی خوبیوں نے اسد کو بری طرح مات دی تھی۔ انہوں نے اسد کو چاروں شانے چت گرایا تھا اور اسد کی ان خامیوں نے خاندان کے کتنے لوگوں کی زندگیوں کو آزمائش میں ڈال دیا تھا...... وہ ان کے لئے وبال جان بن گیا تھا...... دادو...... اسد کی وجہ سے مر گئیں...... اور مومنہ اس کی وجہ سے زندہ لاش بن گئی تھی...... خاندانی وقار اور عظمت کا شیرازہ بکھر گیا تھا...... سب کچھ منتشر ہو گیا تھا۔

☆

وہ ہمیشہ اسد کو دیکھ کر کھل اٹھتی تھی اس کے اندر کا آئیڈیل اسد کو دیکھ کر چہکنے لگتا تھا۔ اسد سے ملنا...... اسد کو دیکھنا...... اور اسد کے ساتھ گھومنا پھرنا اسے بہت اچھا لگتا تھا...... اور اب اسے اسد کی شکل سے ہی کراہت محسوس ہوتی تھی۔ وہ اس کے سامنے آتا تھا تو اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس کے سامنے کبھی نہ آئے۔ وہ اس کے سائے سے بھی دور بھاگنا چاہتی تھی۔ اس واقعے کے بعد قدرتی طور پر اس کے اندر ایسی تبدیلی آئی تھی کہ اسے اسد سے نفرت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ ایک شرابی اور زانی شخص کی وہ کس طرح عزت کر سکتی تھی۔ اور اسے حیرت ہوئی کہ مومنہ نے کس قدر خاموشی اور صبر کے ساتھ اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے عیبوں کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی تھی اور کہیں بھی اس کی خامیوں پر واویلا نہیں کیا تھا۔ کبھی اس کی برائیوں کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا جب تک کہ اسد برائی کا مجسم پیکر بن کر سب کے سامنے نہ آ گیا تھا۔

مومنہ کتنی اذیت میں اسد کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ جسے وہ گل و گلزار خوشیوں اور رنگ و بو سے معطر خوبصورت جنت سمجھتی تھی۔ وہ کیسی جہنم ثابت ہوئی تھی اسے قطعی اندازہ نہیں تھا۔

اگر مومنہ کی جگہ وہ ہوتی۔ تو کیا کرتی......؟ وہ بار بار اپنے آپ سے پوچھتی...... وہ کبھی بھی اسد کے ساتھ کمپرومائز نہ کرتی۔ کبھی اس کے ساتھ نہ رہتی۔ ایک بدکردار شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اسد اس کا آئیڈیل تھا اور یہ آئیڈیل ٹوٹنے سے وہ بری طرح بکھر گئی تھی۔ اس آئیڈیل کا سامنا کرنے سے بھی گھبراتی تھی۔ اس کے وجود سے کراہت محسوس کر کے وہاں سے جلدی جلدی بھاگنے کی کوشش کرتی تھی۔

مومنہ کا گھر اس کا آئیڈیل تھا۔ خوبصورت...... آسائشوں سے مزین محل نما گھر...... دیدہ زیب...... آرائش و سجاوٹ کا حسین امتزاج لیے ہوئے...... یہ گھر اس کے تخیل میں ایسا سمایا تھا کہ اس سے کمتر کوئی گھر اس کی نظروں میں جچتا نہیں تھا۔ اپنا گھر اسے کسی فقیر کی کٹیا لگتا تھا۔ اس کی

بوسیدہ دیواریں...... پرانی چھتیں...... ٹوٹے فرش...... گھر ایسے ہوتے ہیں...... حسرت و یاسیت کے شکار...... جن کو دیکھ کر ہی گھر والوں کی غربت و افلاس آشکارا ہو جائے جو نہ اپنے بھرم رکھ سکیں اور نہ مکینوں کی پردہ پوشی کر سکیں...... مومنہ کے گھر کی ایک ایک شے قیمتی اور نفیس تھی...... اور اس کے گھر کی ہر شے بہت سستی مصنوعی اور عام تھی۔ سسرال کا گھر اس کے مکینوں سمیت اس کی نظروں میں کھٹکتا تھا۔ اس کے در و دیوار کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ مومنہ کا محل نما گھر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا تھا۔ اس کے سینے میں ٹیسیں اٹھنے لگتی تھیں۔ اس کے دل کی چبھن اور کرب میں اضافہ ہونے لگتا تھا اور اب اسے مومنہ کے گھر میں رہتے ہوئے دو ماہ ہونے کو آرہے تھے۔ اس گھر سے ایسی وحشت، ویرانی، یاسیت اور روح کو ڈسنے والی خاموشی ٹپکتی تھی۔ کہ اس کا دل گھبرا کر وہاں سے بھاگ جانے کو چاہتا تھا مگر مومنہ کی وجہ سے وہ مجبور تھی۔

خوبصورت گھر میں گھومتے ہوئے...... قیمتی اور نفیس چیزوں کو دیکھتے ہوئے اسے مومنہ کے الفاظ یاد آنے لگتے۔

''کبھی کبھار سب کچھ ہونے کے باوجود بھی انسان کے پاس کچھ نہیں ہوتا...... دولت چیزوں اور آسائشوں سے نہ دل کا سکون خریدا جا سکتا ہے اور نہ سچی خوشی...... میں کتنی مضطرب رہتی ہوں...... تمہیں کیا معلوم......؟

مریم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگتی۔

''میری زندگی کو آئیڈیل مت سمجھو......''

معیز کا موازنہ اسد سے مت کرو۔

اپنے چھوٹے اور پرانے گھر کو میرے محل کے آئینے میں مت دیکھو مریم ہر لحاظ سے تمہارا پلڑا بھاری ہے۔ تم خوش قسمت ہو۔ کہ تمہیں معیز جیسا نیک اور شریف شوہر ملا ہے۔ اس کی اور اس کی محبت کی قدر کرو...... میں تمہیں بس اتنا ہی سمجھا سکتی ہوں۔

مومنہ کی ہر بات سچ ثابت ہوئی تھی۔ اس کے سامنے آئیڈیلز، اس کی آنکھوں کے سامنے زمین بوس ہو گئے تھے۔ سب جلی ہوئی راکھ میں تبدیل ہو چکے تھے اور وہ راکھ ادھر ادھر منتشر ہوتی رہتی تھی...... اور اس منتشر راکھ میں وہ کچھ پانے کی کوشش کرتی مگر کچھ ہاتھ نہ آتا...... اس نے اپنے آئیڈیلز کا ایسا زوال دیکھا تھا کہ خود ہی بوکھلا گئی تھی...... وہ نم آنکھوں اور آہوں کے ساتھ کبھی مومنہ کو دیکھتی...... کبھی اس کے محل نما گھر کو...... اور کبھی اس کے خوبصورت شوہر کو۔ اب کسی میں کوئی ایسی بات نہ تھی۔ جو اس کے لیے کشش کا باعث بنتی۔ جو اس کا دل لبھاتی۔ جس کو پانے کی وہ تمنا کرتی اور جس کو نہ پا کر وہ مضطرب ہوتی۔

معیز جب سے مومنہ سے بات کر کے آیا تھا۔ اس کے اندر ایک واضح تبدیلی آگئی تھی۔ اس نے اس روز کے بعد مریم سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا اور اپنی ساری توجہ اپنی پڑھائی کی جانب لگا دی تھی۔ ماں کے لیے اسے ایک درمیانی عمر کی ملازمہ مل گئی تھی۔ جو رات گئے گھر جاتی تھی وہ اماں کا بہت خیال رکھتی تھی۔ ملازمہ قابل اعتبار تھی اور اس کے ایک دوست کی رشتہ دار تھی اس لیے معیز بے فکر ہو گیا تھا اور اس نے آفس ٹائم کے بعد ایم بی اے کی کلاسز لینا شروع کر دیں تھیں۔ اور وہ قدرے مطمئن بھی ہو گیا تھا کہ اس کے پاس ایک اچھی ڈگری بھی آجائے گی جو اس کی تنخواہ اور اسٹیٹس بڑھانے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے...... معیز نے ایک دو ماہ سے مریم سے رابطہ کرنا بالکل چھوڑ رکھا تھا اور مریم کو اندر ہی اندر یہ بات بہت مضطرب رکھتی تھی۔

اور جب سے اسد کی وجہ سے مومنہ بیمار ہوئی تھی۔ تب سے اسے معیز بہت یاد آنے لگا تھا۔ وہ ہر پل...... ہر لمحہ...... ہر وقت...... ہر ہر بات میں اسد کا موازانہ معیز سے کرتی۔ اور اب اسے معیز اچھا لگنے لگا تھا۔ معیز کی سچائی...... اس کی صاف ستھری شخصیت و ذہنیت اور اس کی سوچ...... اس کی نیک نامی...... اس کی شرافت...... اس کی پاکبازی اس کا صبر و تحمل...... اور اس کا دھیما مزاج...... سب کچھ اسے اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ معیز کو مِس کرنے لگی تھی۔ مگر وہ خود اسے نہ تو فون کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی کسی قسم کا پیغام بھیجنا چاہتی تھی...... اسے مومنہ کی بیماری کے بارے میں بھی کوئی خبر نہ تھی ورنہ وہ مومنہ کی عیادت کرنے ضرور آتا۔ ذکیہ آپا بھی مریم کے خائف ہونے کی وجہ سے معیز کا ذکر بھی نہ کرتیں۔ اور ویسے بھی مومنہ کے گھر میں وہ کوئی ایسا ذکر کرنا بھی نہیں چاہتی تھیں جسے سن کر مریم مشتعل ہو جاتی۔ اس لیے وہ خاموشی میں ہی عافیت سمجھتیں۔

☆

اسد کے اندر شدید احساسِ گناہ اسے ہر وقت انتہائی مضطرب رکھتا تھا۔ وہ برا انسان نہیں تھا۔ اور اس نے کبھی بھی شازی کی طرف بری نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ اس کے بارے میں کبھی غلط سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ تو گھر کے ملازمین کی بہت عزت کرتا تھا۔ ہمیشہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آتا تھا۔ پھر شازیہ اچانک کہاں سے آ گئی......؟ کیسے اس کے کمرے میں آ گئی......؟ اور وہ اس کو دیکھ کر کیوں بہک گیا......؟ اسے اپنے نفس پر قابو کیوں نہ رہا......؟ اس کے اندر جنسی خواہشات اس قدر بڑھ گئیں کہ اس نے انہیں مٹانے کے لیے ایک ملازمہ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا...... اتنا بڑا گناہ...... اس سے کیسے ہو گیا......؟ اس لمحے اس کو کیا ہو گیا تھا......؟

"اسد مجھے ڈر لگتا ہے...... کہ شراب آپ جیسے اچھے انسان کی خوبیوں کو برباد کر دے گی...... آپ جیسے باکردار کو بدکردار بنا دے گی" مومنہ کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے۔

نہیں...... ایسا کبھی نہیں ہوگا...... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں) اسد کے اپنے الفاظ کی بازگشت اسے مضطرب کرنے لگی۔

"اور اگر ایسا ہوا تو...... میں زندہ نہیں رہوں گی...... میں مر جاؤں گی" مومنہ کے الفاظ پھر کہیں سے سنائی دیتے۔

"اور میں آپ کو مرنے نہیں دوں گا" وہ وعدہ کرتا......

اسد رات گئے تک اپنے آفس میں بیٹھ کر اپنے گناہوں کو یاد کرتا۔ مومنہ کی باتوں کو...... کبھی اپنے سر کے بالوں کو نوچتا...... کبھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا۔ کبھی دیوار کے ساتھ لگ کر ہاتھوں سے مکے اور سر کو دیوار سے مارتا وہی کچھ ہوا تھا...... جو مومنہ کہتی تھی...... اور جن باتوں سے ڈرتی تھی...... اس نے وہی کر دکھایا تھا۔ شاید مومنہ کو ہر شے پہلے ہی دکھائی دینے لگی تھی۔

اور جن باتوں کا دعویٰ وہ کرتا تھا۔ جنہیں پراعتماد لہجے میں بہت وثوق سے کہتا تھا انہی میں وہ کمزور نکلا تھا جھوٹا ثابت ہوا تھا...... وہ مومنہ کو موت کے دہانے تک لے آیا تھا۔ اور اب وہ ایک زندہ لاش بنی حسرت اور بے بسی سے اس کی جانب دیکھتی رہتی تھی اور اسد شدید احساسِ شرمندگی سے اس کی جانب ایک بار بھی نہیں دیکھتا تھا۔ نجانے اس کی آنکھوں میں کیا تھا۔ کہ اسد کو اس کی آنکھوں سے خوف آنے لگا تھا۔ خوبصورت نیک...... پارسا اور اس سے محبت کرنے والی بیوی کو اس نے اس حال تک پہنچا دیا تھا۔ اس نے جس گناہ کا ارتکاب کیا تھا اس گناہ نے مومنہ کو اس قدر توڑ کر رکھ

دیا تھا کہ اس کا دماغ سلامت نہیں رہا تھا۔ اور اسد نے اس سے جو وعدے کیے تھے۔ جس بات کو وہ ہمیشہ ایک غیر اہم ایشو کہہ کر ٹالتا تھا۔ وہ کتنے لوگوں کے لیے جان لیوا ثابت ہوا تھا۔

اس کی محبت اور چاہت...... بے حس و حرکت پڑی تھی...... اور...... داوو...... جو اس پر جان چھڑکتی تھیں...... جن کی صبح اسے دیکھے بغیر طلوع نہیں ہوتی تھی اور جس کو پیار کیے بغیر سونا ان کے لیے ناممکن ہوتا تھا...... جن کی ہر سانس سے اس کے لیے دعائیں نکلتی تھیں۔ جسے دیکھ کر فرط جذبات سے ان کی آنکھیں پرنم ہونے لگتی تھیں۔ جن کا دل اس کی محبت سے اتنا سرشار تھا کہ انہیں اس کے علاوہ کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ جن کی زندگی کا مقصد...... مرکز اور محور صرف اس کی ''ذات'' تھی...... جس کو محبت کرنا وہ سانس لینے کے مترادف سمجھتی تھیں...... جس کی خوشیاں...... مسکراہٹیں اور شرارتیں...... ان کی جان تھیں اور اس نے ہی ان کی ''جان'' لے لی...... اتنی محبت کرنے والی داوو کو اپنے آپ سے جدا کر دیا۔ ان کو سب کے سامنے شرمسار کر دیا۔ انہیں ملازموں کے سامنے ''ذلیل و خوار'' کر دیا...... ان کے خاندانی وقار...... ان کی عزت...... شان و شوکت سب کو داغدار کر دیا۔

داوو...... اس سے کیا رخصت ہوئیں تھیں۔ اس کا اندر خالی ہو گیا تھا...... وہ گھر...... جو اس نے بہت چاہت اور محبت سے داوو کے لیے خریدا تھا۔ وہی گھر اسے آسیب زدہ لگنے لگا تھا۔ جس میں داوو کا بھوت ہر وقت اس کی جانب خون آلود اور اشک بھری آنکھوں سے دیکھتا رہتا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ ان کی موت کا ذمہ دار صرف وہی ہے...... اس نے گھر جانا چھوڑ دیا تھا جب جاتا تو داوو کے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے اسے ڈر لگنے لگتا۔ اندر ٹوٹ پھوٹ ہونے لگتی...... نجانے کتنی کرچیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگتیں...... اسے یوں محسوس ہونے لگتا جیسے اس کا دل کسی کے شکنجے میں آ گیا ہو...... اور اس کا دل چاہتا وہ اونچی آواز میں دھاڑیں مار مار کر روئے...... اتنا روئے کہ اس گھر کے در و دیوار ہل جائیں...... مگر وہ کسی کے سامنے رو بھی نہیں سکتا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے...... لیٹے ہوئے...... اور نیم مدہوشی میں داوو کے الفاظ اسے کچوکے لگاتے۔

''بیٹا شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے...... عقل پر پردے ڈال دیتی ہے۔ اور اچھے خاصے انسان سے ایسے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں جو اسے معاشرے میں ذلیل و خوار کر دیتے ہیں یہ شریف النفس انسان کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے انسان کی عزت اور وقار کو ایسا نقصان پہنچاتی ہے کہ ساری زندگی کی جدوجہد بھی اس وقار کو بحال نہیں کر سکتی۔ اسی لیے اللہ نے اسے حرام ٹھہرایا ہے اور اس کو حرام ٹھہرانے میں اس کی بہت مصلحتیں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر انسان اللہ کا نافرمان اور گنہگار بن جاتا ہے اور جو اس کے احکامات کی پروا نہیں کرتا۔ وہ اس پر اپنا غضب نازل کرتا ہے اور یہ غضب کبھی بیماری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی ذلت و رسوائی کی صورت میں''

داوو کے الفاظ بھی سچ ثابت ہوئے تھے...... مومنہ کی بیماری کی صورت میں اور داوو کی موت کی صورت میں...... جو ذلت و رسوائی کے خوف کی وجہ سے واقع ہوئی تھی۔

وہ کیوں بہک گیا تھا۔ اس نے کسی کے بھی سمجھانے کا خیال نہیں کیا تھا۔ وہ ''ڈرنک'' کرنے کو ایک بہت معمولی بات سمجھتا تھا اور وہ بہت معمولی بات کتنا بڑا عذاب ثابت ہو رہی تھی۔ اس کا اندازہ اسے اب ہو رہا تھا۔ مومنہ اسے کتنا روکتی تھی۔ اور وہ ہر بار یہی کہتا تھا کہ اتنی معمولی سی بات کو ایشو مت بناؤ۔ اس سے آپ کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا...... جب کوئی نقصان پہنچے گا...... تو میں خود اسے چھوڑ دوں گا۔''

اس کے ڈرنک کرنے سے واقعی مومنہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا تھا۔ اس نے اس کی ذات کی نفی کی تھی۔ اس کی جگہ شاہ کو دی تھی۔ وہ اتنا بڑا نقصان کیسے برداشت کر سکتی تھی اس لیے بکھر گئی۔ ریزہ ریزہ ہو گئی۔

اسد نے گھر جانا چھوڑ دیا تھا۔ فون پر بات کر کے خیریت پوچھ لیتا۔ اسے گھر جانے سے ڈر لگتا تھا۔ وحشت سی ہوتی تھی۔ گھر اتنا ویران اور ملعون زدہ لگتا تھا کہ اس کا دل وہاں سے بھاگنے کو چاہتا تھا۔

"یوں لگتا ہے..... اسد آپ کے ڈرنک کرنے سے گھر کی فضا بوجھل ہو رہی ہے" مومنہ کے الفاظ اس وقت اسے بہت برے لگے تھے مگر اب گھر میں داخل ہوتا تو واقعی اسے احساس ہوتا جیسے اس گھر پر کوئی نحوست سی چھائی ہو۔ عجیب طرح کی ویرانی اور اداسی اسے پریشان کرنے لگی۔

وہ ول کے ساتھ ملحقہ ویل فرینڈ انیکسی میں رہنے لگا تھا۔ مومنہ کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی وہ جب بھی اپنے بیڈ روم میں جاتا تو مومنہ کی طرف چور نگاہوں سے دیکھتا..... مگر اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مومنہ کی آنکھوں میں ان گنت شکوے اور سوالات ہوں۔ مومنہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر اس کی زبان میں اتنی سکت ہی نہ ہو کہ وہ اس سے کچھ پوچھ سکے۔

وہ اپنی جگہ بہت شرمندہ تھا۔ زکیہ اور مریم سے بات کرتے ہوئے بھی نظریں جھکا لیتا تھا ایک دو ضروری باتوں کے علاوہ کوئی اور بات نہ کرتا..... یا..... پھر اس کی ہمت جواب دے گئی وہ کنفیوز ہونے لگتا..... مریم کا رویہ بھی اس سے بہت بدل چکا تھا۔ وہ پہلے اس سے کھل کر باتیں کرتی تھی۔ ہنسی مذاق کرتی تھی۔ اب خود بخود دونوں میں ایک فاصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ اسد کو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ اب اس سے بات کرنا پسند نہ کرتی ہو۔ اسد کا فون آتا تو وہ زکیہ آپا کو فون پکڑا دیتی اور وہی اس سے بات کرتیں۔ زکیہ آپا..... اسد سے بہت محبت سے پیش آتیں تھیں مگر اب ان کا رویہ بھی بدل گیا تھا وہ اسد سے صرف کوئی ضروری بات کرتیں ورنہ اسے دیکھ کر گہری اور ٹھنڈی آہ بھرتیں اور پھر خاموش ہو جاتیں۔ اس لیے گھر جانا اور اتنے بہت سے لوگوں کا سامنا کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ وہ ان کی آنکھوں اور ان آنکھوں سے جھلکتے شکووں اور ان گنت سوالات سے ڈرتا تھا اس کا اندر بہت کمزور ہو گیا تھا۔ اس کا اعتماد اپنی ذات پر کم ہوتا جا رہا تھا۔ ہر وقت اس کے اندر سانپ کی طرح پھن پھیلایا guilt (گناہ) اسے اتنا مضطرب رکھتا کہ اس سے بچنا اس کے لیے بہت مشکل ہو گیا تھا۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے..... سوتے جاگتے..... کسی سے باتیں کرتے ہوئے..... فون کرتے ہوئے..... ڈرائیونگ کرتے ہوئے..... اہم میٹنگز کرتے ہوئے اس کا ذہن اس گلٹ میں الجھنے لگتا..... مگر اسے کوئی راہ فرار نہیں مل رہی تھی اور اس گلٹ سے فرار پانے کی خاطر وہ ایک ہفتے کے لیے فرانس اور جرمنی گیا..... وہاں اپنے کسٹمرز کے ساتھ بہت مصروف رہا بہت میٹنگز کیں مگر وہاں بھی باتیں کرتے ہوئے وہ کہیں کھو جاتا..... اسے مومنہ شدت سے یاد آنے لگتی۔ وہ مومنہ کا گنہگار تھا اور اس سے دور گھوم رہا تھا..... اسے پہلے اتنا اندازہ نہیں تھا کہ وہ مومنہ سے اس قدر شدید محبت کرتا ہے..... وہ جب ٹھیک تھی۔ اس کے ساتھ ہنستی بولتی تھی۔ اس کے ساتھ رہتی تھی۔ تب وہ اس کی محبت کو اور زاویے سے دیکھتا تھا دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔ اس لیے وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے پر بھی مجبور تھے..... اور اب وہ دونوں ایک دوسرے سے دور تھے..... مومنہ کو اس کی ضرورت نہ رہی تھی۔ اور شاید اسے بھی اس کے مردہ وجود کی ضرورت نہ تھی مگر اب وہ اس کو پہلے سے زیادہ چاہنے لگا تھا۔ اسے مومنہ کی "شدید ضرورت" محسوس ہونے لگی تھی اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اس ضرورت کی طلب میں اضافہ

ہونے لگا تھا۔اسے مومنہ کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی......؟ وہ اپنے آپ سے پوچھتا۔

شاید اس لیے کہ...... صرف مومنہ ہی اس کے اندر کے گلٹ کو اس سے دور کر سکتی تھی...... دنیا کا کوئی اور انسان یہ کام نہیں کر سکتا تھا وہ جس شدید احساس گناہ سے دوچار ہو رہا تھا اس بوجھ سے مومنہ ہی اسے آزاد کرا سکتی تھی۔اس لیے وہ مومنہ کی "ضرورت" بہت محسوس کرنے لگا تھا۔وہ بزنس ٹور سے واپس آیا تو مومنہ کے کمرے میں گیا...... کمرے میں اتنی خاموشی اور ویرانی تھی کہ وہ گھبرا گیا۔اس نے مومنہ کی طرف دیکھا وہ بھی اس کی طرف پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

"مومنہ کیسی ہیں آپ......؟" اس نے بہت ہمت کر کے اس کے پاس بیٹھ کر اس کے نیم مردہ ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں پکڑتے ہوئے کہا مگر ہاتھ ایسا بے جان تھا جیسے وہ کسی لاش کا ہاتھ ہو۔مومنہ کو اس کا ہاتھ پکڑنا اچھا نہ لگا وہ ہاتھ چھڑا تو نہ سکتی تھی مگر اس کی آنکھوں میں بدلتے تاثرات اور پھر ان سے امڈ کر تکیے میں جذب ہونے والے آنسو...... اس کے اندر کرب کو بیان کر رہے تھے۔

"آئی ایم سوری......" اسد نے اس کے ہاتھ کو اپنے لبوں کے ساتھ لگا کر روتے ہوئے کہا۔

مومنہ نے کوئی حرکت نہ کی۔کوئی تاثر نہ دیا۔جیسے اس کی ہر بار سوری کرنے کی عادت سے وہ اچھی طرح واقف ہو...... اور اس کے سوری کرنے اور نہ کرنے سے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

اسد رونے لگا...... بہت شدت سے...... اس کا ہاتھ پکڑ کر معافیاں مانگنے لگا مگر مومنہ نے اس کی جانب ایک بار بھی نہ دیکھا وہ ٹکٹکی باندھے چھت کو گھور رہی تھی اور آنسو اس کی آنکھوں سے مسلسل بہہ رہے تھے اور اس کے تکیے کو بھگو رہے تھے۔

"مومنہ...... پلیز ایک بار میری طرف دیکھو...... پلیز ایک بار"

اسد نے روتے ہوئے کہا مگر مومنہ کی نظروں کا زاویہ نہ بدلا۔

"آئی لو یو مومنہ......" اسد نے فرط جذبات سے کہا۔ایک دم آنسو انتہائی شدت سے اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

اسد کو یوں محسوس ہوا جیسے مومنہ کو اس کے "اقرار محبت" سے شدید دکھ ہوا ہو...... وہ اس سے یہ بات نہ سننا چاہتی ہو۔

"پلیز...... ایک بار...... مجھے معاف کر دو......" اسد نے پھر کہا مگر مومنہ نے اس کی جانب ایک بار بھی نہ دیکھا۔

وہ کتنی ہی دیر اس کے پاس بیٹھا۔سسکتا رہا۔اس سے معافیاں مانگتا رہا مگر مومنہ نے ایک بار بھی اس کی جانب دیکھنا گوارا نہ کیا۔اس کے اندر حبس بڑھنے لگا۔

گلٹ کا احساس اور بڑھنے لگا۔زکیہ آپا...... اچانک ماہا کو کمرے میں لائیں تو اسد کو صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے اور آنکھیں موندے ہوئے دیکھ کر چونکیں...... انہوں نے ماہا کو اسد کے پاس بٹھایا اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئیں اسد نے آنکھیں کھول کر ماہا کی جانب دیکھا اور اسے گود میں اٹھا لیا۔

"اسد...... اب ماہا کی وجہ سے ہی ڈرنک کرنا چھوڑ دیں...... ہمارے معاشرے میں جن بچیوں کے باپ ڈرنک کرتے ہیں ان کو اچھی نگاہ

سے نہیں دیکھا جاتا اوران کو رشتوں میں بہت مسئلے آتے ہیں" مومنہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے۔ اسد نے ماما کی طرف دیکھا...... ماما اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور تالیاں بجانے لگی۔ اسد کا دل کٹنے لگا اس نے گہری سانس لی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ ماما بلند آواز میں رونا شروع ہو گئی۔ اسد کو گھر سے باہر جاتے دیکھ کر زکیہ آپا فوراً مومنہ کے کمرے میں گئیں اور ماما کو سنبھالا۔ مومنہ کی برستی آنکھوں کی جانب بے بسی سے دیکھا اور اس کی پیشانی چوم کر خود بھی رونا شروع ہو گئیں۔

اسد شدید ذہنی اذیت کا شکار ہو گیا تھا۔ مومنہ کی بے بسی دادو کی موت اور ماما کی محبت...... اسے مجبور کر رہیں تھیں کہ وہ ڈرنک چھوڑ دے۔ مگر وہ جس شدید ذہنی اذیت سے دوچار تھا اس میں ڈرنک ہی اس کا غم دور کر رہی تھی ورنہ وہ کب کا پاگل ہو چکا ہوتا...... وہ آفس میں جاتا...... تھوڑی دیر بعد ہی بے زار ہونا شروع ہو جاتا اور سب کچھ چھوڑ کر انیکسی میں چلا جاتا...... ڈرنک کر کے سویا رہتا۔ جب بیدار ہوتا تو نیم بدہوشی کے عالم میں مومنہ اور دادو کے چہرے اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے...... تو وہ پھر افسردہ ہو جاتا...... اور بلک بلک کر رونے لگتا...... اپنے سر کے بال نوچتا...... وائن گلاس کو اٹھا اٹھا کر فرش پر پھینکتا۔

"کبھی نہیں پیوں گا...... تم نے مجھ سے میرا سب کچھ چھینا ہے میری مومنہ...... اور دادو...... دادو...... آپ کہاں چلی گئی ہیں...... آئی لو یو...... دادو...... پلیز واپس آ جائیں...... میں پھر اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا......" وہ بڑبڑاتا...... روتا...... چلاتا اور جب نڈھال ہو کر صوفے پر گر جاتا تو پھر اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر بیٹھ جاتا...... کبھی آنکھیں کھولتا...... کبھی بند کرتا۔

"صرف ایک بار...... آخری بار...... اس کے بعد کبھی نہیں پیوں گا" وہ بڑبڑاتا اور پیگ بنا کر پینے لگتا۔

وہ بیڈ پر بے ترتیبی کے عالم میں اوندھے منہ لیٹا تھا جب جواد احمد اس کی انیکسی میں داخل ہوئے۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر داخل ہو گئے۔ اسد نیم مدہوشی کے عالم میں تھا۔ وائن گلاس سائیڈ ٹیبل پر پڑا تھا۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے اور آنکھیں بہت اداس ہو رہی تھیں۔ شیو قدرے بڑھی ہوئی تھی۔ جواد احمد اس کو دیکھ کر حیران رہ گئے وہ ہمیشہ صاف ستھری شخصیت کا مالک رہا تھا۔ نفاست اور شائستگی اس کی جاندار...... خوبصورت اور پرکشش شخصیت کا خاصہ رہی تھیں اور اب وہ انتہائی شکستہ اور بکھرا بکھرا لگ رہا تھا۔ سوئی سوئی آنکھیں...... اداس اور پریشان دل کی غماز تھیں۔

"اسد صاحب...... یہ...... آپ کو کیا ہوا ہے؟ جواد احمد اس کے قریب صوفے پر بیٹھ کر بولے۔

"آئی ایم فائن" وہ قدرے بھاری آواز میں بولا۔

"آر یو۔ ریئلی فائن......؟" جواد احمد نے حیرت سے پوچھا۔

"یس۔ آئی۔ ایم......" اسد نے اپنے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے ٹھیک کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو قدرے نارمل کرتے ہوئے کہا مگر اس کی زبان...... اس کے لہجے کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"ہاؤ...... آر...... یو...... اور تمہیں...... کیسی ہے؟ اسد نے ان کی توجہ ہٹانے کے لیے کہا۔

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تمکین...... ؟ جواد احمد کہتے ہوئے رُکے۔

"ہاں ان دنوں...... آپ یہاں نہیں تھے۔ آپ کو کیسے معلوم ہوتا؟" جواد احمد خود ہی بڑبڑائے۔

"کیا مطلب...... کیا ہوا تمکین کو......؟" اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"تمکین اب اس دنیا میں نہیں ہے......" جواد احمد نے آہ بھر کر کہا۔

"وہاٹ......؟ وہاٹ......؟" اسد نے انتہائی حیرت سے اپنی سیٹ پر سے قدرے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... تین ماہ پہلے اس کی ڈیتھ ہوگئی ہے" جواد احمد نے نم آنکھوں سے جواب دیا۔

"ڈیتھ...... سڈن ڈیتھ (اچانک موت) اسد نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں...... لیور کینسر سے......" جواد احمد نے جواب دیا۔

"لیور کینسر...... او...... نو...... اوہ...... مائی گاڈ" اسد کو بہت شاک لگا تھا۔

"ہاں...... بہت زیادہ ڈرنک کرنے سے اس کو "لیور کینسر" ہو گیا" جواد احمد نے معنی خیز انداز میں سائیڈ ٹیبل پر رکھے وائن گلاس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈرنک کرنے سے" اسد بمشکل بولا۔

"ہاں...... ڈرنک نے دیمک کی طرح اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیا۔ اور ہمیں تب خبر ہوئی جب ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا کوئی ٹریٹمنٹ نہیں کرا سکتے تھے...... اس کا علاج کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں تھا۔ وہ بہت اذیت میں تھی...... بہت تڑپتی تھی...... اور...... روتی تھی۔ مگر ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر پائے تھے...... کچھ بھی نہیں، جواد احمد نے چھت کی طرف دیکھا اور سسکنے لگے۔ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

"آئی ایم رئیلی سوری...... اسد نے نرمی سے ان کا کندھا تھپتھپایا تو انہوں نے اپنی پینٹ کی جیب میں سے رومال نکال کر اپنی آنکھیں رگڑنی شروع کر دیں۔

"اوہ گاڈ...... اتنا کچھ ہو گیا...... اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی" اسد نے افسردگی سے کہا۔

"میں نے آپ کو بہت دفعہ کال کی۔ مگر آپ بھی فون اُٹھاتے نہیں تھے خیریت تو تھی۔ مسز اسد ٹھیک ہیں نا؟

جواد احمد نے پوچھا۔

"ہاں...... ہاں...... سب ٹھیک ہے" وہ جلدی سے بولا اور پھر ایک دم خاموش ہو گیا۔

"کیا بات ہے...... اسد...... آپ مجھے بہت اپ سیٹ لگ رہے ہیں......؟ جواد احمد نے اسد کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"نتھنگ...... نتھنگ ایکچولی...... نتھنگ ایٹ آل" وہ بڑبڑانے لگا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"اسد...... یو...... آر...... ناٹ فائن......" جواد احمد نے اسد کی آنکھوں میں بغور جھانکتے ہوئے کہا۔

"مومنہ کو اچانک برین ہیمبرج ہو گیا اور وہ کومے میں ہے" اسد جلدی سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"او...... نو......" جواد احمد قدرے چلاتے ہوئے بولے۔

"یس..... شی..... از سفرنگ نو مچ" اسد اچانک سسکنے لگا۔

"پلیز...... ریلیکس...... ٹیک اٹ ایزی...... لیکن یہ کیسے اچانک ہو گیا؟ جواد احمد نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں...... اچانک ہی ہو گیا...... بہت اچانک...... بالکل اچانک اور پتا بھی نہیں چلا" اسد بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"پلیز...... اسد...... ہمت نہ ہاریں۔ حوصلہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" جواد احمد نے اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ کیسے ٹھیک ہوگا......؟ کبھی ٹھیک نہیں ہوگا...... جب تک کہ میں......؟ اسد کچھ کہتے کہتے رُکا...... اور...... وائن گلاس کی جانب نادانستہ دیکھنے لگا۔

"آئی...... سی...... کیا مسز اسد نے اس بات کا اثر لیا ہے...... شی از ویری ریلیجس...... اور مذہبی لوگ اسے حرام سمجھتے ہیں...... یقیناً وہ بھی اس وجہ سے ڈسٹرب ہوں گی۔ آپ ڈرنک کرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ میں نے تو ثقلین کی وجہ سے کب سے چھوڑ دی ہے" جواد احمد نے کہا۔

"آئی تھنک سو...... بٹ......؟" اسد بے بسی سے بولا۔

"جواد احمد کچھ سوچنے لگے اور اسد کی جانب دیکھنے لگے۔"

"اٹھیں...... میرے ساتھ چلیں" جواد احمد نے اُٹھتے ہوئے اس کو کہا۔

"کہاں......؟" اسد نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"آپ چلیں...... اور...... پلیز مجھ سے کوئی سوال نہ کریں......" جواد احمد نے قدرے پرامید لہجے میں کہا تو اسد حیران رہ گیا۔

"او کے......" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا اور اپنا کوٹ پہن کر ان کے ساتھ باہر چلا گیا۔

جواد احمد اسے ڈاکٹر ثقلین کے پاس لے کر گئے...... ڈاکٹر ثقلین جواد احمد سے بہت تپاک سے ملے۔ اور اسد سے بھی محبت سے ہاتھ ملایا۔

"ڈاکٹر ثقلین...... مائی فرینڈ نیڈز یور ہیلپ (میرے دوست کو آپ کی مدد کی ضرورت ہے) جواد احمد نے اسد کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ اسد قدرے کنفیوژ ہونے لگا تھا۔ اور ہچکچاہٹ سی محسوس کرنے لگا تھا۔

"اوہ شیور...... ہی از مائی فرینڈ ٹو (یہ میرے بھی دوست ہیں) ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر اسد کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو اسد نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔

"ڈاکٹر ثقلین...... ہی از ڈسٹربڈ...... پلیز ان کی پرابلم شیئر کریں اور اس سچویشن سے نکلنے میں ان کی مدد کریں۔ آئی ایم بہت بزی (میں تھوڑا سا مصروف ہوں) جواد احمد جان بوجھ کر وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے تاکہ اسد...... ڈاکٹر ثقلین سے کھل کر اپنا مسئلہ بیان کر سکیں۔

"ڈونٹ یو وری (آپ فکر نہیں کریں) ڈاکٹر ثقلین نے پُراعتماد لہجے میں مسکرا کر کہا اور انہیں دروازے تک رخصت کیا۔

"او کے...... مسٹر اسد...... پلیز اپنے آپ کو ریلیکس کریں...... اور یہ یقین رکھیں کہ اس کمرے میں سے آپ کی کوئی بات باہر نہیں جائے

کی...... ٹرسٹ می...... آئی ایم یور فرینڈ...... اور ایک دوست کو دوسرے پر ٹرسٹ کرنا چاہیے" ڈاکٹر ثقلین نے قدرے ملائمت سے کہا تو اسد نے ان کی جانب بغور دیکھا اور چہرے پر ہاتھ پھیرا...... اس کی آنکھوں میں بے یقینی اور بے چینی کے تاثرات نمایاں تھے۔

"پلیز۔۔۔مسٹر اسد۔۔۔ مجھے بتایئے۔۔۔کیا پرابلم ہے۔۔۔؟ اور آپ کی پرابلم سننے کے بعد میں فیصلہ کر پاؤں گا کہ میں کس حد تک آپ کی مدد کر سکتا ہوں" ڈاکٹر ثقلین نے اسے محبت سے کہا۔ اسد نے بغور ان کی جانب دیکھا اور پھر اسے ساری بات بتانا شروع کی۔ اپنی اور مومنہ کی باتیں۔ شاہ سے ہونے والا واقعہ۔ دادو کی موت...... مومنہ کی بیماری اور اس کا شدید ذہنی اذیت میں مبتلا ہونا۔ ڈرنک کو برا سمجھنے کے باوجود نہ چھوڑ پانا۔۔۔" ڈاکٹر ثقلین نے اس کی ایک ایک بات کو انتہائی توجہ سے سنا۔۔۔۔

اسد بات سنا کر سسکنے لگا۔

"پلیز...... اسٹاپ ویپنگ...... یو آر ناٹ مائی پیشنٹ۔ بٹ مائی فرینڈ (مت روئیں آپ میرے مریض نہیں بلکہ دوست ہیں) آپ کو صرف چند سیشنز کی ضرورت ہے اور آپ اتنے کونفیڈنٹ ہو جائیں گے کہ آپ خود ڈرنک کرنا چھوڑ دیں گے" ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کاش ایسا ممکن ہو۔۔۔" اسد مایوسی سے بولا۔

"انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔ آئی ایم ہوپ فل اباؤٹ یو (میں آپ کے بارے میں بہت پر امید ہوں) ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کے پاس میری طرح کے اور بھی پیشنٹس (مریض) آئے اور ٹھیک ہو گئے؟" اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں...... بہت سے" ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر جواب دیا۔

اسد نے بے یقینی سے ان کی جانب دیکھا۔

"ٹی روم چلیں...... پہلے چائے پیتے ہیں اور اس کے بعد میں آپ کا سائیکو انالسز کروں گا" ڈاکٹر ثقلین نے قدرے دوستانہ انداز میں کہا تو اسد حیرت سے انہیں یوں دیکھنے لگا جیسے انہوں نے کوئی انتہائی حیرانگی کی بات کی ہو...... وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چائے پینے ٹی روم میں چلا گیا۔ وہاں ڈاکٹر براس کے علاوہ اور بہت سے ڈاکٹرز موجود تھے۔ ڈاکٹر ثقلین نے ان سب سے اس کا تعارف ایک دوست کی حیثیت سے کرایا۔ سب لوگ اس سے بہت محبت اور تپاک سے ملے۔ انتہائی خوشگوار ماحول میں چائے پینے کے بعد ڈاکٹر ثقلین اسد کو اپنے کمرے میں لے کر گئے تو وہ اپنے آپ کو پہلے سے قدرے بہتر محسوس کرنے لگا۔ وہ پہلے عجیب طرح کی بے چینی اور اضطراب محسوس کر رہا تھا اور اب قدرے مطمئن تھا۔

"ہاں...... تو مسٹر اسد...... ڈرنک چھوڑنے کے لیے آپ کو اسٹرونگ ہونا ہے...... سے آپ چاہیں تو اسٹرونگ ول پاور (مضبوط قوت ارادی) اسٹرونگ ڈیٹرمینیشن (مضبوط عزم) کا ہو سکتے ہیں...... مگر میں ان سے پہلے آپ کو سیلف اسٹڈی (خود بینی) کے لیے کہوں گا۔ جب تک آپ سیلف اسٹڈی نہیں کریں گے...... آپ میں ول پاور پیدا نہیں ہوگی...... اور یہ سیلف اسٹڈی آپ کو آج سے ہی کرنی ہے" ڈاکٹر ثقلین نے کہا۔

سیلف اسٹڈی...... کیسے......؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ کو اپنے آپ سے چند سوالات پوچھنے ہیں۔ کہ

1- کیا ڈرنک آپ اپنے لیے چھوڑنا چاہتے ہیں؟

2- کیا فیملی کی خاطر چھوڑنا چاہتے ہیں؟

3- کیا سوسائٹی کے ڈر سے چھوڑنا چاہتے ہیں؟

4- خدا کے خوف سے اس کے ڈر سے چھوڑنا چاہتے ہیں؟

ان چار سوالات پر آپ کو غور کرنا ہے۔۔۔۔۔ چلیے میں آپ کی اس میں کچھ مدد کرتا ہوں۔ پہلا سوال۔۔۔۔۔ کیا آپ اپنے لیے ڈرنک چھوڑنا چاہتے ہیں۔۔۔؟ تو اس کا جواب نفی میں ہوگا۔۔۔ کیونکہ آپ نے کئی بار اسے چھوڑنے کا فیصلہ کیا مگر خود ہی اس پر قائم نہ رہے۔۔۔ آپ کو اچھی طرح معلوم بھی ہے کہ یہ صحت کے لیے بہتر نہیں۔ پھر اس نے آپ کی عزت کو کتنا نقصان پہنچایا ہے مگر پھر بھی آپ میں مضبوط قوت ارادی نہیں پیدا ہو رہی کہ آپ اسے چھوڑ دیں۔۔۔۔ اس لیے اس کا جواب نیگٹو ہوگا۔

دوسرا سوال۔۔۔۔ کیا فیملی کی خاطر چھوڑنا چاہتے ہیں۔۔۔؟

اس کا جواب بھی نفی میں ہے۔۔۔ کیونکہ آپ کو آپ کی مسز نے اور گرینڈ مدر نے روکنا چاہا مگر آپ باز نہیں آئے یہاں تک کہ مسز بیمار ہوگئیں اور گرینڈ مدر کی ڈیتھ ہوگئی۔ اس کا مطلب ہے آپ فیملی کی خاطر بھی اسے نہیں چھوڑ سکتے۔

یہ سوال: کیا سوسائٹی کے ڈر سے چھوڑنا چاہتے ہیں؟ اور اس کا جواب بھی نیگٹو ہے۔ کیونکہ ڈرنک کی وجہ سے آپ کی فیملی کی ریپو بہت damage ہوئی ہے مگر آپ اس واقعے کے بعد بھی اس کو نہیں چھوڑ پائے تو اس کا مطلب ہے سوسائٹی بھی آپ کے لیے اہمیت نہیں رکھتی۔

اب چوتھا سوال بہت اہم ہے۔۔۔۔ اور وہ سوال آپ کو ایسے کٹہرے میں لا کھڑا کرتا ہے جہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں اور وہ ہے کیا خدا کے خوف اور ڈر سے آپ اسے چھوڑنا چاہتے ہیں؟

''اس سوال کا جواب آپ کی نہ ہاں میں ہے اور نہ ہی نہ میں''

کیونکہ اگر آپ کو خدا کا ڈر ہوتا تو آپ اس کی حدود کی خلاف ورزی کبھی نہ کرتے۔ اس کی حرام کردہ چیز کو کبھی ہاتھ نہ لگاتے۔۔۔۔ لیکن آپ نے اس کو بار بار ہاتھ لگایا۔ اس کو پیا۔ اس سے سرور و مستی حاصل کی۔ اس کو انجوائے کیا اور اس کے نتائج بھی دیکھ لیے۔

''مسٹر اسد۔۔۔۔ آپ کا خدا سے تعلق کیسا ہے؟'' ڈاکٹر تقلین نے اچانک پوچھا تو وہ ہڑبڑا گیا۔

''کیا مطلب۔۔۔۔؟'' اسد نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

''آئی مین۔۔۔۔ آپ خدا کے بارے میں کیسا محسوس کرتے ہیں۔۔۔۔ کیا اس کو سوچ کر اچھے اور خوشگوار تاثرات آپ کے ذہن میں آتے ہیں۔۔۔۔؟'' ڈاکٹر تقلین نے اچانک پوچھا تو اسد حیرت سے ان کی جانب دیکھنے لگا اسے ان کا یہ سوال قدرے عجیب لگا۔

''کیا مطلب۔۔۔۔؟'' اسد نے چونک کر پوچھا۔

''کیا آپ نے کبھی خدا کے بارے میں سوچا ہے۔۔۔۔؟ اور اگر سوچا ہے تو کیسا تاثر آپ کے ذہن میں اس کے بارے میں آتا ہے۔ آئی

مین فرینڈلی...... (دوستانہ) محبت بھرا...... عام...... کوئی خاص نہیں...... یا کوئی بہت خوفناک...... ہیبت اور ڈر والا۔" ڈاکٹر تقلین نے پوچھا تو اسد سوچ میں پڑ گیا۔

"کچھ خاص نہیں" وہ قدرے توقف کے بعد بولا۔

"رائٹ...... نو...... پرابلم...... یہ بتایئے کیا...... خدا کے بارے میں سوچنا آپ کو اچھا لگتا ہے؟" ڈاکٹر تقلین نے پھر سوال کیا۔

"کبھی اس کے بارے میں اتنا سوچا ہی نہیں۔ اس لیے میں کیا بتا سکتا ہوں" اسد نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"آپ بتا رہے تھے کہ آپ کا گھرانہ بہت روایتی اور مذہبی تھا۔۔۔ آپ کی گرینڈ مدر بہت مذہبی خاتون تھیں۔۔۔۔ پھر آپ نے ایک مذہبی باپردہ عورت سے شادی بھی کی۔ آپ اپنی کلاس کی لڑکی سے بھی تو شادی کر سکتے تھے۔ پھر یہ سب کیوں کیا؟ کیا دادو کا مذہبی ہونا آپ پر کوئی اثر نہ کر سکا؟" ڈاکٹر تقلین نے تجسس انداز میں پوچھا۔

"میری وائف میری دادو کی چوائس تھیں اور مجھے ان کے باپردہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا...... آئی ایم اے لبرل مین (میں آزاد انسان ہوں) دادو بہت مذہبی تھیں وہ بچپن میں بھی مجھے نماز روزے کے لیے بہت کہتی تھیں۔۔۔ اور میں ان کے کہنے پر پڑھتا بھی تھا۔ آپ خدا کے بارے میں جو سوالات کر رہے ہیں۔۔۔ میں نے نہ کبھی ان کے بارے میں سوچا تھا اور نہ سوچا ہے کیوں کہ کبھی ایسا سوچنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔۔۔ دادو کا مذہب شریعت اور اسلامی رسم و رواج کی پاسداری تھا اور میں ان کی ان تمام خواہشات کا احترام کرتا تھا اس کے علاوہ میری اسکولنگ انتہائی اعلیٰ درجے کے انگلش میڈیم سکولز میں ہوئی جن میں زیادہ تر الٹرا ماڈ اور انتہائی امیر فیملیز کے بچے پڑھتے تھے۔ میرے گھر کی دنیا...... سکول کی دنیا سے بہت مختلف تھی۔ دادو جو سکھاتی تھیں وہ سکول میں applicable (قابل عمل) نہیں ہوتا تھا۔" اسد نے کہا۔

مثلاً۔ کیا applicable نہیں ہوتا تھا؟" ڈاکٹر تقلین نے قدرے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"دادو کہتی تھیں کہ جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے اور جھوٹ بولنے والے پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے مگر میں سکول میں دیکھتا تھا کہ جو بچے ہوم ورک نہیں کرتے تھے اور جھوٹے بہانے بناتے تھے وہ اکثر بچ جاتے تھے اور جو سچ بولتے تھے وہ پکڑے جاتے تھے اور انہیں سزا ملتی تھی۔

اور دادو یہ بھی کہتی تھیں کہ کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کرتے۔ ہر ایک سے پیار و محبت اور دوستانہ طریقے سے رہنا لیکن میں نے یہ دیکھا کہ میں جب بچوں سے جھگڑتا نہیں تھا۔ ان کے ساتھ محبت سے رہنے کی کوشش کرتا تھا تو وہ مجھے ایکسپلائٹ کرتے تھے۔ میری چیزیں بیگ میں سے نکال لیتے تھے۔ میری نوٹ بکس چرا لیتے تھے یہاں تک کہ اکثر میرا لنچ بھی کھا لیتے تھے۔ میں کچھ عرصہ دادو کی باتوں کو follow (عمل) کرتا رہا لیکن جب لڑکے مجھے ایکسپلائٹ کرانے لگے تو پھر میں بھی ان کے ساتھ ویسے ہی ٹریٹ کرنے لگا...... میں بھی تھپڑ کا جواب تھپڑ سے دیتا تو وہ ٹھیک رہتے...... اس لیے میں دادو کی باتیں سنتا تو ضرور...... مگر وہی کرتا جو مجھے ٹھیک لگتا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا سوسائٹی میں رہنے کے لیے دادو کی باتیں پریکٹیکل نہیں" اسد نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ کی دادو تو وہی باتیں کرتی تھیں جو اللہ کے احکامات تھے وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتی تھیں جو مذہبی و شرعی لحاظ سے ٹھیک نہ ہوتی

ہو" ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے کہا۔

"ہاں...... یہ اس وقت کی سوچ تھی جب میں بچہ تھا میرا ذہن میچور نہیں تھا۔ دادو کی باتیں مجھے بہت سادہ۔ پرانی اور ناقابل عمل لگتی تھیں اور اب اس عمر میں وہی باتیں مجھے ٹھیک لگتی ہیں۔" اسد نے آہ بھر کر صاف گوئی سے جواب دیا۔

"ہاں..... آپ کی اس بات میں logic (منطق) ہے...... جب ہمارا ذہن اور شعور پختہ نہیں ہوتا۔ تو کوئی بھی منطقی اور علمی بات ہمیں فضول لگتی ہے۔ جب ہم میچور ہو جاتے ہیں تو انہی باتوں میں حقیقت اور سچائی نظر آنے لگتی ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے جواب دیا۔

"اور پھر مجھے سکول و کالج میں ایسے دوست مل گئے۔ جن کی سوچ میں گہرائی نہیں تھی۔ خدا..... اخلاقیات اور خاندانی روایات کا تعلق صرف گھر کے بزرگوں تک محدود ہونا چاہیے...... اور میرے گھر میں بھی یہی ہو رہا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ دادو اللہ کے احکامات کو پورا کر رہی ہیں۔ یہی کافی ہے۔ میں ان کے کاموں میں زیادہ دخل نہیں دیتا تھا۔" اسد نے جواب دیا۔

"آپ نے ڈرنک کرنا کب شروع کی؟ ڈاکٹر ثقلین نے اچانک سوال کیا۔

"جب میں بزنس ٹور کے سلسلے میں جرمنی گیا۔ وہاں ایک بزنس ڈنر پر بہت سے مسلمان بھی تھے۔ اور وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ڈرنک کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی دعوت دی۔ پہلے تو میں ہچکچایا۔ پھر سب کو ڈرنک کرتے دیکھ کر میں نے بھی پی لی اور اس کے بعد میں محسوس کرنے لگا کہ مجھ میں ایک عجیب طرح کی سرشاری آجاتی تھی۔ میں زیادہ ایکٹو ہو جاتا تھا اور ذہن زیادہ تیزی سے سوچنے لگتا تھا۔ اس میں مجھے فائدہ نظر آیا تو میں اسے پینے لگا...... پہلے کبھی کبھار...... پھر......" وہ آہ بھر کر خاموش ہو گیا۔

"کیا آپ کی دادو کو کبھی معلوم نہیں ہو پایا تھا؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"نہیں...... میں اس سلسلے میں بہت محتاط رہتا تھا۔ یہ تو میرے ایکسیڈنٹ کے بعد ان کو معلوم ہوا تو وہ بہت اپ سیٹ ہو گئیں۔ اسد نے رنجیدگی سے جواب دیا۔

"ڈرنک کرتے ہوئے آپ کو کبھی احساس نہیں ہوا کہ آپ کوئی غلط کام کر رہے ہیں اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کر رہے ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"پہلے کبھی کبھی احساس ہوتا تھا...... پھر...... کبھی نہیں...... میں نے کبھی حرام وحلال کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ میں اسے ایک سوشل اور انرجی ڈرنک کے طور پر استعمال کرتا تھا۔" اسد نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"کیا اس سوچ کو آپ نے خود ہی ڈیولپ کیا یا پھر کسی کے کہنے پر آپ نے ایسا سوچا؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"اندرون ملک اور بیرون ملک اس کو ایز اے سوشل ڈرنک ہی لیا جاتا ہے۔ ہر پارٹی ہر فنکشن اور ہر دعوت میں اور میٹنگز کے دوران اس سے انجوائے منٹ اور پلیژر کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اسد نے جواب دیا۔

"کیا آپ نے کبھی Pig (سور) کا گوشت کھایا ہے؟ ڈاکٹر ثقلین نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نیور (کبھی نہیں) وہ قدرے اونچی آواز میں بولا۔

"کیوں......؟ دونوں حرام ہیں...... کیونکہ دونوں میں ہی خباثت ہے...... پھر کیوں ایک کو جائز اور دوسرے کو ناجائز سمجھتے ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے سوال کیا۔

آئی ڈونٹ نو...... اور یہ بات فرانس میں ایک پارٹی کے دوران بھی تانیہ مسلو نے بھی پوچھی تھی۔ جب پارٹی میں سب لوگ روسٹڈ پگ کھا رہے تھے اور وہ سب مسلمان فرینڈز اس کو avoid (نظر انداز) کر رہے تھے۔ لیکن ہم سب ڈرنک کر رہے تھے۔ اس پر انہوں نے حیران ہو کر پوچھا تھا لیکن ہمارے پاس کوئی جواب نہیں تھا" اسد نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"آپ جانتے ہیں pig کھانے سے کیوں منع کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ایک تو اس کے گوشت میں بیماری ہے۔ دوسرا اس کے کھانے سے انسان میں شہوت (جنسی جذبات) بھڑک اٹھتے ہیں اور انسان درندگی پر اتر آتا ہے۔ شراب سے بھی جنسی جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اس لیے دونوں کے انسانی جسم اور روح پر برے اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں حرام ٹھہرایا ہے اب سوال یہ ہے کہ زیادہ تر مسلمان جو بیرون ملک میں مقیم ہیں وہ سور کے گوشت سے بہت پرہیز کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک کی ایک آیت کے ذریعے اسے واشگاف الفاظ میں حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کے بارے میں کسی بھی قسم کی رعایت relaxation کی اجازت نہیں یہاں تک کہ اس کا نام لینے سے بھی زبان کو ناپاک سمجھا جاتا ہے جبکہ شراب کی حرمت کا حکم بتدریج یعنی آہستہ آہستہ نازل ہوا۔ چونکہ عرب معاشرے میں اس کا استعمال عام تھا لوگوں کے لیے اسے ایک دم چھوڑنا مشکل ہو جاتا۔ اس لیے پہلے اس کے لیے کراہت اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے حرام قرار دیا گیا اور جب اس کی حرمت کا واضح حکم آیا تو شراب مدینے کی گلیوں میں بہا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے اسے ہر جاندار کی نفسیات اور ضروریات کا بہتر علم ہے۔ اس لیے اس کے احکامات کے پیچھے گہری مصلحت ہوتی ہے۔ اب آپ ہی بتائیے اپنی پیدا کردہ بہت سی چیزوں کو اس نے حرام کیوں قرار دیا ہے......؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"ظاہر ہے ان میں کوئی بات ہوگی" اسد نے جواب دیا۔

"یقیناً ان میں بری باتیں ہوتی ہیں۔ جو انسان اور معاشرے کے لیے کسی نہ کسی طرح نقصان اور خرابی کا باعث ہوتی ہیں۔ اب دیکھیے ایک گھنٹہ پہلے جو بیوی جائز ہوتی ہے تین بار طلاق کہنے سے وہ اسی مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔ جبکہ ایک گھنٹہ پہلے وہ حلال ہوتی ہے کیوں......؟ سود حرام ہے...... جبکہ اس سے تو نفع ملتا ہے۔ مگر کیوں حرام کہا گیا ہے......؟ مردار حرام ہے...... اسی طرح خون......؟ اس لیے کہ یہ سب انسان اور معاشرے کی صحت کے لیے خرابی اور فتنے کا باعث ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ ان حلال و حرام کے ذریعے انسان کے لیے حدود مقرر کرتا ہے کہ کون اس کے احکامات مانتا ہے اور کون ان کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اور اللہ کی حدود کی حفاظت وہی لوگ کرتے ہیں جو اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔"

اب آپ کے ذہن میں خدا کے بارے میں کوئی پازیٹو تاثر ہی نہیں...... تو آپ کیسے ان چیزوں سے بچ سکتے ہیں۔ اس ساری ڈسکشن کا مقصد ہی یہی ہے کہ ایک بار آپ اپنے ذہن میں خدا کے بارے میں کوئی تاثر پیدا کریں۔ اور کسی کے بارے میں کسی بھی قسم کا تاثر پیدا کرنے کے

لیے اس کے بارے میں سوچنا ضروری ہے۔اور۔۔۔۔۔یہ سوچنا کہ اس نے آپ کے لیے کیا کچھ کیا ہے۔۔۔۔؟آپ کے لیے کیسے احساسات اور جذبات رکھتا ہے۔۔۔۔۔اور آپ سے کتنی محبت رکھتا ہے۔۔۔۔؟ڈاکٹر ثقلین نے کہا۔

کیا مطلب۔۔۔۔۔؟آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟

اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ کاغذ اور پین لیجیے۔۔۔۔۔اور اس پر ایک جانب لکھیے کہ آپ کو زندگی میں کتنی اچھی چیزیں ملی ہیں اور دوسری جانب لکھیے کہ آپ کو کیا نہیں ملا۔اور ان کی کمی آپ کی زندگی میں محسوس کرتے ہیں۔" ڈاکٹر ثقلین نے اس کی جانب دیکھنے لگا اور کچھ سوچنا شروع ہو گیا۔کافی سوچنے کے بعد وہ کاغذ پر لکھنے لگا۔اور تھوڑی دیر بعد کاغذ ڈاکٹر ثقلین کی جانب بڑھا دیا۔وہ مسکرا کر قدرے اونچی آواز میں پڑھنے لگے۔

اچھی چیزیں: عزت،دولت،شہرت،بزنس،خوبصورت گھر،گاڑیاں،آسائشیں،خوبصورت اور نیک بیوی،اولاد،ملازمین اچھے دوست و احباب،پروقار خاندان۔

"ماشاءاللہ" ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا اور کاغذ کی دوسری جانب دیکھا جن چیزوں کی کمی وہ محسوس کرتا ماں باپ۔۔۔۔۔بہن بھائی۔۔۔۔۔۔

اسد صاحب آپ دنیا کے خوش قسمت ترین انسانوں میں سے ایک ہیں۔جس پر قدرت اس قدر مہربان ہے کہ اپنی تمام نعمتوں سے نواز دیا ہے۔بارہ بہترین چیزوں کے مقابلے میں آپ کو صرف دو چیزیں نہیں ملیں۔۔۔۔۔آپ پر اللہ کا کتنا کرم اور کتنی نوازش ہے آپ نے کبھی اس کے بارے میں سوچا ہے" ڈاکٹر ثقلین قدرے جذباتی انداز میں بولے تو اسد حیرانگی سے ان کی جانب دیکھنے لگا۔

"نہیں۔۔۔۔۔" وہ آہستہ آواز میں بولا۔

"اسد صاحب آپ کی میرے ساتھ میٹنگ کیسی رہی۔۔۔۔۔اور میں آپ کو کیسا لگا ہوں؟ فرینکلی بتایئے گا" ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر پوچھا۔

"ویری نائس۔۔۔۔۔آپ بہت اچھے انسان ہیں (اور میں آپ کا بہت grateful (شکر گزار) ہوں" اسد نے مسکرا کر جواب دیا۔

"حالانکہ میں نے آپ کے لیے کچھ خاص نہیں کیا۔۔۔۔۔صرف آپ سے باتیں کی ہیں۔۔۔۔۔اور چائے پی ہے۔میں نے آپ کو کچھ دیا تو نہیں۔۔۔۔۔پھر بھی آپ میرے لیے بہت شکر گزار ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔کیوں۔۔۔۔؟ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ نے مجھے اپنا وقت دیا ہے۔۔۔۔۔مجھے cansole (تسلی) کیا ہے" اسد نے جواب دیا۔

"اور۔۔۔۔۔میں اپنے قیمتی وقت اور الفاظ کے آپ سے پیسے چارج کروں گا۔۔۔۔۔پھر بھی آپ میرے لیے بہت سافٹ فیلنگز محسوس کر رہے ہیں" ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔۔میں آپ کو بہت بائی پروفیشنل پرکھ رہا ہوں کہ آپ سے میں نے اپنی ساری باتیں شیئر کی ہیں۔۔۔۔۔اور آپ نے میرے پرابلم کو سمجھا ہے" اسد نے جواب دیا۔

"یو۔ آر۔ رائٹ...... میرے بارے میں آپ کے ذہن میں ایک خوشگوار امیج پیدا ہو گیا ہے...... اور مجھے ہمیشہ فرینڈلی نائس اور پلیزنٹ انسان کے طور پر یاد رکھیں گے۔ ایم آئی رائٹ؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"یس آف کورس۔ اور میں ساری زندگی آپ کا abliged (احسان مند) رہوں گا۔ اور آپ کو یاد رکھوں گا" اسد نے مسکرا کر جواب دیا۔

"دس از وہاٹ۔ آئی وانٹ (یہی میں چاہتا ہوں) میں آپ سے سب کچھ اس لیے ڈسکس کر رہا ہوں کہ آپ صرف چند لمحوں کے لیے رات کی تنہائی میں اللہ کے بارے میں سوچیں...... جس نے آپ کو پیدا کیا ہے اور اتنی بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ اور اتنا نوازنے کے بعد وہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ اس سے محبت کی جائے اس کو اپنا بہت قریبی دوست سمجھا جائے...... اس سے دوستانہ انداز میں بات کی جائے...... اس سے سرگوشیاں کی جائیں۔ اور اس کے ساتھ اپنے دل کی باتیں کی جائیں...... اس سے راز و نیاز کیے جائیں...... اس سے مشورے طلب کیے جائیں...... یقین مانیے اسد صاحب۔ جب اس سے انسان کا تعلق یا رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے تو پھر کسی رشتے اور کسی دوست کی کمی محسوس نہیں ہوتی...... میرے پاس ایسے ایسے لوگ بھی آتے ہیں جن کو اس نے کسی بھی شے سے نہیں نوازا ہوتا...... یا پھر بہت کچھ عطا کر کے چھین لیا ہوتا ہے اور وہ شدید ڈپریشن میں آتے ہیں...... مگر جب وہ اس کو محسوس کرنا شروع کرتے ہیں تو پھر انہیں کوئی ڈپریشن نہیں رہتا۔ آپ بھی اس کے بارے میں سوچیے...... بہت محبت سے...... بہت چاہت سے" ڈاکٹر ثقلین نے قدرے جذباتی انداز میں کہا تو اسد کے دل پر ان کی باتیں گہرا اثر کرنے لگیں۔

"اسد صاحب اس کاغذ پر آپ نے جتنی اچھی چیزیں لکھی ہیں بتایئے ان میں سے کون سی آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہے؟" ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"مائی وائف اینڈ ڈاٹر (میری بیوی اور بیٹی) اسد نے جواب دیا۔

"اگر...... گھر پہنچتے ہی آپ کی بیوی اور آپ کی بچی کی ڈیتھ ہو جائے تو؟

ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

وہاٹ......؟ اسد ایک دم گھبرا گیا۔

"کیوں...... یہ ممکن تو نہیں...... ان دونوں کا مالک اللہ ہے اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ وہ ان کو واپس لینے پر قادر ہے۔ وہ جب چاہے ایسا کر سکتا ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے سنجیدگی سے کہا۔

"نو...... پلیز...... ڈونٹ ٹیل می...... میں ان کے بغیر کبھی بھی زندہ نہیں رہ سکوں گا...... کبھی بھی نہیں" اسد کی آنکھیں چھلکنے لگیں۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ کا ان دونوں کی زندگیوں پر کوئی اختیار نہیں۔ پھر بھی آپ پوزیسو ہو رہے ہیں...... یو آر ہیلپ لیس (بے بس) کیا آپ اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں......؟" ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"نہیں......" اسد نے مایوس لہجے میں جواب دیا۔

"میں یہی کہنا چاہ رہا ہوں کہ جب آپ کو یا آپ کے چاہنے والوں کو تکلیف ہو گی۔ تو آپ یقیناً اپنی پوری کوشش کریں گے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ ان کی سلامتی کے لیے آپ دعائیں کریں گے یقیناً اس ہستی کے آگے گڑگڑائیں گے جو ان کا خالق اور مالک ہے...... کیا آپ

ان کو بچانے کے لیے کچھ نہیں کریں گے؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"یقیناً..... اپنی ہر ممکن کوشش کروں گا" اسد نے جواب دیا۔

"اس لیے میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں۔ کہ ایک بار خدا کے ساتھ اپنا تعلق بنا لیجیے اور اس کا دوستانہ، خوشگوار تاثر اپنے ذہن میں ہمیشہ کے لیے بٹھا لیں۔ تو آپ میں خود بخود قوت ارادی بھی پیدا ہو جائے گی اور آپ کے لیے کچھ بھی کرنا ناممکن نہیں ہوگا..... بس ایک بار پوری سچائی۔ جو خالص جذبے سچی محبت اور پوری لگن کے ساتھ اس کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر دیکھیے۔ آپ کے اندر کیا معجزہ رونما ہوگا....." ڈاکٹر ثقلین نے پر امید لہجہ میں کہا۔

تھینک یو۔ ڈاکٹر۔ آئی ول" اسد نے ان سے ہاتھ ملا کر اجازت لیتے ہوئے کہا۔

"انشاءاللہ..... بہت جلد دوسرا سیشن ہوگا۔" ڈاکٹر ثقلین نے بھی مسکرا کر اسے رخصت کرتے ہوئے کہا۔

وہ ہاسپٹل سے باہر نکلا تو اسد کے ذہن میں ڈاکٹر ثقلین کا مسکراتا ہوا خوشگوار امیج جا گزیں ہو گیا تھا ان کی باتیں بار بار اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ کئی جملے بار بار اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کر رہے تھے۔

اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے فون اٹھایا تو دوسری جانب مریم گھبرائے ہوئے لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"اسد بھائی..... مومنہ آپی کی طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی ہے۔ پلیز گھر جلدی پہنچیے۔" مریم نے پریشانی سے کہا۔

"ک..... کک..... کیا ہوا؟" اسد نے گھبرا کر پوچھا

"معلوم نہیں..... پلیز آپ..... جلدی پہنچیں" مریم نے کہہ کر فون بند کر دیا اور اسد کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کو ڈاکٹر ثقلین کی بات یاد آنے لگی۔

"اگر گھر پہنچتے ہی آپ کی بیوی اور بچی کی ڈیتھ ہو جائے تو" ڈاکٹر ثقلین کے الفاظ سے وہ گھبرانے لگا..... ڈاکٹر کون ہے؟

کیا اس کو پہلے سے ہی کوئی خبر ہو گئی ہے..... اوہ گاڈ..... میں مومنہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کبھی بھی نہیں" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

"ان کا مالک اللہ ہے۔ اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور وہ ان کو واپس لینے پر بھی قادر ہے" ڈاکٹر ثقلین کے الفاظ اسے مضطرب کرنے لگے۔

"آپ کا ان کی زندگیوں پر کوئی اختیار نہیں یو آر ہیلپ لیس (آپ بے بس ہیں) ڈاکٹر ثقلین کے الفاظ نے اسے واقعی ہی بے بس کر دیا اور ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ رونے لگا۔ وہ انتہائی تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اور جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ گھر پہنچا تو مومنہ کو انتہائی تیز بخار تھا۔ کھلی آنکھوں سے اس کے زندہ ہونے کا پتا چلتا تھا اب وہ آنکھیں بھی بخار کی وجہ سے بند ہو گئیں تھیں اور وہ اب بالکل ایک لاش لگ رہی تھی۔ بس اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہی تھی۔ مریم اور زکیہ اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئیں اور اسد کو فون کیا۔ اسد جلدی سے کمرے میں داخل ہوا اور مومنہ کی حالت دیکھ کر وہ بھی گھبرا گیا۔ ایمبولینس کو بلایا اور اسے ہاسپٹل لے گیا۔ وہ ایمرجنسی روم کے باہر کھڑا تھا۔ نرسیں اور ڈاکٹر آ جا رہے تھے مریم، زکیہ آپا اور ماما بھی وہیں موجود تھیں۔ اور اس کے لیے دعائیں کر رہی تھیں۔ زکیہ آپا چادر لپیٹے۔ پورے خشوع و خضوع کے ساتھ دونوں ہاتھ بلند کیے اس کے لیے گڑگڑا کر دعائیں کر رہی تھیں اور اسد بہت انہماک سے زکیہ آپا کے ہاتھوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کیا آپ ان کی سلامتی کے لیے دعائیں نہیں کریں گے......؟ یقیناً اس ہستی کے سامنے گڑگڑائیں گے جو ان کا خالق اور مالک ہے......

کیا آپ ان کو بچانے کے لیے ایسا نہیں کریں گے؟ ڈاکٹر ثقلین کے الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے اور نظریں زکیہ آپا کے بلند ہاتھوں اور بند آنکھوں کی جانب تھیں۔ اس کے اندر کچھ ہو رہا تھا۔ urge (ضرورت) پیدا ہو رہی تھی۔ کوئی تڑپ جنم لے رہی تھی۔ وہ کوئی تنہا گوشہ چاہتا تھا...... ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو...... اسے کوئی نہ دیکھے...... وہ سب سے چھپ کر اس کے سامنے جانا چاہتا تھا۔

ایک نرس ایمرجنسی روم سے باہر نکلی تو وہ بے تابی سے اس کے پیچھے گیا۔

"ایکسکیوزمی...۔ مومنہ کیسی ہیں؟ اسد نے نرس سے پوچھا۔

"ابھی ان کا بخار کم نہیں ہو رہا...... ڈاکٹر صاحب کوشش کر رہے ہیں، آپ بھی دعا کیجیے" نرس کہہ کر چلی گئی۔

"دعا......؟ وہ زیرِ لب بڑبڑایا اور زکیہ آپا کی جانب دیکھا جو ابھی تک دعا کرنے میں مصروف تھیں۔ اور اب ان کی آنکھوں سے شدت جذبات سے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔ مریم...... ماہا کو کندھے سے لگائے اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی۔

"مریم...... میں ابھی آتا ہوں۔ گھر جا رہا ہوں...... ایک ضروری کام ہے" اسد نے بتایا اور وہاں سے چلا گیا۔ عشاء کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ جب وہ گھر پہنچا...... ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ٹیوب لائٹس آن کیں۔ اور اپنے کمرے میں چلا گیا...... اس نے کھڑے ہو کر کمرے کا بھرپور جائزہ لیا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کمرے کی غلاظت اس پر بھی اثر انداز ہوگی" مومنہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے......

"ہاں...... یہ کمرہ بہت آلودہ ہے۔ اس میں......" اس نے آہ بھر کر بیڈ کی جانب دیکھا اور پھر صوفے کی جانب۔ اور دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا۔

"دادو کا کمرہ...... وہی پاک اور صاف ہو سکتا ہے۔ ان کی طرح" اس نے سوچا اور دادو کے کمرے میں چلا گیا۔ کمرے میں گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ اس نے لائٹ آن کی اور وضو کرنے واش روم میں چلا گیا۔ وہ پہلے بھی نمازیں پڑھنے کے لیے وضو کرتا تھا...... مگر وہ آج وضو بہت خشوع و خضوع سے کر رہا تھا نجانے کیا خاص بات تھی...... اور...... اس کے اندر کیسی بے قراری تھی جو وضو کرتے ہوئے اس کے دل میں پیدا ہو رہی تھی۔ وضو کر کے وہ دادو کے جائے نماز پر کھڑا ہو گیا!

"بس آپ کو ایک بار پوری سچائی۔ خالص جذبے۔ سچی محبت اور پوری لگن کے ساتھ اس کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے" ڈاکٹر ثقلین کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجے...... اس نے "اللہ اکبر" کہہ کر نیت باندھی اور آنکھیں بند کر لیں اور وہ بالکل خاموش ہو گیا اس کے لب ساکت ہو گئے۔ دل کی بے تاب دھڑکنیں صاف سنائی دینے لگیں۔ اس نے سر جھکا لیا جیسے کوئی مجرم کسی شہنشاہ کے دربار میں سر جھکا کے کھڑا ہوتا ہے۔

"میں...... وہ سسکنے لگا...... میں......" اور اس کی بند آنکھوں کے سامنے شراب کے جام گھومنے لگے...... وہ رونے لگا...... میں............"

اور اس کی آنکھوں کے سامنے روتی ہوئی مومنہ گھوم گئی...... وہ ہچکیاں بھرنے لگا...... میں...... اور اس کے سامنے ثناء گھوم گئی...... نہیں...... بدکار...... بد

کردار......وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا......

"میں......گنہگار......زناکار......خطاوار......اس کو دیکھ کر مومنہ کا بریں ہیمبرج ہوا......وہ اس قدر شدت سے رویا کہ اس سے سانس لینا محال ہو گیا......نہیں" ذلیل و خوار......مجرم......قصوروار......ہوں......اور دادو کی موت کا منظر......میں......اور اس نے ہونٹوں کو بھینچ لیا اور وہ اس قدر شدت سے ہچکیاں بھرنے لگا کہ اس کا دل گویا پھٹنے کو بے تاب تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں مگر اس کا دل پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ وہ سسکیاں لے رہا تھا الفاظ اس کی زبان سے ادا نہیں ہو رہے تھے......۔

"میں......کیا بتاؤں......؟ کیا کہوں......؟ اور کیسے کہوں......؟ میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں......آپ......آپ سب جانتے ہیں کاش۔ میں آپ کو بہت پہلے اس قدر شدت سچائی اور خلوص سے محسوس کر لیتا تو آج اتنا نہ بھٹکتا۔ میں کیسے بھٹک گیا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔ میں آپ کے حضور کھڑا ہوا ہوں......اور......اپنے سب گناہوں کی......غلطیوں کی......خطاؤں کی......لغزشوں کی......بدکاری کی معافی مانگتا ہوں......مجھے معاف کر دیجیے......اور اسے پتا احساس ہی نہ ہوا اور وہ بغیر تلاوت کیے۔ بغیر رکوع میں گئے......سیدھا سجدے میں گر گیا۔ جیسے ہی اس نے پیشانی رحمٰن کے قدموں میں رکھی اس کی آہوں۔ سسکیوں، ہچکیوں اور آنسوؤں میں انتہائی شدت آ گئی۔

"پلیز......مجھے معاف کر دیجیے......میری دادو کی خاطر......جو بہت نیک عورت تھیں......مومنہ کی خاطر......جو بہت ایماندار اور پاکباز عورت ہے......ان سب کی خاطر......جن سے آپ محبت کرتے ہیں۔ ان کی خاطر جن کو آپ مخلوق میں سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ ان کی خاطر......جو آپ کے فرمانبردار ہیں اور آپ کی حکم عدولی نہیں کرتے......ان کی خاطر جن کی اداؤں پر آپ مسکراتے ہیں۔ اور ان کی خاطر......جن کے لیے آپ اپنی رحمتوں کے دروازے کھولتے ہیں" وہ سسکنے لگا پھر رونے لگا......مگر اس کی جبین سجدے سے اُٹھنے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"مجھے معاف کر دیجیے......میں سچے دل سے......توبہ کرتا ہوں سارے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ اور اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہوں......پلیز......مجھے معاف کر دیں......اور مومنہ کو میری وجہ سے سزا مت دیں......اس کو صحت یاب کر دیں......دادو کے بعد اب صرف وہی میرے پاس ہے۔ اگر مومنہ کو کچھ ہو گیا تو......تو......پلیز نہیں......ایسا مت کیجیے......" وہ بچوں کی طرح سجدے میں بلکنے لگا۔ میں مر جاؤں گا......اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو بدل لوں گا......آپ کی خاطر......بس آپ مومنہ کو ٹھیک کر دیں۔ وہ انتہائی شدت سے رونے لگا۔ آنسوؤں کا سیلاب کسی طرح رکنے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ رو رو کر اس کی آنکھیں بھاری ہونے لگی تھیں۔ اور سر میں درد بھی ہونے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور ہاتھ بلند کر کے بالکل خاموش ہو گیا اور اس کے لبوں سے کوئی دعا نہیں نکل رہی تھی۔ آج ساری دعائیں دل سے نکل رہی تھیں۔

پورے خلوص اور سچائی کے ساتھ اور شدت جذبات کی گہرائی کے ساتھ......وہ کتنی دیر خدا کے حضور......کتنی دیر مجرم بنا کھڑا رہا......کتنی دیر سجدہ ریز رہا اور کتنی دیر سر جھکائے ہاتھ بلند کیے مناجات کرتا رہا۔ اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا......شاید گناہوں......اور خطاؤں کی فہرست اتنی طویل تھی کہ انہیں بیان کرتے ہوئے اسے وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ اور رات گزر گئی......فجر کی اذانیں شروع ہو گئیں......اور......اس نے چونک کر کلاک کی جانب دیکھا......واقعی فجر کا وقت ہو رہا تھا۔ اتنا وقت گزر گیا اور اسے پتا ہی نہیں چلا......اس نے انتہائی حیرانگی سے سوچا۔

شاید اس کے دربار میں جانے سے وقت خود بخود تھم جاتا ہے۔شاید گھڑیوں کی سوئیوں میں حرکت باقی نہیں رہتی۔شاید مکان ولا مکان کے سفر میں Timeless Theory خصوصی طور پر متحرک ہو جاتی ہے۔خدا کے حضور جو بھی انتہائی محبت اور جذبوں کی شدت کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔مکان ولا مکاں کے فاصلے مٹ جاتے ہیں۔وقت۔بے وقت ہو جاتا ہے۔خست و پست میں تبدیل ہو جاتی ہے۔زندگی اور ساعت اپنا وجود کھو دیتی ہیں۔اس وقت بہت اہم کام سرانجام پا رہا ہوتا ہے۔

''روح اپنے رب سے روشناس ہو رہی ہوتی ہے۔''

ایسا کام جو دنیا کی مصروفیت میں الجھے ہوئے کبھی ممکن ہی نہیں ہو پاتا۔ایسا عظیم کام صرف تب ممکن ہوتا ہے جب تمام پر خلوص جذبے تمام تر سچائیوں کے ساتھ...... تمام تر منفی جذبوں کو رد کر کے...... تمام مثبت جذبوں کو مکمل اطاعت اور بندگی کے ساتھ خدا کے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ایسا ہی اس کے ساتھ ہوا تھا۔وقت گزر گیا تھا یا تھم گیا تھا...... اسے احساس ہی نہیں ہوا تھا اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ رات اس کی زندگی کی سب سے اہم رات ہو۔ایسی قیمتی رات جس کا کوئی نعم البدل نہیں تھا۔ایسی لطیف رات کا لطف اس نے اپنی زندگی میں کبھی محسوس ہی نہیں کیا تھا...... اس نے فجر کی نماز ادا کی...... اور دعا مانگے بغیر نجانے کتنا وقت یونہی دوزانو بیٹھا رہا۔جیسے کسی مراقبے کی کیفیت میں ہو...... وہ کیا منظر دیکھ رہا تھا...... اس کی روح کیسے منازل طے کر رہی تھی...... اور اس کے اندر کیا ہو رہا تھا...... اسے شاید خود بھی معلوم نہیں ہو رہا تھا...... وہ تو بس ایک پر لطف کیفیت سے سرشار ہو رہا تھا اور اس کیفیت کے حصار سے وہ باہر نہیں آنا چاہتا تھا۔صبح نمودار ہو گئی اور پرندوں کی چہچہاہٹ دادو کے کمرے کے پچھلے لان سے سنائی دینے لگی۔اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے اور اٹھ کر دادو کے بیڈ پر لیٹ گیا...... وہ کس کیفیت سے دوچار ہوا تھا۔اس احساس کو وہ صرف محسوس کر سکتا تھا۔شاید بتا نہیں سکتا تھا۔

''اس نے تو عشاء کی نماز ہی نہیں ادا کی'' اچانک اسے خیال آیا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''تو...... وہ کیا تھا...... میں نے کیا پڑھا تھا...... کیا ادا کیا تھا......؟

کیا وہ نماز نہیں تھی......؟'' اس نے انتہائی حیرت سے سوچا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

''کیا...... ہر انسان جو صدق دل سے خدا کے حضور معافی مانگنے جاتا ہے۔ایسے ہی احساسات سے...... اور...... ایسی ہی کیفیت سے سرشار ہوتا ہے۔اس نے حیرت سے سوچا۔

اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''کیا عبادت سے اتنی ہی لطیف کیفیت پیدا ہوتی ہے؟

لیکن میں نے تو کچھ بھی نہیں پڑھا...... کوئی تلاوت نہیں کی کوئی دعا نہیں پڑھی...... پھر میں کیا پڑھتا رہا ہوں...... اور کچھ پڑھا بھی نہیں...... اور ایسی کیفیت پیدا ہو گئی ہے...... کیسی عجیب سی بات ہے......؟

وہ حیران ہو رہا تھا...... اور اس کی سوچیں...... اس کی روح کی کیفیت سے ہم آہنگ نہیں ہو پا رہی تھیں اس کی سوچیں مکان اور وقت کی

قید میں آ گئیں تھیں اور روح لامکاں اور بے وقت کی کیفیت سے ابھی تک سرشار تھی۔

"یہ سب کیا ہوا تھا......؟ جو بھی ہوا تھا...... زندگی میں پہلی بار ہوا تھا......" اس نے آنکھیں بند کیں اور کب سو گیا اسے پتا ہی نہیں چلا۔

لاؤنج میں رکھے فون کی بیل پوری شدت سے جا رہی تھی اور گھر میں اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا جو فون اٹینڈ کرتا۔ اس نے ایک دم کلاک کی جانب دیکھا۔ دو پہر کے دو بج رہے تھے۔

"او گاڈ...... میں اتنا سویا ہوں......" وہ بڑبڑا کر اٹھا اور فون اٹینڈ کرنے گیا۔

دوسری جانب مریم بول رہی تھی۔

"اسد بھائی...... آپ کہاں ہیں......؟ میں کب سے آپ کے موبائل پر فون کر رہی ہوں۔ آپ فون ہی نہیں اٹھا رہے" مریم خفگی سے بولی

خیریت......؟ کیا بات ہے؟" اسد نے گھبرا کر پوچھا۔

"آپی کا بخار کچھ کم ہو گیا ہے...... کچھ میڈیسنز کی ضرورت ہے اور وہ آپ ہی لا سکتے ہیں...... یہاں کسی میڈیکل اسٹور سے نہیں مل رہیں ...... پلیز جلدی آیئے" مریم نے کہا اور فون بند کر دیا اسد جلدی سے ہاسپٹل پہنچا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئیں لگ رہیں تھیں اسے دیکھ کر مریم کو غصہ آ گیا۔ اور اس نے دواؤں کا نسخہ اس کو پکڑایا اور زکیہ آپا کے پاس بیٹھ کر سرگوشیاں کرنے لگی۔

"امی...... آپ نے اسد بھائی کی آنکھیں اور چہرہ دیکھا ہے...... مجھے تو لگتا ہے یہ گھر رنگ رنگ کرتے گئے تھے...... اس شخص کو ذرا بھی خدا کا خوف نہیں...... بیوی کی اس حالت میں پہنچا کر بھی ان کو عقل نہ آئے تو پھر کب آئے گی؟" مریم غصے سے بولی۔

"خدا ہی اس کو ہدایت دے...... میں اور کیا کہہ سکتی ہوں" زکیہ آپا نے دکھ بھرے لہجے میں سرگوشی کی۔

"ایسوں کو کوئی ہدایت نہیں ملتی۔ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود بھی جو ڈر رنگ کرنے گھر چلا جائے ان کو کیا ہدایت مل سکتی ہے اور گھر میں رات گزارنے کا کیا مطلب تھا......؟ کون گھر پر تھا......؟" وہ بھڑک کر بولی اور بیڈ پر لیٹی مومنہ کی جانب دیکھا جو اب پرائیویٹ روم میں شفٹ ہو چکی تھی اور شاید مریم اور ماں کی باتیں بھی سن رہی تھی۔

"آپی کو دیکھ کر مجھے ترس آتا ہے۔ بہت دکھ ہوتا ہے......" وہ نم آنکھوں اور رندھے ہوئے گلے سے بولی۔

"اور کبھی اسے ہی دیکھ کر تمہیں رشک بھی آتا تھا اور حسد بھی محسوس ہوتا تھا......" زکیہ آپا نے جواب دیا۔

"ہاں...... تب مجھے معلوم نہیں تھا" اس نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"اسی لیے مریم...... میں نے تمہیں ہمیشہ سمجھایا ہے کہ چیزوں اور انسانوں کو ظاہری طور پر دیکھ کر ان کی خوبیوں اور خامیوں کا اندازہ نہ لگایا کرو...... جو اچھا انسان ہے...... اس کی کوئی ایک خوبی تمہیں نظر نہ آئی...... بس جس نے تمہاری آنکھوں کو چکا چوند کیا تم اس کی چمک میں کھو گئیں" زکیہ آپا نے کہا تو مریم نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

اسد دوائیں لے کر آیا اور مریم نے نرس کو بلا کر انجکشنز اور میڈیسنز دیں۔ اسد مومنہ کے پاس بیٹھ گیا۔ مریم اور زکیہ آپا باہر نکل گئیں۔

''مومنہ آپ......آپ ٹھیک ہو جائیں گی......'' اسد اس کے اوپر جھکتے ہوئے بولا اور اس کی پیشانی پہ اپنے لب رکھ دیے۔ ایک دم آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ کر مومنہ کی پیشانی کو تر کرنے لگے...... مومنہ کی آنکھوں میں دکھ اور حیرانگی کے تاثرات نمایاں ہوئے۔

''آئی لو یو......آئی......ریئلی لو یو سو مچ...... میں آپ کو مرنے نہیں دوں گا...... میں آپ کو اللہ سے مانگوں گا......'' اسد نے زندگی میں پہلی بار اللہ کے بارے میں اس قدر جذباتی ہو کر بات کی تھی۔ مومنہ نے حیرت سے آنکھیں جھپکیں اور اس کے جسم میں ہلکی سی سرسراہٹ ہوئی۔ جیسے کوئی برقی رو اس کے جسم میں داخل ہوئی ہو......اس کے جسم میں پیدا ہونے والی ہلکی سی جنبش نے اسد کو مسرور کر دیا۔

''مومنہ......یو......آپ ٹھیک ہو جائیں گی'' وہ انتہائی خوش ہو کر بولا۔

مومنہ کی آنکھوں میں بھی حیرت اور خوشی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

نرس کمرے میں داخل ہوئی تو اسد آنکھیں صاف کرتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ نرس نے انجکشن لگایا تو مومنہ کے بازو میں معمولی سی جنبش پیدا ہوئی جیسے انجکشن لگنے پر کوئی ''سی'' کی آواز نکالتا ہے۔ نرس نے حیرت سے مومنہ کی جانب دیکھا۔ وہ پہلے بھی کئی انجکشن لگا کر گئی تھی مگر اس سے پہلے مومنہ نے ایسے ری ایکٹ نہیں کیا تھا اور اب اچانک نرس نے حیرت اور خوشی سے اسد کی جانب دیکھا۔

''امید ہے......یہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی...... انشاء اللہ'' نرس نے پرامید لہجے میں کہا۔

''انشاء اللہ......آئی ایم ہوپ فل ٹو'' اسد نے بھی مسکرا کر جواب دیا اور مومنہ کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

دو تین روز ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہنے کے بعد مومنہ گھر آ گئی...... اس کی حالت کافی بہتر تھی۔ اسے وائرل انفیکشن ہوا تھا اور اس کے ساتھ بخار کم ہونے پر نہیں آ رہا تھا۔ ایسے بہت سے کیسز ہاسپٹل میں آ رہے تھے......اور ایک دو تو شدید انفیکشن سے جاں بحق بھی ہو گئے تھے۔ اس لیے حکومت اس کی ویکسینیشن کے لیے بہت ایکٹو ہو گئی تھی۔

مومنہ گھر آئی تو اسد نے دادو کی طرح نیازیں اور صدقات مسجدوں اور یتیم خانوں میں بھیجیں۔ وہ اپنے بیڈ روم میں مومنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ جب سے ڈاکٹر ثقلین کے ہاسپٹل سے آیا تھا۔ اس نے آفس میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ گھر پر ہی مومنہ کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔

رات ہو رہی تھی۔ مومنہ بے سدھ پڑی چھت کو گھور رہی تھی۔

''مومنہ......شاید آپ جانتی ہیں کہ میں آپ کی صحت اور زندگی کے لیے خدا کے حضور کتنا رویا ہوں۔ کتنی دعائیں کی ہیں''

اسد نے مومنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ مومنہ کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ اس نے اپنی بھنوؤں کو جنبش سی دی۔

''اور......اب میں آپ کے لیے شکرانے کے نفل ادا کرنے جا رہا ہوں'' اسد نے کہا تو مومنہ نے ایک دم آنکھیں گھما کر اس کی جانب یوں دیکھا جیسے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ ہو...... اسد مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

''ہاں......میں نے اللہ سے بہت معافی مانگی ہے۔ اپنے گناہوں کی...... مومنہ کیا وہ مجھے معاف کرے گا......؟ اسد نے نم آنکھوں کے ساتھ اس کے ہاتھ کو اپنے لبوں کے ساتھ لگا کر کہا اور سسکنے لگا۔

مومنہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے اور اس نے شدت جذبات سے لبریز ہو کر ہلکی سی چیخ بلند کی۔ جیسے ہنگی سی ہو اسد نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"مومنہ..... مومنہ..... وی آر لیو.....' وہ ایک دم سب کچھ بھول کر خوشی سے چلانے لگا۔ مومنہ ساکت سی اس کی جانب دیکھنے لگی۔

اسد اس کی جانب یوں دیکھتا رہا جیسے کسی ادوری ایکشن کا منتظر ہو..... مگر پھر مکمل خاموشی ہو گئی۔ وہ اسے دیکھتا ہوا اُٹھا۔

"میں دادو کے کمرے میں جا رہا ہوں..... وہاں نماز پڑھنے کا مزا آتا ہے۔ شاید دادو وہاں بیٹھ کر بہت عبادت کرتی تھیں..... اس کا کوئی اثر ہے۔" اسد کہہ کر مومنہ کی جانب دیکھنے لگا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ دادو کے کمرے کو لاک لگا کر..... اپنا موبائل آف کر کے نیم تاریکی میں جانماز بچھا کر خدا کے حضور کھڑا ہو گیا اور شکرانے کے نوافل ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوا..... مگر آج اس کے اندر وہ کیفیت پیدا نہیں ہو رہی تھی جو اس رات ہوئی تھی۔ جب اس نے جانماز پر پہلا قدم رکھا ہی تھا۔ آج وہ خشوع وخضوع بھی پیدا نہیں ہو رہا تھا۔ کوئی ایسی پرلطف کیفیت..... سرور..... روحانی سرشاری..... کچھ بھی ایسا پرکیف احساس وہ محسوس نہیں کر رہا تھا..... وہ کتنی ہی دیر کھڑا رہا..... اور پھر نوافل ادا کیے..... اور مومنہ کی صحت وتندرستی کے لیے دعا کر کے اٹھ کھڑا ہوا..... آج اس نے نوافل کی رکعتیں ادا کیں تھیں اور اس دن تو اسے یاد بھی نہیں تھا کہ اس نے کیا پڑھا تھا۔ کوئی رکعت بھی ادا کی تھی یا نہیں..... آج اس نے تلاوت بھی کی تھی۔ قیام، رکوع، سجدے، سلام اور دعائیں..... سب کچھ ادا کیے تھے..... مگر اس کا دل ویسا خوش نہیں تھا۔ اس کے اندر مایوسی سی چھانے لگی۔ اضطراب بڑھنے لگا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا اس نے بہت زیادہ وقت نماز ادا کرنے میں لگایا ہو۔ اسے دل پر بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس "رات" میں کیا خاص بات تھی..... اور اس "رات" وہ کیفیت کیوں نہ پیدا ہو سکی..... اس نے نوافل تو ادا کیے مگر وہ لطف نہ آیا..... جو شاید کچھ بھی ادا نہ کرنے سے آیا تھا..... یہ سب کیا ہے.....؟ اس کا دل پریشان ہونے لگا..... اضطراب اور مایوسی بڑھنے لگی۔ وہ دادو کے بیڈ پر لیٹ گیا ..... مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ذہن کہیں اُلجھ گیا تھا..... کہیں کھو سا گیا تھا..... کہیں بھول بھلیوں میں..... نجانے کہاں.....؟

وہ اگلے روز ڈاکٹر ثقلین کے پاس گیا۔ وہ ہاسپٹل میں نہیں تھے۔ وہ ان کے کمرے میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے لگا۔ دروازہ کھلا..... بلیک اسکارف اوڑھے خوبصورت سی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اسد نے چونک کر اسے یوں دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ لڑکی نے بھی اسد کے افسردہ چہرے اور اداس آنکھوں کی جانب بغور دیکھا۔

آ..... آپ..... اسد.....؟ علیزہ حیرت سے بولی۔

"ہاں..... اور..... آپ..... علیزہ" اسد نے بھی پوچھا۔

"یس....." وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"آپ یہاں..... کیسے.....؟" اسد نے پوچھا۔

ڈاکٹر ثقلین کہاں ہیں..... آئی ایم مسز ثقلین" وہ قدرے فخریہ انداز میں بولی۔

"مسز...... ثقلین......؟" اسد نے انتہائی حیرانگی سے پوچھا۔

"یس...... مس ازمائی ہسبینڈ" وہ پراعتماد لہجے میں بولی۔

"اٹس اے بگ سرپرائز" اسد نے بے یقینی سے جواب دیا۔

اس کو قطعی یقین نہیں آ رہا تھا کہ علینہ ڈاکٹر ثقلین کی بیوی ہو سکتی ہے۔ اس نے علینہ کے بدلے ہوئے حلیے کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے وہ علینہ انتہائی آزاد ڈریس میں شراب کا گلاس پکڑے گھوم گئی۔

"یو آر سو چینجڈ (تم بہت بدل گئی ہو)" اسد نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ہاں...... اور آپ بھی" علینہ نے اسد کے بکھرے بالوں، انتہائی عام سی ٹی شرٹ پہنے شیو بڑھے اداس چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں......" اس نے آہ بھر کر جواب دیا۔

دونوں خاموش ہو گئے۔ دروازہ کھلا اور ڈاکٹر ثقلین کمرے میں داخل ہوئے۔

"آئی ایم سوری...... آپ کو ویٹ (انتظار) کرنا پڑا۔ مسٹر اسد دس از مائی وائف (یہ میری بیوی ہیں) علینہ ثقلین"

ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر تعارف کرایا۔ تو اسد نے مسکرا کر علینہ کی جانب دیکھا۔

"اور...... علینہ...... یہ مسٹر اسد ہیں...... مائی فرینڈ"

ڈاکٹر ثقلین نے اسد کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے فون کیا تھا......؟" علینہ نے ڈاکٹر ثقلین سے پوچھا۔

"ہاں...... آج ایک این جی او میں ہم دونوں چیف گیسٹ ہیں آپ کو میرے ساتھ جانا ہے" ڈاکٹر ثقلین نے کہا۔

"آئی سی...... کب......؟" علینہ نے پوچھا۔

"ڈاکٹر ثقلین...... میں پھر آؤں گا...... ابھی آپ بزی دکھائی دے رہے ہیں" اسد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آئی ایم سوری...... ہمارا وہاں جانا بہت ضروری ہے ورنہ......" ڈاکٹر ثقلین نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"اوکے...... نو پرابلم...... میں آنے سے پہلے فون کروں گا"

اسد نے کہا۔

"آپ کل آ جائیے...... میں آپ کا انتظار کروں گا" ڈاکٹر ثقلین نے اپنے موبائل میں سے اپنی میٹنگز شیڈول چیک کرتے ہوئے کہا۔

"اوکے...... میں کل آؤں گا" اسد نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

"کیا یہ آپ کے پیشنٹ (مریض) ہیں؟" علینہ نے اسد کے جانے کے بعد حیرت سے پوچھا۔

"ہاں......" ڈاکٹر ثقلین نے جواب دیا۔

"کیا پرابلم ہے......؟ علینہ نے قدرے تجسس لہجے میں پوچھا۔

"پرابلم نہیں۔ بہت سی پراہلمز ہیں...... سی از ویری بیج اپ سیٹ...... مسٹر جواد احمد ان کو میرے پاس لائے تھے"
ڈاکٹر ثقلین نے بتایا۔

"کون......؟ تکین کے فادر؟ علینہ نے پوچھا۔

"ہاں...... اب چلیں" ڈاکٹر ثقلین نے لاپرواہی سے جواب دیا اور اپنی سیٹ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہاں...." وہ دونوں باہر نکل گئے۔

ڈاکٹر ثقلین گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے اور علینہ ان کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی کہیں کھوئی گئی تھی۔

"جس کو پانے کی تمنا میں تم کتنی مضطرب رہتی تھی...... آج وہ تمہیں دیکھ کر مضطرب ہو گیا...... انسان کیسی کیسی تمنائیں کرتا ہے...... کیسی آرزوئیں پالتا ہے...... اور ان کے پورے نہ ہونے پر کتنا مضطرب ہو جاتا ہے...... اور اسے اس وقت معلوم نہیں ہوتا کہ قدرت نے اس کے لیے کیا فیصلہ کر رکھا ہے...... اور اس کی قسمت میں کتنے خوبصورت انسانوں کا ساتھ لکھا ہے......" علینہ نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے ڈاکٹر ثقلین کی جانب مسکرا کر دیکھا...... جو آج اسد سے ہر لحاظ سے بہتر اور خوبصورت لگ رہے تھے۔

"چاند کو پانے کی تمنائی...... اس کو پا کر ہمیشہ مضطرب ہی رہتا ہے۔ مگر میں مضطرب نہیں علینہ نے سکون سے سانس لی اور ونڈو سے باہر دیکھنے لگی۔ اس کو اپنے اندر گہرا سکون محسوس ہونے لگا اور اس نے پر تشکر انداز میں کھلے آسمان کی جانب دیکھا۔

☆

علینہ اسد کے حواسوں پر بری طرح چھائی تھی...... اسے قطعی یقین نہیں آ رہا تھا کہ علینہ اس حد تک بھی بدل سکتی ہے...... تکین کے گھر پارٹی میں اس سے پہلی بار ملاقات ہوئی تھی...... اور پھر وہ دونوں اس کے آفس میں آئی تھیں...... اس علینہ میں اور آج کی علینہ میں اس قدر فرق آ گیا تھا کہ اگر انہیں کوئی اس کے چینج ہونے کے بارے میں بتاتا تو وہ یقین نہ کرتا مگر اس نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا اور اس سے باتیں بھی کیں تھیں۔ وہ خود ڈریس پہننے کی عادی تھی اور ڈرنک بھی کرتی تھی۔ اور اب وہ اتنی بدل چکی تھی۔ کہ اسد کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کیا ڈاکٹر ثقلین نے اسے بدل دیا ہے......؟

"یقیناً...... یہ کام انہوں نے ہی کیا ہوگا...... جو میرے ذہن پر اتنا اثر چھوڑ سکتے ہیں...... وہ علینہ کی زندگی کو کیسے نہ بدلتے......؟ علینہ تو ان کی بیوی تھی...... "مسز ثقلین"......

"یس آئی ایم مسز ثقلین" علینہ کے الفاظ اسد کے ذہن میں گونجے...... وہ کتنی مطمئن اور پر سکون لگ رہی تھی ایسا سکون اس کے چہرے پر کبھی بھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ اس کا اطمینان، اعتماد اور سکون اسد کو چونکا گیا تھا۔ اُٹھتے بیٹھتے...... اسد کا ذہن نادانستہ طور پر علینہ کی جانب چلا جاتا...... اور وہ مضطرب ہونے لگتا۔

وہ کتنی خوش نصیب تھی کہ اسے ڈاکٹر ثقلین جیسا اچھا انسان ملا تھا۔ ثقلین کہتی تھی کہ علینہ مجھ میں دلچسپی لیتی تھی مگر وہ مجھے کبھی بھی اس قابل نہیں لگی تھی...... اور آج اس نے مجھے چونکا دیا ہے...... اور مومنہ کتنی اچھی...... نیک اور ایماندار عورت تھی۔ اور اسے مجھ جیسا شوہر ملا...... مومنہ یہ مجھے ڈیزرو نہیں کرتی تھی...... اسے تو کوئی بہت اچھا انسان ملنا چاہیے تھا...... ڈاکٹر ثقلین جیسا...... مگر...... اسے میں کیوں ملا......؟ اس نے آہ بھر کر سوچا...... اللہ کا تو یہ فرمان ہے کہ نیک عورتوں کے لیے نیک مرد اور بدکار عورتوں کے لیے بدکار مرد...... مگر نیک عورتوں کو بدکار مرد......؟ اور بدکار عورتوں کو نیک مرد کیوں ملتے ہیں...... جیسا کہ میں......؟ مومنہ کو کیوں ملا......؟ مومنہ تو بہت نیک اور مومن عورت ہے...... اور میں......؟ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور اس کا اندر مضطرب ہونے لگا۔

ایک اور سوال اسے پریشان کرنے لگا...... وہ بہت سوچتا رہا مگر اس کو کوئی جواب نہ ملا...... کاش وہ مومنہ سے پوچھتا کہ کیا اس کو پا کر اس نے اپنے آپ سے یہ سوال کیا تھا اور اسے کیا جواب ملا تھا......؟ کاش مومنہ ٹھیک ہوتی تو اس سوال کا جواب دے پاتی۔

نجانے مومنہ کب ٹھیک ہوگی......؟ کب...... چار ماہ ہونے کو آ رہے ہیں اور وہ ویسی کی ویسی بے حس و حرکت پڑی رہتی ہے۔ یا اللہ اب اس کو ٹھیک کر دے...... وہ بہت بے بس ہے...... میں اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں...... اس کو پھر پہلے کی طرح ٹھیک کر دے...... وہ پہلے کی طرح چلے پھرے...... ہنسے بولے، اور باتیں کرے" اس نے نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے دعا کی...... مگر شاید دعا کی قبولیت میں کچھ وقت درکار تھا۔ اس لیے قدرت اسے ٹھیک نہیں کر رہی تھی۔

☆

اگلے روز اسد ڈاکٹر ثقلین کے ہاسپٹل پہنچا تو وہ بہت تپاک سے ملے۔

"آئیے...... مسٹر اسد...... میں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا" ڈاکٹر ثقلین نے قدرے اپنائیت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو......" اسد نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"اینی چینج...... (کوئی تبدیلی)؟" ڈاکٹر ثقلین نے پرامید لہجے میں پوچھا۔

"نیس...... آف کورس......" اور اسد نے ان کو اس رات کی پرلطیف کیفیت اور بعد کی مایوس کن صورت حال کے بارے میں تفصیلاً بتایا ڈاکٹر ثقلین قدرے پرشوق اور تجسس انداز میں اس کی ساری باتیں سنتے رہے۔

"مسٹر اسد...... ایک اچھے انسان کا "پہلا گناہ" اور "پہلی توبہ" دونوں ہی اللہ کے نزدیک بہت اہم ہوتی ہیں...... اس انسان کا پہلا گناہ...... اسے اللہ کی رحمت سے دور لے جاتا ہے اور اس گناہ کے بعد وہ انسان شدید ذہنی و روحانی اذیت سے گزرتا ہے۔ اس پر مایوسی چھا جاتی ہے اور ڈپریشن سے وہ بہت رنجیدہ ہو جاتا ہے...... اور "پہلی توبہ" جو سچے دل خلوص کی گہرائی اور شدت جذبات سے کی جائے تو وہ اس انسان کو اللہ کی رحمت کے بہت قریب لے آتی ہے آپ نے جو کیفیت محسوس کی ہے وہ اس کی رحمت کی کیفیت ہے...... رحمت ابر باراں کی طرح ہے...... جو گنہگار روح کی آلودگی کو دھو ڈالتی ہے...... اس وقت کی کیفیت واقعی بہت پرلطیف پرکیف اور مسرور کن ہوتی ہے...... اس وقت انسان سراپا گناہ یعنی مجرم بن کر اپنے

سارے گناہوں اور غلطیوں کا اقرار کر رہا ہوتا ہے اور خدا سراپا رحمت بن کر غفار اور رحمٰن بن جاتا ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ خدا نے آپ کو اس لطیف احساس سے دوچار کیا۔ ورنہ بہت سے لوگوں کو تو وہ "توبہ" کی توفیق بھی نہیں دیتا۔ الفاظ ان کے گلے میں ہی اٹک جاتے ہیں۔ زبان سے ادا ہی نہیں ہو پاتے اور انسان گنہگار ہی مر جاتا ہے۔۔۔ اس لیے گناہ کے بعد "توبہ" کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔

رہی دوسری بات کہ اس کے بعد آپ کو کو اصل نماز میں ایسی سرشاری کی کیفیت محسوس نہیں ہوئی تو اسد صاحب ہر بار ایسا ہونا ممکن ہی نہیں۔ اللہ کو بھی ایک بار کی "توبہ" عزیز ہے۔ بار بار کی توبہ پر وہ ویسی نظر کرم نہیں کرتا جیسی ایک بار کی پختہ عزم اور پر خلوص سچائی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس لیے آپ اس بات سے قطعی مایوس نہ ہوں۔ اس کی رحمت بھی ایک طرح نہیں برستی۔ کبھی کسی صورت میں کبھی کسی شکل میں یہ کائنات عجائب خانہ ہے اور اس کا خالق ان کا پیدا کرنے والا ماسٹر مائنڈ کیا کیا طاقتیں اور قوتیں رکھتا ہے انسان کی سوچ تو اس تک جا ہی نہیں سکتی"۔

ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا تو اسد بہت توجہ اور حیرت سے انہیں سننے لگا۔

"ڈاکٹر صاحب۔۔۔ آپ انسانیت کی اتنی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔۔۔۔ کیا آپ کی زندگی میں بھی ایسا کوئی واقعہ رونما ہوا جس نے آپ کو یہ سب کچھ کرنے پر آمادہ کیا۔ کیونکہ ہر بڑے مشن کے پیچھے وجہ بھی بہت بڑی ہوتی ہے" اسد نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔" ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر جواب دیا اور ماضی کے دھندلکوں میں کھو گئے۔

"میرا ایک بہت اچھا، لائق، خوبصورت، بہت پیار کرنے والا دوست تھا۔ احمد مجتبیٰ۔۔۔ ہم لوگ سکول کالج اور پھر میڈیکل کالج میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ وہ ہر کلاس میں اول آتا تھا۔ میٹرک کے بورڈ میں اس کی فرسٹ پوزیشن آئی تھی۔ ایف ایس سی میں بھی اس نے ٹاپ کیا تھا اور میڈیکل کالج میں تمام ایگزامز میں وہ فرسٹ پوزیشن لیتا۔ اس کا تعلق انتہائی مذہبی گھرانے سے تھا۔ اس کے والد امام مسجد تھے اور احمد ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ احمد کے بہت سے بہن بھائی پیدا ہو کر فوت ہو گئے تھے صرف احمد زندہ بچا تھا۔ اس کے والدین بے حد بوڑھے تھے۔ احمد ان کا بہت خیال رکھتا تھا۔ کالج میں احمد سے کچھ لوگ خائف رہتے تھے۔ شاید وہ اس سے حسد کرتے تھے یا کیا وجہ تھی۔ نجانے کب پر ان لڑکوں نے احمد کو کس طرح ڈرگ کرائی۔ سمجھ میں نہیں آیا۔ اور اس کے بعد پولیس نے ہاسٹل پر چھاپہ مارا۔ اگلے روز جن لڑکوں کو گرفتار کیا گیا ان کی تصاویر اخبارات میں شائع ہوئیں۔۔۔۔۔ احمد کے والد نے اخبار دیکھی تو وہیں ان کو ہارٹ اٹیک ہو گیا۔۔۔۔۔ احمد اس قدر اپ سیٹ تھا کہ میں بتا نہیں سکتا ہم کچھ دوستوں نے اپنے کونٹیکس استعمال کر کے اسے پولیس سے چھڑایا مگر احمد بہت زیادہ مایوس ہو چکا تھا۔ جب وہ گھر گیا تو سب لوگ اس پر طنز کرنا شروع ہو گئے۔ اس کے پاس اپنی بے گناہی کو ثابت کرنے کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ اور اس نے خودکشی کر لی۔ اتنا ذہین۔۔۔۔۔ لائق۔۔۔۔۔ محنتی شخص موت کی آغوش میں چلا گیا۔ اگر وہ آج زندہ ہوتا تو میڈیکل فیلڈ میں اس کا ایک نام ہوتا۔

اس نے خودکشی سے پہلے میرے نام ایک خط لکھا تھا اور اس میں صرف ایک جملہ لکھا تھا۔

"ثقلین۔۔۔۔۔ میری طرح کے ذہنی اذیت میں مبتلا نوجوانوں کو بچانے کی کوشش کرنا۔۔۔۔۔ میرے پاس موت کے سوا کوئی راستہ نہیں"

نجانے اس کے پیغام میں کیا بات تھی کہ میں نیورو سرجری میں اسپیشلائزیشن کرنے کے باوجود بھی uncomfortable رہا اور پھر میں

نے سائیکالوجی کی فیلڈ میں ریسرچ شروع کر دی۔ میں جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا۔ خدا سے میرا تعلق بہت مضبوط ہوتا گیا...... احمد کی ڈیتھ میرے لیے بہت بڑا شاک تھی...... اور میرا ایک تعلیمی سال ضائع ہو گیا۔ اس کی ڈیتھ سے میرے اندر بہت زیادہ تبدیلیاں آئیں...... ان دنوں مجھ میں دنیا سے بیزاری۔ اور زندگی میں خالی پن کا احساس بہت زیادہ ہونے لگا۔ نہ کچھ پڑھنے کو دل چاہتا تھا۔ اور نہ نیند آتی تھی...... تنگ آ کر کچھ ڈرگز بھی استعمال کیں مگر ان سے بھی سکون نہیں ملتا تھا...... سکون ملا تو اللہ کی طرف جانے سے...... اس کو محسوس کرنے سے اس سے محبت کرنے سے اور اس سے باتیں کرنے سے ملا۔ اس سے اچھا انسان کا ہمراز دوست کوئی اور نہیں ہو سکتا اس لیے میں آپ سے جو بھی کہتا ہوں اپنے تجربے کی بنا پر کہتا ہوں" ڈاکٹر ثقلین نے آہ بھر کر کہا۔

"ویری سیڈ اسٹوری" اسد نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔"

"ہاں...... وہ مجھے یاد آتا ہے...... میں اسے کبھی بھلا نہیں پایا...... اس کی ڈیتھ میرے لیے میرے مشن کی وجہ بن گئی...... میں نے صرف ایک پوائنٹ پر سوچا کہ اگر احمد ڈرنک نہ کرتا اور اپنی سینسز میں ہوتا تو ایسا کبھی نہ ہوتا...... اس نے بہت زیادہ ڈرنک کی تھی دوسرے اسٹوڈنٹس کہتے تھے کہ احمد نے خود ڈرنک کی تھی مگر میں نہیں مانتا۔ وہ ایسا نہیں تھا وہ بہت اچھا انسان تھا" ڈاکٹر ثقلین نے پینٹ کی جیب میں سے رومال نکال کر اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... کبھی کبھی اچھے انسان بھی تو بھٹک جاتے ہیں......"

اسد نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں...... ہر انسان میں غلطی کرنے کے بہت چانسز ہوتے ہیں...... یہ تو قدرت اپنے نظر کرم سے کسی کو بچا لے...... تو بچا لے...... ورنہ کچھ بھی ممکن ہو سکتا ہے" ڈاکٹر ثقلین نے کہا۔

"ڈاکٹر ثقلین میں بہت الجھ گیا ہوں...... اس رات کے بعد پھر میرے اندر بہت مایوسی اور پریشانی پیدا ہو گئی ہے۔ شاہ کے ساتھ جو بھی ہوا...... جس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں ہی گنہگار ہوں...... اور...... مومنہ...... میری بیوی بہت نیک عورت ہے...... اس کے ساتھ بہت برا ہوا کہ اسے مجھ جیسا شخص ملا۔ کیا مومنہ مجھ جیسے شخص کو ڈیزرو کرتی تھی۔ جبکہ اللہ تو فرماتا ہے کہ نیک عورتوں کے لیے نیک مرد اور بدکار عورتوں کے لیے بدکار مرد...... مومنہ مجھے بالکل ڈیزرو نہیں کرتی تھی۔ میں اسے کیوں ملا...... اور مومنہ ٹھیک ہو جاتی ہے تو کیا وہ مجھے قبول کر پائے گی؟ اور اگر وہ ٹھیک ہونے کے بعد مجھ سے طلاق مانگتی ہے تب میں کیا کروں گا......؟ میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گا کبھی بھی نہیں...... کہ مومنہ مجھ سے جدا ہو جائے...... اور...... اگر وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہے گی تو میں اسے کیسے مجبور کر پاؤں گا...... ڈاکٹر صاحب یہ خوف...... اور...... اندیشے مجھے کسی بھی پل سکون نہیں لینے دیتے...... میں کیا کروں...... میں بہت پریشان ہوں" اسد نے اپنے اندر کے سارے وسوسے اور اندیشے ان کو بتائے۔

ڈاکٹر ثقلین اس کی جانب بغور دیکھنے لگے...... اور قدرے توقف کے بعد بولے۔

"میں بھی اللہ کے اس فرمان کے بارے میں بہت سوچتا تھا۔ جب کسی نیک مرد کو بری عورت کے ساتھ اور نیک عورت کو برے مرد کے

ساتھ زندگی گزارنا پڑتی ہے تو ان کے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے...... بلکہ میں تو اکثر اسے زیادتی سمجھتا تھا...... لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اور تجربے سے میں نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ جب بھی ایسا ہوتا ہے تو اس میں اللہ کی کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے ممکن ہے بری عورت کو نیک مرد اور برے مرد کو نیک عورت راہ راست پر لا سکیں...... اور اکثر ایسا ہوتا بھی ہے۔ آپ کی بیوی آپ کو ہر بار ڈرنک سے باز رکھنے کی کوشش کرتی تھی اور ان کے احساس دلانے پر آپ کے اندر گلٹ کا احساس پیدا ہوتا تھا۔ اگر آپ کی بیوی بھی آپ جیسی ہی ہوتی...... تو کوئی بھی ایک دوسرے کو منع نہ کرتا...... اور آپ کے اندر کبھی کبھار پیدا ہونے والے گلٹ کا احساس بھی ختم ہو جاتا...... اب آپ کے اندر یہ سوچ اور احساس خود بخود پیدا ہو گیا ہے کہ آپ کی بیوی بہت نیک ہے اور آپ انہیں ڈیزرو نہیں کرتے مگر آپ ان سے جدائی بھی برداشت نہیں کر پائیں گے...... اور ان کو اپنے ساتھ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے...... اور آئی ایم شیور آپ نے اپنے آپ کو بدلنے کا عہد بھی کر رکھا ہے" ڈاکٹر ثقلین نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

"یس...... آف کورس......" اسد نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے...... وہ بھی آپ سے بہت محبت کرتی ہیں...... اگر آپ انہیں کسی طرح یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ آپ آئندہ ڈرنک نہیں کریں گے تو وہ آپ کو کبھی نہیں چھوڑیں گی...... لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ آپ ان کو یقین دلائیں اور وہ آپ پر یقین بھی کریں...... اب یہ آپ پر ہے کہ آپ ان کو یقین دلانے میں کیسے کامیاب ہوتے ہیں"

ڈاکٹر ثقلین نے کہا تو اسد گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"اور وہ گناہ جو میں نے ثناء کے ساتھ کیا......؟" اسد نے نظریں جھکا کر کہا۔

"اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ کی سزا مقرر کی ہے...... سزا نہیں تو تاوان...... تاوان نہیں تو کفارہ...... کفارہ نہیں تو معافی...... مگر کچھ ایسا جو اس نقصان کا کچھ تو ازالہ کر سکے۔" ڈاکٹر ثقلین نے بلاواسطہ انداز میں کہا تو اسد خاموش ہو گیا۔ جیسے کسی گمبھیر سوچ میں ڈوب گیا ہو۔

☆

اسد ناشتے کے بعد اخبار پڑھ رہا تھا کہ نظام دین لاؤنج میں داخل ہوا۔

"سلام صاحب جی......" نظام دین نے شکستہ لہجے میں نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

"آؤ نظام دین......" اسد اسے دیکھ کر جلدی سے اٹھا اور اسے اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے گیا۔

نظام دین بہت کمزور...... بیمار...... اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے کپڑے بھی بہت خستہ حال تھے۔ نظام دین ثروت کا شوہر اور ثناء کا باپ تھا۔ ثناء کے ساتھ ہونے والے واقعے کے بعد وہ سب لوگ خیرن بوا سمیت راتوں رات ہی کسی کو کچھ بتائے اور کہے سنے بغیر وہاں سے کہیں چلے گئے تھے۔ کہاں چلے گئے تھے کوئی نہیں جانتا تھا۔ اسد دادو کی وفات اور مومنہ کی بیماری کی وجہ سے اتنا اپ سیٹ رہا کہ اسے ان کا خیال بھی نہ آیا۔ مگر کچھ روز سے اسے اپنا گناہ بہت پریشان کرنے لگا تھا۔ وہ صرف ایک بار نظام دین سے ملنا چاہتا تھا۔ اس نے نظام دین کے دوستوں کے ساتھ بھی رابطہ کرنے کی کوشش کی اور سب کو پیغامات دیے کہ وہ اسد سے آ کر ملے...... مگر کئی روز گزرنے کے باوجود بھی نظام دین نے رابطہ نہیں کیا تھا

اور آج وہ اچانک آ گیا تھا۔

نظام دین پچاس سالہ، متحمل مزاج اور ایماندار شخص تھا۔ اسد نے جب سے ہوش سنبھالی تھی اس نے نظام دین کو داود کے ڈرائیور کی حیثیت سے دیکھا تھا اور پھر وہ اسد کی خدمت میں لگ گیا۔ اس نے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ اور اسد نے ان کے ساتھ کیا کیا تھا۔ اسد بہت شرمندگی محسوس کر رہا تھا...... وہ نظام دین کو کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا...... اسد کی زبان بھی اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی وہ خاموش بیٹھا نظریں چرا رہا تھا...... نظام دین بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اسد کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات تھے جبکہ نظام دین کے چہرے پر دکھ، کرب، حسرت اور پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔

"میرا پیغام کب ملا تھا......؟" اسد نے بالآخر ہمت یکجا کر کے پوچھا۔

"وہ تین روز پہلے......" اس نے جواب دیا اور خاموش ہو گیا۔

"خیریت ہوا...... اور...... سب لوگ کیسے ہیں؟" اسد نے قدرے توقف کے بعد پھر پوچھا۔

"سب زندہ ہیں" نظام دین نے قدرے مایوس کن لہجے میں جواب دیا۔

"میں ابھی آیا......" اسد کہہ کر ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد آیا...... تو اس کے ہاتھ میں اس کا بریف کیس تھا۔ اس نے کھول کر اپنے سامنے رکھا اور اس میں سے ایک چیک نکال کر نظام دین کے سامنے ٹیبل پر رکھا۔

"نظام دین...... یہ پچاس لاکھ کا چیک ہے...... میں بہت شرمندہ ہوں...... معلوم نہیں سب کچھ کیسے ہو گیا...... روپیہ انسان کی عزت کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتا مگر اس سے گنہگار کے دل سے غم کا بوجھ کچھ تو ہلکا ہو جائے......؟" اسد چیک اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

صاحب جی...... یہ پیسہ ہمارے کس کام کا......؟ اس سے کیا واپس لیں گے...... عزت...... یا...... ؟ نظام دین سسکنے لگا۔

"کیا مطلب......؟" اسد ایک دم گھبرا کر بولا۔

"شازہ اب اس دنیا میں نہیں ہے...... اس نے خودکشی کر لی ہے"

نظام دین کہہ کر اونچی آواز میں رونے لگا۔

"ک...... ک...... کب......؟" اسد نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے کہا دکھ، شرمندگی اور غم کے تاثرات اس کے چہرے پر نمایاں ہونے لگے۔ اس کا دل پھٹنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ بھی رونا چاہتا تھا مگر خاموش رہا ڈرائنگ روم میں صرف نظام دین کی سسکیاں اور آہیں سنائی دے رہی تھیں اور ان کی بازگشت سے ڈرائنگ روم کی فضا قدرے بوجھل اور سوگوار ہو رہی تھی۔

"میں......" اسد نے بمشکل کہا اور پھر خاموش ہو گیا جیسے اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ ہو۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے ہوں یا پھر جذبات تلے کہیں دب گئے ہوں۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نظام دین کو کیا کہے...... وہ اُٹھ کر اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا۔

"نظام دین......" وہ پھر بمشکل کہہ پایا اور آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے اس کی آواز بھرانے لگی اور جسم شدت جذبات سے مغلوب

ہو کر کپکپانے لگا۔ نظام دین نے اپنے کندھے پر رکھے اس کے کپکپاتے ہاتھ سے اس کے اندر کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"اس نے خودکشی کیوں کی؟ اسد نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

ایسی لڑکیوں کو لوگ کہاں معاف کرتے ہیں...... سارا الزام انہی پر آتا ہے..... وہ بے گناہ ہو کر بھی گنہگار بن جاتی ہیں اور زندگی کا ایک ایک پل ان کے لیے سزا بن جاتا ہے...... ثناء بھی اس سزا کو برداشت نہ کر پائی......" نظام دین نے روتے ہوئے جواب دیا۔

اسد کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے جو اس نے بہت مشکل سے ضبط کیے تھے۔

"ہم یہاں سے اپنے گاؤں چلے گئے...... جہاں میرے بہن بھائی رہتے تھے وہ لوگ اچانک ہمارے گاؤں آنے پر حیران ہو رہے تھے ثروت نے میری بڑی بھابھی کو بتایا۔ بھابھی بیوہ عورت ہے اور اس کے دو بیٹے ہیں۔ بھابھی نے جھٹ سے اپنے بڑے بیٹے شاہد کے ساتھ ثناء کی شادی کرنے کو کہا۔ ہم لوگوں کو بھی کوئی ایسا آسرا چاہیے تھا ہم بہت پریشان تھے...... لوگوں نے ہمیں اس رشتے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی کہ شاہد بہت آوارہ اور بد معاش ہے مگر بھابھی نے یہ کہہ کر ہمیں خاموش کر دیا کہ لوگ ان سے حسد کرتے ہیں اس لیے ایسا کہہ رہے ہیں۔ ہم نے بھی شاہد کا اتنا پتا نہ کرایا کہ گھر کا لڑکا ہے...... اپنا ہے...... اور اس مشکل وقت میں ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہے۔ اس لیے ہم خاموش ہو گئے اور ہم نے ثناء کی شادی اس سے کر دی۔ ہم نے شکر کیا کہ بات اندر ہی اندر دب گئی ہے مگر شادی کے بعد شاہد اور بھابھی دونوں نے بہت طعنے دیئے تھے۔ شاہد تو لوگوں کو خود بتاتا۔ ثناء کچھ کہنے کی کوشش کرتی تو اس کو مارتا پیٹتا...... بھابھی اور شاہد دونوں نے اس کی زندگی عذاب بنادی تھی اور شادی کے آٹھ دن بعد اس نے دریا میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی...... اگلے روز اس کی مردہ لاش پانی میں سے ملی"۔ نظام دین بتا کر اونچی آواز سے رونے لگا اس کی سسکیاں اور ہچکیاں تھمنے میں نہیں آ رہی تھیں۔

اسد خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا اس کا دل انتہائی پریشان ہونے لگا تھا۔

"وہ کب......؟" اسد نے بمشکل پوچھا۔

"یہاں سے جانے کے دس دن بعد ہی مر گئی۔" نظام دین نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"مجھے سن کر بہت افسوس ہوا ہے......" اسد نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

میرا تو گھر ہی لوٹ کر رہ گیا ہے ثروت اس کے غم میں بیمار ہو گئی ہے۔ بستر سے ہی نہیں اٹھتی۔ ہر وقت روتی اور کھانستی رہتی ہے۔ خیرن بوا بھی پریشان اور اداس رہتی ہیں چھوٹے بچے بگڑ رہے ہیں۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں...... میں نے ایک فیکٹری میں ملازمت کر لی ہے...... ہمارے گھر کو نجانے کس کی نظر لگ گئی ہے ہم یہاں بہت خوش اور مطمئن تھے...... مگر" نظام دین نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"نظام دین یہ سب میری وجہ سے ہوا...... میں آپ کے خاندان کی تباہی کا ذمہ دار ہوں" اسد نے نم آنکھوں سے جواب دیا۔

"صاحب...... افسوس بھی اسی بات کا ہے کہ آپ برے انسان نہیں۔ آپ نے تو کبھی ثناء کو بری نگاہ سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ ہم سب کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتے تھے...... یہ سب کچھ آپ سے "شراب" نے کرایا آپ اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھے شراب نے اچھے برے اور سمجھدار لوگوں کو برباد کر دیا ہے...... آج تک اس نے کس کا بھلا کیا ہے...... آپ اپنے حواسوں میں ہوتے تو شاید یہ سب کچھ بھی نہ ہوتا۔ ثناء ادا پنی

تھی ۔ بے وقوف تھی...... میں اور ثروت اس کو بہت کھینچ کر رکھتے تھے مگر جانے کیسے وہ بھی......؟

نظام دین نے دکھی لہجے میں کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

"ثروت نے اسے بہت مارا تھا...... مگر میں نے اسے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ مجھ سے چھپتی پھرتی تھی...... اور ثروت کی مار کے بعد تو خاموش آنسو بہاتی رہتی تھی۔ وہ ذہنی طور پر بہت پریشان ہو گئی تھی۔ اس کی شادی ہو گئی تو ہم نے سکون کا سانس لیا کہ اس کا گھر بس جائے گا تو اس کا ذہن ٹھیک ہو جائے گا مگر ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہم اسے چولہے سے آگ کی بھٹی میں ڈال رہے ہیں...... جس کے تیز شعلوں نے اسے ایسے جلایا کہ اسے راکھ کا ڈھیر بنا دیا" نظام دین نے اپنی نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"نظام دین...... مجھے معاف کر دو...... میں تمہارا مجرم ہوں اور ثروت بوا کا بھی...... آپ لوگ جو سزا تجویز کرتے ہو میں بھگتنے کو تیار ہوں میرے دل اور دماغ پر گناہ کا بہت بڑا بوجھ ہے...... پلیز مجھے اس بوجھ سے نجات دلا دو" اسد نے انتہائی شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"صاحب...... ہم کون ہوتے ہیں آپ کو معاف کرنے والے...... آپ تو صاحب لوگ ہیں...... معافی مانگنی ہے تو اللہ سے مانگیں...... وہ معاف کر دے تو ہماری معافی کی کیا حیثیت...... معاف کرنے والا تو وہ ہے۔" نظام دین نے اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اب میں چلتا ہوں" نظام دین اٹھتے ہوئے بولا۔

"نظام دین...... پلیز یہ چیک رکھ لو...... اس کو رکھ لو گے...... تو میرے دل کو کچھ تسلی ہو جائے گی" اسد نے کہا۔

"نہیں...... ہم غریب لوگوں کے پاس تھوڑی سی خودداری رہ گئی ہے...... اب اسے تو نہ خریدیں" نظام دین نے ایسے کن لہجے میں کہا تو اسد خاموش ہو گیا اور اسے دوبارہ نہ کہا۔

وہ اجازت لے کر چلا گیا اور اسد کے دل کا بوجھ اور بڑھ گیا وہ اس قدر شرمندہ، مضطرب اور پریشان ہو گیا کہ نظام دین کے جانے کے بعد دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ وہ جس قدر شدت سے رو رہا تھا اسی قدر اس کے اندر اضطراب بڑھ رہا تھا۔

اسے قطعی امید نہیں تھی کہ اس کی وقتی اور جذباتی خوشی دوسروں کی زندگیوں کو کس کس طرح تباہ کر دے گی۔ اسے قطعی امید نہیں تھی...... اس کے ایک گناہ نے اس پر ذلتوں اور رسوائیوں کے دروازے کھول دیے تھے۔ سومنا اسی لیے اسے منع کرتی تھی۔ اللہ کے احکامات سناتی تھی۔ اسے ڈراتی تھی آنے والے وقت کی تلخیوں سے ڈرانے کی کوشش کرتی تھی...... مگر وہ اس کی باتوں کو اہمیت نہ دیتا تھا۔

"صاحب...... آپ برے انسان نہیں تھے...... یہ سب کچھ آپ سے "شراب" نے کرایا...... آپ اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھے...... آپ اپنے حواسوں میں ہوتے تو شاید یہ سب کچھ کبھی نہ ہوتا" نظام دین کے الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے...... اور...... بار بار گونج رہے تھے۔

"آپ نے تو شاہ کو کبھی بری نگاہ سے بھی نہیں دیکھا تھا...... پھر نجانے" نظام دین کے الفاظ اور جملے اسے مزید مضطرب کرنے لگے۔ اس کا دل شدت غم سے پھٹنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔

اسد کا دل بری طرح بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ یہ غم کسی کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھیں رونے سے سرخ ہونے لگی تھیں۔ اس نے

چیک پھاڑ کر ڈسٹ بن میں ڈالا اور ٹشو پیپر سے آنکھیں صاف کرتا ہوا اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔ اور دروازے کو اندر سے لاک لگا دیا۔

مومنہ کی آنکھوں میں حیرت کے تاثرات نمایاں ہونے لگے اسد بوجھل قدموں کے ساتھ اس کے پاس بیڈ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا ...... اور مومنہ کی جانب دیکھنے لگا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گیا...... وہ خاموش تھا اسے کچھ کہنا چاہتا تھا اسے کچھ بتانا چاہتا تھا مگر اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"مومنہ......" وہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

مومنہ نے حیرت سے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ اس نے اپنی بھنوؤں کو سکیڑا اور آنکھوں کو قدرے حیرت سے پھیلایا۔

"مومنہ......" اسد بمشکل بولا اور اس کی ہچکی بندھ گئی۔

مومنہ نے گہری سانس لی اور وہ اسد کی جانب چہرہ موڑ کر دیکھنے لگی۔

"مومنہ...... ثناء" وہ رو پڑا۔

مومنہ کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ جیسے وہ کچھ جاننے کے لیے متجسس ہو رہی ہو۔

"ثناء...... ثناء مر گئی ہے...... اس نے...... خودکشی کر لی ہے"

اسد نے کہہ کر ہچکیاں لینے لگا۔

مومنہ کو شاک لگا اور اس نے جھر جھری لی۔ اس کے سارے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس نے اپنے جسم کو جھٹکا دیا۔ اور اسد کے ہاتھوں میں جکڑے اس کے ہاتھ میں جنبش سی پیدا ہوئی۔ مگر اسد ان سب باتوں سے بے نیاز آنکھیں بند کیے اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑے آنکھوں سے لگائے ہچکیاں بھرنے میں مصروف تھا۔ اسے بالکل بھی خبر نہ تھی کہ مومنہ کے بے جان جسم میں کوئی حرکت بھی پیدا ہو رہی تھی۔

"ثناء...... میری وجہ سے مر گئی ہے...... میں ہی اس کا قاتل ہوں۔ میں مجرم ہوں...... اور آپ کا بھی" اسد سسکیاں بھرتے ہوئے بولا۔

اب مومنہ کی آنکھوں سے آنسو شدت سے بہنے لگے۔

تم مجھے بہت منع کرتی تھی...... مجھے بہت روکتی تھی...... مگر میں باز نہ آیا...... اور...... وہ پھر رونے لگا۔

"یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہوا ہے...... میں نے اس وقت ڈرنک نہ کی ہوتی تو شاید...... میں آج...... ی......"

اسد سسکیاں لیتے ہوئے اور اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اٹھا مومنہ حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

اسد قدرے جذباتی انداز میں اٹھا...... اور اپنی خفیہ الماری کا بٹن دبایا اور شراب کی پانچ بوتلوں کو نکالا۔

مومنہ حیرت سے اس کی جانب دیکھتی رہی اور اس نے ہلکے سے اپنے سر کو اٹھایا۔

"میں...... آج ...... سے خود...... ان کو اپنے ہاتھوں سے توڑوں گا جس نے میری زندگی کو آلودہ کر دیا...... مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا

......اور اسد نے واش روم میں زور سے ایک بوتل پھینکی......شیشے کے ٹوٹنے کی آواز پورے کمرے میں گونجنے لگی۔ مومنہ نے حیرت سے باتھ روم کی جانب دیکھا......اور اگلے ہی لمحے اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

اسد نے دوسری بوتل توڑی......مومنہ کی آنکھوں میں خوشی سے چمک پیدا ہونے لگی اور لبوں پر مسکراہٹ اور زیادہ پھیلنے لگی۔

اسد نے تیسری بوتل توڑی......

مومنہ کے پاؤں کے انگوٹھوں میں جنبش پیدا ہوئی اور اس نے اپنے پاؤں کی انگلیوں کو آگے پیچھے حرکت دی اور اپنے بازوؤں کو ہلانے کی کوشش کی۔

اسد نے چوتھی بوتل توڑی۔

مومنہ نے سر گھما کر اسد کی جانب دیکھا اور اسے بلانے کے لیے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی......مگر آواز اس کے گلے میں سے نہیں نکل رہی تھی وہ ا......اسد......اسد......اسد پکارتی رہی مگر آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ ہلکے ہلکے قہقہے میں بدل گئی جو اس کے اندر کی انتہائی خوشی کے احساس کو ظاہر کر رہی تھی......خوشی سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اسد نے پانچویں بوتل کو واش روم میں زور سے توڑا......اس بار شیشہ ٹوٹنے کی آواز کمرے میں بہت گونجی۔

مومنہ کے چہرے پر خوشی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے اس نے اپنے جسم کو ایک جھٹکا دیا اور آہستہ آہستہ اٹھنے کی کوشش کی۔ اس کے گلے سے آہستہ آہستہ خوشی سے جنم لینے والی ہنسی کی آواز نکلی۔ وہ فرطِ جذبات سے لبریز تھی۔ اس نے تکیے سے سر اٹھایا اور واش روم کی جانب دیکھا۔

اسد اونچی آواز میں رو رہا تھا مومنہ کو اس کی سسکیوں اور رونے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ بوتلیں ٹوٹنے کے بعد اس کی سسکیوں اور ہچکیوں کی آوازیں کمرے میں گونجنے لگیں۔

مومنہ کچھ پریشان ہو گئی وہ اسد کو روکنا چاہتی تھی۔ اسے تسلی دینا چاہتی تھی۔ اس نے کوشش کی مگر اٹھ نہ سکی اس نے اپنے پاؤں کو حرکت دی، ٹانگوں کو آگے پیچھے یوں حرکت جیسے کوئی بے بسی میں حرکت دینے کی کوشش کرتا ہے مگر کر نہیں پاتا۔ اس نے بے بسی اور مایوسی سے ٹانگوں کی جانب دیکھا اور انہیں پھر ہلانے کی کوشش کی اسد کی سسکیوں اور رونے کی آواز بڑھتی جا رہی تھی۔ اور ان آوازوں سے اس کے اندر ہیجانی اور اضطرابی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔

اس نے پوری قوت سے اسد کو پکارنا چاہا......ہلکی سے آواز سرگوشی کی صورت میں......اس کے منہ سے نکلی......اس نے پھر پکارا۔ اب کی بار آواز قدرے بلند ہوئی۔

"کیتیں مومنہ......اس کے یوں رونے سے ڈسٹرب نہ ہو رہی ہو؟ اسد نے واش بیسن پر لگے آئینے میں اپنی سرخ آنکھوں کو دیکھا اور فرش پر ٹوٹی ہوئی بوتلوں کی کرچیوں کو......جو ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ اسد نے چہرے پر پانی پھینکا مگر پھر اس کی ہچکی بندھ گئی اس نے واش روم کا دروازہ زور سے بند کیا مومنہ گھبرا گئی اور بند دروازے کی جانب دیکھ کر زور سے چیخ ماری۔

"اسد" وہ قدرے اونچی آواز میں چلائی اور بیڈ پر بیٹھنے کی کوشش کی۔ اس کی نظریں واش روم کے دروازے کی جانب تھیں۔ اور اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور حیرت کے تاثرات نمایاں ہو رہے تھے۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے اور اس کے جسم میں بھی ارتعاش جاری تھا۔ وہ کپکپاتی آواز اور رندھے گلے کے ساتھ اسد...... اسد پکار رہی تھی مگر اسد اس کی کوئی آواز نہیں سن رہا تھا۔

اچانک مریم دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئی اور مومنہ کو بیڈ پر بیٹھے اور اسد کو آوازیں دیتے ہوئے سن کر چونک گئی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"آپی...... آپی...... آپ" وہ انتہائی خوشی سے چلاتی ہوئی مومنہ کی جانب بڑھی اور اس کے ہاتھوں، زبان اور جسم کو حرکت کرتے دیکھ کر اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

"آپی...... یہ سب کیسے ہو گیا...... ؟ اتنا بڑا معجزہ...... مجھے تو یقین نہیں آ رہا" مریم اپنی آنکھوں کو ملتے ہوئے بولی۔

"اسد...... اسد......" مومنہ نے قدرے چلاتے ہوئے مریم کو واش روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔

"کیا ہوا...... اسد بھائی کو...... ؟" مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"مریم...... در...... وازہ...... بجا...... بجا...... ؤ" مومنہ نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیوں...... ؟" مریم کو تھوڑی سی ہچکچاہٹ محسوس ہوئی۔

"مر...... یم...... جاؤ......" وہ پوری قوت سے چلائی۔

اور مریم حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر واش روم کے دروازے کی جانب۔

"مریم...... جاؤ...... جاؤ......" وہ غصے سے چلائی اور اونچی آواز میں رونے لگی۔

مریم گھبرا کر واش روم کی جانب گئی اور واش روم کے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ مریم کو بھی پریشانی ہونے لگی۔ مریم نے پھر زور سے دروازہ بجایا تو تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ اسد کی آنکھیں اور ناک سرخ ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے سے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ بہت شدت سے رو رہا تھا۔ مریم نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور اس کے پاؤں میں شیشے کی کرچیاں بکھری ہوئی دیکھیں۔

اسد مریم کو اپنے سامنے دیکھ کر چونکا۔

"کی...... کیا بات ہے؟" اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ...... مومنہ...... آپی......" مریم مزید کچھ نہ کہہ سکی۔

اسد ایک دم گھبرا گیا اور واش روم سے قدرے بھاگتا ہوا مومنہ کی جانب لپکا...... اور مومنہ کو بیڈ پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر چونک گیا۔

"مومنہ...... یہ...... یہ......" حیرت اور خوشی سے اسد کی زبان سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے اور وہ اس کے ہاتھوں اور پاؤں کو ہاتھ لگا کر دیکھ رہا تھا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

"موی...... یُو............ یُو...... تو......" وہ انتہائی خوشی سے بولا۔

"اسد...... آ...... آپ......؟ مومنہ نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں اسد کے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں کی جانب بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں...... میں ٹھیک ہوں" اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اسد اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنی آنکھوں سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

مریم خاموشی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔

"فارگیو می...... پلیز فارگیو می...... (مجھے معاف کر دو) اسد نے روتے ہوئے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

مومنہ اسد کی جانب نم آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

اور اسد کے ہاتھوں میں سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اسد نے آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا۔ مومنہ نے اپنے ہاتھ کی پوروں سے اس کی آنکھوں سے آنسو صاف کرنے کی کوشش کی۔ اسد نے قدرے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور قدرے جذباتی انداز میں اس کا ہاتھ مضبوطی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اسے والہانہ انداز میں چومنے لگا اور اس کے قریب بیٹھ کر اسے اپنے گلے کے ساتھ لگا کر رونے لگا۔ مومنہ بھی روتی رہی۔

"پلیز...... ڈونٹ لیو می (مجھے مت چھوڑنا) اسد روتے ہوئے بار بار یہی بڑبڑا رہا تھا اور مومنہ اس کی بات سن کر حیران ہو رہی تھی اور سسکیاں بھر رہی تھی۔

"موی...... اٹس اے مریکل Miracle (یہ معجزہ ہے)...... آئی ایم ناٹ بلیونگ (میں یقین نہیں کر رہا) بٹ آئی ہیو ٹو بلیو اٹ (لیکن مجھے اس پر یقین کرنا ہے) اسد نے قدرے مضبوطی سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

آئی لو یو...... سویٹ ہارٹ...... آئی کانٹ لیو وداؤٹ یو (میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا) اسد نے اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے کہا اور اپنے ہاتھ کی انگلی سے دونوں آنکھوں سے آنسو صاف کیے اور مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے۔ مومنہ بھی زیر لب مسکرا دی۔

☆

معیز بے حد خوش تھا ایم بی اے کے فرسٹ سمسٹر کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا اور وہ بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوا تھا اسے بار بار مومنہ یاد آ رہی تھی جس کے ترغیب دلانے پر اس نے ایم بی اے میں داخلہ لیا تھا۔ اور ایم بی اے کے بارے میں اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا اور نہ ہی کسی سے رابطہ رکھا تھا۔ وہ مریم کے سامنے کچھ بن کر جانا چاہتا تھا کہ مریم اس کو دیکھ کر منہ نہ پھیرے۔ وہ مریم سے بہت محبت کرتا تھا اور اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ مریم کو بھی رزلٹ کے بارے میں نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ ایم بی اے مکمل کر کے اور کوئی اچھی جاب پانے کے بعد پھر مریم کو ملنے جائے گا۔ اور پھر اسے اپنے ساتھ لے کر آئے گا۔ ہمیشہ کے لیے۔

وہ مٹھائی لے کر مومنہ کے گھر گیا تو ہر جانب گہری خاموشی تھی۔ زکیہ آپا لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ ان کے پاس بیٹھی کھیل رہی تھی۔ ملازمہ نے کارپٹ پر اپنے سارے کھلونوں کا ڈھیر لگا رکھا تھا کبھی ایک کو پکڑتی تو کبھی دوسرے کو۔ زکیہ آپا اس کے پاس صوفے پر بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں۔

"السلام علیکم آنٹی۔۔۔"معیز نے اچانک ان کے پاس آ کر کہا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔۔" زکیہ آپا نے حیرت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا اور کھڑے ہو کر اس کے سر پہ پیار دیا۔

"بیٹھو۔۔۔۔بیٹا۔۔۔۔ادھر۔۔۔۔آؤ۔۔۔۔کیسے ہو تم۔۔۔۔؟اور۔۔۔۔تمہاری امی کیسی ہیں؟ زکیہ آپا نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہیں" معیز نے مسکرا کر جواب دیا۔

"مومنہ آپی کہاں ہیں۔۔۔۔؟میں ان سے ملنے آیا ہوں"

معیز نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ ہاسپٹل گئی ہے۔۔۔" زکیہ آپا نے جواب دیا۔

"ہاسپٹل۔۔۔۔کیوں؟معیز نے حیرت سے پوچھا۔

"فزیوتھراپی کے لیے۔۔۔اسد ہر روز اسے لے کر جاتا ہے" زکیہ آپا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیوں۔۔۔انہیں کیا ہوا ہے؟معیز نے حیرانگی سے پوچھا۔

"سلوت آپا کی اچانک وفات کا اس نے شدید اثر لیا اور اسے برین ہیمبرج ہو گیا" زکیہ آپا نے حقیقت چھپاتے ہوئے کہا۔

"او۔۔۔۔نو۔۔۔۔" وہ تاسف سے بولا۔

"وہ تین چار ماہ کومے میں رہی ہے۔ اب اللہ نے کرم کیا ہے۔۔۔۔بہت بہتر ہے۔ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی ہے مگر ابھی اسے بہت زیادہ کمزوری ہے ہر دوسرے تیسرے روز ہاسپٹل جاتی ہے۔ ماشاء اللہ اب بہتر ہو رہی ہے میں اور مریم تب سے ہی ادھر ہیں زکیہ آپا نے اسے بتایا

مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔۔۔۔'معیز نے کہا۔

"بس جو اللہ کو منظور۔۔۔۔انسان کو کیا معلوم ہوتا ہے کہ اگلے لمحے اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ یہ تو بس اللہ ہی جانتا ہے" زکیہ آپا نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔۔۔ہم سب بے حیثیت انسان ہیں۔۔۔۔اس کی حکمتیں اور فیصلے ہر شے پر غالب ہیں" معیز نے جواب دیا۔

"مریم۔۔۔۔مریم۔۔۔۔" زکیہ آپا نے مریم کو آواز دی۔

"آنٹی۔۔۔۔آپ مریم کو مت بلائیں۔۔۔۔میں مومنہ آپی کو یہ مٹھائی دینے آیا تھا۔ میری طرف سے انہیں سلام دیجیے گا۔ میں ان کی خیریت پوچھنے پھر آؤں گا۔۔۔۔اب میں چلتا ہوں' معیز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ۔۔۔۔مٹھائی۔۔۔۔کس بات کی ہے؟ زکیہ آپا نے قدرے تجسس سے پوچھا۔

''مومنہ آپی کو معلوم ہے.....''معیز نے جواب دیا اور اجازت لے کر وہاں سے چلا آیا۔

مریم کمرے سے باہر نکلی تو زکیہ آپا کے سامنے ٹیبل پر مٹھائی کا ڈبہ دیکھ کر چونکی۔

''یہ.....کون لایا ہے؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

''معیز ......'' زکیہ آپا نے جواب دیا۔

مریم کے چہرے پر حیرت کے تاثرات نمایاں ہوئے۔

''کیوں.....؟ مریم نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''معلوم نہیں......کہہ رہا تھا۔مومنہ کو معلوم ہے۔اسی کو دینے آیا ہوں۔زکیہ آپا نے بتایا تو مریم حیران رہ گئی کیونکہ چار ماہ سے تو مومنہ بیمار تھی۔اور اس دوران وہ کسی سے بات بھی نہیں کر سکتی تھی۔مریم کے دل میں مختلف قسم کے خیالات اور وسوسے سر اٹھانے لگے۔اسے سب سے زیادہ قلق یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ مریم کو ملے بغیر چلا گیا تھا۔

''کیا معیز کو معلوم تھا کہ ہم لوگ ادھر ہیں'' مریم نے بلاواسطہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں.....میں نے ہی اسے بتایا.....تمہیں آواز بھی دی.....مگر اس نے کہا.....مت بلائیں'' زکیہ آپا نے مریم کا بات پوچھنے کا مقصد بھانپتے ہوئے کہا۔

مریم کو دھچکا سا لگا وہ ایک دم خاموش ہو گئی.....اور اس کے چہرے پر مایوسی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے.....اور وہ کچن میں چلی گئی۔

اسد مومنہ کو وہیل چیئر پر بٹھا کر اندر لایا۔ابھی اسے چلنے پھرنے میں بہت پرابلم تھی مگر وہ روز بروز بہتر ہو رہی تھی اسد اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔اس کو خود ہاسپٹل لے کر جاتا تھا اس کے کھانے پینے اور میڈیسن اور ہر بات کا خود خیال رکھتا۔اور مومنہ کے لیے سب سے سکون کی بات یہ تھی کہ اسد نے ڈرنک کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا اور وہ بہت حد تک نمازوں کی بھی پابندی کرنے لگا تھا اور اسد میں یہ واضح تبدیلی دیکھ کر مومنہ بے حد خوش ہوتی تھی۔یہ خوشی اور اطمینان اس کی صحت کو بہتر بنانے میں بہت مدد کر رہا تھا۔

زکیہ آپا نے مومنہ کو معیز کی آمد اور مٹھائی کے بارے میں بتایا تو وہ چونک گئی اور لاعلمی کا اظہار کیا کہ اسے تو کچھ بھی معلوم نہیں.....مومنہ کی لاعلمی جان کر مریم کے دل میں اور وسوسے پیدا ہونے لگے۔

''آپی.....آپ خود معیز کو فون کر کے پوچھیں کہ وہ مٹھائی کیوں دے کر گیا ہے'' مریم نے بلاواسطہ انداز میں مومنہ کو اکیلے دیکھ کر کہا۔

''تم کیوں اپ سیٹ ہو رہی ہو؟ مومنہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں.....میں بھلا کیوں اپ سیٹ ہوں گی.....یونہی پوچھ رہی ہوں'' مریم نے بوکھلا کر جواب دیا۔

''معیز ......سے محبت ہو گئی ہے.....وہ یاد آتا ہے نا'' مومنہ نے پھر مسکرا کر پوچھا۔تو مریم نے سر جھکا دیا اور خاموش ہو گئی۔

''شکر ہے تم نے معیز کو پہچان لیا.....پہلے تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آتی تھی.....'' مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

"ہاں...... جب باتیں سمجھ میں نہ آ رہی ہوں تو وقت اور تجربات انسان کو خود بخود سمجھا دیتا ہے" مریم نے کہا۔

"معیز واقعی بہت اچھا انسان ہے۔ اس کی قدر کرنا...... وہ تمہیں بہت خوش دیکھنا چاہتا ہے...... اسے کبھی ہرٹ نہ کرنا...... ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں...... جو نفرت کا جواب بھی محبت سے دیتے ہیں......" مومنہ نے آہستہ آہستہ اسے سمجھاتے ہوئے قدرے رُک رُک کر کہا۔ اس کی زبان میں ابھی بھی لکنت سی تھی۔

"ہاں...... اب مجھے بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے" مریم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

مومنہ کا موبائل بجنے لگا...... مریم نے موبائل دیکھا تو زیر لب مسکرانے لگی۔

"معیز کا فون ہے" مریم نے مسکرا کر موبائل مومنہ کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

"بڑی لمبی عمر ہے اس کی" مومنہ نے موبائل پکڑتے ہوئے کہا۔

"ہیلو......" مومنہ نے قدرے ہکلاتے ہوئے اس سے بات کی وہ کافی دیر اس سے باتیں کرتا رہا (اور مریم تجسس سے اس کی جانب دیکھتی رہی)۔

مومنہ نے بات ختم کر کے موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور زیر لب مسکرانے لگی۔

"کیا ہوا ہے......؟ آپ مسکرا کیوں رہی ہیں؟ مریم نے انتظار کے بعد پوچھا کہ مومنہ اسے کچھ بتاتی ہے مگر مومنہ خاموش رہی۔

"آپی...... کیا معیز نے مٹھائی کے بارے میں کچھ بتایا ہے"

مریم نے پھر پوچھا۔

"ہاں...... اس نے ایم بی اے کا فرسٹ سمسٹر بہت اچھے نمبروں سے پاس کیا ہے۔ اسی خوشی میں مٹھائی لایا تھا۔

"ایم بی اے۔ کیا معیز ایم بی اے کر رہا ہے؟" مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں......" مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کب......؟" نادانستہ اس کے منہ سے نکلا اور اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

"اسلام آباد جانے سے پہلے وہ مجھ سے ملنے آیا تھا کہ میں تمہیں سمجھاؤں...... تب میں نے اسے کہا تھا کہ وہ اپنی تعلیم بڑھائے...... مریم کو کامیاب لوگ پسند ہیں...... اور تب اس نے ایم بی اے کا سوچا...... مریم...... معیز کو بس encourage (حوصلہ افزائی) کرنے کی ضرورت تھی۔ جو کام تمہیں کرنا چاہیے تھا...... وہ مجھے کرنا پڑا...... شکر ہے وہ میری بات سمجھ گیا اور اس نے ایم بی اے میں ایڈمشن لے لیا" مومنہ نے آہستہ آہستہ بتایا تو مریم نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

آئی ایم سوری...... نجانے مجھے اس وقت کیا ہو گیا تھا...... مجھے اس میں کوئی اچھی بات دکھائی نہیں دیتی تھی۔ مجھے اسے دیکھتے ہی غصہ آنے لگتا تھا" مریم نے آہ بھر کر کہا۔

"میں سب جانتی ہوں..... ایسا کیوں ہوتا تھا۔" مومنہ نے جواب دیا۔

"ہاں..... میری آنکھوں پر سنہری پٹی بندھی تھی۔ مجھے ہر چمکتی شے ہی نظر آتی تھی۔ کچھ اور دکھائی نہیں دیتا تھا۔ یا پھر میں دیکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔" مریم نے افسردگی سے جواب دیا۔

"شکر ہے..... تم جلدی ساری حقیقت جان گئی ہو..... ورنہ بہت دیر ہو جاتی" مومنہ نے فکرمندی سے کہا۔

"ہاں....." مریم نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"مریم..... معیز کو فون کر کے مبارکباد دو....." مومنہ نے کہا تو مریم نے چونک کر اسے یوں دیکھا جیسے اس نے کوئی انہونی بات کہی ہو..... مریم کی انا پر یہ کاری ضرب تھی۔ وہ جو معیز سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی اب اسے خود فون کر کے کیسے مبارکباد دے۔

"آپی..... معیز یہاں آیا تھا..... مگر اس نے مجھ سے ملنا بھی پسند نہیں کیا..... پھر میں کیسے..... اسے فون کروں؟" مریم خفگی سے بولی۔

"مریم..... پلیز..... چھوڑ دو..... یہ سب باتیں۔ ایک تو تم ہر بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتی ہو..... شوہر ناراض ہو۔ تو بیوی کو منا لینا چاہیے اور بیوی ناراض ہو تو شوہر کو منانا چاہیے" مومنہ نے آہستہ آہستہ اسے سمجھایا۔

"میں ناراض ہوں۔ اس لیے اسے منانا چاہیے" مریم منہ بنا کر بولی۔

"تم خوامخواہ ناراض ہو..... مسئلہ تم نے کھڑا کیا ہے..... اس نے نہیں..... وہ تو تمہاری ہر بات مانتا آیا ہے..... اس کو تمہاری محبت اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ وہ تمہارے فون سے بہت خوش ہوگا" مومنہ نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔ اور وہاں سے اٹھ کر نیچے آ گئی۔

مریم اور زکیہ آپا..... مومنہ کے ہاں گیسٹ روم میں ٹھہری تھیں..... زکیہ آپا اس وقت گیسٹ روم میں نہیں تھیں۔ وہ موبائل ہاتھ میں پکڑے گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ کبھی فون کرنے کو دل چاہتا تو انا آڑے آ جاتی..... اور اسے فون کرنے سے روکتی..... پھر نمبر ملاتی اور اگلے ہی لمحے آف کر دیتی۔ وہ کافی دیر یونہی کرتی رہی پھر دھڑکتے دل کے ساتھ اسے مبارکباد کا SMS کیا۔

معیز کا کوئی جواب نہ آیا..... وہ شدت سے منتظر رہی۔ اور گزرتے وقت کے ساتھ اسے غصہ آنے لگا۔

"وہ اپنے آپ کو نجانے کیا سمجھنے لگا ہے..... میں نے خوامخواہ آپی کے کہنے پر میسج کیا..... اور وہ یہ سمجھ رہا ہے شاید میں....."

اسے غصہ آنے لگا..... اور وہ معیز کے بارے میں نجانے کیا کچھ سوچنے لگی۔

"شام ہو گئی تھی اور مریم کو نہ تو معیز کا فون آیا تھا اور نہ ہی کوئی میسج..... اور اسے اپنی انسلٹ محسوس ہو رہی تھی کہ اس نے اپنی انا کو کچل کر قدم بڑھایا تھا اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ مریم غصے میں منہ پھلائے مومنہ کے کمرے میں گئی..... مومنہ نے اس کے بگڑے ہوئے موڈ کی وجہ پوچھی تو وہ پھٹ پڑی۔

آپی..... وہ نہیں بدل سکتا۔ اس کو بہتر آ ہی نہیں سکتے۔ میں نے آپ کے کہنے پر اسے مبارکباد کا میسج کیا تھا۔ اور اس نے جواب میں شکریہ بھی نہیں کیا۔ وہ غصے سے بولی۔

"معروف بھی ہو سکتا ہے۔فوراً ہی بدگمان نہ ہو جایا کرو" مومنہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپ ہمیشہ اسے ہی فیور کرتی ہیں" وہ غصے سے بولی۔

"ہاں.....وہ بہت اچھا ہے۔اس لیے....." مومنہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"میں ہی بری ہوں" اس نے غصے سے منہ پھلا کر کہا۔

"اس میں بھی شک نہیں.....بری ضرور ہو مگر تھوڑی سی......وہ زیادہ اچھا ہے" مومنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا.....بہت اچھے سے کپڑے پہن کر تیار ہو جاؤ.....تمہیں میرے ساتھ جانا ہے....." مومنہ نے ایک دم کہا۔

"کہاں.....؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"اسد کے ایک دوست کے ہاں.....انہوں نے ہمیں انوائیٹ کیا ہے.....میں وہاں اکیلی نہیں جانا چاہتی.....اسد کہاں تک میرا خیال رکھیں گے.....اس لیے تم ساتھ چلو"

مومنہ نے کہا۔

"میرا موڈ نہیں" اس نے خفگی سے جواب دیا۔

"مریم.....وہاں جانا بہت ضروری ہے.....پلیز" مریم نے بہت نرم لہجے میں کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

"سنو.....بہت اچھی طرح تیار ہونا.....تمہیں بہت خوبصورت لگنا چاہیے....." مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں.....؟" مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"بھئی تم میری بہن ہو نا.....اس لیے....." مومنہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کب جانا ہے.....؟" مریم نے پوچھا۔

"ایک گھنٹے تک اسد لینے آئیں گے" مومنہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے....." وہ آہستہ آواز میں کہہ کر باہر نکلنے لگی۔"اور.....ہاں.....پہلے اپنا موڈ ٹھیک کرو.....موڈ اچھا نہ ہو تو قیمتی کپڑے بھی اچھے نہیں لگتے....." مومنہ نے مسکرا کر کہا تو وہ زیر لب مسکرا کر باہر چلی گئی۔

مریم نے بہت خوبصورت فینسی ستاروں والا شاکنگ پنک کلر کا سوٹ پہنا تھا اور وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر تیار ہو رہی تھی۔

"اب وہ مجھے فون بھی کرے گا.....تو میں اس کی کال نہیں لوں گی" مریم نے لپ اسٹک لگاتے ہوئے سوچا۔

"آپی کہتی ہیں.....وہ معروف ہو گا.....ایسی بھی کیا معروفیت کہ اب تک صرف "تھینکس" لکھنے کا اسے ٹائم نہیں ملا.....آپی خواہ مخواہ اس کو فیور کرتی ہیں۔اب میں بھی آپی کی باتوں میں آ کر اس سے رابطہ نہیں کروں گی.....چاہے کتنی معافیاں کیوں نہ مانگے....." اس نے پرفیوم کا اسپرے کرتے ہوئے سوچا۔

''ابھی ایم بی اے مکمل نہیں کیا.....تو اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگا ہے.....ٹھیک ہے۔ سمجھتا ہے تو سمجھے..... مجھے بھی اس کی پرواہ نہیں'' اس نے اپنے لمبے بالوں پر برش کرتے ہوئے سوچا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ مریم نے جلدی سے سر پر دوپٹہ لیا اور دروازہ کھولا سامنے معیز خوبصورت پھولوں کا بوکے لیے کھڑا تھا اور محبت بھری نگاہوں سے اس کی جانب مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ مریم بوکھلا گئی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

''تھینکس .....'' معیز نے مسکراتے ہوئے کہا اور بوکے اس کی جانب بڑھایا۔ وہ جزبز ہوگئی اور ایک دم شرمندہ بھی ہوگئی اور بوکے پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے۔

معیز نے بوکے تھماتے ہوئے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے۔

''تھینکس فار یور لو..... آئی لو یو''

معیز نے محبت سے کہا تو وہ ایک دم گھبرا گئی اور جھینپ کر دروازے سے پیچھے ہٹ گئی۔

کیا میں اندر آ سکتا ہوں.....؟ معیز نے مسکراتے ہوئے اجازت طلب کی تو مریم نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

''تھینک یو.....'' معیز نے کمرے کے اندر آ کر مسکراتے ہوئے اور ایک صوفے پر بیٹھ کر مریم کی جانب دیکھنے لگا۔

''میں آپ کو لینے آیا ہوں..... کہ باہر جا کر اکٹھے ڈنر کریں گے..... اور آپ کو تھینکس کے ساتھ ساتھ ٹریٹ بھی دوں گا..... مگر..... آپ تو شاید کہیں جا رہی ہیں.....'' معیز نے ایک دم سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں..... وہ آپی کے ساتھ.....'' وہ آہستہ آواز میں بولی۔

''آئی ایم سوری.....'' ''میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔''

''آپ ان کے ساتھ جائیے'' معیز نے قدرے مایوسی سے کہا۔

تو مریم پریشان ہوگئی..... اور پریشانی سے ہونٹ چبانے لگی۔

''ٹھیک ہے..... میں پھر چلتا ہوں'' معیز اٹھتے ہوئے بولا اور دروازے کی جانب بڑھا۔

مریم کا دل بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ معیز یوں مایوس چلا جائے۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی..... وہ کشمکش میں پڑ گئی کہ کیا کرے..... معیز دروازے سے باہر نکلنے لگا۔

''ٹھہریئے.....'' مریم نے اسے روکنا چاہا۔ معیز نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

''میں..... آپی سے کہتی ہوں..... کہ'' وہ کہتے ہوئے رُکی۔

"کیا..... کہیں گی.....؟" معیز نے پرشوق نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا..... جیسے اس کی زبان سے اپنے لیے کوئی اہم بات سننے کے لیے بے تاب ہو..... مریم نے شرما کر چہرہ نیچے کرلیا۔

"آپ..... بیٹھیں..... میں ابھی آتی ہوں" اس نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔"

اس کے جانے کے بعد معیز خود بخود مسکرانے لگا۔

"آپی..... وہ..... "مریم..... مومنہ کے کمرے میں بوکھلائی ہوئی داخل ہوئی تو مومنہ تکیے کے سہارے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ مریم کی آواز پر اس نے آنکھیں کھول کر مریم کی جانب دیکھا اور مسکرانے لگی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو" مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

"آپی..... وہ..... وہ..... معیز آئے ہیں..... اور مجھے باہر ڈنر پہ لے کر جانا چاہتے ہیں" مریم نے پریشانی سے کہا۔

"ہاں..... تو جاؤ..... ضرور..... جاؤ" مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

"اور..... آپ.....؟ آپ ابھی تک تیار بھی نہیں ہوئیں"

مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"تم میری فکر نہیں کرو..... مجھے تو کہیں بھی نہیں جانا تھا" مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور..... وہ..... پارٹی..... اسد بھائی کے دوست نے..... وہ..... جو آپ نے بتایا تھا" مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں..... معیز تمہیں پارٹی ہی کے لیے تو لینے آیا ہے..... اور معیز اسد کا دوست بھی تو ہے نا..... معیز نے مجھے بھی انوائیٹ کیا تھا مگر میں کہاں جا سکتی ہوں" مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا..... کیا..... اس کا مطلب ہے آپ دونوں نے مل کر پلان کیا..... آپی....." وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

"اب جاؤ..... اور وقت ضائع نہ کرو..... اور سنو..... کوئی ناراضگی کی باتیں نہ کرنا..... خوبصورت..... محبت بھری باتیں کرنا..... اور خوب انجوائے کرنا..... بیسٹ آف لک" مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو مریم بھی مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆

"تین سال بعد"

سدرہ نے دس مرلے پر محیط ایک نیا گھر خریدا تھا۔ گھر بہت خوبصورت تھا۔ فرنیچر اور آرائشی سامان اوسط درجے کا تھا۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر براؤن کلر کا تازہ پینٹ ہوا تھا۔ ساری دیواریں آف وہائٹ ڈسٹمپر سے چمک رہی تھیں۔ دیواروں پر پلاسٹک کی مصنوعی بیلیں اور مختلف قسم کے پھولوں والے فریم آویزاں تھے۔ ہر چیز نئی دکھائی دے رہی تھی۔ فرش سفید سنگ مرمر کی ٹائلوں سے چمک رہے تھے منی اور سدرہ لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ دونوں نے اچھے خوبصورت سوٹ پہن رکھے تھے اور ان کے حلیے بھی کافی بہتر ہو چکے تھے۔ ہر روز پڑوس میں سے خواتین سدرہ کو نئے گھر کی مبارکباد دینے آ رہی تھیں۔ ابھی بھی دو چار خواتین مٹھائی لے کر آئیں تھیں اور لاؤنج میں سدرہ کے پاس صوفے پر بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھیں۔ منی ٹرالی میں سب کے لیے چائے اور دوسرے لوازمات لے کر آ گئی۔

"ماشاءاللہ...... آپ کا گھر بہت خوبصورت ہے" ایک درمیانی عمر کی عورت نے لاؤنج میں چاروں جانب نظریں گھماتے ہوئے کہا۔

"شکریہ...... بس اللہ کا کرم ہے" سدرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ کے شوہر کہاں ہوتے ہیں؟" دوسری عورت نے پوچھا۔

"پہلے کویت میں تھے...... پھر امریکہ چلے گئے ہیں" سدرہ نے جواب دیا۔

"اسی لیے...... گھر بن گیا...... ورنہ یہاں رہ کر تو ساری زندگی انسان گھر نہیں بنا سکتا...... وہ تو آپ کو ڈالرز بھیجتے ہوں گے" تیسری دبلی پتلی عورت نے پوچھا۔

"جی ...... اللہ کا شکر ہے" سدرہ نے جواب دیا۔

"سنا ہے آپ اس سال حج کرنے بھی جا رہی ہیں۔"

سدرہ کے سامنے بیٹھی پستہ قد عورت نے پوچھا۔

"انشاءاللہ ارادہ تو ہے" سدرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ماشاءاللہ...... اکیلی جا رہی ہیں...... یا شوہر کے ساتھ"

پہلی عورت نے پوچھا

"ہمسیذ اور بچے کے ساتھ......" سدرہ نے جواب دیا۔

"کیا وہ یہاں آئیں گے؟" دوسری عورت نے پوچھا۔

"نہیں......میں پہلے امریکہ جاؤں گی......اور پھر وہاں سے ہم دونوں حج کے لیے جائیں گے" سدرہ نے جواب دیا۔

"ماشاءاللہ......آپ امریکہ بھی جائیں گی" دوسری عورت نے کہا۔

"ہاں......ارادہ تو ہے......آپ چائے لیجیے نا......منی ان کو یہ بسکٹ اور مٹھائی بھی دو" سدرہ نے منی سے کہا۔

"یہ آپ کی کیا لگتی ہیں......؟ تیسری عورت نے منی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میری چھوٹی بہن ہیں......" سدرہ نے جواب دیا۔

"کیا ان کی شادی ہو گئی ہے؟ تیسری عورت نے دوبارہ پوچھا۔

"نہیں......منگنی کی ہے......اس کا منگیتر سعودی عرب میں ہوتا ہے۔حج پر جانے سے پہلے ان کی شادی کر کے جاؤں گی......سدرہ نے جواب دیا تو منی مسکرا دی۔

"ماشاءاللہ......آپ تو بہت خوش قسمت ہیں......کہ اللہ نے جوانی میں ہی آپ کو اپنا گھر بھی دے دیا......پھر اپنے گھر بھی بلا رہا ہے......اور دنیا کی بھی سیر کرا رہا ہے واہ......بھئی......کیا نصیب ہیں آپ کے......سچ......آپ جیسی قسمت تو بہت کم لوگوں کی ہوتی ہے" پستہ قد عورت نے رشک بھری نگاہوں سے سدرہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور اس کی بھرپور تعریف کی۔

سدرہ نے منی کی جانب نم آنکھوں سے دیکھا اور مسکرانے لگی۔

"ہاں......سب اللہ کی کرم نوازی ہے......ورنہ انسان کس قابل......" سدرہ نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"دعا کریں......اللہ ہم سب کو بھی آپ کی طرح نوازے......آپ جیسی کامیابیاں دے" چوتھی عورت نے مسکرا کر کہا۔

"کامیابیاں......؟ سدرہ نے چونک کر پوچھا۔

"یہ کامیابیاں نہیں تو اور کیا ہے......آج کل کے زمانے میں اپنا گھر بنانا......اللہ کے گھر جانا......دنیا کی سیر کرنا......اچھا گھر......اچھے کپڑے......اچھا کھانا پینا......یہ کامیابیاں ہی تو ہوتی ہیں" عورت نے تفصیلاً سمجھایا۔

"جی......بالکل......اللہ تعالیٰ سب کو نوازے" سدرہ نے کہا۔

"آمین" سب بلند آواز سے بولیں۔

"اب ہم چلتی ہیں......آپ کا گھر دیکھ کر اور آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے......اللہ سے ہمارے لیے بھی دعا کریں۔لگتا ہے اللہ آپ پر بہت مہربان ہے......اس کا آپ پر بڑا ہی کرم ہے۔" سب عورتوں نے اٹھتے ہوئے باری باری کہا۔

"آپ لوگوں کے آنے کا بہت شکریہ" سدرہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور سب کو گلے مل کر رخصت کیا۔

"لوگوں کو صرف 'کامیابی' نظر آتی ہے اور اس 'کامیابی' کے پیچھے کتنی طویل جدوجہد اور اذیتیں ہوتی ہیں۔وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتیں۔" سدرہ نے منی کے پاس بیٹھ کر آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... آپ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کاشف بھائی نے امریکہ جاتے ہی ڈالر بھیجے اور تم نے فوراً یہ گھر خرید لیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کس طرح کویت گئے۔ کتنی تنگی کے وہ دن تھے جب تیرا ابھی پیٹ کا آپریشن ہوا تھا اور کاشف بھائی کی نہ کوئی نوکری تھی نہ دکان۔ سوائے خالی جیب کے...... اور ہم سب دو وقتوں کی بجائے ایک وقت کی روٹی کھاتے تھے۔ صبح چائے کا خالی کپ...... ذیشان کو بھی سکول سے اٹھا لیا تھا اور پھر تنگ آکر کاشف بھائی کو اپنا گھر بیچنا پڑا...... کویت میں انہوں نے کتنی تکلیف کے دن گزارے اور پھر ایک امریکی انکل اپنے ساتھ امریکہ لے گیا اور وہاں وہ دن رات کام کرتے ہیں...... اور یہاں لوگ یہ سمجھتے ہیں بس راتوں رات امیر ہو گئے۔" منی نے آہ بھر کر کہا۔

"اور کاشف کے جانے کے بعد ہم کہاں کہاں کرائے کے گھروں میں خوار ہوتی رہی ایک ایک کمرے کے گھر میں...... وہ بھی مالک مکانوں کی بہت سی شرائط کے ساتھ سدرہ نے بھی نم آنکھوں کے ساتھ جواب دیا۔

"لوگ صرف ظاہر دیکھتے ہیں اندر کیا ہے...... ؟ کوئی جاننا بھی نہیں چاہتا" منی نے جواب دیا۔

"منی اب تک سفر کرتے کرتے میں تھک گئی ہوں۔ میرے اعصاب جواب دے گئے ہیں اپنے آپ سے لڑتے ہوئے...... اپنے نفس کی خواہشات اور ضروریات کو جھٹلاتے ہوئے۔ میرا دل چھلنی ہو گیا ہے اور میری روح تھک گئی ہے لوگوں کے نزدیک یہ کامیابیاں، کتنی اہم ہیں...... اور میں نے تو کبھی ان کامیابیوں، کی تمنا ہی نہیں کی۔

میں نے تو بہت ڈرتے ڈرتے زندگی کے اس سفر پر قدم رکھا اور ہر قدم یہ سوچ کر اٹھایا کہ خدا کرے میں اس کٹھن اور صبر آزما سفر میں کامیاب ہو کر گزروں۔ صرف اللہ کی رضا چاہتے ہوئے اور اس کے عطا کیے ہوئے ایمان کے سہارے پھونک پھونک کر قدم اٹھاتی رہی کہ میرے سے کوئی بھول نہ ہو جائے۔ کہیں میرے قدم لڑکھڑا نہ جائیں کہیں میرے پاؤں میں لغزش نہ آ جائے کہ ذرا سی بھی کوتاہی ہو جاتی...... تو ساری زندگی خسارے میں چلی جاتی...... دنیاوی خسارے برداشت کرتی رہی...... یہی سوچ کر...... کہ آخرت کے خسارے برداشت نہیں کر پاؤں گی" سدرہ سسکنے لگی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی سی شروع ہو گئی۔

"ہاں...... آپ نے بہت مشکل سفر طے کیا ہے...... مشکلیں...... رکاوٹیں...... طعنے...... بھوک...... غربت...... پریشانیاں...... اور......

منی نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"شکر ہے...... خدا کا جس نے بھرم رکھا...... اور عزت دی"۔

اس نے مسکرا کر ایک دیوار پر لگی خانہ کعبہ کی بڑی سی پینٹنگ کی جانب دیکھا خوشی اور تشکر کے احساس سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے مگر اس کی نظریں مسلسل پینٹنگ پر جمی رہیں...... جیسے اس کی طرف دیکھنا اس کے لیے سکون قلب کا باعث بن رہا ہو...... جیسے کوئی قدردان کسی کی محبت اور چاہت کی عزت کر رہا ہو...... جیسے کوئی کسی کو اپنے کرم اور رحمت سے نواز رہا ہو...... اور جیسے وہ مسکرا کر اپنے الفاظ دہرا رہا ہو۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس:9)

پس وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس (روح) کو پاک رکھا۔

اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہر طرف نورانیت سی پھیلنے لگی ہو۔ اس نے پرسکون سانس لی۔

☆

ڈاکٹر ثقلین ایک ہفتے کے لیے امریکہ جا رہے تھے انہیں انسانیت کی خدمات کے سلسلے میں ایک پاکستانی تنظیم کی جانب سے ایوارڈ مل رہا تھا جو پوری دنیا میں سے چند ایسے منتخب کردہ لوگوں کو ایوارڈ دے رہی تھی جنہوں نے اپنے اپنے ملکوں میں اپنے لوگوں کے لیے فلاحی کام سرانجام دیے تھے۔ علینہ اپنے ایک سالہ بیٹے آیان کی وجہ سے ان کے ساتھ نہیں جا رہی تھی ورنہ وہ ہر ملکی و غیر ملکی دورے پر ان کے ساتھ جاتی بلکہ اس نے ڈاکٹر ثقلین کے ساتھ مل کر پورے ملک میں اپنے ہاسپٹل کی برانچ کھولنے کا پلان کیا تھا اور دونوں اس پراجیکٹ پر کام کر رہے تھے آیان کی وجہ سے علینہ کے کام میں کچھ کمی آئی تھی ورنہ وہ دن رات اپنی ٹیم کے ساتھ مل کر فنڈز اکٹھے کرنے میں مصروف تھی۔ بہت سی این جی اوز اور دوسرے ملکوں میں پاکستانی تنظیموں سے نیٹ پر رابطے کرتی تھی۔ دو بڑے شہروں میں ان ہاسپٹلز نے کام کرنا بھی شروع کر دیا تھا اور باقی پر ابھی کام ہو رہا تھا۔

علینہ بڑے انہماک سے ڈاکٹر ثقلین کی ضرورت کی سب چیزیں سوٹ کیس میں پیک کر رہی تھی۔ آیان ڈاکٹر ثقلین کی گود میں کھیل رہا تھا اور وہ ساتھ ساتھ ایک فائل بھی دیکھنے میں مصروف تھے۔ کبھی کبھی انکھیوں سے علینہ کو دیکھتے جو ہینگرز سے ان کے کپڑے نکال کر ان کی بیگنگ تائیوں کے ساتھ پیک کر کے سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔ وہ علینہ کی جانب دیکھتے تو زیر لب مسکراتے۔ پھر آیان کی جانب محبت سے دیکھتے وہ بھی مسکرا کر ان کی جانب دیکھتا اور پھر کھیلنے لگتا۔ علینہ پیکنگ مکمل کرنے کے بعد ان کے پاس آ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''سنی..... میرے خیال میں ساری پیکنگ مکمل ہو گئی ہے'' وہ مسکرا کر بولی۔

''تھینکس.....'' انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''آپ ایک بار خود بھی دیکھ لیں..... کوئی چیز کم تو نہیں'' علینہ نے کہا۔

''آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھے کس کس چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے'' ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا..... مجھ پر بہت..... کونفیڈنس ہے..... آپ کو'' وہ مسکرا کر بولی۔

''ہاں..... ہے..... کیا نہیں ہونا چاہیے؟'' انہوں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''آپ کے کونفیڈنس نے ہی تو مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے.....؟ سنی میں اکثر سوچتی ہوں۔ اگر آپ میری زندگی میں نہ آتے اور اس قدر حوصلے صبر اور ہمت کا مظاہرہ نہ کرتے۔ تو میں آج کہاں ہوتی.....؟ شاید ختم ہو چکی ہوتی ثقلین کی طرح.....''

اس نے آہ بھر کر کہا۔

''اور خدا جن سے محبت کرتا ہے۔ انہیں ایسے لوگوں سے ملا دیتا ہے جو ان کی زندگیوں کو بدلنے کی ہمت رکھتے ہیں..... یقیناً خدا آپ سے بہت محبت کرتا ہے اور اس نے آپ سے بہت سے اچھے کام کروانے تھے جو آپ کو میرے لیے منتخب کیا'' ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر جواب دیا۔

''سنی..... جب میں ماضی کی طرف دیکھتی ہوں۔ تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ آپ نے میری وجہ سے بہت اذیت سہی۔ میں نے آپ کو

بہت برٹ کیا......اور آپ نے کتنے صبر اور خاموشی سے سب کچھ سہا۔ اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید......؟

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"ہاں......وہ زندگی کا بہت مشکل مرحلہ تھا......بالکل "پل صراط" جیسا......بہت تکلیف دہ صبر آزما اور اذیتوں سے پر......میری کوئی لغزش۔ میرا کوئی جذباتی فیصلہ یا کوئی قدم بھی ہم کو ایک دوسرے سے دور کر سکتا تھا۔ اور میں صرف ایک ہی بات پر سوچتا تھا کہ اگر میں نے کوئی بھی جذباتی قدم اٹھایا تو آپ کی زندگی بکھر جائے گی......اور......پھر میں خود بھی اپنے اندر گلٹ محسوس کرتا کہ میں دوسروں کی کیا اصلاح کر پاؤں گا جب میں اپنی لائف پارٹنر کو نہ ٹھیک کر سکا......بس بہت سی سوچیں تھیں اور میں خدا سے ہی مدد طلب کرتا رہا اور شکر ہے آج ہم دونوں کی زندگی خوشی اور سکون سے گزر رہی ہے۔ آج جب بہت سے لوگ ہمیں "آئیڈیل کپل" کہہ کر بلاتے ہیں تو میں چونک جاتا ہوں۔ اور سوچتا ہوں......کہ......انہیں کیا معلوم......ہم کتنا کٹھن اور مشکل مرحلہ طے کر کے آئے ہیں......وہ تو ہمیں اب دیکھتے ہیں خوش باش اور مسکراتے ہوئے" ڈاکٹر ثقلین نے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اور اس ہیپی لائف (خوش زندگی) کا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے" علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یقیناً آپ میں بھی کوئی ایسی بات ضرور ہوگی۔ جو خدا نے آپ کو میرے لیے منتخب کیا۔ اور وہ بات میں اب محسوس کرتا ہوں جب آپ دن رات میرے ساتھ میرے مشن کے لیے کام کرتی ہیں......آئی ایم پراؤڈ آف یو (مجھے آپ پر فخر ہے)" ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا "تھینکس فار دی کمپلیمنٹ......آپ کی ایسی باتوں سے مجھے بہت حوصلہ ملتا ہے۔ میرے اندر کونفیڈنس بڑھتا ہے اور میں پہلے سے بھی زیادہ اپنے آپ کو انرجیٹک (توانائی) محسوس کرتی ہوں" علینہ نے محبت سے ان کے ہاتھ کو چومتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

"ٹھیک ہے جناب......ہم آپ کا حوصلہ بڑھاتے رہیں گے......تا کہ ہمارا پراجیکٹ جلدی مکمل ہو جائے......علینہ وہ دن کتنا خوشی کا ہوگا جب ملک کے سارے شہروں میں ہمارے ہاسپٹل کی برانچز کام کریں گی" ڈاکٹر ثقلین نے پرامید لہجے میں کہا۔ انشاءاللہ......وہ دن جلد آئے گا......میری غیر موجودگی میں آپ نے جو کام کرنے ہیں اس کی پلاننگ کر لی ہے؟" ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"آپ اس کی فکر نہ کریں......میں نے سب کچھ پلان کر لیا ہے" علینہ نے جواب دیا اور آیان کو دادو کے پاس چھوڑ کر بالکل بے فکر ہو جانا......اسے ٹائم ضرور ملتا چاہیے" ڈاکٹر ثقلین نے آیان کو محبت سے چومتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے آپ کو neglect (نظر انداز) کر سکتی ہوں مگر آپ دونوں کو نہیں" علینہ نے مسکرا کر کہا۔

"اور ہم آپ کو neglect نہیں کر سکتے......آپ اچھی طرح جانتی ہیں" ڈاکٹر ثقلین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا میں سوٹ کیس کو لاک لگا دوں......؟" علینہ نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں......" ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر جواب دیا اور اس نے پھر اچھی طرح ساری چیزوں کو دیکھا اور اسے لاک لگا دیا۔ ڈاکٹر ثقلین کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

علینہ آیان کو گود میں بٹھائے ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تھی۔ اب وہ بہت قرینے سے لباس پہنتی تھی۔ فل سلیوز کے ساتھ ہمیشہ چادر یا دوپٹہ سر پر اوڑھتی اور باہر جاتے ہوئے اسکارف سے سر کور کرتی۔ وہ ناظر علی کشور اور عزا کے ساتھ پلازما دیکھنے میں مصروف تھی۔

سب کی نظریں ٹی وی پر تھیں۔ ڈاکٹر ثقلین ایوارڈ وصول کر رہے تھے اور سب بہت انہماک سے یہ تقریب دیکھ رہے تھے ہر طرف کیمرے آن تھے جو ان کی تصاویر لے رہے تھے۔ ناظر علی اور کشور کی آنکھوں میں فرطِ جذبات سے آنسو آ گئے......

"ماشاءاللہ...... خدا نظر بد سے بچائے" کشور نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

"ہمیں واقعی خدا کا بہت شکر ادا کرنا چاہیے جس نے ہمیں اتنے ہونہار اور قابل بیٹے سے نوازا۔ سارے خاندان کا نام روشن کر رہا ہے۔ ماشاءاللہ" ناظر علی نے بھی قدرے جذباتی ہو کر اپنی نم آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کہا۔

علینہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی جیسے وہ بھی بہت فخر محسوس کر رہی ہو۔

"بھابھی...... بھائی جان کب آ رہے ہیں؟ پاس بیٹھی عزا نے بھی خوش ہو کر پوچھا۔

"دو دن بعد......" علینہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"پاپا...... اس بار ہم سب ان کو ائیرپورٹ لینے جائیں گے...... پھولوں کے ہار لے کر" عزا نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں" ناظر علی نے جواب دیا۔

"پاپا...... ہار کل ہی لے آیئے گا" عزا نے معصومیت سے کہا۔

"میرا خیال ہے آج ہی نہ لے آؤں...... ہو سکتا ہے کل نہ ملیں۔"

ناظر علی نے مسکراتے ہوئے کہا تو سب نے کھلکھلا کر قہقہہ لگایا اور عزا کو ہمیشہ کی طرح اپنی بے وقوفی کا احساس بعد میں ہونے لگا۔

ایئرپورٹ پر بہت ہجوم تھا۔ علینہ بلیک اسکارف اور کوٹ پہنے سب گھر والوں کے ساتھ کھڑی ڈاکٹر ثقلین کا انتظار کر رہی تھی۔ ناظر علی نے آیان کو اٹھا رکھا تھا۔ کشور، عزا گلاب کے پھولوں کے ہار لیے کھڑے تھے۔ ڈاکٹر ثقلین نے انہیں دور سے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ اور جیسے ہی ہار پہنائے نجانے کہاں سے پریس فوٹو گرافرز آ گئے اور ڈاکٹر ثقلین کو مبارکباد دینے کے ساتھ ساتھ ان کی تصویریں بنانے لگے۔ ناظر علی نے آگے بڑھ کر انہیں خوشی سے گلے لگایا۔

"ایک منٹ پلیز...... مجھے اپنی فیملی سے مل لینے دیجیے" ڈاکٹر ثقلین نے کہا اور کشور سے ملنے گئے۔ کشور نے سر نت چوم کر انہیں گلے سے لگایا۔ عزا نے انہیں ہار پہنایا اور علینہ نے مسکرا کر ان کی جانب دیکھا ایکسکیوزمی...... مسٹر اینڈ مسز ثقلین میں آپ سے ایک چھوٹا سا انٹرویو کرنا چاہتا ہوں" ایک نوجوان صحافی نے ڈاکٹر ثقلین سے کہا۔

"جی فرمایئے......" ڈاکٹر ثقلین نے علینہ کے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر ثقلین...... ایوارڈ ملنے پر آپ کو مبارکباد...... سنا ہے ہماری گورنمنٹ بھی آپ کے لیے ایوارڈ اناؤنس کر رہی ہے اس اے بگ اچیومنٹ

......(یہ بہت بڑی کامیابی ہے) اور آپ کا مشن بھی بہت بڑا ہے۔ آپ یتیم کے لیے بہت کام کر رہے ہیں۔ آپ کے ہاسپٹل لوگوں کو فری سروسز دے رہے ہیں۔ اب آپ کی مسز بھی آپ کے مشن میں شامل ہیں اور بہت سی ویلفیئر آرگنائزیشنز بھی آپ کو سپورٹ کر رہی ہیں۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ مسز ثقلین کیا ڈاکٹر صاحب کی کامیابی کا کریڈٹ آپ کو ملنا چاہیے؟" صحافی نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں......" علیزہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مطلب......؟" صحافی نے چونک کر پوچھا۔

"ان کی کامیابی کے پیچھے یقیناً ان کی مدد کا ہاتھ ہے۔ مگر مجھے ڈاکٹر صاحب بہت سپورٹ کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہر مرد کو عورت اور عورت کو مرد کی اسپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی بھی عورت، باپ، بھائی اور شوہر کی اسپورٹ کے بغیر کوئی ترقی نہیں کرسکتی اور مرد کو بھی عورت کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہوتی ہے۔" علیزہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ایکسکیوزمی ڈاکٹر ثقلین......" ایک اور صحافی نے سوال کرنا چاہا۔

"پلیز...... بعد میں......" ڈاکٹر ثقلین نے ہار اپنے گلے سے اتارتے ہوئے کہا۔

"ایکسکیوزمی...... ایکسکیوزمی" صحافیوں کا ہجوم ان کے پیچھے پڑ گیا اور وہ جلدی سے علیزہ کے سنگ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اپنی گاڑی میں بیٹھے۔

علیزہ جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی اور تیزی سے گاڑی کو ریورس کیا اور...... مسکرا کر ڈاکٹر ثقلین کی جانب دیکھنے لگی۔

"Congratos......" علیزہ نے مسکراتے ہوئے ڈاکٹر ثقلین سے کہا۔

"تھینکس......" انہوں نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

پراجیکٹ کہاں تک پہنچا......اپنی پراگریس......؟" ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

"یس......کوائٹ ہوپ فل (ہاں۔ کافی پرامید) بہت سے لوگ ہوپ فل contribute کرنے کو تیار ہیں......انشاءاللہ جلدی کام مکمل ہو جائے گا" علیزہ نے پرامید لہجے میں جواب دیا۔

"تھینکس گاڈ......" ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں۔ اتنی عزت ملنے پر" علیزہ نے پوچھا۔

"ویری ہیپی...... ایکسائٹڈ......اینڈ تھینک فل ٹو گاڈ" انہوں نے مسکرا کر جواب دیا تو علیزہ بھی مسکرانے لگی اور گاڑی کو ریس دی۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ (التین 4)

مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

☆

ایک چھوٹے مگر ویل فرنشڈ گھر کے لاؤنج میں ایک کارنر میں شیشے کی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے مریم اور معیز ڈنر کر رہے ہیں۔ معیز کا حلیہ بہت بہتر ہو گیا ہے اس نے بلیک پینٹ کوٹ پہن رکھا ہے اور بہت سوبر دکھائی دے رہا ہے۔ مریم نے بھی وہائٹ اور فیروزی کلر کا خوبصورت کڑھائی والا سوٹ پہنا ہے۔ وہ بھی چہرے سے بہت خوش اور مطمئن دکھائی دیتی ہے۔ دونوں کھانا کھانے میں مصروف ہیں۔ لاؤنج بہت اسٹائلش انداز میں ڈیکوریٹ ہوا ہے۔

"مریم...... مجھے کمپنی کی طرف سے دس روز کی چھٹی مل رہی ہے۔ کیوں نا آؤٹنگ ہو جائے" معیز نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

"کیوں...؟" مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"بھئی...... میری پرفارمنس سے اونرز بہت خوش ہیں اور چھٹی کے ساتھ ساتھ بونس بھی مل رہا ہے۔ تنخواہ بھی بڑھ گئی ہے۔ میں بھی کام کر کر کے تھک گیا ہوں۔ چلیں مری، اسلام آباد چلتے ہیں۔ فریش ہو جائیں گے" معیز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... مجھے ابھی کالج میں جاب لیے تھوڑے دن ہوئے ہیں...... چھٹی نہیں ملے گی اور ویسے بھی جب تک ہمارا اپنا گھر نہیں بن جاتا۔ ہم کوئی فضول خرچی نہیں کریں گے۔ کب تک کرائے کے گھروں میں رہیں گے۔ میں نے اسی لیے تو جاب شروع کی ہے کہ دونوں مل کر سب سے پہلے اپنا گھر بنائیں گے...... پھر کوئی اور کام کریں گے" مریم نے پانی پیتے ہوئے جواب دیا۔

"مریم آپ کو تو آؤٹنگ کا بہت کریز ہوتا تھا۔ ہوٹلنگ کا...... اور شاپنگ کا...... اب سارے شوق کہاں گئے؟" معیز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وقت کے ساتھ priorities (ترجیحات) بدل جاتی ہیں۔ پریکٹیکل لائف انسان کو میچور بنا دیتی ہے۔ اور ویسے بھی اماں کو چھوڑ کر میں نہیں جا سکتی۔ آپ ہی کہتے تھے نا کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو...... بس اب وہی سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں" مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آئی نو...... اماں بھی آپ کی بہت تعریف کرتی ہیں۔ مریم کیا اماں سو رہی ہیں؟" معیز نے پوچھا۔

"ہاں...... ان کی میڈیسن کا ٹائم ہو رہا تھا۔ اور آپ نے لیٹ آنا تھا۔ اس لیے انہیں کھانا کھلا دیا تھا اور میڈیسن۔ اب وہ کھا کر سو رہی ہیں" مریم نے جواب دیا۔

"تھینکس...... آپ اماں کا بہت خیال رکھتی ہیں" معیز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور...... آپ کا......؟" مریم نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"معلوم نہیں" معیز نے جان بوجھ کر مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے...... جو خیال رکھے...... اسے لے آیئے" مریم نے جان بوجھ کر منہ بناتے ہوئے کہا اور کرسی سے اٹھی۔

"کیا غضب کرتی ہیں۔ بڑی مشکل سے تو پہلی کو منا کر لایا ہوں۔ دوسری کیا گل کھلائے گی نہ بابا میں افورڈ نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی پہلی سے مجھے محبت بہت ہے...... اس کے لیے کیا کیا برداشت کیا ہے...... میرے دل سے پوچھیے" معیز نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

"آئس کریم کھانے چلیں۔ کہ وہ بھی گھر بننے کے بعد......؟" معیز نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے..... کچن میں عنیقہ کو بتا آؤں کہ اماں کا خیال رکھے۔ وہ کچن میں ہے" مریم مسکراتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

"میں گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں" معیز نے گاڑی کی چابی اور موبائل ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔

اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (النساء19)

عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور خدا اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔

☆

مومنہ سر پر چادر لیے اور اس سے آدھا چہرہ ڈھانپے لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تھی وہ پہلے کی طرح صحت مند اور تندرست ہو گئی تھی۔ اس کے سامنے نظام دین بیٹھا تھا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ بوڑھا کمزور اور بیمار لگ رہا تھا۔ بار بار کھانس رہا تھا۔

"نظام دین مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ بیمار رہنے لگے ہیں۔ کیا بیماری لگی ہے کہ آپ اتنے کمزور ہو گئے ہیں" مومنہ کا لب ولہجہ ہو بہو سطوت آپا جیسا تھا۔

"ٹی۔بی" وہ آہستہ آواز میں بولا۔

"اوہ..... کیا علاج کروا رہے ہیں؟" مومنہ نے پوچھا۔

"جب ممکن ہوتا ہے۔ کروا لیتا ہوں" نظام دین نے مایوسی سے جواب دیا۔

"آج کل آپ کہاں کام کر رہے ہیں؟" مومنہ نے پوچھا۔

"فیکٹری میں ملازمت تھی۔ بیماری کی وجہ سے چھوٹ گئی..... اب جو کام مل جاتا ہے وہ کر لیتا ہوں" نظام دین نے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

"خیرن بوا اور ثروت بوا کیسی ہیں؟" مومنہ نے پوچھا۔

"خیرن بوا کو پچھلے ماہ فالج ہوا تھا۔ اور ثروت ٹھیک ہے۔

نظام دین نے جواب دیا۔

"نظام دین ہم یہ گھر بیچ رہے ہیں..... سرونٹ کوارٹر میں آپ کا کچھ سامان پڑا ہے....." مومنہ نے پوچھا۔

"ہمیں کچھ نہیں چاہیے..... جو ضروری سامان تھا وہ ہم لے گئے تھے اور کسی شے کی ضرورت نہیں۔ وہ آپ پھینک دیں" نظام دین نے جواب دیا۔

"نظام دین میں نے آپ سے کچھ کہنا ہے..... لیکن وعدہ کریں آپ انکار نہیں کریں گے" مومنہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

نظام دین سوچ میں پڑ گیا اور اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"جی حکم..... ہم اس خاندان کے پرانے نمک خوار ہیں..... آپ کو کیسے انکار کر سکتا ہوں؟" نظام دین نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

مومنہ نے اپنے پاس پڑا ہوا ایک ہینڈ بیگ کھولا......اور اس میں سے کچھ کاغذات اور چابیاں نکالیں۔

"نظام دین آپ کی ایک امانت میرے پاس ہے۔۔۔دادو نے فوت ہونے سے کچھ روز پہلے خیرن بوا اور آپ لوگوں کے بارے میں ایک وصیت کی تھی......مگر میں خود ہی ڈر گئی اور سب کچھ بھول گئی۔اب کچھ روز پہلے سب کچھ یاد آیا ہے اور میں نے آپ کو اسی لیے بلایا ہے......پرانے محلے میں دادو کا ایک پرانا گھر ہے جو انہوں نے کرائے پر دے رکھا تھا۔دادو نے کہا تھا کہ یہ گھر آپ کے نام کر دیا جائے۔اسد نے اس کی دوبارہ تعمیر کرائی ہے اب وہ بہت اچھی حالت میں ہے اور اس میں تمام فرنیچر بھی سیٹ کروا دیا ہے۔یہ اس گھر کے کاغذات اور چابیاں ہیں۔جلد ہی یہ آپ کے نام منتقل کر دیا جائے گا۔"

مومنہ نے کاغذات اور چابیاں نظام دین کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا نظام دین حیرانگی سے مومنہ کی جانب دیکھنے لگا اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔

"نظام دین لیجیے۔۔۔یہ آپ کا حق ہے آپ لوگوں نے ہمارے خاندان کی بہت خدمت کی ہے......یہ آپ کا حق بنتا ہے۔"

مومنہ نے پھر کہا تو نظام دین نے کپکپاتے ہاتھوں سے کاغذات اور چابیاں پکڑیں۔

"نظام دین...خیرن بوا اور آپ کے علاج کے لیے ہر ماہ ہم آپ کو بیس ہزار روپے بھجوایا کریں گے...اپنا علاج کرائیے اور جلد صحت یاب ہو کر دوبارہ کام پر آ جائیے۔ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔آپ کی خدمت کی نہیں......آپ کی دعاؤں اور خلوص کی......جو کچھ ہوا اس کے لیے ہمیں معاف کر دیجیے......"مومنہ نے نم آنکھوں سے کہا تو نظام دین اس کی بات سن کر سسکنے لگا۔

"چھوٹی بیگم......آپ؟ وہ تشکر کے احساس سے رونے لگا۔

"نظام دین...کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔مجھے آپ کی انا اور خودداری بہت عزیز ہے۔خیرن بوا اور ثروت بوا کو سلام دیجیے گا۔۔۔اور میں جلد حاضر ہونے کی کوشش کروں گی۔آپ کے نئے گھر میں"مومنہ نے مسکرا کر کہا تو نظام دین اپنی نم آنکھوں کو پونچھنے لگا۔

"شکریہ...بیگم صاحبہ"نادانستہ نظام دین کے منہ سے نکلا۔جو مومنہ کو ہمیشہ "چھوٹی بیگم" اور سطوت آپا کو "بیگم صاحبہ" کہہ کر بلاتا تھا آج خود بخود اس کے منہ سے "بیگم صاحبہ" نکلا۔تو وہ مسکرا دی۔

ہمیں "چھوٹی بیگم" ہی کہہ کر بلائیے......میں ان جیسی کہاں؟ مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"جی...چھوٹی بیگم اب میں چلتا ہوں" نظام دین اُٹھتے ہوئے پوچھا۔

نئے گھر میں جلدی شفٹ ہو جائیں۔میں آپ کا یہاں رکھا سامان بھی وہیں بھجوا دوں گی۔"مومنہ نے کہا تو اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا اور کھانستا ہوا......سلام لے کر وہاں سے چلا گیا۔

اسد مومنہ کو نیا گھر دکھانے لایا تھا۔جو پہلے گھر سے بھی بہت بڑا، خوبصورت اور عالیشان تھا۔

اسد نے چھوٹی چھوٹی داڑھی رکھ لی تھی جو اسے بہت اچھی لگ رہی تھی۔مومنہ، ماہا اور اسد نئے گھر میں داخل ہوئے......تو مومنہ حیرت سے ارد گرد دیکھنے لگی۔انتہائی وسیع و عریض سرسبز و شاداب لان......بڑے بڑے ویل فرنشڈ کمرے ہال نما لاؤنج......پرانے محلات جیسی آرائش و

سجاوٹ...... ہر چیز میں قرینہ، نفاست اور دلکشی تھی۔

"کیسا لگا نیا گھر...؟" اسد نے مومنہ سے پوچھا۔ "بہت خوبصورت ہے" مومنہ نے اپنا نقاب چہرے سے نیچے سرکاتے ہوئے جواب دیا۔

"ماہا خوشی سے اِدھر اُدھر کو دوڑ رہی تھی۔"

"میں وہ گھر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ جس میں دادو کے وجود کی خوشبو بسی تھی مگر اب اس گھر سے مجھے وحشت ہونے لگی تھی بہت سی تلخ باتیں دل کو افسردہ کر دیتی تھیں۔ اسد نے آہ بھر کر کہا۔

"ہاں...... یہ بات میں نے بہت عرصہ پہلے محسوس کرنا شروع کی تھی" مومنہ نے جواب دیا۔

"اس نئے گھر میں دادو کی کمی بہت محسوس ہو گی۔" اسد نے نم آنکھوں کے ساتھ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو ان کی کمی ہر پل، ہر لمحہ محسوس ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے زندگی میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے جو پُر ہی نہیں ہو رہا" مومنہ نے بھی نم آنکھوں سے جواب دیا۔

"ہم آنٹی زکیہ کو یہاں لے آئیں گے...... گھر میں بزرگوں کے وجود اور دعاؤں سے بہت رحمت ہوتی ہے" اسد نے کہا۔

"ہاں...... مگر وہ نہیں آئیں گی۔ وہ اپنے گھر میں رہ کر بہت بڑا کام سر انجام دے رہی ہیں۔ بہت سے بچوں کو قرآن کی تعلیم دے رہی ہیں۔ اتنے بڑے مشن کو چھوڑ کر وہ کیسے آئیں گی" مومنہ نے جواب دیا۔

"کچھ لوگوں سے قدرت کتنے بڑے بڑے کام کس قدر خاموشی سے کرواتی ہے جیسے ڈاکٹر ثقلین سے......" اسد کے منہ سے نکلا۔

"ڈاکٹر ثقلین......؟ آپ انہیں کیسے جانتے ہیں؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھے اپنے آپ سے اور خدا سے ملانے والے وہی تو ہیں۔ جب آپ بیمار تھیں۔ تب انہوں نے میرا بہت ساتھ دیا۔

"ہی از مائی فرینڈ ناؤ" اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہی از اے ونڈرفل مین (وہ بہت زبردست انسان ہیں) مومنہ نے جواب دیا۔

"مومنہ ڈاکٹر ثقلین ملک کے سب شہروں میں اپنے ہاسپٹل کی برانچز کھول رہے ہیں۔ میں چاہ رہا ہوں کہ دادو کے نام سے ایک چیریٹی ہاسپٹل بنواؤں اسد نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"واٹ نائس...... شیور...... اتنا اچھا آئیڈیا...... اس پر آپ کو فوراً کام کرنا چاہیے...... دادو کی برسی پر اس ہاسپٹل کو اسٹیبلش ہو جانا چاہیے" مومنہ نے خوش ہو کر کہا۔

"ان شاء اللہ......" اسد نے مسکرا کر کہا، اور دونوں کوریڈور سے باہر نکلے۔ ماہا لان میں پھولوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

"مومنہ اس گھر میں بھی میلاد ہونا چاہیے......" اسد نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... مجھے سب یاد ہے...... دادو کی بتائی ہوئی سب باتیں۔ اس خاندان کی روایات...... سب کچھ...... اور اس بار میلاد پڑھنے امی آئیں گی...... اور میں" مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

"کاش وہ دن لوٹ آئے..... کاش دادو....." اسد کی آنکھیں پرنم ہونے لگیں۔

"دادو..... کہیں نہیں گئیں..... دادو ہم میں زندہ ہیں..... جب تک وہ ہماری باتوں میں زندہ رہیں گی..... وہ ہم سے کبھی دور نہیں ہوں گی۔ اور اس گھر میں بھی دادو کا کمرہ خود ڈیکوریٹ کروں گی" مومنہ نے محبت سے اسد کے ہاتھ کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا تو وہ زخمی مسکراہٹ سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"ماہا..... ادھر آؤ..... ہم جا رہے ہیں" مومنہ نے ماہا کو آواز دی جو لان میں پھولوں کے ساتھ کھیل رہی تھی اور بہت سے پھول توڑ کر ان کے لیے لائی تھی اور دونوں کو پکڑا کر خوشی سے تالیاں بجانے لگی۔ دونوں نے اسے پیار کیا اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ مومنہ نے نقاب سے اپنا چہرہ کور کیا اور اسد کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اسد گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔

"اسد..... امی کو میلاد کی دعوت دینے چلیں" مومنہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے....." اسد نے جواب دیا۔

زکیہ آپا برآمدے میں بچھے تخت پوش پر عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہی تھیں۔ چہرے پر ہاتھ پھیر کر وہ باہر صحن میں آئیں جہاں دس بارہ سال کی پانچ چھ بچیاں فرش پر چٹائی بچھائے بیٹھی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں سیپارے تھے۔

زکیہ..... آپا نے مخصوص قرأت کے ساتھ اگلی آیت اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ O پڑھائی۔

"اب پانچ بار اس آیت کو پڑھو۔ اسی طرح جس طرح میں نے پڑھی ہے"

زکیہ آپا نے کہا۔

باہر کا دروازہ کھلا۔ مومنہ، ماہا اور اسد اندر داخل ہوئے بچیاں بلند آواز میں آیت پڑھ رہی تھیں صحن میں ان کی آواز گونج رہی تھی۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ O

ہمیں سیدھا راستہ دکھا

اسد اور مومنہ نے اچانک آسمان کی جانب دیکھا دل اور زبان سے سرگوشی کے انداز میں (آمین) کہا۔ دونوں نے پرسکون گہری سانس لی اور مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

زکیہ آپا بھی ان کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

(ختم شد)